وَإِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ

اور بے شک آپ بہت بڑے اخلاق پر ہیں (القلم)

جلد دوم

شمائل ترمذی

مع اردو ترجمہ و شرح

افادات

مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی مدظلہ

بانی، مدرسہ نصرۃ العلوم، جامع مسجد نور گوجرانوالہ

مرتب

الحاج لعل دین ایم اے (علوم اسلامیہ)

مقدمہ، اضافہ، حاشیہ

مولانا حاجی محمد فیاض خان سواتی

مہتمم مدرسہ نصرۃ العلوم جامع مسجد نور، گوجرانوالہ

ناشر: مکتبہ دروس القرآن، فاروق گنج، گوجرانوالہ، پاکستان

طبع اوّل

جملہ حقوق بحقِ انجمن محفوظ ہیں

نام کتاب ——— شمائل ترمذی مع اردو ترجمہ و شرح جلد دوم

افادات ——— مفسّرِ قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی مدّظلہ

مرتّب ——— الحاج لعل دین ایم۔ اے (علومِ اسلامیہ)

مقدّمہ، اضافہ و حاشیہ ——— مولانا حاجی محمد فیاض خان سواتی

مطبع ——— حسن پرنٹرز لاہور

ناشر ——— مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ

سرورق ——— محمد امان اللہ قادری

کتابت ——— حافظ شوکت محمود صدیقی

قیمت ——— ایک سو ساٹھ (-/۱۶۰) روپے

تاریخ طبعِ اوّل ——— شعبان المعظم ۱۴۱۹ھ بمطابق دسمبر ۱۹۹۸ء

فہرست مضامین شمائل ترمذی مع اردو ترجمہ وشرح جلد دوم

مقدّمہ

از : محمد فیاض خان سواتی مہتمم مدرسہ نصرۃ العلوم جامع مسجد نور گوجرانوالہ

حامداً و مصلیاً :

زباں تا بود در دہاں جائے گیر ثنائے محمّد بود دلپذیر

(سعدیؒ)

حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے رفع الی السّماء کو ۵۷۱ برس کا طویل عرصہ بیت چکا تھا اس دوران کفر و شرک کی دبیز سیاہ چادر نے پورے عالم کو اپنے مہیب سایہ کی آغوش میں سمیٹ لیا تھا عمرو بن لحی نے اہلیانِ عرب کے اذہان و قلوب میں شرک و بُت پرستی کا نشتر بڑی دیدہ دلیری سے پیوست کر دیا تھا جس نے عرب معاشرہ کے رگ و ریشہ میں ایک ناسور کی حیثیت اختیار کر لی تھی بطحاء کی مبارک سرزمین جرائم و فواحش کے بوجھ تلے دب چکی تھی بناتِ آدم کی ولادت پر انھیں باعثِ ننگ و عار سمجھتے ہُوئے زیر زمین دفن کر دیا جاتا تھا، شراب نوشی عام تھی، جنگ و جدل کی بہتات تھی، قبائلی عصبیت کا دَور دَورہ تھا، بدکاری کی فراوانی اور قتل و قتال ایک قابلِ فخر معاشرہ گردانا جا رہا تھا ایک سو بیس برس تک طویل ترین خاندانی جنگیں لڑی جا رہی تھیں اور باہمی رقابتوں اور ناچاکیوں سے ایک دوسرے کے گلوں پر خنجر گھونپے جا رہے تھے ہر آدمی اپنے ہاتھ اپنے ہی اعزہ و اقارب کے خون سے رنگین کیے ہوئے تھا انسانیت ریزہ ریزہ ہو چکی تھی آدمیت نے بہیمیت کا لبادہ اوڑھ لیا تھا اور پورا عرب کفر و شرک اور نفاق کے طوفانی تھپیڑوں کے رحم و کرم کی وجہ سے بے بسی کی دلدل میں گھسا چلا جا رہا تھا زمانہ کی بوقلمونیوں نے عربوں کو تہذیب و شائستگی سے تہی دامن کر دیا تھا علم و اخلاق سے بے بہرہ، اعلیٰ ظرفی سے نابلد، وقار و متانت سے عاری اور ادب و آشتی سے ناآشنا کر دیا تھا ایسے بے راہ رو معاشرہ کے لیے اس وقت ایک مصلحِ اعظم کی بے حد ضرورت تھی جو اس بگڑی تگڑی قوم کو معبودانِ باطلہ سے دُور

ہٹا کر خدائے وحدہٗ لاشریک کے دَر پر جھکنے کا درس توحید دیتا بالآخر وہ گھڑی بھی آن پہنچی جس کے لیے قدرت نے اس گلستان کو سجایا اور چمنستان کو رنگینیوں سے مالا مال کیا تھا، اس ہستی نے اس عالم آب و گل میں قدم رنجہ فرمایا ہی تھا کہ قدرتِ ایزدی جوش میں آئی دُنیا میں تغیرات نے اودھم مچا دیا کسریٰ کے بلند و بالا محلات کے کنگرے زمین بوس ہو گئے ایک ہزار سال سے مسلسل شعلے مارنے والی آتش پرست مجوسیوں کی آگ پر اوس پڑ گئی اور وہ سسکتے سسکتے دم گھٹ گئی اور دیگر کئی حیرت انگیز واقعات و معجزات ظہور پذیر ہوئے جن سے اہلِ کتاب کے مذہبی طبقہ میں کھلبلی مچ گئی اور وہ نبی آخر الزمان علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی آمد کی پیشین گوئیوں کو اپنی آنکھوں سے ظاہر ہوتا دیکھ رہے تھے لیکن وہ قدرت کے مقرر کردہ نظام میں باوجود اپنے مکروہ ہتھکنڈوں کے استعمال کے بھی بند نہ باندھ سکے اور وہ ہستی دُنیا میں جلوہ گر ہوئی اس ہستی نے اپنی ترسیٹھ سالہ مختصر سی زندگی کے ماہ و سال اللہ ربّ العزّت کے احکام بنی نوعِ انسان تک پہنچانے کے لیے ہمہ تن مصروف کر دیئے انھوں نے اپنے اقوال و افعال سے انسانیت کے لیے زرّیں اُصول قائم فرمائے، اپنی نشست و برخاست سے اُمّت کے لیے بے مثل طور طریق کے ضوابط مقرر فرمائے، اپنے کھانے پینے کے آداب سے معاشرہ میں شائستگی کے جوہر پیدا فرمائے، اپنی حالت جنگ و امن سے رہتی دنیا تک کے لیے سنہری قواعد سکھلائے، اپنے گفتار و کردار عدل و انصاف اور خوش اخلاقی سے مشرکین و کفار کی بڑی بڑی سر برآوردہ شخصیّتوں کو گرویدہ بنا لیا جو باوجود مخالفت کے بھی آپ کو صادق و امین کے لقب سے یاد کرتے ہوئے فخر محسوس کرتے تھے آپ کی بدولت بھٹکی ہوئی انسانیت کے لیے حق کا باب وَا ہُوا اور اس میں داخل ہونے والے ابدی فتح مندی سے سرفراز ہو کر صراطِ مستقیم پر گامزن ہوئے۔ ؎

یا صاحب الجمال و یا سیّد البشر
من وجہک المنیر لقد نوّر القمر
لا یمکن الثّناءُ کما کان حقّہٗ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

زیر نظر کتاب شمائلِ ترمذی مع اردو ترجمہ و شرح جلد دوم حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام

کے ان ہی شمائل وخصائل سے مملو ہے جسے اپنانا اور اس پر عمل پیرا ہونا ہر مومن مسلمان کے لیے سرمدی فوز وفلاح کا پیام ہے شمائل ترمذی جو کہ امام محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ کی شمائل کے موضوع پر نہایت ہی اہم اور قابلِ اعتماد کتاب ہے جو کہ فن حدیث ہی کا ایک شعبہ ہے اس موضوع پر کوئی اور کتاب اپنی جامعیت، ثقاہت اور مستند ہونے میں اس پر سبقت نہیں لے جا سکی۔ اس کتاب کے کل چھپن ابواب ہیں جو کہ چار سو احادیث پر مشتمل ہیں ان میں سے ابتدائی پچیس ابواب کی شرح ہم جلد اوّل میں پیش کر چکے ہیں اور ساتھ ہی امام ترمذیؒ اور ان کی اس کتاب کا مفصّل تعارف، اصولِ حدیث کی ضروری اور مفید ابحاث، شمائل ترمذی پر لکھی جانے والی عربی، اردو اور فارسی شروحات کا تذکرہ بھی بسط وتفصیل سے لکھ چکے ہیں۔ اب اس جلد ثانی میں باقی اکتیس ابواب کی شرح اسی انداز سے نذر قارئین کر رہے ہیں۔ یہ کتاب تمام مدارسِ دینیہ کے نصاب تعلیم میں بھی داخل ہے جو کہ درجہ عالیہ دورۂ حدیث کے منتہی طلبار کرام کو سبقاً سبقاً پڑھائی جاتی ہے لہٰذا جہاں اس سے عام قارئین بھرپور استفادہ کریں گے وہاں طلبار کرام کے لیے بھی یہ کتاب ایک نادر علمی وتحقیقی مرقع ثابت ہوگی اللہ ربّ العزّت کے حضور دعا ہے کہ وہ اسے نافع خلائق بنائے اور اس کی تیاری میں ہر قسم کا حصّہ لینے والوں کے لیے اجر جزیل کا باعث بنائے اس کتاب کی پروف ریڈنگ میں مولانا عبد الرحیم مروت فاضل ومدرس مدرسہ نصرۃ العلوم نے حصّہ لیا اللہ تعالیٰ ان کی کوشش کو بھی شرفِ قبولیّت سے نوازے اور آخرت کا ذخیرہ بنائے حسبِ سابق اس کتاب کی اشاعت کا بار گراں انجمن محبّانِ اشاعتِ قرآن کے زیر انتظام مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ کے علم دوست اور مخیر ممبران ہی اٹھا رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کے اس صدقہ جاریہ کو قبول ومنظور فرمائے اور آخرت میں سرخروئی کا باعث بنائے۔ آمین یا الٰہ العٰلمین۔

احقر: محمد فیاض خان سواتی

مہتمم مدرسہ نصرۃ العلوم جامع مسجد نور گوجرانوالہ

۲۵ جمادی الثانی ۱۴۱۹ھ مطابق ۱۷ اکتوبر ۱۹۹۸ء

۲۶- بَابُ مَاجَاءَ فِیْ صِفَةِ اِدَامِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

ترجمہ: "باب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سالن کے بیان میں"
سالن کا اطلاق ہر اس جامد یا مائع چیز پر ہوتا ہے جس کو روٹی کے ساتھ لگا کر کھایا جاتا ہے تاکہ آدمی کا کھانا خوش گوار بن جائے اور کھانے میں آسانی ہو۔ بعض اشیاء خاص طور پر روٹی کے ساتھ شامل کر لی جاتی ہیں تاکہ کھانا مرغوب اور زود ہضم بن جائے۔ سالن میں نمک مرچ والے گوشت، سبزی اور دال وغیرہ کے علاوہ دودھ، لسّی، شربت، شہد، سرکہ، کھجور، مُربّہ (اچار) وغیرہ بھی جب روٹی کے ساتھ کھایا جائے تو یہ سالن (ادام) کے حکم میں ہی آئے گا۔ اس باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سالن کا ذکر ہے کہ آپ نے اپنی زندگی میں کس قسم کا سالن اور کیسے استعمال کیا۔ اس باب میں امام ترمذیؒ نے ۳۳ روایات جمع کی ہیں۔

شمائل ترمذی — باب - ۲۶

درس - ۲۶ — حدیث - ۱

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَهْلِ بْنِ عَسْكَرٍ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَا حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَسَّانَ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نِعْمَ الْاِدَامُ الْخَلُّ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ فِيْ حَدِيْثِهٖ نِعْمَ الْاُدُمُ اَوِ الْاِدَامُ الْخَلُّ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۷۸)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت محمد بن

سہل بن عسکر اور عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے بیان کی۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے یحییٰ بن حسان نے بیان کیا۔ ان کے پاس یہ روایت سلیمان بن بلال نے نقل کی۔ ان کے پاس اسے ہشام بن عروۃ نے اپنے باپ کے حوالہ سے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے روایت بیان کی کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سرکہ بہت اچھا سالن ہے۔ راوی کو تردّد ہے کہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے اپنی روایت میں نِعْمَ الْاُدُمُ کے الفاظ استعمال کیے یا اَلْاِدَامُ اَلْخَلُّ کے الفاظ کہے۔ مطلب بہرحال ایک ہی ہے کہ سرکہ ایک بہت اچھا سالن ہے۔"

سرکہ بطور سالن

اس حدیث میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سرکہ کی تعریف فرمائی ہے نِعْمَ الْاِدَامُ اَلْخَلُّ یعنی سرکہ ایک بہت اچھا سالن ہے جو روٹی کے ساتھ کھایا جاتا ہے۔ یاد رکھیں، یہ لفظ خِلّ (کسرہ کے ساتھ نہیں) بلکہ خَلّ (فتح کے ساتھ) ہے۔ خِل کا معنیٰ دوست اور خَل کا معنیٰ سرکہ ہوتا ہے۔ سرکہ دُنیا کے مختلف ممالک میں انگور، جامن، گنا وغیرہ سے بنایا جاتا ہے۔ سرکہ ذرا ترش ہوتا ہے اس لیے اعصاب کے مریض کے لیے ٹھیک نہیں ہوتا۔ تاہم یہ بڑی مفید چیز ہے جو پیٹ کے کیڑوں کو مارتا ہے، کھانے کو جلد ہضم کرتا ہے، حرارت کو مارتا ہے اور خوش ذائقہ بھی ہوتا ہے شہروں میں تو اب عام بازار سے مل جاتا ہے مگر دیہات میں بھی لوگ سرکہ کو گھروں میں محفوظ رکھتے ہیں تاکہ بوقتِ ضرورت استعمال کیا جا سکے۔

امّ ہانیؓ کی روایت میں آپ پڑھیں گے کہ فتح مکہ کے روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چچازاد بہن امّ ہانیؓ کے گھر تشریف لے گئے جن کا گھر بیت اللہ شریف کے قریب ہی تھا۔ وہاں آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ بھی موجود تھیں، حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام

نے غسل فرمانا چاہا تو حضرت فاطمہؓ نے چادر سے پردہ کر دیا اور آپ نے غسل کیا پھر آپ نے چادر لپیٹ کر آٹھ رکعت نماز ادا کی۔ یہ چاشت کا وقت تھا اور آپ نے فتح مکہ پر شکرانہ بھی ادا کیا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمّ ہانیؓ سے دریافت کیا، کیا تمہارے پاس کھانے کے لیے کوئی چیز موجود ہے؟ انھوں نے عرض کیا، حضورؐ کوئی خاص کھانا تو اس وقت گھر میں موجود نہیں ہے، البتہ روٹی کے سوکھے ہوئے چند ٹکڑے ہیں۔ فرمایا، وہی لاؤ۔ آپ نے اُن خشک ٹکڑوں کو پانی میں بھگو کر نرم کیا پھر پوچھا کیا کوئی سالن بھی ہے؟ عرض کیا سالن تو نہیں ہے، البتہ کچھ سرکہ موجود ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نِعْمَ الْاِدَامُ الْخَلُّ سرکہ کتنا اچھا سالن ہے۔ پھر آپ نے نمک بھی منگوا کر سرکہ میں ڈالا اور اُس کے ساتھ روٹی کھائی۔ گویا جس گھر میں سرکہ موجود ہو وہ گھر سالن سے خالی نہیں سمجھا جاتا کیونکہ روٹی کے لقمے سرکہ میں ڈبو کر آسانی سے کھائے جا سکتے ہیں۔

یہ بات قابلِ ذکر ہے اور اسکو سیرت والوں نے بھی نقل کیا ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے زمانہ مبارکہ کا یہ حال ہے کہ دُنیا کا سب سے بڑا فاتح اور امامُ الانبیاء جب مکہ میں فاتحانہ طور پر داخل ہوتا ہے تو اُسے کھانے کے لیے روٹی کے سُوکھے ہوئے چند ٹکڑے بمشکل سرکہ کے ساتھ میسّر آتے ہیں مگر اب حالت یہ ہے کہ جب دُنیا کے فاتح کسی ملک میں فاتحانہ انداز میں داخل ہوتے ہیں تو لوٹ مار کا بازار گرم کر دیتے ہیں۔ عیاشیاں اور بدمعاشیاں کرتے ہیں۔ بڑی بڑی دعوتیں ہوتی ہیں جن میں شراب و کباب کے دور چلتے ہیں۔ یہ فرق آپ خود ہی محسوس کرلیں۔

؎ ببیں تفاوت راہ از کجا تا بکجا

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اَبُو الْاَحْوَصِ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ قَالَ سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيْرٍ يَقُوْلُ اَلَسْتُمْ فِيْ طَعَامٍ وَّشَرَابٍ مَاشِئْتُمْ لَقَدْ رَأَيْتُ نَبِيَّكُمْ وَمَا يَجِدُ مِنَ الدَّقَلِ مَا يَمْلَأُ بَطْنَهٗ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۷۸)

ترجمہ:" امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت قتیبہ نے بیان کی ان کے پاس یہ روایت ابو الاحوص نے سماک بن حرب کے حوالے سے نقل کی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے صحابی رسول حضرت نعمان بن بشیرؓ کو یہ کہتے ہوئے سُنا، کیا تم لوگ کھانے پینے کی خاطر خواہ نعمتوں میں نہیں ہو؟ حالانکہ میں نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ کے پاس تو معمولی قسم کی کھجوریں بھی نہیں ہوتی تھیں جن سے شکم سیر ہو سکے۔"

خوراک کی کمی کا زمانہ

اس حدیث میں صحابی رسول حضرت نعمانؓ نے اس زمانے کا ذکر کیا ہے جب کہ مسلمان عُسرت کی حالت میں تھے بعد میں فراوانی آگئی تو حضرت نعمانؓ نے مسلمانوں کو توجہ دلائی کہ آپ کو تو اس زمانہ میں انواع واقسام کی خورد ونوش کی نعمتیں میسّر ہیں مگر آغازِ اسلام کا وہ زمانہ بھی تھا جب عام آدمی تو درکنار اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بقدر ضرورت کھانا مہیّا نہیں ہوتا تھا۔ پہلے باب میں ایسی روایات آپ پڑھ چکے ہیں جن میں بیان ہو چکا ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اور آپ کے اہلِ خانہ کو بھی دو دن بھی متواتر جَو کی روٹی نصیب نہیں ہوئی تھی۔

حدیث کے الفاظ ہیں مَا يَجِدُ مِنَ الدَّقَلِ مَا يَمْلَأُ بَطْنَهٗ کہ حضور

لہ المتوفی ۲۶۳ھ (فیاض)

علیہ الصّلوٰۃ والسّلام تو دقل بھی نہیں پاتے تھے جس کے ساتھ اپنا پیٹ بھر سکیں۔ دقل دراصل بچے کھچے ردّی مال کو کہتے ہیں۔ جب اچھّا اچھّا مال نکل جاتا ہے تو باقی معمولی قسم کی چیز رہ جاتی ہے۔ اس زمانے میں عام طور پر کھجوریں ہی بطور خوراک استعمال کی جاتی تھیں۔ راوی کہتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تو ردّی قسم کی کھجوریں بھی نہیں بچتی تھیں کہ آپ دو وقت کھا سکیں۔

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اس روایت میں راوی نے نَبِیُّکُمْ کا لفظ استعمال کیا ہے یعنی اے لوگو! تمھارے نبی کی یہ حالت تھی حقیقت یہ ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نہ صرف مخاطبین کے نبی تھے بلکہ خود راوی اور ساری امّت کے بھی نبی تھے۔ لہٰذا تمھارے نبی کہنے کا کیا مطلب ہے؟ شارحین کہتے ہیں کہ اس قسم کی ترکیب مخاطبین کے دلوں کو چوٹ لگانے اور انھیں شوق دلانے کے لیے استعمال کی جاتی ہے کہ دیکھو تمھارے آقائے نامدار جو کہ پوری دُنیا کے خاتم النّبیّین ہیں، ان کی یہ حالت تھی کہ دو وقت کا کھانا بھی میسّر نہیں تھا مگر آج ہم طرح طرح کی نعمتوں میں پڑے ہوئے ہیں لہٰذا اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

باب - ۲۶

درس - ۲۶ حدیث - ۳

حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْخُزَاعِيُّ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ هِشَامٍ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ مُحَارِبِ بْنِ دِثَارٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِعْمَ الْإِدَامُ الْخَلُّ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۷۸)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت عبدہ ابن عبداللہ خزاعی نے بیان کی ۔ اُن کے پاس اسے معاویہ بن ہشام نے بیان کی ۔ انھوں نے یہ روایت سفیان سے محارب بن دثار کے واسطہ سے روایت کی اور انھوں نے یہ روایت صحابی رسول حضرت جابر بن عبداللہؓ سے سُنی ۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سرکہ بہت اچھّا سالن ہے ۔"

تشریح: اس حدیث کا مضمون بھی اسی باب کی پہلی حدیث کے ہم معنی ہے یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سرکہ کی ان الفاظ میں تعریف فرمائی ہے نِعْمَ الْإِدَامُ الْخَلُّ کہ سرکہ بہت اچھا سالن ہے جس کے ساتھ روٹی آسانی کے ساتھ کھائی جاسکتی ہے جیسا کہ مَیں نے پہلے عرض کیا کہ سرکہ ویسے ہی ایک مرغوب چیز ہے ۔ لذیذ ہونے کے علاوہ زود ہضم بھی ہوتا ہے اور اسے سالن کے طور پر بھی استعمال کیا جاسکتا ہے ۔

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ عَنْ زَهْدَمٍ الْجَرْمِيِّ قَالَ كُنَّا عِنْدَ أَبِي مُوسَى فَأُتِيَ بِلَحْمِ دَجَاجٍ فَتَنَحَّى رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ فَقَالَ مَا لَكَ قَالَ إِنِّي رَأَيْتُهَا تَأْكُلُ شَيْئًا نَتْنًا فَحَلَفْتُ أَنْ لَا آكُلَهَا قَالَ ادْنُ فَإِنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ لَحْمَ دَجَاجٍ۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۷۸)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث ہناد نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت وکیع نے بیان کی۔ انھوں نے یہ روایت ایوب سے اور انھوں نے ابو قلابہ سے سُنی۔ انھوں نے یہ روایت زہدم جرمی سے روایت کی جو کہتے ہیں کہ ہم ابو موسیٰ اشعریؓ کے پاس بیٹھے تھے کہ اُن کے پاس مُرغی کا گوشت لایا گیا تو اُن میں سے ایک آدمی کنارہ کش ہو گیا ابو موسیٰؓ نے کہا، کیا بات ہے؟ کہنے لگا کہ میں نے مُرغی کو گندی چیزیں کھاتے ہوئے دیکھا ہے۔ پس میں نے اس کا گوشت نہ کھانے کی قسم کھا رکھی ہے حضرت ابو موسیٰؓ نے کہا، قریب ہو جاؤ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرغی کا گوشت تناول فرماتے ہوئے دیکھا ہے"۔

مُرغی کے گوشت کی حِلّت

اس حدیث کے ایک راوی زہدم جرمی ہیں جن کا تعلق قبیلہ جرم کے ساتھ تھا یہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت کرتے ہیں جو کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے جلیل القدر صحابہؓ میں سے ہیں یہ زمانہ بعد از نبی علیہ السلام کا ذکر ہے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی مجلس میں بہت سے لوگ بیٹھے تھے غالباً کوئی

دین کی باتیں سیکھ رہے ہونگے یا حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی کوئی پیاری پیاری باتیں سُن رہے ہونگے۔ اتنے میں کوئی شخص آیا اور اُس نے مُرغی کا پکا ہُوا گوشت کھانے کے لیے پیش کیا۔ صحابی رسول حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے سب کو کھانے میں شامل ہونے کی دعوت دی مگر اُن میں سے ایک شخص مجلس سے الگ ہو گیا اور اُس نے ماحضر آمدہ کھانا کھانے سے انکار کر دیا میزبان نے وجہ دریافت کی تو اُس شخص نے بتایا کہ مُرغی گندی چیزیں کھانے والا جانور ہے، مجھے اس کا گوشت پسند نہیں لہٰذا میں نے اسے نہ کھانے کی قسم اُٹھا رکھی ہے ابو موسیٰ اشعریؓ نے اس شخص کو اپنے قریب بلا کر کہا کہ بھائی! تم مُرغی کا گوشت کھانے سے کیسے انکار کر سکتے ہو جبکہ خود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے مُرغی کا گوشت کھاتے ہوئے دیکھا ہے مطلب یہ ہے کہ اگر مُرغی کا گوشت کھانا مکروہ ہوتا تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیوں کھاتے؟ جبکہ وہ خود احکامِ دین کے شارع ہیں۔

جلالہ کا مسئلہ حلال جانوروں میں سے اگر کوئی جانور از قسم بھیڑ، بکری، گائے، مُرغی وغیرہ کثرت سے گندی چیزیں کھانے لگے تو اُس کا گوشت کھانا مکروہ ہو جاتا ہے گندگی کھانے کا عادی جانور دراصل ایسا جانور ہو جاتا ہے جس کی قوتِ شامہ (سونگھنے کی طاقت) خراب ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے اُسے اچھی خوراک پسند نہیں آتی بلکہ وہ گندی اور نجس اشیاء میں منہ مارتا پھرتا ہے۔ ایسے جانور کو جلالہ کہتے ہیں۔ ایسے جانور کے متعلق حکم یہ ہے کہ اگر وہ بڑا جانور ہے مثلاً گائے بھیڑ، بکری وغیرہ تو اسکو گھر میں دس روز تک محبوس کر کے پاکیزہ خوراک کھلاؤ اس عرصہ میں اس کی جلالیت ختم ہو جائیگی اور اب اس کا گوشت مکروہ نہیں رہے گا۔ اسی طرح اگر کسی چھوٹے جانور از قسم مرغی وغیرہ کو گندی چیزیں کھانے کی عادت پڑ گئی ہے تو اس کو صرف تین دن تک گندی اشیاء کھانے سے روک کر پاکیزہ خوراک دو تو وہ کھانے کے قابل ہو جائے گی۔

مرغی عام طور پر اچھی خوراک کھاتی ہے مگر گندی جگہوں میں بھی منہ ڈالتی رہتی ہے تاہم یہ بالعموم جلالہ کے حکم میں نہیں آتی اور نہ ہی اس کا گوشت بدبودار ہوتا ہے لہٰذا اس کا گوشت کھانے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہونی چاہیے۔ حضرت ابو موسیٰ ؓ نے اُس شخص کو یہی مسئلہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے حوالہ سے بتایا۔ جہاں تک قسم کا تعلق ہے تو جائز کام کے لیے قسم توڑ کر اُس کا کفارہ ادا کیا جائے تاکہ قسم توڑنے والے پر کوئی بار نہ رہے۔

حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ سَهْلٍ الْاَعْرَجُ الْبَغْدَادِيُّ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ مَهْدِيٍّ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ عُمَرَ بْنِ سَفِيْنَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ اَكَلْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَحْمَ حُبَارٰى۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۷۸)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت فضل بن سہل[1] اعرج بغدادی نے بیان کی وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن مہدی نے بیان کی انھوں نے یہ روایت ابراہیم بن عمر بن سفینہ سے ان کے باپ (عمر) اور دادا[2] کے حوالے سے روایت کی۔ حضرت سفینہؓ کہتے ہیں کہ میں نے (ایک موقع پر) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حباری کا گوشت کھایا۔"

تشریح حباری[3] ایک جنگلی پرندہ ہے جو مرغ سے ذرا کم مگر خاصہ موٹا ہوتا ہے اس کی گردن چونچ اور پاؤں قدرے لمبے ہوتے ہیں (اور خاکی رنگ کا ہوتا ہے) یہ دراصل جنگلی مرغ ہوتا ہے جس کو بعض نے سرخاب، تدری (یا تغدری)، بٹیر، جرز، چکا چکوئی اور شوات (شوال) کا نام بھی دیا ہے۔ اڑتے وقت ہوائی جہاز کی طرح بڑا شور کرتا ہے اور تیز رفتار ہے، طاقت میں ضرب المثل ہے، تاہم حلال جانور ہے اور دُور دراز کے علاقوں میں پایا جاتا ہے۔ شکاری پکڑ کر اس کو ذبح کر لیتے ہیں اور اس کا گوشت کھاتے ہیں اس کی حلت کا ثبوت خود حضور علیہ السلام کے عمل سے بھی مل رہا ہے کیونکہ صحابی کہتا ہے اَكَلْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کہ میں نے حضور علیہ السلام کی معیت میں یہ گوشت کھایا ہے +

---

[1] المتوفی ۲۵۵ھ [2] اسمہ مہران ولقبہ سفینۃ مات بعد السبعین [3] اسے فارسی میں ہوبرہ، ترکی میں توغدری ہندی میں چرز اور یونانی میں غلوفس کہتے ہیں قال ابن القیم لحم الحباری حار یابس بطیء الانهضام نافع لاصحاب الریاضۃ والتعب۔ (نفیاض)

حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِیْلُ بْنُ اِبْرَاهِیْمَ عَنْ اَیُّوْبَ عَنِ الْقَاسِمِ التَّمِیْمِیِّ عَنْ زَهْدَمٍ الْجَرْمِیِّ قَالَ كُنَّا عِنْدَ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ فَقُدِّمَ طَعَامُهٗ وَقُدِّمَ فِیْ طَعَامِهٖ لَحْمُ دَجَاجٍ وَفِی الْقَوْمِ رَجُلٌ مِنْ بَنِیْ تَیْمِ اللّٰهِ اَحْمَرُ كَاَنَّهٗ مَوْلًی قَالَ فَلَمْ یَدْنُ فَقَالَ لَهٗ اَبُوْ مُوْسٰی اُدْنُ فَاِنِّیْ قَدْ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَكَلَ مِنْهُ قَالَ اِنِّیْ رَاَیْتُهٗ یَاْكُلُ شَیْئًا فَقَذِرْتُهٗ فَحَلَفْتُ اَنْ لَّا اَطْعَمَهٗ اَبَدًا ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۷۸)

ترجمہ:- امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت علی بن حجر نے بیان کی۔ اُن کے پاس اسمٰعیل بن ابراہیم نے بیان کی۔ انھوں نے یہ روایت ایوب سے اور انھوں نے قاسم تمیمی سے روایت کی۔ وہ یہ روایت زہدم جرمی سے نقل کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے پاس بیٹھے تھے کہ اتنے میں اُن کا کھانا لایا گیا جس میں مُرغی کا گوشت بھی تھا اس مجلس میں بنو تیم اللہ کا ایک سُرخ رنگ کا آدمی بھی تھا، جو کہ کسی کا آزاد شدہ غلام معلوم ہوتا تھا۔ راوی کہتا ہے کہ وہ شخص کھانے میں شامل نہ ہوا۔ ابوموسیٰ اشعریؓ نے کہا، اِدھر آؤ کیونکہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو یہ گوشت کھاتے ہوئے دیکھا ہے۔ وہ شخص کہنے لگا کہ میں نے مُرغی کو گندی چیزیں کھاتے ہوئے دیکھا ہے جس کی وجہ سے مجھے اس سے کراہت آتی ہے لہٰذا میں نے قسم اُٹھا رکھی ہے

کہ اس کا گوشت کبھی نہیں کھاؤں گا ۔"

تشریح اس حدیث کا مضمون بھی حدیث ۴ کا ہم معنی ہے ۔ صرف سند میں تھوڑا اختلاف ہے ، تاہم اصل راوی زہدم جرمی ہی ہیں جنھوں نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی مجلس میں پیش آنے والا واقعہ بیان کیا ہے ۔ مجمع میں سے ایک شخص نے مرغی کا گوشت کھانے سے انکار کر دیا کیونکہ مرغیوں کے گندی چیزیں کھانے کی وجہ سے اُس کو مُرغی کے گوشت سے کراہت آتی تھی ۔ گزشتہ روایت میں اس شخص کی نشاندہی نہیں کی گئی تھی کہ وہ کون آدمی تھا ۔ تاہم یہاں یہ وضاحت کر دی گئی ہے کہ وہ سرخ رنگ کا آدمی تھا جس کا تعلق تیم اللہ سے تھا اور وہ کسی کا آزاد شدہ غلام معلوم ہوتا تھا ۔

بہرحال حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے اسے بتایا کہ مُرغی کا گوشت بالکل حلال ہے اور خود حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اسے تناول فرمایا ہے ، تجھے اس کو نہ کھانے کی قسم کھانا روا نہیں ہے لہٰذا تم قسم توڑ کر اس کا کفارہ ادا کر دو اور پھر آئندہ کے لیے مُرغی کے گوشت سے پرہیز نہ کیا کرو ۔ جلالہ کا مسئلہ بھی حدیث ۴ کی تشریح میں عرض کر دیا تھا ۔

حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَیْلَانَ حَدَّثَنَا اَبُوْ اَحْمَدَ الزُّبَیْرِیُّ وَاَبُوْ نُعَیْمٍ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْیَانُ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ عِیْسٰی عَنْ رَجُلٍ مِّنْ اَھْلِ الشَّامِ یُقَالُ لَهٗ عَطَاءٌ عَنْ اَبِیْ اُسَیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كُلُوا الزَّیْتَ وَادَّھِنُوْا بِهٖ فَاِنَّهٗ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبَارَكَةٍ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۷۸)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت محمود بن غیلان نے بیان کی، انکے پاس یہ روایت ابواحمد زبیری اور ابونعیم نے بیان کی ۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ انکے پاس یہ روایت سفیان نے اور ان کے پاس عبداللہ ابن عیسٰی نے بیان کی ۔ وہ یہ روایت اہلِ شام میں سے ایک شخص عطاء کے حوالے سے بیان کرتے ہیں ، اور انھوں نے یہ روایت صحابی رسول حضرت ابو اسیدؓ سے روایت کی تھی وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ زیتون کا تیل کھانے میں بھی استعمال کرو اور جسم پر اس کی مالش بھی کرو کیونکہ یہ بابرکت درخت کا تیل ہے ۔"

تشریح: اس حدیث میں زیتون کے درخت کی تعریف فرمائی گئی ہے۔ انبیاء علیہم السّلام نے اس درخت کے بابرکت ہونے کی دعائیں کیں تو اللہ تعالیٰ نے اس کو بابرکت بنا دیا۔ اسی لیے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا اس حدیث میں ارشاد مبارک ہے كُلُوا الزَّیْتَ وَادَّھِنُوْا بِهٖ زیتون کے تیل کو کھانے میں بھی استعمال کرو اور اس کی مالش بھی کرو۔ فَاِنَّهٗ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبَارَكَةٍ کیونکہ یہ تیل بابرکت

درخت سے نکالا گیا ہے۔

زیتون کا درخت زیتون کے درخت کے بابرکت ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اسکی ہر چیز کارآمد ہوتی ہے۔ اسکی لکڑی، پتے، پھل حتیٰ کہ اس کا سایہ بھی بڑا گھنا ہوتا ہے ـــ جو انسانوں کے کام آتا ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدّث دہلویؒ (المتوفی ۱۲۳۹ھ) نے تفسیر عزیزی فارسی (ص ۲۹۸ پارہ ۳۰) میں لکھا ہے کہ زیتون کے بعض درخت اڑھائی ہزار سال تک لمبی عمر پاتے ہیں جس کے ثبوت کے طور پر فرماتے ہیں کہ یونانیوں کے زمانہ کے لگائے ہوئے زیتون کے بعض درخت اب تک موجود ہیں۔ اس کے پھل سے تیل نکالا جاتا ہے اس کی افادیت سے ساری دُنیا واقف ہے۔ چنانچہ اسے کھانے میں روغن کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا ہے اور اس کے پھل پلاؤ میں ڈالے جاتے ہیں جو کھانے کو مزید مرغوب اور خوش ہضم بنا دیتے ہیں۔ زیتون کا تیل انسانی پٹھوں کے لیے بڑا مفید ہے۔ فالج کے مریضوں یا بڑی عمر کے کمزور پٹھوں والے آدمیوں کے لیے زیتون کے تیل کی مالش نہایت ہی مقوی پھل ہے جسے مختلف طریقوں سے استعمال کیا جاتا ہے۔

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُوا الزَّيْتَ وَادَّهِنُوا بِهِ فَإِنَّهُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبَارَكَةٍ قَالَ أَبُو عِيسَى وَكَانَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ يَضْطَرِبُ فِي هٰذَا الْحَدِيثِ فَرُبَّمَا أَسْنَدَهُ وَرُبَّمَا أَرْسَلَهُ -

حَدَّثَنَا السِّنْجِيُّ وَهُوَ أَبُو دَاوُدَ سُلَيْمَانُ بْنُ مَعْبَدٍ الْمَرْوَزِيُّ السِّنْجِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ زَيْدِ ابْنِ أَسْلَمَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ عَنْ عُمَرَ -

(ترمذی مع شمائل ص۵۷۸)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت یحییٰ بن موسیٰ نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت عبدالرزاق کے ذریعے پہنچی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے معمر نے بیان کیا اور انھوں نے زید بن اسلم[1] سے ان کے باپ کے حوالہ سے نقل کی۔ وہ حضرت عمر بن الخطابؓ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زیتون کا تیل کھاؤ اور اس کی مالش بھی کرو کیونکہ یہ مبارک درخت سے حاصل کیا جاتا ہے۔ ابوعیسیٰ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ اس

[1] المتوفی ۱۳۶ھ (فیاض)

روایت کے راوی عبدالرزاق اس روایت کو کبھی مسنداً[1] بیان کرتے
اور کبھی مرسلاً[2] بیان کر دیتے تھے۔ (تاہم روایت ٹھیک ہے۔
اسی لیے امام ترمذیؒ نے اس کو اپنی کتاب میں شامل کیا ہے)
امام ترمذیؒ دوسری سند اسی طرح بیان کرتے ہیں کہ ہمارے
پاس اس روایت کو سلیمان بن معبد[3] مروزی سنجی نے بیان کیا
ان کے پاس اسے عبدالرزاق نے معمر کے واسطہ سے بیان
کیا۔ معمر نے زید بن اسلم سے اور انھوں نے اپنے باپ
سے روایت نقل کی ہے۔ وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
سے اسی مضمون کی ہم معنی روایت بیان کرتے ہیں مگر اس
روایت میں حضرت عمر بن الخطابؓ کا ذکر نہیں کیا گیا (حالانکہ
پہلی روایت میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے سُن کر بیان کرنے
والے حضرت عمرؓ ہی ہیں)۔"

تشریح اس حدیث کے اصل الفاظ حدیث ۲ والے ہی ہیں یعنی كُلُوا الزَّيْتَ وَادَّهِنُوا بِهٖ فَإِنَّهٗ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبَارَكَةٍ زیتون کا تیل کھاؤ اور اس کی مالش بھی کرو کیونکہ یہ مبارک درخت سے حاصل کیا جاتا ہے۔ البتہ اس حدیث کی سند میں خود امام ترمذیؒ، راوی امام عبدالرزاقؒ اس روایت کو کبھی مسنداً اور کبھی مرسلاً بیان کر دیتے ہیں جس سے ایک قسم کا اضطراب[4] سا معلوم ہوتا ہے تاہم انھوں نے روایت کو قبول کیا ہے۔ اسی حدیث کی ہم معنی دوسری روایت بھی امام ترمذیؒ نے نقل کی ہے مگر کہتے ہیں کہ اس دوسری سند میں حضرت عمر بن الخطابؓ کا نام ذکر نہیں کیا گیا۔ یہ اس سند پر دوسری جرح ہے۔

---

[1] مسند وہ حدیث ہے جس کی سند میں تمام راویوں کے نام مذکور ہوں۔ [2] وہ روایت ہوتی ہے جس کو کوئی تابعی حضورؐ سے روایت کرے اور صحابی کا نام نہ لے۔ [3] المتوفی ۲۵۷ھ۔ [4] مضطرب وہ حدیث ہوتی ہے جس کے راوی مختلف ہوں کوئی راوی کا نام اور متن حدیث ایک طرح بیان کرتا ہے اور کوئی دوسری طرح اور بظاہر راوی ایک درجے کے ہوں اور حدیث کے ورود کا تقدم و تاخر بھی معلوم نہ ہو۔ (فیاض)

شمائل ترمذی — باب - ۲۶

درس - ۲۶ — حدیث - ۹

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ وَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ قَالَا حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْجِبُهُ الدُّبَّاءُ فَاُتِيَ بِطَعَامٍ اَوْ دُعِيَ لَهٗ فَجَعَلْتُ اَتَتَبَّعُهٗ فَاَضَعُهٗ بَيْنَ يَدَيْهِ لِمَا اَعْلَمُ اَنَّهٗ يُحِبُّهٗ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۲۸)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت محمد بن بشار نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے محمد بن جعفر اور عبدالرحمٰن بن مہدی نے بیان کیا وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت شعبہ نے قتادۃ سے اور انھوں نے خادم رسول حضرت انس بن مالکؓ سے بیان کی۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو کدّو مرغوب تھا۔ ایک مرتبہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے پاس کھانا آیا یا آپ کسی دعوت میں تشریف لے گئے (راوی کو شک ہے کہ کونسا موقع تھا) میں بھی آپ کے ساتھ تھا۔ میں کدو کے قتلے چُن چُن کر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے سامنے رکھتا جاتا تھا۔ کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کدّو کو پسند فرماتے ہیں۔"

تشریح اس حدیث میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی کدّو کے ساتھ مرغوبیت کا ذکر ہے نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کدو کا سالن بہت پسند کرتے تھے۔ کدّو کے ٹکڑے اور اس کا شوربا آپ کو بہت مرغوب تھا۔ حضرۃ انسؓ روایت بیان کرتے ہیں فَاُتِيَ بِطَعَامٍ اَوْ دُعِيَ لَهٗ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کھانا پیش

کیا گیا یا آپ کو کھانے کی دعوت دی گئی۔ راوی کو شک ہے کہ جس واقعہ کا وہ ذکر کرنا چاہتے ہیں وہ خود حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے دولت خانہ پر پیش آیا تھا یا آپ کو کسی نے کھانے پر بلایا تھا اور پھر آپ وہاں تشریف لے گئے تھے راوی بیان کرتا ہے فَجَعَلْتُ اَتَتَبَّعُہٗ اس موقع پر میں بھی آپکے ساتھ تھا پھر جب کھانا چُنا گیا اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اسکو کھانا شروع کیا تو حضرت انسؓ کہتے ہیں فَاَضَعُہٗ بَیْنَ یَدَیْہِ تو میں کدو کے قتلے چن چن کر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے سامنے رکھتا رہا لِمَا اَعْلَمُ اَنَّہٗ یُحِبُّہٗ کیونکہ میں جانتا تھا کہ آپ کدو کو بہت پسند فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے خادم حضرت انسؓ آپ کی مرغوب غذا آپکو سالن کے شوربے میں سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر دیتے رہے اور آپ تناول فرماتے رہے۔

ایک دوسری روایت میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا یہ فرمان بھی موجود ہے کہ کدو بہت اچھی چیز ہے اور یہ میرے بھائی یونس علیہ السّلام کا درخت ہے اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب حضرت یونس علیہ السّلام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش آئی اور جب آپکو دریا میں پھینک دیا گیا تو ایک بہت بڑی مچھلی نے آپکو سالم نگل لیا۔ منشائے ایزدی کے مطابق آپ وہاں تین دن تک رہے یا زیادہ، پھر اللہ کے حکم سے مچھلی نے پانی سے باہر نکل کر یونس علیہ السّلام کو ریت کے میدان میں اگل دیا مچھلی کے پیٹ کی حرارت کی وجہ سے آپکی جلد نہایت نرم ہو چکی تھی اُس میدان میں کوئی سایہ بھی نہیں تھا اور گرمی بھی شدت کی تھی تو اُس وقت اللہ کا فرمان ہے وَاَنْۢبَتْنَا عَلَیْہِ شَجَرَۃً مِّنْ یَّقْطِیْنٍ ○ (الصّٰفّٰت: ۱۴۶) کہ ہم نے اُن پر کدو کی ایک بیل کر دی جو کہ نہایت ہی نرم ہوتی ہے اور اللہ کی قدرت کہ اس پر مکھی نہیں بیٹھتی۔ تو اس کدو کی بیل کا سایہ بھی یونس علیہ السّلام پر ہو گیا اور آپ کی نرم و نازک جلد پر مکھی بیٹھنے کا جو خطرہ تھا وہ بھی دور ہو گیا اور اس طرح اللہ کے نبی بغیر تکلیف کے اپنی اصلی حالت پر آگئے اس بنا پر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا کہ کدو تو میرے بھائی یونس علیہ السّلام کا درخت ہے۔

کدو ایک مرطوب سبزی ہے مگر اللہ کی قدرت کہ مرطوب ہونے کے باوجود حافظے کو کمزور کرنے کی بجائے اسے قوی کرتی ہے۔ اس کا سالن بھی بہت اچھا

بنتا ہے خاص طور پر گوشت کے ساتھ اس کا اچھا جوڑ ہے۔ ہمارے ہاں بھی کدّو کی کئی قسمیں پائی جاتی ہیں۔ کوئی گول ہوتے ہیں اور کوئی لمبوترے تاہم خاصیّت سب کی یکساں ہے اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو یہ سبزی بہت مرغوب تھی۔

درس - ۲۶

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ عَنْ إِسْمٰعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ عَنْ حَكِيمِ بْنِ جَابِرٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَأَيْتُ عِنْدَهُ دُبَّاءً يُقْطَعُ فَقُلْتُ مَا هٰذَا قَالَ نُكَثِّرُ بِهِ طَعَامَنَا قَالَ أَبُو عِيسٰى وَجَابِرٌ هٰذَا هُوَ جَابِرُ بْنُ طَارِقٍ وَيُقَالُ ابْنُ أَبِي طَارِقٍ وَهُوَ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا نَعْرِفُ لَهُ إِلَّا هٰذَا الْحَدِيثَ الْوَاحِدَ وَأَبُو خَالِدٍ اسْمُهُ سَعْدٌ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۷۸)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت قتیبہ بن سعید[1] نے بیان کی۔ ان کے پاس یہ روایت حفص بن غیاث[2] نے اسمٰعیل بن ابی خالد کے واسطہ سے بیان کی۔ انکے پاس یہ روایت حکیم بن جابرؓ نے اپنے باپ کے حوالہ سے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ آپ کے ہاں کدّو کے ٹکڑے کاٹے جا رہے تھے۔ میں نے عرض کیا حضور! یہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہم اس کو اپنے کھانے (سالن) میں زیادہ استعمال کرتے ہیں۔ امام ترمذیؒ اس مقام پر وضاحت کرتے ہیں کہ یہ جابر جن کا ذکر اس روایت میں ہوا ہے، جابر بن طارق ہیں جن کو جابر بن ابی طارقؓ بھی کہا جاتا ہے۔ امام ترمذیؒ مزید

---

[1] المتوفی ۲۴۰ھ، [2] المتوفی ۱۷۶ھ

وضاحت فرماتے ہیں کہ راوی جابر بن طارقؓ سے صرف یہی
ایک روایت منقول ہے۔ آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس سند میں
آمدہ راوی ابو خالد کا نام سعد تھا۔"

تشریح یہ روایت بھی کدّو کی مرغوبیت سے متعلق ہی ہے۔ جابر بن طارقؓ اس
روایت کے راوی ہیں۔ یہ وہ جابر نہیں ہیں جو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام
کے ممتاز صحابہ میں سے ہیں اور جن سے ہزاروں احادیث منقول ہیں۔ امام
ترمذیؒ نے اس جابر بن طارقؓ سے صرف یہی ایک حدیث لی ہے۔
بہرحال اس صحابی نے بھی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی موجودگی میں کدّو کی
سبزی بنتے ہوئے دیکھی ہے اور پھر دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ سالن کے
طور پر پکائی جاتی ہے۔

درس - ۲۶　　　　حدیث - ۱۱

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ اَنَسٍ عَنْ اِسْحٰقَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ طَلْحَةَ اَنَّهٗ سَمِعَ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُوْلُ اِنَّ خَيَّاطًا دَعَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِطَعَامٍ صَنَعَهٗ قَالَ اَنَسٌ فَذَهَبْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى ذٰلِكَ الطَّعَامِ فَقَرَّبَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُبْزًا مِّنْ شَعِيْرٍ وَمَرَقًا فِيْهِ دُبَّاءٌ وَقَدِيْدٌ قَالَ اَنَسٌ فَرَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَتَبَّعُ الدُّبَّاءَ حَوَالَيِ الصَّحْفَةِ فَلَمْ اَزَلْ اُحِبُّ الدُّبَّاءَ مِنْ يَوْمِئِذٍ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۷۹)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت قتیبہ ابن سعید نے بیان کی۔ ان کے پاس اسے مالک بن انس نے بیان کیا۔ انھوں نے اسے اسحٰق بن عبداللہ بن ابوطلحہ سے نقل کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالکؓ کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ ایک درزی نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو کھانے کی دعوت دی۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھانے کے لیے گیا اس شخص نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں جَو کی روٹی اور شوربا پیش کیا جس میں کدّو اور خشک گوشت تھا۔ انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ (صحفہ)[1] پیالے کے اطراف سے کدّو کے ٹکڑے چُن چُن کر تناول

---

[1] صحفہ اس پیالے کو کہتے ہیں جس میں پانچ آدمی کھا سکیں اور صحیفہ وہ پیالہ جس میں صرف ایک آدمی کھانا کھا سکے۔ (فیاض)

فرما رہے تھے اور میں اُسی روز سے کدّو کو پسند کرتا ہوں۔"

تشریح حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو کدّو کے سالن کی پسندیدگی کی یہ ایک اور حدیث ہے۔ حضرت انس بن مالکؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی اور آپ کے خادمِ خاص تھے۔ انھوں نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ساتھ اپنی معیت کا واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک درزی شخص نے آپ کی دعوت کی۔ کہتے ہیں کہ خود مجھے بھی حضورؐ کے ساتھ جانے کا اتفاق ہوا۔ ظاہر ہے کہ حضرت انسؓ از خود تو دعوت کے لیے نہیں گئے ہونگے بلکہ میزبان نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے خادمِ خاص ہونے کی حیثیت سے اُن کو بھی دعوت دی ہوگی۔ وہ جانتا تھا کہ آپ کا خادم آپ کی ضروریات اور طریق خدمت کو بہتر جانتا ہے۔ لہٰذا اس نے حضرت انسؓ کو بھی بلا لیا وگرنہ بن بلائے کسی کا مہمان بننا تو درست نہیں ہے بہر حال میزبان نے کھانا پیش کیا تو جَو کی روٹی کے ساتھ کدّو اور گوشت کا سالن تھا۔ قدید دراصل خشک گوشت کو کہتے ہیں۔ عرب لوگ بالعموم گوشت کو خشک کر کے ذخیرہ کر لیتے تھے اور پھر چھ چھ ماہ تک تھوڑا تھوڑا کر کے بطور سالن استعمال کرتے رہتے تھے۔ اس کھانے میں ایسا ہی گوشت تھا جو کدّو میں ملا کر پکایا گیا تھا اور پھر یہ دونوں چیزیں شوربا میں تھیں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اس شوربا میں سے اپنی مرغوب چیز کدّو کے قتلے برتن کے اطراف میں سے چن چن کر کھا رہے تھے۔ یہ حضرت انسؓ کی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ساتھ محبت کا تقاضا تھا کہ اس واقعہ کے بعد وہ خود بھی کدّو کو پسند کرنے لگے۔

درس - ۲۷　　　　　　　　　　حدیث - ۱۲

حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ الدَّوْرَقِيُّ وَسَلَمَةُ بْنُ شَبِيْبٍ وَمَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ قَالُوْا اَخْبَرَنَا اَبُوْاُسَامَةَ عَنْ هِشَامِ ابْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ الْحَلْوَاءَ وَالْعَسَلَ۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۶۹)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت احمد بن[1] ابراہیم دورقی، سلمۃ بن شبیب اور محمود بن غیلان نے بیان کی ۔ وہ تینوں کہتے ہیں کہ ہمارے پاس خبر دی ابو اسامہ نے، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت ہشام ابن عروۃ سے اُن کے باپ کے واسطہ سے پہنچی ، وہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حلوہ اور شہد کو پسند فرماتے تھے ۔"

تشریح یہ روایت امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے ہے جو کہتی ہیں[2] کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو حلوہ اور شہد بہت مرغوب تھے۔ گزشتہ روایات میں بعض چیزوں کا بطورِ سالن پسندیدگی کا ذکر تھا۔ اب یہ میٹھی چیزوں کا تذکرہ آگیا ہے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو میٹھی چیزیں از قسم حلوہ اور شہد بھی بہت پسند تھیں۔ یاد رکھنا ! عربی زبان میں ہر میٹھی چیز کو حلوار کہتے ہیں۔ اس سے مراد محض ہمارے ہاں کا معروف حلوہ ہی مراد نہیں جو آٹا یا سوجی، گھی اور چینی ملا کر بنایا جاتا ہے۔ یہ حلوہ تو اب جمعرات کے نام سے زیادہ مشہور ہو گیا ہے جو مُردوں کے ایصالِ ثواب

---

[1] المتوفی ۲۴۶ھ ، [2] یہ روایت دارمی ص۳۳ ج۲ میں بھی ہے۔ (فیاض)

کے لیے مولوی صاحبان کے پیٹ میں جاتا ہے تاہم اس قسم کا حلوہ ہمارے عام گھروں میں بھی کھایا جاتا ہے۔ بہرحال حلوا، سے مراد ہر میٹھی چیز ہے جو خواہ کھجور ہو یا انگور وغیرہ ہو۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اس کو پسند فرمایا ہے۔ شہد اگرچہ حلوہ میں شامل ہے مگر اس کی تخصیص کر دی گئی ہے کیونکہ خود اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق فرمایا ہے فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ط (النحل : ۶۹) کہ اس میں لوگوں کے لیے شفار ہے۔

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے زمانۂ مبارکہ میں موجودہ زمانے میں ملتے جلتے حلوے کا ذکر بھی ملتا ہے۔ ایک موقع پر حضرت عثمانِ غنیؓ نے آٹا، گھی، شہد وغیرہ ملا کر ملیدہ بنایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا، اور آپ نے اس کو پسند فرمایا۔

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الزَّعْفَرَانِيُّ اَخْبَرَنَا حَجَّاجُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ اَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ اَنَّ عَطَاءَ بْنَ يَسَارٍ اَخْبَرَهُ اَنَّ اُمَّ سَلَمَةَ اَخْبَرَتْهُ اَنَّهَا قَرَّبَتْ اِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَنْبًا مَشْوِيًّا فَاَكَلَ مِنْهُ ثُمَّ قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ وَمَا تَوَضَّأَ ۔ (ترمذی مع شمائل صـ۵۷۹)

ترجمہ:" امام ترمذیؒ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت حسن بن محمد زعفرانی نے بیان کی۔ اُن کے پاس حجاج بن محمد نے خبر دی وہ کہتے ہیں کہ ابنِ جریج نے کہا کہ مجھے محمد بن یوسف نے خبر دی کہ اُسے عطاء بن یسار نے خبر دی کہ اُسے امّ المؤمنین امِّ سلمہؓ نے بتایا کہ اُس نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں بُھنا ہوا پہلو پیش کیا، آپ نے اُس سے کھایا، پھر آپ نماز کے لیے کھڑے ہُوئے اور دوبارہ وضو نہیں کیا۔"

تشریح جنبًا کا معنیٰ پہلو اور مشویًّا سے مُراد بُھنا ہوا یا تلا ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ بکری کا ایک پورا پہلو (دستی) بھون کر پیش کیا گیا۔ آپ نے اُسے تناول فرمایا اور نماز کے لیے تازہ وضو کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ پکی ہُوئی چیز کھا کر دوبارہ وضو کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں۔ اس کے متعلق آگے بہت سی روایات ہیں جن کی تطبیق سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ ایسے موقع پر دوبارہ وضو کرنا ضروری نہیں ہے۔

---

[1] المتوفی ۲۱۲ھ (فیاض)

درس - ۲۷　　　　　　　　　　　　　　　　حدیث - ۱۴۰

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا ابْنُ لَهِيعَةَ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ زِيَادٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ الْحَارِثِ قَالَ اَكَلْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شِوَاءً فِي الْمَسْجِدِ.

(ترمذی مع شمائل ص۵۷۹)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت قتیبہ نے بیان کی۔ اُن کے پاس یہ روایت ابن لہیعہ نے بیان کی۔ انھوں نے اسے سلیمان بن زیاد سے روایت کیا اور انھوں نے صحابی رسول عبداللہ ابن حارثؓ سے نقل کی، وہ کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھُنا ہوا گوشت مسجد میں کھایا۔"

تشریح | اس روایت سے مسجد میں کھانا کھانے کی اباحت ظاہر ہوتی ہے مگر اس کو عادت بنالینا درست نہیں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا مسجد میں کھانے کا معمول نہیں تھا بلکہ مہمانوں وغیرہ کے ساتھ کبھی اتفاق ہوگیا تو کھالیا تاہم بامر مجبوری مسافروں کے لیے یا اگر طالب علموں کے لیے علیحدہ جگہ نہ ہو تو وہ بھی مسجد میں کھا سکتے ہیں مگر اس کے لیے بھی آداب ہیں جنھیں ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے۔ کھانے کے ریزے یا کوئی الائش مسجد کے آداب کو پامال نہ کرے۔ معتکف حضرات بھی مسجد میں کھا سکتے ہیں کیونکہ وہ بھی مسجد سے باہر نہیں جا سکتے۔ مگر مقامی لوگوں کو مسجد میں کھانا کھانے سے حتی الامکان گریز کرنا چاہیے۔

درس - ۲۷　　　حدیث ۱۵۰

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ أَنْبَأَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ عَنْ أَبِي صَخْرَةَ جَامِعِ بْنِ شَدَّادٍ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ ضِفْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَأُتِيَ بِجَنْبٍ مَشْوِيٍّ ثُمَّ أَخَذَ الشَّفْرَةَ فَجَعَلَ يَحُزُّ لِي بِهَا مِنْهُ قَالَ فَجَاءَ بِلَالٌ يُؤْذِنُهُ بِالصَّلٰوةِ فَأَلْقَى الشَّفْرَةَ فَقَالَ مَالَهُ تَرِبَتْ يَدَاهُ قَالَ وَكَانَ شَارِبُهُ قَدْ وَفٰى فَقَالَ لَهُ أَقُصُّهُ لَكَ عَلٰى سِوَاكٍ أَوْ قُصَّهُ عَلٰى سِوَاكٍ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۷۹)

ترجمہ: امام ترمذیؒ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت محمود بن غیلان نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی خبر وکیع نے دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے مسعرؒ[1] نے ابی صخرہ جامعؒ[2] بن شداد کے واسطہ سے بیان کی۔ انھوں نے یہ روایت مغیرہ بن عبداللہ سے اور انھوں نے مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت کی۔ مغیرہ بن شعبہؓ کہتے ہیں کہ ایک رات میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ساتھ مہمان بنا۔ پس ایک بُھنا ہوا پہلو لایا گیا۔ پھر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے چاقو لیا (یا چُھری لی) اور اس کے ساتھ مجھے کاٹ کاٹ کر دیتے رہے راوی کہتا ہے کہ پھر بلالؓ[3] آئے اور آپ کو نماز کی اطلاع دی آپ نے چاقو رکھ دیا اور فرمایا اس کو کیا ہو گیا ہے، اسکے

---

[1] المتوفی ۱۰۵ھ ، [2] المتوفی ۱۲۷ھ ، [3] المتوفی ۱۸ھ۔ (فیاض)

دونوں ہاتھ خاک آلود ہوں۔ راوی کہتا ہے کہ میری مونچھیں بڑھی ہوئی تھیں تو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا، کیا میں ان کو مسواک پر رکھ کر کاٹ دوں، یا فرمایا، ان کو مسواک پر رکھ کر خود کاٹ دو۔

گوشت کاٹ کاٹ کر کھانا

حضرت مغیرۃ بن شعبہ کہتے ہیں ضِفْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَیْلَۃٍ ایک رات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مہمان بنا۔ ضِفْتُ کا مادہ ضَافَ یَضِیْفُ ،ضِیَافَۃً ہے۔ ضیوف یا ضیاف مہمانوں کو کہا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ضِفْتُ مَعَ میں مَعَ کو زائد بھی مانا جاسکتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا مہمان بنا۔ یعنی آپ نے میرے ساتھ شفقت فرمائی اور مجھے کھانے پر بلایا۔ اس کا دوسرا معنیٰ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ساتھ (مَعَ) مہمان بنا۔ یعنی میزبان کوئی دوسرا شخص تھا۔ اُس نے نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی دعوت کی تھی اور اس دعوت میں میں بھی آپ کے ساتھ تھا۔ بہر حال دونوں طرح درست ہے حضرت مغیرۃ بن شعبہؓ کہتے ہیں کہ اس میزبانی کے دوران فَاُتِیَ بِجَنْبٍ مَشْوِیٍّ بکری کا بھنا ہوا پہلو لایا گیا۔ ثُمَّ اَخَذَ الشَّفْرَۃَ پھر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے چاقو یا چھری لی۔ فَجَعَلَ یَحُزُّ لِیْ بِہَا مِنْہُ۔ اور مجھے پہلو کے اُس گوشت میں سے کاٹ کاٹ کر دیتے رہے۔

چھری کانٹے کے ساتھ کھانا

یہاں پر پکے ہوئے گوشت کو چھری یا چاقو سے کاٹ کاٹ کر کھانے کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے۔ آپ ابوداؤد شریف (ص۱۷۴ ج۲) میں یہ روایت پڑھیں گے لَا تَقْطَعُوا اللَّحْمَ بِالسِّکِّیْنِ فَاِنَّہٗ مِنْ صَنِیْعِ الْاَعَاجِمِ گوشت کو چھری سے کاٹ کر مت کھاؤ کیونکہ یہ عجمیوں کا طریقہ ہے۔ اس کی بجائے پکے ہوئے گوشت کو ہاتھ سے توڑ کر کھاؤ۔ بلاشبہ عام حالات اور روزمرہ کے معمولات میں تو یہی حکم ہے لیکن بعض اوقات غیر معمولی حالات میں چھری یا چاقو کی ضرورت بھی پڑ سکتی ہے۔

اگر گوشت کا ٹکڑا زیادہ بڑا ہو اور اُس میں سے ہر لقمہ ہاتھ سے توڑنا ممکن نہ ہو تو پھر چاقو کا استعمال بھی کرنا پڑتا ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک موقع پر ابنِ سعود نے آرامکو کمپنی کے سارے عملے کی دعوت کی تھی جس میں چالیس مسلّم اُونٹ اور ایک ہزار مسلّم بھُنے ہوئے بکرے رکھّے گئے تھے۔ ظاہر ہے کہ ایسا گوشت چھُری چاقو کے بغیر تو کاٹ کر نہیں کھایا جاسکتا عرب میں اب بھی بڑی دعوتوں میں ایک بھُنے ہوئے جانور کے صرف چار ہی ٹکڑے کر کے مہمانوں کے سامنے رکھ دیے جاتے ہیں۔ ایسے گوشت کو خاص طریقے سے روسٹ کیا جاتا ہے جو کہ بڑا لذیذ اور خستہ ہوتا ہے چنانچہ ایسے مواقع پر چھُری کا استعمال ضرورت بن جاتا ہے لہٰذا اس میں کوئی حرج نہیں۔ اس روایت کے مطابق خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خود اپنے ہاتھ سے روسٹ گوشت کاٹ کاٹ کر اپنے صحابی مغیرہ بن شعبہؓ کو دیا۔ الغرض یہ طریقہ احیاناً درست ہے مگر اس کو عادت بنانا درست نہیں ہے۔

وقتِ نماز کی اطلاع

راوی بیان کرتا ہے فَجَآءَ بِلَالٌ يُؤْذِنُهُ بِالصَّلٰوةِ اتنے میں حضرت بلالؓ مؤذنِ رسول آگئے اور انھوں نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو نماز کا وقت ہو جانے کی اطلاع دی۔ اس پر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے چاقو پھینک دیا اور بلالؓ سے فرمایا مَالَهٗ تَرِبَتْ يَدَاهُ اسے کیا ہو گیا ہے، اس کے دونوں ہاتھ خاک آلود ہوں۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام بلالؓ کی آمد پر ناراض ہو گئے کہ میں تو مہمان کی خاطر مدارت کر رہا ہوں، مجھے نماز کے وقت کا علم بھی ہے مگر بلالؓ نے خواہ مخواہ دخل در معقولات کیا ہے۔ یہ بددُعا نہیں تھی بلکہ زجر و توبیخ اور ایک طرح کی تنبیہہ تھی کیونکہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو نماز تو سب سے زیادہ عزیز تھی اور آپ ہمیشہ اس کا خیال رکھتے تھے جونہی نماز کا وقت ہوتا تو آپ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر چلے جاتے۔

مونچھوں کی کٹائی

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ مزید بیان کرتے ہیں کہ جس دن یہ واقعہ پیش آیا اس روز میری مونچھیں کافی بڑھی ہوئی تھیں حالانکہ حضور علیہ

الصّلوٰۃ والسّلام کا عام حکم یہ ہے کہ داڑھی کو بڑھاؤ اور مونچھوں کو کٹواؤ۔ کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے میری بڑھی ہوئی مونچھوں کے متعلق فرمایا۔ اَقُصُّهٗ لَكَ عَلٰى سِوَاكٍ کیا تمہاری یہ مونچھیں مسواک پر رکھ کر میں کاٹ دوں۔ اَوْ قُصَّهٗ عَلٰى سِوَاكٍ یا یوں فرمایا کہ بھائی! ان بڑھی ہوئی مونچھوں کو مسواک پر رکھ کر خود کاٹ دو۔ مسواک پر رکھ کر کاٹنے کا مطلب یہ ہوگا کہ حجام کو بلوانے کی بھی ضرورت نہیں، ان کو فوراً کاٹ دو۔ ظاہر ہے کہ مونچھیں بڑھ کر منہ تک آرہی ہوں گی جس سے کراہت آتی ہوگی یہ طریقہ تو مشرکوں اور یہودیوں کا تھا کہ وہ داڑھی منڈواتے اور مونچھیں بڑھاتے تھے۔ مگر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اہلِ ایمان کو داڑھی بڑھانے اور مونچھیں کٹوانے کا حکم دیا۔ مونچھوں کے کٹوانے کی حد یہ ہے کہ اوّل تو بالکل نیچے تک کٹوا دینی چاہئیں یا کم از کم اتنی ضرور کاٹ دی جائیں کہ آدمی کے ہونٹ تو صاف نظر آئیں۔

اس حدیث میں گوشت کھانے کا ذکر ہے۔ گوشت روٹی کے ساتھ بطور سالن بھی کھایا جاتا ہے اور ویسے روسٹ کرکے بغیر روٹی کے بھی کھا سکتے ہیں۔ یہ باب چونکہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے سالن کا ہے لہٰذا گوشت کا یہاں تذکرہ سالن کے طور پر ہی سمجھنا چاہیئے۔

حَدَّثَنَا وَاصِلُ بْنُ عَبْدِ الْاَعْلٰی حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنْ اَبِیْ حَيَّانَ التَّيْمِيِّ عَنْ اَبِیْ زُرْعَةَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ اُتِیَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِلَحْمٍ فَرُفِعَ اِلَيْهِ الذِّرَاعُ وَكَانَتْ تُعْجِبُهٗ فَنَهَسَ مِنْهَا۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۲۹)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت واصل[1] بن عبد الاعلیٰ نے بیان کی۔ اُن کے پاس اسے محمد[2] بن فضیل نے بیان کیا۔ انھوں نے یہ روایت ابوحیان[3] تیمی سے روایت کی اور انھوں نے ابو زرعہ سے نقل کی۔ وہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں گوشت لایا گیا۔ اس میں سے ایک بازو (لونگ) آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا جسے آپ نے دانتوں سے نوچ کر تناول فرمایا کیونکہ یہ آپ کو بڑا مرغوب تھا۔"

تشریح یہ حدیث بھی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے گوشت کھانے سے متعلق ہی ہے، پہلی روایت میں گوشت کو چھری سے کاٹ کر کھانے کا ذکر تھا۔ اس میں پیش آمدہ لونگ کو دانتوں سے نوچ کر کھانے کا بیان ہوا ہے۔ حسبِ ضرورت دونوں طریقے درست ہیں اور ان میں سے کوئی بھی معیوب نہیں ہے۔

---

[1] المتوفی ۲۴۴ھ ، [2] المتوفی ۱۹۴ھ ، [3] المتوفی ۱۴۵ھ (فیاض)

درس - ۲۷　　حدیث - ۱۷

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا اَبُوْدَاوُدَ عَنْ زُهَيْرٍ يَعْنِى ابْنَ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِى اِسْحٰقَ عَنْ سَعْدِ بْنِ عِيَاضٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كَانَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْجِبُهُ الذِّرَاعُ قَالَ وَسُمَّ فِى الذِّرَاعِ وَكَانَ يُرٰى اَنَّ الْيَهُوْدَ سَمُّوْهُ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۷۹)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت محمد بن بشار نے بیان کی ان کے پاس اسے ابوداؤد نے بیان کیا۔ انھوں نے یہ روایت زہیر یعنی ابن محمد[1] سے ابی اسحٰق کے واسطہ سے روایت کی۔ انھوں نے یہ روایت سعد بن عیاض سے اور انھوں نے عبداللہ بن مسعود[2] سے نقل کی۔ وہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دستی کا گوشت بہت مرغوب تھا اور اسی میں آپ کو زہر بھی دیا گیا تھا اور گمان یہ ہے کہ یہ زہر آپ کو یہودیوں نے دیا تھا۔"

تشریح حضور علیہ السلام کو خیبر کے مقام پر زہر بکری کے پایوں میں ملا کر دیا گیا تھا۔ کیونکہ گوشت کا یہ حصہ آپ کو بڑا مرغوب تھا۔ آگے دوسری روایت میں بھی آرہا ہے کہ غالب گمان یہی ہے کہ یہ زہر خورانی آپ کو خیبر کے یہودیوں کے ہاتھوں ہوئی تھی جس کا اثر آپ کو عمر کے آخری حصے تک باقی رہا۔

---

[1] المتوفی سنہ ۱۶۲ھ ، [2] آپ کی کنیت ابو عبدالرحمٰن ہے امت میں سب سے بڑے مفسر قرآن ہیں۔ بخاری شریف کی روایت کے مطابق آپ نے حضورؐ سے ۷۰ سورتوں کی تفسیر سیکھی آپ نے ۶۰ سال کی عمر میں ۳۲ھ میں وفات پائی۔ (دیا ض)

درس - ۲۷ حدیث - ۱۸

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ حَدَّثَنَا اَبَانُ بْنُ يَزِيْدَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ عَنْ اَبِيْ عُبَيْدٍ قَالَ طَبَخْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِدْرًا وَكَانَ يُعْجِبُهُ الذِّرَاعُ فَنَاوَلْتُهُ الذِّرَاعَ ثُمَّ قَالَ نَاوِلْنِي الذِّرَاعَ فَنَاوَلْتُهُ ثُمَّ قَالَ نَاوِلْنِي الذِّرَاعَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَكَمْ لِلشَّاةِ مِنْ ذِرَاعٍ فَقَالَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْ سَكَتَّ لَنَاوَلْتَنِي الذِّرَاعَ مَا دَعَوْتُ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۷۹)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ[1] کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت محمد بن بشار نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے مسلم بنؒ ابراہیم نے بیان کیا۔ اُن کے پاس یہ روایت ابان بن یزید نے قتادہ کے واسطہ سے بیان کی۔ انھوں نے یہ روایت شہر بن حوشب سے اخذ کی اور انھوں نے اسے صحابی رسول حضرت ابو عبیدؓ سے سماعت کی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہانڈی پکائی اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اگلے پائے بہت پسند تھے۔ پس میں نے ایک پایہ نکال کر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں پیش کیا۔ پھر آپ نے فرمایا، مجھے ایک پایہ اور دو۔ میں نے دوسرا پایہ بھی دے دیا۔ آپ نے پھر فرمایا، مجھے اور پایہ دو۔ میں نے عرض کیا اللہ کے رسول! بکری کے اگلے پائے کتنے ہوتے ہیں؟ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا، اُس ذات پاک کی قسم جس

---

[1] المتوفی ۲۷۹ھ (فیاض)

کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر تم خاموش رہتے تو جب تک مَیں طلب کرتا رہتا تم مجھے پائے نکال نکال کر دیتے رہتے ۔"

راوی شہر بن حوشب اس حدیث کے ایک راوی شہر بن حوشب ہیں جو کہ متنازعہ فیہ شخصیّت ہیں۔ امام مسلمؒ نے تو اس کی روایت کو قبول نہیں کیا مگر امام ترمذیؒ اور امام احمدؒ نے اس کو قابلِ لحاظ سمجھا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ شخص ضعیف راوی تو ہو سکتا ہے مگر بالکل ساقط الاعتبار نہیں ہے اور ایک حد تک قابلِ قبول ہے۔

بابرکت ہانڈی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ایک صحابی ابو عبیدؓ بیان کرتے ہیں کہ مَیں نے ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہانڈی پکائی (قِدْرًا ہانڈی کو کہتے ہیں) اُس ہانڈی میں بکری کا گوشت تھا جس میں بکری کے اگلے پائے (یعنی بونگ) بھی تھے۔ چونکہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو بکری کے اگلے پائے بہت مرغوب تھے، لہٰذا راوی کہتا ہے کہ مَیں نے ایک اگلا پایا ہانڈی سے نکال کر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے وہ پایہ (بونگ) تناول فرمایا اور پھر کہا نَاوِلْنِي الذِّرَاعَ کہ مجھے ایک پایہ اور دو۔ راوی کہتا ہے کہ مَیں نے دوسرا پایہ بھی پیش خدمت کر دیا۔ آپ نے وہ بھی کھا لیا اور فرمایا کہ ایک پایہ اور دو۔ ظاہر ہے کہ جانور کے اگلے پائے تو دو ہی ہوتے ہیں، اس لیے مَیں نے استفہامیہ انداز میں عرض کیا، اللہ کے رسول! کَمْ لِلشَّاۃِ مِنْ ذِرَاعٍ بکری کے اگلے پائے کتنے ہوتے ہیں؟ مطلب یہ تھا کہ اگلے پائے یا اگلے بونگ دو ہی تو ہوتے ہیں جو آپ نے تناول فرما لیے ہیں اب مزید کہاں سے آئیں گے؟ اس پر حضور علیہ السّلام نے فرمایا، مجھے اس ذات پاک کی قسم ہے جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے لَوْ سَکَتَّ لَنَاوَلْتَنِي الذِّرَاعَ مَا دَعَوْتُ اگر تم خاموش رہتے یعنی اتنی بات نہ کرتے بلکہ ہانڈی سے بونگ نکالتے رہتے تو جب تک مَیں طلب کرتا رہتا تم نکال

نکال کر دیتے رہتے اور پائے ختم نہ ہوتے۔

معجزاتِ رسول

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ارشاد کے مطابق اگر ابو عبیدؓ پائے نکال نکال کر دیتا رہتا تو پائے ختم نہ ہوتے اور یہ آپ کا معجزہ ہوتا کہ اللہ تعالیٰ تھوڑی چیز کو زیادہ کر دیتا۔ اس قسم کے کئی معجزات حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی زندگی میں اللہ نے آپ کے ہاتھ پر ظاہر فرمائے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کے پاس ایک تھیلی میں کھجور کے چند دانے تھے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے دریافت کیا۔ ابو ہریرہؓ! اس تھیلی میں کیا ہے؟ انھوں نے کھجور کے چند دانے نکال کر آپ کے سامنے رکھ دیے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے دعا فرمائی اور کہا کہ سارے لشکر کو کھانے کے لیے بلا لاؤ۔ چنانچہ ایک ایک گروہ آتا رہا اور کھجوریں کھا کر سیر ہوتا رہا حتیٰ کہ سارا لشکر شکم سیر ہو گیا کھجوریں پھر بھی بچ گئیں۔ آپ نے فرمایا، ابو ہریرہ! ان کو اپنی تھیلی میں ڈال لو اور جب بھوک لگے اسی تھیلی میں سے نکال کر کھا لینا مگر یاد رکھنا اس تھیلی کو اُلٹا کر کے ساری کھجوریں بیک وقت نہ نکال لینا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی ہدایت کے مطابق اُس تھیلی میں سے کھجوریں نکال نکال کر کھاتا رہا حتیٰ کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا زمانہ مبارکہ گزر گیا پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ کا زمانہ آیا، وہ بھی گزر گیا اور میں وہ کھجوریں کھاتا رہا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ کے پورے زمانہ میں وہ چند کھجوریں میری خوراک بنی رہیں حتیٰ کہ حضرت عثمانؓ کا زمانہ آ گیا۔ یہ کھجوریں اس زمانہ تک میں خود بھی کھاتا رہا اور مہمانوں کو بھی کھلاتا رہا حتیٰ کہ اُس تھیلی میں سے کئی وسق کھجوریں نکال کر کھا لیں مگر تھیلی میں کمی نہ آئی۔ پھر جب حضرت عثمانؓ کی خلافت کے آخری دور میں شر پسندوں نے آپ پر حملہ کر کے آپ کو شہید کر دیا تو اسی افراتفری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے وہ تھیلی کسی نے چھین لی۔ حضرت ابو ہریرہؓ کو اس تھیلی کے چھن جانے کا سخت افسوس ہوا، کہنے لگے: ؎

لِلنَّاسِ هَمٌّ وَلِيَ الْيَوْمَ هَمَّانِ
هَمُّ الْجِرَابِ وَهَمُّ الشَّيْخِ عُثْمَانِ

"آج کے دن لوگوں کو صرف ایک غم ہے کہ حضرت عثمانؓ شہید ہو گئے مگر مجھ پر دو غم طاری ہیں، ایک حضرت عثمانؓ کی شہادت کا اور دوسرا تھیلی کے ضائع ہو جانے کا۔"

اسی طرح کا ایک معجزہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی موجودگی میں بھی پیش آیا۔ ایک صحابی رسول (حضرت ابو ایوب انصاریؓ) نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام اور آپ کے یار غار حضرت ابوبکر صدیقؓ کو کھانے پر بلایا۔ کھانا صرف اس قدر تھا کہ صرف دو آدمی ہی سیر ہو کر کھا سکتے تھے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے دُعا کی اور پھر فرمایا کہ دس دس آدمیوں کا گروہ بلاتے جاؤ اور کھانا کھلاتے جاؤ۔ چنانچہ ایک ایک گروہ آتا رہا اور کھانا کھا کر جاتا رہا حتیٰ کہ دو آدمیوں کو کفایت کرنے والا وہ کھانا ایک سو اسّی ۱۸۰ آدمیوں نے سیر ہو کر کھایا۔ یہ بھی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی دعا کی برکت تھی اور آپ کا معجزہ تھا۔ اس قسم کے اور بھی بہت سے واقعات آگے آئیں گے۔

یاد رہے کہ معجزہ نبی کا فعل نہیں ہوتا بلکہ فعل تو اللہ کا ہوتا ہے جسے اللہ اپنے نبی کے ہاتھ پر ظاہر فرماتا ہے۔ اسی طرح کرامت بھی اللہ کا فعل ہوتا ہے جو ولی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے۔ یہ کسی نبی یا ولی کے اپنے اختیار میں نہیں ہوتا کہ جب چاہے کوئی معجزہ یا کرامت ظاہر کر دے بلکہ اس کا ظہور اللہ تعالیٰ کی منشا سے ہوتا ہے۔

حدیث - ۱۹

درس ۲۷

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الزَّعْفَرَانِیُّ حَدَّثَنَا یَحْیَی بْنُ عَبَّادٍ عَنْ فُلَیْحِ بْنِ سُلَیْمَانَ قَالَ حَدَّثَنِیْ رَجُلٌ مِّنْ بَنِیْ عَبَّادٍ یُقَالُ لَهٗ عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ یَحْیَی بْنِ عَبَّادٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَیْرِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا کَانَ الذِّرَاعُ اَحَبَّ اللَّحْمِ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَلٰکِنَّهٗ کَانَ لَا یَجِدُ اللَّحْمَ اِلَّا غِبًّا وَکَانَ یَعْجَلُ اِلَیْهَا لِاَنَّهَا اَعْجَلُهَا نُضْجًا۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۷۹)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت حسن بن محمد زعفرانی نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے یحییٰ بن عباد نے فلیح[1] بن سلیمان کے واسطہ سے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ میرے پاس یہ روایت بنی عباد کے ایک شخص عبدالوہاب بن یحییٰ بن عباد نے بیان کی۔ انھوں نے یہ روایت عبداللہ بن زبیرؓ سے اور انھوں نے امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے نقل کی۔ امّ المؤمنین کہتی ہیں کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو اگلے پایوں کا گوشت (محض لذّت کی وجہ سے) ہی پسند نہیں تھا بلکہ (بات یہ تھی) کہ گوشت چونکہ گھر میں کبھی کبھی پکتا تھا اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اس کیلئے جلدی کرتے تھے کیونکہ یہ گوشت جلدی پک جاتا تھا۔

---

[1] المتوفی ۱۶۸ھ　　　(فیاض)

تشریح یہ روایت حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے پھوپھی زاد بھائی زبیرؓ کے فرزند عبداللہ بن زبیرؓ نے امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے نقل کی ہے جس میں امّ المؤمنین نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی جانب سے بکری کے اگلے پائے پسند فرمانے کی وجہ بیان کی ہے۔ گزشتہ روایات میں بیان ہو چکا ہے کہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو بکری کے اگلے پائے جن کو ٹونگ بھی کہتے ہیں بہت مرغوب تھے اور آپ ان کا گوشت بڑے شوق سے تناول فرمایا کرتے تھے۔ امّ المؤمنین کہتی ہیں کہ لذیذ ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اس لیے پسند فرماتے تھے کہ جلدی پک کر تیار ہو جاتے تھے اور زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑتا تھا اس طرح جو وقت بچ جاتا وہ دین کے دوسرے امور میں لگ جاتا تھا۔ دراصل اُس زمانے اور آج کے دَور میں یہ پائے پکانے کے طریقے مختلف ہیں۔ آج تو ہم ہانڈی چولہے پر رکھ کر ساری رات پکنے کے لیے چھوڑ دیتے ہیں تب صبح کو جا کر کہیں گوشت کھانے کے قابل ہوتا ہے مگر اس زمانے میں لوگ اس قسم کے گوشت کو صاف کر کے نمک مرچ لگاتے اور آگ پر رکھ کر پانچ دس منٹ میں بھون لیتے تھے۔ چونکہ ہانڈی میں پکانے کی نسبت اس طرح وقت بہت کم لگتا تھا اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا وقت بھی بڑا قیمتی ہوتا تھا لہٰذا اگلے پائیوں کی پسندیدگی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ یہ جلدی تیار ہو جاتے تھے۔

درس - ۲۷　　　　حدیث - ۲۰

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا اَبُوْاَحْمَدَ حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ قَالَ سَمِعْتُ شَيْخًا مِّنْ فَهْمٍ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ جَعْفَرٍ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اَطْيَبَ اللَّحْمِ لَحْمُ الظَّهْرِ۔

(ترمذی مع شمائل صـ۵۷۹)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت محمود بن غیلان نے بیان کی۔ ان کے پاس یہ روایت ابو احمد نے اور ان کے پاس مسعر نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ مَیں نے فہم کے ایک شیخ سے سُنا۔ وہ کہتے ہیں کہ مَیں نے عبداللہ بن جعفرؓ کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ بہترین اور پاکیزہ گوشت پُٹھ کا گوشت ہوتا ہے۔"

تشریح پہلے کئی روایات میں اگلے پائیوں کی پسندیدگی کا ذکر ہو چکا ہے۔ اس روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ جانور کا بہترین گوشت پُٹھ کا ہوتا ہے۔ یہ گوشت ریڑھ کی ہڈی کے ساتھ ملا ہوتا ہے جس میں چربی بھی ہوتی ہے۔ یہ گوشت کھانے میں نہایت ہی لذیذ اور مرغوب ہوتا ہے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اس کو اَطیَب کہا ہے یعنی یہ بہت ہی اچھا گوشت ہوتا ہے۔

درس - ۲۷　　　　حدیث - ۲۱

حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ الْحُبَابِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْمُؤَمَّلِ عَنِ ابْنِ اَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نِعْمَ الْاِدَامُ الْخَلُّ.

(ترمذی مع شمائل صفحہ ۵۷۹)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت سفیان بن وکیع نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے زید بن حباب نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت عبداللہ[1] بن مؤمل کے واسطہ سے آئی۔ انھوں نے یہ روایت ابن ابی ملیکہؒ سے اور انھوں نے امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے سماعت کی۔ وہ کہتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سرکہ بہترین سالن ہے"

تشریح اس کی ہم معنی روایات اس باب کے آغاز میں بیان ہو چکی ہیں جن میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے سرکہ کی بطور سالن بڑی تعریف فرمائی ہے سرکہ کی تفصیلات گزشتہ روایات میں بیان ہو چکی ہیں۔

---

[1] المتوفی ۱۸۰ھ (فیاض)

حَدَّثَنَا اَبُوْكُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ عَنْ ثَابِتٍ اَبِيْ حَمْزَةَ الثَّمَالِيِّ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ اُمِّ هَانِئٍ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَعِنْدَكِ شَيْئٌ فَقُلْتُ لَا اِلَّا خُبْزٌ يَابِسٌ وَخَلٌّ فَقَالَ هَاتِيْ مَا اَقْفَرَ بَيْتٌ مِّنْ اُدُمٍ فِيْهِ خَلٌّ ـ

(ترمذی مع شمائل ص۵۷۹)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت ابوکریب محمد بن العلاء نے بیان کی۔ ان کے پاس یہ روایت ابوبکر بن عیاش نے بیان کی۔ انھوں نے یہ روایت ثابت ابی حمزہ ثمالی سے روایت کی اور انھوں نے شعبی سے نقل کی۔ وہ یہ روایت ام ہانیؓ سے نقل کرتے ہیں کہ ام ہانیؓ نے کہا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے گھر میں داخل ہوئے اور مجھ سے فرمایا، کیا تمھارے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے؟ میں نے عرض کیا حضور! اور تو کچھ نہیں، صرف خشک روٹی اور سرکہ ہے۔ آپ نے فرمایا، لے آؤ کیونکہ جس گھر میں سرکہ موجود ہو وہ گھر سالن سے خالی نہیں ہوتا۔"

تشریح | اس باب کی پہلی حدیث بھی اسی مضمون سے متعلق گزر چکی ہے جس میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے سرکہ کی بطور سالن تعریف فرمائی ہے۔ اُس روایت کی تشریح میں میں نے عرض کیا تھا کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام فتح مکہ کے روز اپنی چچا زاد بہن اُمّ ہانیؓ کے گھر تشریف لائے کیونکہ اُن کا گھر بیت اللہ شریف سے قریب تر تھا آپ نے غسل فرمایا اور پھر نماز چاشت ادا کی۔ آپ نے اپنی

بہن سے کھانے کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے بتایا کہ جَو کی روٹی کے چند خشک ٹکڑے ہیں۔ آپ نے اُن کو پانی میں بھگو کر نرم کیا۔ پھر سالن کے متعلق پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ صرف سرکہ ہے۔ آپ نے اس موقع پر فرمایا تھا۔ نِعْمَ الْاِدَامُ الْخَلُّ یعنی سرکہ ایک بہترین سالن ہے۔ اور یہ بھی ساتھ فرمایا۔ مَا اَقْفَرَ بَیْتٌ مِّنْ اُدُمٍ فِیْہِ خَلٌّ یعنی جس گھر میں سرکہ موجود ہو وہ گھر سالن سے خالی نہیں ہوتا مطلب یہ ہے کہ سرکہ نہ صرف بطور سالن استعمال کیا جاسکتا ہے بلکہ یہ ایک اچھا سالن ہے۔

اس باب کی پہلی حدیث ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی زبانی بیان ہوئی تھی جبکہ یہ روایت خود اُمّ ہانیؓ سے مروی ہے اور اس طرح دونوں روایات میں ایک ہی واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو فتح مکہ کے دن پیش آیا۔

حدیث ۲۳

درس - ۲۸

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ مُرَّةَ الْهَمْدَانِيِّ عَنْ أَبِي مُوسٰى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيدِ عَلٰى سَائِرِ الطَّعَامِ۔ (ترمذی مع شمائل صـ۵۷۹)

ترجمہ: " امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت محمد بن مثنیٰ نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس محمد بن جعفر نے بیان کی۔ انھوں نے یہ روایت شعبہ سے اور انھوں نے عمرو بن مرّہ سے اور انھوں نے مرّہ ہمدانی سے روایت کی۔ وہ یہ روایت حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے نقل کرتے ہیں اور انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ عائشہ صدیقہؓ کی فضیلت دوسری عورتوں پر ایسی ہے جیسی ثرید کھانے کو دوسرے کھانوں پر "

تشریح | عربوں میں ثرید کھانے کو بڑا اعلیٰ کھانا سمجھا جاتا تھا اور یہ عام لوگوں کے لیے مرغوب تھا۔ ثرید افغانوں کا بھی مرغوب کھانا ہے۔ تاہم پنجاب کے علاقے میں اس کا رواج نہیں ہے۔ ثرید خوش ذائقہ ہونے کے علاوہ خوش ہضم بھی ہوتا ہے۔ گوشت کے شوربے میں روٹی کے ٹکڑے ڈال کر کچھ دیر کے لیے انتظار کیا جاتا ہے حتیٰ کہ وہ ٹکڑے شوربے میں بھیگ کر خوب نرم ہوجاتے ہیں اور پھر اُس کو کھا لیا جاتا ہے۔ پنجاب میں اس قسم کا مرکب میٹھا بنایا جاتا ہے گرم گرم دودھ میں چینی ملا کر اس میں ڈبل روٹی، سوّیاں یا جلیبیاں ڈال دی جاتی ہیں جو بھیگ کر نرم ہوجاتی ہیں اور بڑے مزے سے کھائی جاتی ہیں۔ غرضیکہ عربوں کے

ہاں ثرید کھانے کو بڑے شوق سے کھایا جاتا ہے۔ اس روایت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ مبارک ہے کہ جس طرح دیگر کھانوں میں ثرید کو فوقیت حاصل ہے اسی طرح عائشہ صدیقہؓ کو دیگر عورتوں پر فضیلت حاصل ہے۔

اہلِ سُنّت کے ہاں یہ مسئلہ ہمیشہ بحث طلب رہا ہے کہ دنیا بھر کی عورتوں میں سب سے زیادہ فضیلت والی عورتیں کونسی ہیں؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ حضرت مریمؑ، امّ المؤمنین حضرت خدیجہؓ، امّ المؤمنین حضرت عائشہؓ اور فاطمہؓ بنت محمدؐ کی علیحدہ علیحدہ فضیلت کی روایات موجود ہیں مگر ان میں سے کسی بھی خاتون کو قطعیت کے ساتھ پہلے نمبر پر نہیں رکھا جاسکتا۔ محدثینِ کرام کہتے ہیں کہ ان میں سے ہر خاتون کو جزوی اعتبار سے دوسری پر فضیلت حاصل ہے مگر بحیثیت مجموعی کسی کے متعلق بھی ناطق بات نہیں کی جاسکتی۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے حضرت مریمؑ کو یہ شرف بخشا ہے کہ ان کے بطن سے بغیر باپ کے ایک صاحبِ کتاب نبی پیدا فرمایا۔ خود اللہ تعالیٰ نے اُن کو صدیقہ کا لقب عطا کیا ہے امّ المؤمنین حضرت خدیجہؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت کرنے میں سب سے بڑھی ہوئی ہیں آپ نے مشکلات کے دور میں بڑی بڑی تکالیف برداشت کیں اور اپنا سارا مال دین پر قربان کردیا۔ عورتوں میں آپ سب سے پہلے ایمان لانے والی خاتون ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی فاطمہؓ کی بھی بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ اِنَّمَا فَاطِمَۃُ بُضْعَۃٌ مِّنِّیْ۔ (بخاری ص ۵۳۲/ج ۱ و ترمذی ص ۲۲۶/ج ۲) فرمایا فاطمہ میرا جگر گوشہ ہے۔ نیز یہ جنت کی عورتوں کی سردار ہوگی۔ اُدھر حسن، فقاہت اور دینی خدمات کے لحاظ سے حضرت عائشہؓ کو سب پر فوقیت حاصل ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جملہ ازواجِ مطہرات میں سے صرف حضرت عائشہ صدیقہؓ ہی دوشیزہ تھیں باقی ازواج ثیبہ تھیں۔ حضرت عائشہؓ کم سنی میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عقد میں آئیں اور پھر آپ کے دُنیا سے رخصت ہوجانے کے بعد بھی لمبی عُمر پائی۔ اس دوران میں اُنھوں نے اُمّت کی کمال درجے کی تربیت کی۔ اگر یہ کہا جائے کہ اُمّت کو ایک تہائی دین امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ کی وساطت سے نصیب ہُوا تو اس میں مبالغہ نہیں ہوگا۔ آپ انتہائی خدا پرست، عبادت گزار اور ذہین خاتون

تھیں۔ جب اُن پر بعض منافقوں نے کیچڑ اُچھالنے کی کوشش کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی برأت میں پورے دو رکوع سورۃ نور کے نازل فرما دیے۔

ایک اور روایت میں حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد[1] مبارک ہے کہ مرد تو بہت سے کامل ہوئے ہیں مگر عورتوں میں سے کاملین مریم بنت عمرانؑ، خدیجہ بنت خویلدؓ، عائشہ بنت ابی بکر صدیقؓ اور فاطمہؓ بنت محمدؐ ہوئی ہیں۔ بعض روایات میں آسیہ بنتِ مزاحمؓ کا نام بھی آتا ہے جو کہ فرعون کی بیوی تھی مگر کامل الایمان خاتون تھی۔

---

[1] بخاری ص۵۳۲ ج۱ و دارمی ص۳۲ ج۲ (فیاض)

شمائل ترمذی　　　　باب - ۲۶

درس - ۲۸　　　　حدیث - ۲۴

حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا اِسْمَاعِیْلُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ مَعْمَرٍ الْاَنْصَارِیُّ اَبُوْطُوَالَةَ اَنَّهٗ سَمِعَ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ یَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَضْلُ عَائِشَةَ عَلَی النِّسَآءِ كَفَضْلِ الثَّرِیْدِ عَلٰی سَآئِرِ الطَّعَامِ ۔

(ترمذی مع شمائل صـ۵۷۹)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت علی بن حجر نے بیان کی۔ اُن کے پاس یہ روایت اسماعیل بن جعفر نے بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن معمر انصاری ابوطوالہ نے بیان کیا۔ یہ ابوطوالہ کہتے ہیں کہ مَیں نے حضرت انس بن مالکؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عائشہ صدیقہؓ کو تمام عورتوں پر اسی طرح فضیلت حاصل ہے جیسے ثرید کھانے کو تمام کھانوں پر فضیلت ہے۔"

تشریح یہ روایت بھی پچھلی روایت کی ہم معنی ہے۔ ان دونوں روایات میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی فضیلت بیان کی گئی۔ دنیا بھر کی بعض صاحبِ فضیلت خواتین کا تذکرہ میں نے عرض کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اپنے مقام پر کئی خواتین کو مختلف اعتبار سے فضیلت عطا فرمائی ہے۔

درس - ۲۸　　　　حدیث - ۲۵

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ اَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ مُحَمَّدٍ بْنِ اِسْمٰعِيْلَ ابْنِ اَبِي صَالِحٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ اَنَّهٗ رَاٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ مِنْ ثَوْرِ اَقِطٍ ثُمَّ رَاٰهُ اَكَلَ مِنْ كَتِفِ شَاةٍ ثُمَّ صَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ ۔　　　　(ترمذی مع شمائل صفحہ ۵۸)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت قتیبہ بن سعید نے بیان کی ۔ اُن کے پاس خبر دی عبدالعزیز بن محمد بن اسمٰعیل نے سہیل ابن[1] ابی صالح کے واسطہ سے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں جنھوں نے یہ روایت صحابی رسول حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کی ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو ایک موقع پر دیکھا کہ آپؐ نے پنیر کا ایک ٹکڑا تناول فرمایا اور پھر نماز ادا کرنے کے لیے وضو کیا ۔ کہتے ہیں کہ پھر میں نے دوسرے موقع پر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو دیکھا کہ آپؐ نے بکری کے کندھے کا پکا ہوا گوشت کھایا، نماز پڑھی مگر اس کے لیے تازہ وضو نہیں کیا ۔"

تشریح اس مضمون کی حدیث ۱۳ اسی باب میں گزر چکی ہے جو کہ امّ المؤمنین امّ سلمہؓ سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے بکری کے پہلو کا پکا ہوا گوشت تناول فرمایا مگر نماز کے لیے تازہ وضو نہیں فرمایا ۔ اس روایت میں ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے گوشت کھا کر تو وضو نہیں کیا، البتہ پنیر کا ٹکڑا تناول فرما کر نماز کے لیے تازہ وضو کیا ۔ آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضو ضروری ہو جاتا ہے، یا نہیں، اس ضمن میں دونوں طرح کی روایات آتی ہیں تاہم جمہور کا مسلک یہی ہے کہ ایسی چیز کھانے کے بعد دوبارہ وضو کرنا ضروری نہیں ہوتا ۔

---

[1] ان کا نام ذکوان ہے ۔ المتوفی سنہ ۱۴۰ھ　　(فیاض)

باب - ۲۶

درس - ۲۸

حدیث - ۲۶

حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ وَائِلِ بْنِ دَاوُدَ عَنْ اَبِيْهِ وَهُوَ بَكْرُ بْنُ وَائِلٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ اَوْلَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى صَفِيَّةَ بِتَمْرٍ وَّسَوِيْقٍ۔ (ترمذی مع شمائل صفحہ ۵۸۰)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت ابن ابی عمر نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت سفیان بن عیینہ نے وائل بن داؤد کے واسطہ سے اور انھوں نے اپنے باپ سے بیان کی جن کا نام وائل بن بکر تھا۔ وہ زہری سے اور وہ صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہؓ کے نکاح کے موقع پر کھجوروں اور ستوؤں کا ولیمہ کیا۔"

نکاح کے بعد دعوتِ ولیمہ

ام المومنین حضرت صفیہؓ[1] کا نکاح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ دورانِ سفر ہوا تھا۔ جنگ خیبر کے موقع پر حضرت صفیہؓ بطور لونڈی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حصہ میں آئی تھیں (پہلے یہ حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبیؓ کے حصہ میں آئی تھیں چونکہ یہ سردار کی بیٹی تھیں اور سردار کی بیوی تھیں اس لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دے دی گئیں۔ فیاض) مگر آپ نے اُن کو آزاد کرکے سفر سے واپسی پر راستے میں ہی نکاح کر لیا۔ ایک مقام پر آپ نے دستر خوان بچھانے کا حکم دیا۔ اُس وقت آپ کے پاس کچھ کھجوریں اور کچھ ستّو تھے جو آپ نے دستر خوان پر رکھ دیئے۔ پھر دوسرے

[1] یہ حضرت ہارون علیہ السلام کی آل میں سے تھیں ان کے والد کا نام حییّ بن اخطب تھا جو کہ بنو نضیر کا سردار تھا ان کی والدہ کا نام ضرہ تھا۔ غزوہ خیبر ۷ھ میں حضور کے عقد نکاح میں آئیں اور چار سال آپکے نکاح میں رہیں اور ساٹھ سال کی عمر میں ۵۰ھ میں مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا۔ (فیاض)

لوگوں کے پاس بھی جو جو چیز تھی انھوں نے لاکر اُسی دستر خوان پر چُن دی، اور پھر سب نے مل کر ناشتہ کر لیا، بس یہی آپ کی طرف سے حضرت صفیہؓ کے ساتھ نکاح کا ولیمہ تھا جو دعوتِ شیراز کی صورت میں ادا ہُوا۔

یہ مسئلہ یاد رکھنا چاہیے کہ نکاح کے بعد مرد کی طرف سے کھلایا جانے والا کھانا ولیمہ کہلاتا ہے مگر یہ نہ تو فرض، واجب یا سُنّتِ مؤکدہ ہے، بلکہ محض مستحب ہے۔ اگر کسی کو استطاعت ہے تو اپنی حیثیت کے مطابق تھوڑا بہت جس قدر بھی کر لے، دوست واحباب اور عزیزوں کو کھانا کھلا دے۔ اگر استطاعت نہیں ہے تو نہ سہی، کوئی حرج نہیں بعض لوگ بامرِ مجبوری نکاح سے پہلے بھی کھلا دیتے ہیں۔ یہ بھی درست ہے۔ اگر کوئی شخص ولیمہ کا اہتمام نہیں بھی کرتا تو پھر بھی قابلِ ملامت نہیں ہے۔

درس - ۲۸　　　　حدیث - ۲۷

حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا الْفُضَيْلُ بْنُ سُلَيْمَانَ حَدَّثَنِيْ فَائِدٌ مَوْلٰى عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ رَافِعٍ مَوْلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ جَدَّتِهٖ سَلْمٰى اَنَّ الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ وَابْنَ عَبَّاسٍ وَابْنَ جَعْفَرٍ اَتَوْهَا فَقَالُوْا لَهَا اِصْنَعِيْ لَنَا طَعَامًا مِّمَّا كَانَ يُعْجِبُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيُحْسِنُ اَكْلَهٗ فَقَالَتْ يَا بُنَيَّ لَا تَشْتَهِيْهِ الْيَوْمَ قَالَ بَلٰى اِصْنَعِيْهِ لَنَا قَالَ فَقَامَتْ فَاَخَذَتْ شَيْئًا مِّنْ شَعِيْرٍ فَطَحَنَتْهُ ثُمَّ جَعَلَتْهُ فِيْ قِدْرٍ وَصَبَّتْ عَلَيْهِ شَيْئًا مِّنْ زَيْتٍ وَدَقَّتِ الْفُلْفُلَ وَالتَّوَابِلَ فَقَرَّبَتْهُ اِلَيْهِمْ فَقَالَتْ هٰذَا مِمَّا كَانَ يُعْجِبُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيُحْسِنُ اَكْلَهٗ ۔　　(ترمذی مع شمائل صفحہ ۵۸۰)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت حسن بن محمد بصری نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے فضیل بن سلیمان نے بیان کیا، وہ کہتے کہ میرے پاس یہ روایت فائد نے بیان کی جو کہ عبیداللہ بن علی بن ابی رافع کے آزاد کردہ غلام تھے۔ اور خود ابو رافع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت عبید اللہ بن علی نے اپنی دادی سلمیٰؓ کے حوالہ سے بیان کی وہ کہتی ہیں کہ حسن بن علیؓ، عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن جعفرؓ

اس کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ہمارے لیے کوئی ایسا کھانا تیار کرو جو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام پسند فرمایا کرتے تھے اور اسے رغبت کے ساتھ تناول فرماتے تھے۔ سلمیٰؓ کہتی ہیں کہ اے بیٹو! ایسا کھانا تم اب پسند نہیں کرو گے۔ وہ کہنے لگے کہ کیوں نہیں؟ (یعنی ہم ضرور پسند کریں گے) راوی بیان کرتا ہے کہ پھر سلمیٰؓ اُٹھیں، اُس نے کچھ جَو لیے، انھیں چکّی میں پیسا، پھر انھیں ایک ہانڈی میں ڈالا۔ پھر اس پر کچھ زیتون کا تیل، سیاہ مرچ اور گرم مصالحے ڈالے، پھر (جب ہانڈی پک کر تیار ہو گئی) اُسے مہمانوں کے سامنے رکھ دیا اور کہا کہ یہ ہے وہ کھانا جس کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پسند فرماتے تھے اور رغبت سے تناول فرماتے تھے۔"

خادمہ اور صحابیہ رسول حضرت سلمیٰؓ،

اس روایت کے راوی عبیداللہ بن علی اپنی دادی سلمیٰؓ سے روایت کرتے ہیں۔ یہ خاتون حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی صحابیہ اور آپکی خادمہ تھیں۔ یہ وہی خاتون ہیں جنھوں نے نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے صاحبزادے ابراہیمؓ کی ولادت کے دوران ماریہ قبطیہ کی دایہ گری کی تھی۔ آپ کے پوتے عبیداللہ بن علی انہی کی زبان سے یہ روایت بیان کرتے ہیں۔

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا مرغوب کھانا،

تو عبیداللہ کہتے ہیں کہ میری دادی سلمیٰؓ نے اس طرح بیان کیا کہ حسن بن علیؓ، عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن جعفرؓ اس کے پاس آئے۔ یہ تینوں صغار صحابہ میں سے ہیں۔ خاص طور پر حضرت حسنؓ تو بہت چھوٹے تھے۔ اُن کو اپنے نانا حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے عادات و اطوار اختیار کرنے کا اس قدر شوق تھا کہ وہ اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہؓ سے آپ کے عادات و خصائل جاننے کی کوشش کیا کرتے تھے تاکہ وہ بھی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا اسوہ اختیار کر سکیں۔ الغرض! یہ تینوں اصحاب حضرت سلمیٰؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ امّاں جان! اِصْنَعِی لَنَا طَعَامًا مِمَّا کَانَ یُعْجِبُ رَسُوْلَ اللّٰہِ

صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ہمارے لیے کوئی ایسا کھانا تیار کریں جو آپ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تیار کیا کرتی تھیں اور آپ کو بڑا مرغوب ہوتا تھا۔ حضرت سلمیٰؓ نے جواب دیا، اے بیٹو! اب تو وہ زمانہ ہی گزر چکا ہے جب میں اللہ کے پاک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھانا تیار کیا کرتی تھی۔ وہ آغاز اسلام کا زمانہ تھا اور مسلمانوں پر معاشی لحاظ سے تنگ دستی کا دور تھا۔ اب ماشاء اللہ خوشحالی کا دور دورہ ہے اور ہر چیز بافراط دستیاب ہے۔ اس زمانے میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے لیے تیار کردہ کھانا اب آپ کو کہاں پسند آئے گا؟ ان تینوں اصحاب نے اصرار کیا کہ نہیں اماں جان! آپ ضرور ہمارے لیے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا مرغوب کھانا تیار کریں اور ہمیں کھلائیں۔

راوی بیان کرتا ہے کہ مہمان کے اصرار پر حضرت سلمیٰؓ نے اُن کی فرمائش قبول کر لی۔ وہ اپنی جگہ سے اُٹھیں فَاَخَذَتْ شَیْئًا مِّنْ شَعِیْرٍ انھوں نے کچھ جَو لیے فَطَحَنَتْہُ ان کو چکی میں پیس کر اُن کا آٹا بنایا۔ پھر اُنھیں ہانڈی میں ڈالا اور چولھے پر رکھ کر آگ جلا دی۔ ظاہر ہے کہ ہانڈی میں آٹے کے ساتھ پانی بھی ڈالا ہوگا۔ پھر جیسے سالن پکاتے ہیں وَصَبَّتْ عَلَیْہِ شَیْئًا مِّنْ زَیْتٍ ہانڈی میں زیتون کا روغن ڈالا اور سالن کو خوش ذائقہ بنانے کے لیے دَقَّتِ الْفُلْفُلَ وَالتَّوَابِلَ اُس میں سیاہ مرچ اور کچھ گرم مصالحے از قسم زیرہ، الائچی، دارچینی اور دھنیا وغیرہ بھی ڈالا۔ پھر جب وہ ہانڈی تیار ہوگئی فَقَرَّبَتْہُ اِلَیْھِمْ حضرت سلمیٰؓ نے وہ کھانا مہمانوں کو پیش کر دیا، اور ساتھ یہ بھی بتلا دیا۔ ھٰذَا مِمَّا کَانَ یُعْجِبُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَیُحْسِنُ اَکْلَہٗ یہ ہے وہ کھانا جو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام پسند فرمایا کرتے تھے اور اسے شوق سے تناول فرماتے تھے۔

درس - ٢٨

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ قَيْسٍ عَنْ نُبَيْحٍ الْعَنَزِيِّ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ أَتَانَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَنْزِلِنَا فَذَبَحْنَا لَهُ شَاةً فَقَالَ كَأَنَّهُمْ عَلِمُوا أَنَّا نُحِبُّ اللَّحْمَ وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ -

(ترمذی مع شمائل صہ۵۸)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت محمود بن غیلان نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے ابو احمد نے بیان کیا۔ ان کے پاس یہ حدیث سفیان نے اسود بن قیس کے واسطہ سے بیان کی۔ انھوں نے یہ روایت نبیح عنزی سے روایت کی جنھوں نے اسے حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت کیا وہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے اور ہم نے آپ کی خاطر مدارت کے لیے بکری ذبح کی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، گویا کہ یہ لوگ جانتے ہیں کہ ہم گوشت کو پسند کرتے ہیں۔ اس حدیث میں ایک واقعہ بھی ہے "

گوشت کے ساتھ رغبت

اس روایت سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گوشت کے ساتھ رغبت کا اندازہ ہوتا ہے حضور علیہ السلام حضرت جابرؓ کے گھر تشریف لے گئے تو انھوں نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مہمانی کے لیے ایک بکری ذبح کر کے اس کا گوشت پکایا۔ یہ دیکھ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا، کَأَنَّهُمْ عَلِمُوا أَنَّا نُحِبُّ اللَّحْمَ کہ ایسا معلوم ہوتا ہے

کہ صاحبِ خانہ خوب جانتے ہیں کہ ہم گوشت پسند کرتے ہیں اور اسے رغبت سے کھاتے ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ گھر والوں نے ہماری مہمانی کے لیے ہماری پسند کا خیال رکھا ہے۔

امام ترمذیؒ کہتے ہیں وَ فِی الْحَدِیْثِ قِصَّۃٌ اس حدیث میں ایک لمبا واقعہ بھی مذکور ہے جس کو امام ترمذیؒ نے اس مقام پر نقل نہیں کیا کیونکہ باب سے متعلقہ صرف اتنا ہی حصّہ ہے جو آپ نے اس روایت میں نقل کر دیا ہے مفصّل واقعہ مسلم شریف کی روایت میں موجود ہے۔

یہ وہی مشہور واقعہ ہے جو غزوۂ خندق ۵ھ کے موقع پر پیش آیا تھا حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے چہرۂ انور سے بھوک کے آثار نمایاں تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت جابرؓ گھر آئے اور بیوی سے پوچھا کیا گھر میں کچھ کھانے کے لیے ہے کہ حضور علیہ السّلام کی دعوت کی جا سکے؟ بیوی نے بتایا کہ ایک صاع کے برابر جَو موجود ہیں۔ بکری کا ایک بچہ بھی تھا۔ بیوی نے جَو کا آٹا بنایا، حضرت جابرؓ نے بکری ذبح کی اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو چند ساتھیوں کے ساتھ کھانے کی دعوت دی۔ اللہ کے نبی نے تمام صحابہ میں جابرؓ کے ہاں دعوت کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ ایک ہزار کے قریب صحابہ نے جابرؓ کے ہاں کھانا کھایا مگر اس تھوڑے سے راشن میں کمی نہ آئی۔ یہ حضور علیہ السّلام کا معجزہ تھا۔

درس - ٢٨　　　　حدیث - ٢٩

حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰہِ بْنُ مُحَمَّدِ ابْنِ عَقِیْلٍ سَمِعَ جَابِرًا قَالَ سُفْیَانُ وَاَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ ابْنُ الْمُنْکَدِرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَنَا مَعَہٗ فَدَخَلَ عَلٰی اِمْرَاَۃٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ فَذَبَحَتْ لَہٗ شَاۃً فَاَکَلَ مِنْھَا وَاَتَتْہُ بِقِنَاعٍ مِّنْ رُطَبٍ فَاَکَلَ مِنْہُ ثُمَّ تَوَضَّاَ لِلظُّھْرِ وَصَلّٰی ثُمَّ انْصَرَفَ فَاَتَتْہُ بِعُلَالَۃٍ مِّنْ عُلَالَۃِ الشَّاۃِ فَاَکَلَ ثُمَّ صَلَّی الْعَصْرَ وَلَمْ یَتَوَضَّاْ۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۸)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت ابن ابی عمر نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے عبداللہ بن محمد ابن[1] عقیل نے بیان کیا۔ انھوں نے جابرؓ سے سُنا اور سُفیان نے کہا اور ہم سے محمد ابن منکدر نے صحابی رسول حضرت جابر بن عبداللہؓ سے نقل کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز اپنے گھر سے نکلے اور میں بھی آپ کے ساتھ تھا۔ آپ ایک انصاری عورت کے گھر میں گئے جس نے آپ کے لیے بکری ذبح کی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُس میں سے تناول فرمایا۔ اس کے بعد وہ خاتون ایک تھال میں کھجوریں رکھ کر لائی۔ آپ نے اُس میں سے بھی کھایا۔ پھر آپ نے ظہر کے لیے وضو کیا، اور نماز پڑھی۔ پھر آپ واپس لوٹے تو وہ خاتون بکری کے گوشت

[1] المتوفی بعد الاربعین ھ　　(فیاض)

کا باقی ماندہ حصّہ بھی لے آئی ۔ آپ نے اس میں سے بھی
کھایا ۔ پھر عصر کی نماز پڑھی اور دوبارہ وضو نہیں کیا ۔"

تشریح اس روایت سے کئی مسائل کی وضاحت ہوتی ہے ۔ باب سے متعلقہ بات تو یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کا گوشت کھایا ۔ گوشت کا کچھ حصہ کھالیا تو آپ نے رُطَب یعنی تازہ کھجوریں تناول فرمائیں پھر نماز ظہر کا وقت ہونے پر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے وضو کرکے ظہر کی نماز پڑھی نماز سے فارغ ہو کر واپس آئے تو صاحبِ خانہ خاتون پکا ہوا گوشت دوبارہ لے آئی ، جو پہلی دفعہ کھانے سے بچ گیا تھا ۔ آپ نے وہ بھی تناول فرمایا ، اور عصر کی نماز کے لیے دوبارہ وضو نہیں کیا ۔

یہ وضو والا مسئلہ بھی آگیا کہ گوشت کھانے کے بعد آپ نے دوبارہ وضو کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی ۔ اگرچہ پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضو کرنے اور نہ کرنے کے بارے میں دونوں طرح کی روایات موجود ہیں تاہم آخری بات یہی ہے کہ اس قسم کا کھانا ناقضِ وضو نہیں ہے لہٰذا بغیر تازہ وضو کیے نماز ادا کی جا سکتی ہے ۔

دوسرا مسئلہ عورت کے ذبیحہ کا ہے جو کہ اس روایت سے ثابت ہوتا ہے عورت جانور ذبح کر سکتی ہے اگرچہ وہ حیض کی حالت میں ہو ۔ لہٰذا عورتوں کو ذبح کرنے کا طریقہ سکھلانا چاہیے اور اس کی ترغیب دینی چاہیے تاکہ کسی موقع پر مولوی صاحب کو بلاتے بلاتے مرغی وغیرہ ہی مردار نہ ہو جائے ۔

حَدَّثَنَا الْعَبَّاسُ بْنُ مُحَمَّدٍ الدُّوْرِيُّ حَدَّثَنَا يُوْنُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ يَعْقُوْبَ بْنِ اَبِيْ يَعْقُوْبَ عَنْ اُمِّ الْمُنْذِرِ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَهُ عَلِيٌّ وَلَنَا دَوَالٍ مُعَلَّقَةٌ قَالَتْ فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْكُلُ وَعَلِيٌّ مَعَهُ يَاْكُلُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ مَهْ يَا عَلِيُّ فَاِنَّكَ نَاقِهٌ قَالَتْ فَجَلَسَ عَلِيٌّ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْكُلُ قَالَتْ فَجَعَلْتُ لَهُمْ سِلْقًا وَّشَعِيْرًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ يَا عَلِيُّ مِنْ هٰذَا فَاَصِبْ فَاِنَّهُ اَوْفَقُ لَكَ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۸۰)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت عباس بن محمد دوری نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے یونس[1] بن محمد نے بیان کیا۔ ان کے پاس یہ روایت فلیح بن سلیمان نے عثمان بن عبدالرحمٰن کے واسطہ سے بیان کی۔ انھوں نے یہ حدیث یعقوب بن ابی یعقوب سے اور انھوں نے صحابیہ رسول حضرت امّ منذر[2]رضؓ سے نقل کی۔ وہ کہتی ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (ایک روز) میرے گھر میں تشریف لائے اور آپ کے ساتھ حضرت علیؓ بھی تھے۔ ہمارے گھر میں کھجوروں کے خوشے لٹک رہے تھے۔ امّ منذرؓ کہتی ہیں کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ

---

[1] المتوفی ۲۰۸ھ ، [2] ان کا نام سلمیٰ بنت قیس تھا یہ رشتہ میں حضورؐ کی خالہ تھیں۔ (فیاض)

والسّلام نے وہ کھجوریں کھانا شروع کر دیں ، اور حضرت علیؓ نے بھی آپ کے ساتھ کھانا شروع کر دیں ۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے حضرت علیؓ سے فرمایا رُک جاؤ کیونکہ تم نقاہت کی حالت میں ہو ۔ امّ منذرؓ کہتی ہیں کہ اس پر حضرت علیؓ بیٹھ گئے ، اور نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کھجوریں تناول فرماتے رہے ۔ کہتی ہیں کہ پھر میں نے اُن کے لیے چقندر اور جَو کی روٹی تیار کی ۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ اے علی، اس میں سے کھاؤ کیونکہ یہ کھانا تمھارے لیے زیادہ موافق ہے ؟

تشریح اس روایت میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے کھانے کے علاوہ بیماری کے بعد کمزوری کی حالت میں بعض چیزوں سے پرہیز کرنے کا ذکر بھی ہے ۔ صحابیہ رسول حضرت اُمّ منذرؓ کا بیان ہے کہ ایک موقع پر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام میرے گھر تشریف لائے اور آپ کے ساتھ حضرت علیؓ بھی تھے ۔ ہمارے گھر میں کھجوروں کے خوشے لٹک رہے تھے ۔ اس زمانے میں یہ عام دستور تھا کہ جب کھجوریں پکنے کے قریب آتی تھیں تو اُن کے خوشے کاٹ کر گھر لے آتے اور انھیں کسی اونچی جگہ پر لٹکا دیتے تھے وہ کھجوریں آہستہ آہستہ پکتی رہتی تھیں اور جوں جوں پکتی رہتی تھیں ، لوگ انھیں اُتار اُتار کر کھاتے رہتے تھے ۔ ایسے ہی ایک موقع پر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام حضرت علیؓ کے ہمراہ امّ منذرؓ کے گھر تشریف لائے ۔ کھجوریں گھر میں لٹک رہی تھیں ، آپ نے پکی پکی کھجوریں توڑ توڑ کر کھانا شروع کر دیں ۔ آپ کے ساتھ حضرت علیؓ بھی کھجوریں کھانے لگے ۔ اس پر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا ، اے علیؓ ! مَہ رک جاؤ یعنی تم یہ کھجوریں نہ کھاؤ ، فَاِنَّکَ نَاقِہٌ کیونکہ تم کمزوری کی حالت میں ہو ۔ دراصل حضرت علیؓ کو بخار آ رہا تھا ۔ بخار تو اُتر چکا تھا مگر کمزوری کی صورت میں اس کے آثار ابھی باقی تھے ۔ آپ نے اُن کی اس حالت کے پیشِ نظر فرمایا کہ اے علیؓ ، یہ کھجوریں تمھارے لیے ابھی مناسب نہیں ہیں ۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے کھجوریں کھانا بند کر دیں اور بیٹھ گئے ۔

امّ منذرؓ کہتی ہیں کہ اس کے بعد میں نے مہمانوں کے لیے دوسرا کھانا تیار کیا۔گھر میں چقندر رکھا تھا میں نے اُس کو ہانڈی میں ڈال کر پکایا۔ جَو کی روٹی تیار کی اور مہمانوں کو پیش کر دی۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اس کھانے کے لیے حضرت علیؓ کو بھی دعوت دی کہ آؤ تم بھی اس کھانے میں شامل ہو جاؤ کیونکہ کھجوروں کی نسبت یہ تمھارے لیے زیادہ موافق ہے۔ اس موقع پر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے بیماری کے دوران یا مابعد پرہیز کا قانون بھی سمجھایا ہے۔ گویا طب کے علاوہ اسلام کا قانون بھی یہی ہے کہ جو چیز انسان کی جسمانی حالت کے پیشِ نظر ناموافق ہو، اس سے پرہیز کرنا چاہیے اس موقع پر بھی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے بخار کے بعد گرم تاثیر چیز کھانے سے روک دیا۔ گویا علاج سے پرہیز ضروری ہے۔ چقندر سرخ رنگ کی شلغم کی طرح کی سبزی ہوتی ہے جس سے چینی بھی نکالی جاتی ہے اور بطور سبزی بھی گھروں میں پکائی جاتی ہے آج کل اسے بطور سلاد بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

درس - ۲۸ حدیث - ۳۱

حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ السَّرِيِّ عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ عَنْ طَلْحَةَ بْنِ يَحْيٰى عَنْ عَائِشَةَ بِنْتِ طَلْحَةَ عَنْ عَائِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْتِيْنِيْ فَيَقُوْلُ اَعِنْدَكِ غَدَاءٌ فَاَقُوْلُ لَا قَالَتْ فَيَقُوْلُ اِنِّيْ صَائِمٌ قَالَتْ فَاَتَانَا يَوْمًا فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّهُ اُهْدِيَتْ لَنَا هَدِيَّةٌ قَالَ وَمَا هِيَ قُلْتُ حَيْسٌ قَالَ اَمَا اِنِّيْ اَصْبَحْتُ صَائِمًا قَالَتْ ثُمَّ اَكَلَ۔

(ترمذی مع شمائل صنہ ۵۸۰)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت محمود بن غیلان نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے بشر[1] بن سری نے بیان کیا۔ انھوں نے یہ روایت سفیان ثوری سے طلحہ[2] بن یحیٰی کے واسطہ سے روایت کی۔ انھوں نے یہ روایت عائشہ بنت طلحہ سے سنی۔ انھوں نے یہ حدیث امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے حاصل کی۔ وہ کہتی ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم میرے پاس تشریف لاتے تو (بعض اوقات) پوچھتے، کیا تمھارے پاس صبح کے کھانے کے لیے کچھ ہے؟ مَیں عرض کرتی، نہیں۔ پھر آپ فرماتے کہ مَیں روزہ ہی رکھ لیتا ہوں۔ امّ المؤمنینؓ کہتی ہیں کہ پھر ایک روز حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام تشریف لائے تو مَیں نے عرض کیا کہ ہمارے پاس ہدیہ

---

[1] المتوفی ۱۷۵ھ ، [2] المتوفی ۱۴۸ھ ۔ (فیاض)

آیا ہے۔ آپ نے دریافت کیا، وہ کیا چیز ہے؟ میں نے
عرض کیا، حیس ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے پہلے سے
روزے کی نیت کر رکھی ہے۔ پھر آپ نے کھا لیا۔"

تشریح یہ باب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے سالن سے متعلق ہے جس میں مختلف قسم کی کھانے والی چیزوں کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ اسی ضمن میں اس روایت میں نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے حیس کھانے کا ذکر ہے۔ عربوں کے ہاں حیس ایک قسم کا حلوہ متعارف تھا جو کھجوریں اور (پنیر، گھی) مکھن وغیرہ ملاکر بنایا جاتا تھا۔

اس روایت سے دوسرا مسئلہ نفلی روزے کی نیت سے متعلق ہے کہ اس کی نیت کس وقت تک کی جاسکتی ہے، یا اگر نفلی روزہ کی نیت کرلی ہے تو پھر اسے توڑا بھی جاسکتا ہے یا نہیں۔

یہ روایت امّ المومنین عائشہ صدیقہؓ سے منقول ہے۔ انھوں نے دو مواقع کا ذکر کیا ہے کہ ایک روز حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام گھر تشریف لائے اور پوچھا کہ کیا کھانے کے لیے گھر میں کوئی چیز موجود ہے؟ جب میں نے نفی میں جواب دیا تو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اس دن کے روزہ کی نیت کرلی۔ اس سے معلوم ہوا کہ نفلی روزے کی نیت اگر سحری کے وقت نہیں کی تو زوال سے پہلے پہلے کی جاسکتی ہے بشرطیکہ اُس وقت تک کوئی چیز نہ تو کھائی پی ہو اور نہ ہی روزے کے منافی کوئی دوسرا کام کیا ہو۔

دوسری روایت میں آتا ہے۔ اَلصَّائِمُ الْمُتَطَوِّعُ اَمِیْرُ نَفْسِہٖ۔ یعنی نفلی روزہ رکھنے والا خود مختار ہوتا ہے، رکھ لے یا چھوڑ دے، اس پر کوئی قضا نہیں آتی۔ امام شافعیؒ کا یہی مسلک ہے۔ اس کے برخلاف امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں اگر کوئی شخص نفلی روزہ کی نیت کرلے تو پھر اسے توڑ نہیں سکتا۔ اگر توڑے گا تو اس کی قضا دینا پڑے گی۔ امام صاحب کا استدلال یہ ہے کہ روزے دار

کے خود مختار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ چاہے تو روزہ رکھے یا اگر چاہے تو نہ رکھے کیونکہ نفلی روزہ رکھنے کی اس پر کوئی پابندی نہیں ہے البتہ کوئی شخص اگر روزہ رکھ لے تو پھر اس کو بلا وجہ توڑنے کا اختیار نہیں رہتا کیونکہ لَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَکُمْ کی رُو سے اعمال کو ضائع کرنا روا نہیں۔ لہٰذا اگر روزے کی نیت کر لی ہے تو یہ واجب ہو گیا۔ اب اگر توڑے گا تو قضا ضروری ہو گی۔ دوسری روایت میں یہ وضاحت موجود ہے کہ دو امہات المؤمنینؓ نے روزہ رکھ کر توڑ دیا تو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا، کوئی بات نہیں اِقْضِیَا مَکَانَہٗ یَوْمًا اٰخَرَ کسی دوسرے روز اس کی قضا کر لینا۔

دوسرے موقع پر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے نفلی روزے کی نیت کر رکھی تھی مگر جب آپ کو حیس کی موجودگی کا علم ہوا تو آپ نے روزے کو توڑ کر ہدیہ کا حلوہ کھا لیا بہرحال جیسے میں نے عرض کیا، نفلی روزے کی نیت اور اس کی قضا کے متعلق ائمہ کے درمیان اختلاف ہے۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ حَدَّثَنَا اَبِيْ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اَبِيْ يَحْيَى الْاَسْلَمِيِّ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ اَبِيْ اُمَيَّةَ الْاَعْوَرِ عَنْ يُوْسُفَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخَذَ كِسْرَةً مِّنْ خُبْزِ الشَّعِيْرِ فَوَضَعَ عَلَيْهَا تَمْرَةً ثُمَّ قَالَ هٰذِهٖ اِدَامُ هٰذِهٖ فَاَكَلَ۔

(ترمذی مع شمائل صـ۵۸۰)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے بیان کی وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے عُمر بن حفص[۱] بن غیاث نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت ہمارے باپ نے محمد بن ابی یحییٰ اسلمی کے واسطہ سے بیان کی۔ انھوں نے یہ روایت ابی امیہ اعور سے روایت کی۔ انھوں نے یہ روایت یوسف بن عبد اللہ بن سلام سے اور انھوں نے عبداللہ[۲] بن سلامؓ سے سُنی۔ وہ کہتے ہیں کہ مَیں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے جَو کی روٹی کا ایک ٹکڑا لیا، اس پر ایک کھجور رکھی اور کہا کہ یہ اس کا سالن ہے۔ چنانچہ آپ نے اسے تناول فرمایا۔"

تشریح حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے سالن کے اس باب میں پہلی اور تیسری روایت میں سرکہ کو سالن کہا گیا ہے۔ نِعْمَ الْاِدَامُ الْخَلُّ

---

[۱] المتوفی ۲۲۲ھ، [۲] انکی کنیت ابو یوسف ہے۔ مدینہ منورہ میں ۴۳ھ میں وفات پائی۔ (فیاض)

یعنی سرکہ بہت اچھا سالن ہے۔ اب اس روایت میں کھجور کے متعلق فرمایا ہے۔ هٰذِهٖ اِدَامُ هٰذِهٖ کہ یہی اس کا سالن ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کسی وقت کوئی باقاعدہ سالن موجود نہ ہو تو سرکہ، پیاز، کھجور وغیرہ بھی بطور سالن استعمال کی جاسکتی ہے۔

شمائل ترمذی　　　　باب - ۲۶

　　　　　　　　　　حدیث - ۳۴

درس - ۲۸

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا سَعِیْدُ بْنُ سُلَیْمَانَ عَنْ عَبَّادِ بْنِ الْعَوَّامِ عَنْ حُمَیْدٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُعْجِبُہُ الثُّفْلُ قَالَ عَبْدُ اللّٰہِ یَعْنِیْ مَا بَقِیَ مِنَ الطَّعَامِ ۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۸۰)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے سعیدؒ[1] بن سلیمان نے عباد بن عوام کے واسطہ سے بیان کیا۔ انھوں نے یہ روایت حمید سے اور انھوں نے صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے سُنی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ثفل بہت مرغوب تھا۔ عبداللہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد کھانے کا بچا کھچا حصّہ ہے۔"

تشریح: ثفل دراصل اُس چیز کو کہتے ہیں جو ہانڈی یا دیگچی وغیرہ میں پکنے کی وجہ سے برتن کی تہہ کے ساتھ لگ جاتی ہے اور یہ دوسرے کھانے کی نسبت سخت ہوتی ہے اس کا نمونہ چاول پکانے کے بعد دیگچی کی تہہ میں بخوبی دیکھا جا سکتا ہے پنجاب میں اس کو گروڑی کہتے ہیں۔ تاہم کھانے کے بعد جو تھوڑا بہت بچ جاتا ہے۔ وہ سالن ہو، روٹی ہو یا حلوہ ہو یا چاول ہوں اُن سب پر ثفل کا اطلاق ہوتا ہے۔ حضور علیہ السّلام اس کو پسند فرماتے تھے۔ یہ بھی اللہ کی نعمت ہوتی ہے اور اسے معمولی سمجھ کر ضائع نہیں کر دینا چاہیے بلکہ اسے استعمال میں لانا چاہیے۔ اس روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تعلیم بھی ہے۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی چھوٹی سے چھوٹی نعمت کی بھی قدر کرتے تھے۔ لہٰذا صابن کی ایک بچی کھچی ٹکڑ کو بھی ضائع نہیں کرنا چاہیے بلکہ اسے بھی استعمال میں لانا چاہیے۔

---

[1] المتوفی ۱۲۵ھ۔ (فیاض)

(۲۷) بَابُ مَاجَآءَ فِیْ صِفَةِ وُضُوْءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ الطَّعَامِ۔

ترجمہ: "باب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے کے وقت وضو کا بیان"

اگر وَضُو یعنی وَ کی فتح کے ساتھ ہو تو اس کا معنیٰ وہ پانی ہوتا ہے جس سے طہارت حاصل کی جاتی ہے اور اگر وُضُو یعنی وَ کی ضمّہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنیٰ طہارت حاصل کرنے کا عمل ہوتا ہے۔ اس باب میں امام ترمذیؒ نے تین روایات جمع کی ہیں۔ کیا اس مقام پر وضو سے لغوی وضو مُراد ہے یا شرعی اور اصطلاحی وضو؟ محدثین میں دونوں طرح کے خیالات پائے جاتے ہیں۔ تاہم زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اس مقام میں وضو سے مراد لغوی وضو ہے یعنی کھانا کھانے سے پہلے اور مابعد حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا ہاتھوں اور منہ کو صاف کرنا۔

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ شرعی وضو جو نماز کے لیے شرط ہے، وہ کھانا کھانے کے لیے نہ فرض ہے، نہ واجب اور نہ سُنّت۔ اس کو صرف استحباب کا درجہ حاصل ہے۔ البتہ ایک روایت میں آتا ہے [۱] وَلَا یُحَافِظُ عَلَی الْوُضُوْءِ اِلَّا مُؤْمِنٌ یعنی صرف مؤمن آدمی ہی وضو کی حفاظت کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ باوضو رہنا مستحب ہے چنانچہ بہت سے صالحین کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ ہمیشہ باوضو رہتے ہیں۔

---

[۱] مؤطا امام مالکؒ ص۱۱۔ (فیاض)

حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِیْعٍ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِیْلُ بْنُ اِبْرَاهِیْمَ عَنْ اَیُّوْبَ عَنِ ابْنِ اَبِیْ مُلَیْکَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ فَقُرِّبَ اِلَیْهِ الطَّعَامُ فَقَالُوْا اَلَا نَاْتِیْکَ بِوَضُوْءٍ قَالَ اِنَّمَا اُمِرْتُ بِالْوُضُوْءِ اِذَا قُمْتُ اِلَی الصَّلٰوةِ ۔ (ترمذی مع شمائل صفحہ ۵۸)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت احمد بن منیع نے بیان کی۔ اُن کے پاس یہ روایت اسمٰعیل بن ابراہیم نے بیان کی۔ انھوں نے یہ روایت ایوب سے ابنِ ابی ملیکہ[1] کے واسطہ سے روایت کی، اور انھوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء سے باہر تشریف لائے۔ پھر آپ کے سامنے کھانا پیش کیا گیا تو صحابہ نے عرض کیا، کیا ہم آپکے وضوء کے لیے پانی نہ لے آئیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا، مجھے وضو کرنے کا حکم نماز پڑھنے کے لیے دیا گیا ہے۔"

تشریح: حدیث کا مطلب واضح ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ارشاد فرمایا کہ شرعی وضو نماز کے لیے شرط ہے، عام حالات میں یا کھانا کھانے سے پہلے یا بعد وضو ضروری نہیں ہے۔ کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا مستحب ہے مگر یہاں اس کا ذکر نہیں ہے کیونکہ یہ ایک مسلّمہ امر ہے اور یہاں اس بات کا ذکر ضروری نہیں سمجھا گیا۔

---

[1] اسمہ زہیر بن عبد اللہ (فیاض)

درس ۔ ۲۹　　　　حدیث ۔ ۲

حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْمَخْزُومِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْغَائِطِ فَأُتِيَ بِطَعَامٍ فَقِيْلَ لَهٗ أَلَا تَتَوَضَّأُ فَقَالَ أُصَلِّيْ فَأَتَوَضَّأُ۔

(ترمذی مع شمائل ص ۵۸)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت سعید بن عبدالرحمٰن مخزومی نے بیان کی ان کے پاس یہ روایت سفیان بن عیینہ نے عمرو بن دینار کے واسطہ سے بیان کی۔ انھوں نے یہ روایت سعید بن حویرث اور انھوں نے صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کی۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قضائے حاجت سے فارغ ہو کر آئے تو آپ کے لیے کھانا پیش کیا گیا۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا گیا، حضور! کیا آپ وضو نہیں کریں گے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کیا مجھے نماز پڑھنی ہے کہ وضو کروں؟

تشریح یہ دوسری حدیث بھی حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے اور پہلی حدیث ہی کی ہم معنی ہے پہلی روایت میں خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ کے الفاظ تھے جبکہ اس روایت میں خَرَجَ مِنَ الْغَائِطِ کے الفاظ ہیں غائط دراصل پست جگہ کو کہتے ہیں مثلاً گڑھا وغیرہ جہاں آدمی قضائے حاجت کے لیے جائے تو لوگوں کی نظریں نہ پڑیں۔ بہرحال دونوں روایتوں کا مطلب ایک ہی ہے کہ حضور علیہ السلام قضائے حاجت سے فارغ ہو کر آئے تو بغیر وضو کیے کھانا تناول فرمایا اور توجہ دلانے پر فرمایا کہ وضو تو نماز پڑھنے کے لیے ضروری ہے۔ اس وقت مجھے نماز تو نہیں پڑھنی کہ وضو کروں۔

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسٰى حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا قَيْسُ بْنُ الرَّبِيعِ (ح) وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْكَرِيمِ الْجُرْجَانِيُّ عَنْ قَيْسِ بْنِ الرَّبِيعِ عَنْ أَبِي هَاشِمٍ عَنْ زَاذَانَ عَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَرَأْتُ فِي التَّوْرَاةِ أَنَّ بَرَكَةَ الطَّعَامِ الْوُضُوْءُ بَعْدَهُ، فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَخْبَرْتُهُ بِمَا قَرَأْتُ فِي التَّوْرَاةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَرَكَةُ الطَّعَامِ الْوُضُوْءُ قَبْلَهُ وَالْوُضُوْءُ بَعْدَهُ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۸۱)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت یحیی بن موسیٰ نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے عبداللہ بن نمیر نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے قیس[1] بن ربیع نے بیان کیا (تحویل) ہمارے پاس یہ روایت قتیبہ نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس عبدالکریم جرجانی نے بیان کی انھوں نے یہ روایت قیس بن ربیع سے اور انھوں نے ابی ہاشم سے روایت کی۔ انھوں نے یہ روایت زاذانؒ[2] سے اور انھوں نے صحابی رسول حضرت سلمان فارسیؓ سے سماعت کی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے تورات میں پڑھا تھا کہ کھانے میں برکت کا باعث کھانے کے بعد وضو (ہاتھ منہ دھونے) میں ہے۔ کہتے ہیں کہ اس بات کا ذکر میں نے نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے سامنے کیا اور آپ کو اس بات کی خبر دی جو کچھ میں نے تورات میں پڑھا تھا۔

---

[1] المتوفی ۱۶۸/۱۶۷ھ یا ۱۶۵ھ ، [2] المتوفی ۸۲ھ ابی عمرو وابی عبداللہ الکندی (فیاض)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کھانے کی برکت کھانا
کھانے سے پہلے اور بعد میں بھی وضو کرنے میں ہے۔"

باعثِ برکت وضو

حضرت سلمان فارسیؓ[1] حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے جلیل القدر صحابی ہیں۔ پہلے یہ مجوسی مذہب رکھتے تھے مگر بعد میں اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص مہربانی سے دینِ اسلام کی سمجھ عطا کی۔ اور یہ بڑی مشکل گھاٹیاں عبور کرکے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور پھر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے خاص خدّام میں شامل ہو گئے۔ ان کو نہ صرف مجوسی مذہب کی کتاب جنداوستا کا علم تھا بلکہ یہ کتب سماویہ تورات اور انجیل کے بھی عالم تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے تورات میں پڑھا ہے اَنَّ بَرَکَۃَ الطَّعَامِ الْوُضُوْءُ بَعْدَہٗ یعنی کھانا کھانے کے بعد وضو کرنا یعنی ہاتھ منہ صاف کرنا باعثِ برکت فعل ہے یہاں وضو سے لغوی وضو مُراد ہے نہ کہ شرعی وضو جو نماز کے لیے ضروری ہے۔ اس امر کی حکمت سے متعلق آپ بہت سی روایات پڑھیں گے مقصد یہ ہے کہ کھانا کھانے کے بعد ہاتھوں کے ساتھ یا منہ کے اندر جو الائش اور چکناہٹ وغیرہ رہ جاتی ہے اس کو صاف کر لینا چاہیے تاکہ نماز پڑھتے، تلاوت کرنے یا دیگر ذکر اذکار کرنے میں دشواری پیش نہ آئے۔

حضرت سلمان فارسیؓ کہتے ہیں کہ میں نے یہ بات تورات میں پڑھی اور پھر اس کا ذکر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا آپ نے ارشاد فرمایا بَرَکَۃُ الطَّعَامِ الْوُضُوْءُ قَبْلَہٗ وَالْوُضُوْءُ بَعْدَہٗ کہ کھانے کی برکت کھانے سے پہلے ہاتھ منہ صاف کرنے میں اور کھانے کے بعد ہاتھ منہ صاف کرنے میں بھی ہے مطلب یہ ہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ نے تو تورات میں یہ پڑھا تھا کہ صرف کھانا کھانے کے بعد ہاتھ منہ صاف کر لینا باعثِ برکت ہے مگر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام

---

[1] المتوفی ۳۵ھ ان کا تفصیلی تذکرہ جلد اوّل میں آچکا ہے۔ (فیاض)

نے کھانے سے قبل اور بعد دونوں مواقع پر ہاتھ منہ صاف کر لینے کو باعثِ برکت قرار دیا۔

سابقہ کتب کے ساتھ مطابقت

اگرچہ سابقہ کتبِ سماویہ میں بہت کچھ تغیر و تبدّل ہو چکا ہے مگر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اور خود قرآنِ پاک نے ان کی صحیح باتوں کی تصدیق فرمائی ہے۔ انھی میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ کھانا کھانے کے بعد ہاتھ منہ کی صفائی باعث برکت ہے۔ پہلی شرائع چونکہ نامکمل تھیں اور اللہ نے آخری نبی کی شریعت کو اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ (المائدۃ۔ ۲) کہہ کر مکمل کر دیا ہے لہٰذا ہماری شریعت میں کھانے سے قبل اور بعد دونوں مواقع پر ہاتھ منہ دھونا باعثِ برکت قرار دیا گیا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ پہلی کتابوں میں بھی دونوں مواقع کا ذکر موجود ہو مگر بعد میں ان کے حاملین نے ان میں تبدیلی کر دی ہو۔ یہ دونوں امکانات ہو سکتے ہیں۔

(۲۸) بَابُ مَا جَاءَ فِی قَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَبْلَ الطَّعَامِ وَبَعْدَ مَا یَفْرُغُ مِنْہُ۔

ترجمہ:"باب ان کلمات کے بیان میں جو حضور علیہ السّلام کھانا کھانے سے قبل اور کھانا کھانے کے بعد ادا فرمایا کرتے تھے۔"

یہاں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے مراد مطلق قول نہیں بلکہ وہ دعائیں اور اذکار مراد ہیں جو آپ کھانا شروع کرتے وقت اور کھانے سے فارغ ہوکر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا، اور شکر کی ادائیگی کے لیے کیا کرتے تھے۔ یہ کھانے کے آداب میں شامل ہے کہ کھانا شروع کرنے سے قبل اللہ کا نام لیا جائے اور بعد میں شکریہ کے کلمات زبان سے ادا کیے جائیں۔ اس باب میں ایسے ہی کلمات کا ذکر ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ادا ہوئے۔ اس باب میں سات روایات ہیں۔

شمائل ترمذی

باب - ۲۸

درس - ۲۹

حدیث - ۱

حَدَّثَنَا قُتَیْبَۃُ بْنُ سَعِیْدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ لَھِیْعَۃَ عَنْ یَزِیْدَ بْنِ اَبِیْ حَبِیْبٍ عَنْ رَاشِدِ بْنِ جُنْدُلِ الْیَافِعِیِّ عَنْ حَبِیْبِ بْنِ اَوْسٍ عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ کُنَّا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمًا فَقُرِّبَ اِلَیْہِ طَعَامٌ فَلَمْ اَرَ طَعَامًا کَانَ اَعْظَمَ بَرَکَۃً مِّنْہُ اَوَّلَ مَا اَکَلْنَا وَلَا اَقَلَّ بَرَکَۃً فِیْ اٰخِرِہٖ قُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کَیْفَ ھٰذَا قَالَ اِنَّا ذَکَرْنَا اسْمَ اللّٰہِ حِیْنَ اَکَلْنَا ثُمَّ قَعَدَ مَنْ اَکَلَ وَلَمْ یُسَمِّ اللّٰہَ تَعَالٰی

فَاَکَلَ مَعَهُ الشَّیْطٰنُ۔ (ترمذی مع شمائل ص۱۸۵)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت قتیبہ بن سعید نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے ابنِ لہیعہ[1] نے یزید بن ابی حبیب کے واسطہ سے بیان کیا۔ انھوں نے یہ روایت راشد بن جندل سے روایت کی۔ انھوں نے یہ روایت جلیب بن اوس سے ابو ایوب انصاریؓ کے واسطہ سے سنی۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک روز ہم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر تھے کہ آپ کی خدمت میں کھانا پیش کیا گیا۔ صحابی بیان کرتا ہے کہ میں نے ایسا کھانا کبھی نہیں دیکھا کہ جب ہم نے کھانا شروع کیا تو آغاز میں اتنا بابرکت تھا مگر آخر میں اس قدر بے برکت سا ہوگیا۔ ہم نے عرض کیا، اللہ کے رسول! یہ کیسے ہوگیا؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب ہم نے کھانا شروع کیا تھا تو اس وقت اللہ کا نام لیا تھا۔ پھر ایک شخص ایسا آکر بیٹھ گیا جس نے کھانا تو کھایا مگر اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیا۔ لہٰذا اس کے ساتھ شیطان نے بھی کھانا کھا لیا۔"

راوی ابنِ لہیعہ اس روایت کے ایک راوی ابنِ لہیعہ ہیں جو مصر کے قاضی تھے آدمی ثقہ تھے مگر بعد میں تھوڑے سے متکلم فیہ ہوگئے تھے۔ کیونکہ آخری عمر میں جا کر ان کے حافظے میں اختلاط آگیا تھا جس کی وجہ سے کتابوں میں بھی کچھ گڑبڑ ہوگئی تھی۔ اسکے علاوہ ان میں مزید کوئی خرابی نہیں تھی۔ چونکہ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کی شرائط ذرا سخت ہیں اس لیے وہ ابنِ لہیعہ کی روایات کو متابعات میں تو لے لیتے مگر استقلالاً نہیں لیتے۔ البتہ امام ترمذیؒ، امام احمدؒ اور دیگر ائمہ حدیث کے نزدیک

---

[1] اسمہٗ عبداللہ (فیاض)

یہ قابلِ اعتماد راوی ہیں۔

کھانے میں برکت کا اصول

یہ روایت اوّلین میزبانِ رسول حضرت ابوایوب[1] انصاریؓ (خالد بن زید الخزرجی) کی بیان کردہ ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک روز ہم لوگ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی مجلس میں بیٹھے تھے کہ آپ کے لیے کھانا لایا گیا۔ راوی خود حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ساتھ اس کھانے میں شریک تھے وہ بیان کرتے ہیں کہ مَیں نے اُس کھانے جیسا کھانا کبھی نہیں دیکھا جس کی خصوصیّت یہ تھی کہ آغاز میں تو یہ بڑا بابرکت معلوم ہوتا تھا مگر آخر میں یہ نہایت ہی بے برکت معلوم ہوا کہتے ہیں کہ جب اس غیر معمولی صورتِ حال کے متعلق نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے دریافت کیا گیا تو آپ نے اس کی وجہ یہ بتلائی کہ جب ہم نے کھانا شروع کیا تھا تو اللہ کا نام لے کر شروع کیا تھا یعنی ہم نے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھ کر شروع کیا تھا۔ پھر بعد میں ہمارے ساتھ ایک ایسا آدمی بھی شریکِ طعام ہوگیا جس نے بسم اللہ کہے بغیر کھانا شروع کردیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کھانے میں اس کے ساتھ شیطان بھی شامل ہو گیا جس کی وجہ سے کھانا بے برکت ہوگیا۔

معلوم ہوا کہ شیطان کا کھانے میں شریک ہوجانا بے برکتی کی علامت ہے۔ اور یہ صورتِ حال اس وقت پیدا ہوتی ہے جب کھانا شروع کرنے وقت اللہ کا نام نہ لیا جائے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگ جلدی میں آکر کھانے میں شریک ہوجاتے ہیں اور بسم اللہ کہنا بھول جاتے ہیں آج کل کی بڑی بڑی دعوتوں میں تو اکثر ایسا ہی ہوتا ہے جونہی کھانے کی دعوت دی جاتی ہے، مہمان کھانے پر ٹوٹ پڑتے ہیں، ایک دوسرے سے سبقت حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور پھر ایسی حالت میں اللہ کا نام لینا کس کو یاد رہتا ہے۔ آگے اور بھی اس قسم کی روایات آئیں گی کہ شیطان کے

---

[1] سنہ ۵۱ھ میں وفات پائی اور قسطنطنیہ میں دفن ہوئے۔ لشکر کے ساتھ گئے تھے اور راستے میں فوت ہوگئے تو ان کی وصیّت کے مطابق قسطنطنیہ کے قلعے کی دیوار کے نیچے انکی قبر بنائی گئی جہاں آج بھی لوگ زیارت کے لیے جاتے ہیں۔ (فیاض)

کھانے میں شامل ہو جانے کی وجہ سے کھانے میں برکت باقی نہیں رہی ۔

کیا شیطان انسانی کھانا کھاتا ہے؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس کھانے میں شیطان شریک ہو جاتا ہے، کیا وہ حقیقتاً کھانا کھالیتا ہے جس کی وجہ سے کھانے میں کمی واقع ہو جاتی ہے جس کو بے برکتی سے تعبیر کیا گیا ہے؟ جمہور محدثین کہتے ہیں کہ شیطان حقیقتاً کھانا کھاجاتا ہے مگر وہ ہمیں نظر نہیں آتا۔ یہ آگ سے پیدا شدہ مخلوق ہے اور اسکی تخلیق میں کچھ اور مادے بھی شامل ہیں لہذا ان کا حقیقتاً کھانا بعید از قیاس نہیں۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ ہڈیاں جنوں کی خوراک بنتی ہیں ۔ اسی طرح شیطان کے انسان کے کان میں پیشاب کرنے کی روایت بھی موجود ہے اسکے بھی مجازی معنے لینے کی ضرورت نہیں کہ وہ انسان پر اثر انداز ہو کر اس کو نماز سے غافل رکھتا ہے بلکہ محدثین اس کو بھی حقیقت پر محمول کرتے ہیں کہ جب نماز کا وقت گزر جاتا ہے تو شیطان آدمی کے کان میں پیشاب کر کے چلا جاتا ہے اور کہتا ہے کہ میرا مشن پورا ہو گیا ہے۔ اسی طرح شیطان کے کھانا کھاجانے کا محض یہ مطلب نہیں کہ وہ کھانے میں اپنی شیطنت کو دخیل کرتا ہے جس کی وجہ سے کھانے کی برکت اُڑ جاتی ہے بلکہ شیطان حقیقتاً کھانا کھاجاتا ہے جس سے کھانے میں کمی واقع ہو کر بے برکتی ہو جاتی ہے۔ بہرحال حضور علیہ السّلام نے اُمت کو یہ تعلیم دی ہے کہ کھانا شروع کرتے وقت اللہ کا نام لے کر کھانا شروع کرو کہ اس طریقے سے کھانا بابرکت ہو جاتا ہے، وگرنہ وہ شیطان کے ہتھے چڑھ جاتا ہے ۔

درس - ۲۹　　　　حدیث - ۲

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى حَدَّثَنَا اَبُوْدَاوُدَ حَدَّثَنَا هِشَامُ الدَّسْتَوَائِيُّ عَنْ بُدَيْلِ الْعُقَيْلِيِّ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ اُمِّ كُلْثُوْمٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَكَلَ اَحَدُكُمْ فَنَسِيَ اَنْ يَّذْكُرَ اسْمَ اللهِ تَعَالٰى عَلٰى طَعَامِهٖ فَلْيَقُلْ بِسْمِ اللهِ اَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ۔ (ترمذی مع شمائل ۵۸۱)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت یحییٰ بن موسیٰ نے بیان کی۔ ان کے پاس یہ روایت ابوداؤد نے بیان کی۔ اُن کے پاس یہ روایت ہشام[1] دستوائیؒ نے بدیل عقیلی کے واسطہ سے بیان کی۔ انھوں نے یہ روایت عبداللہ[2] بن عمیر سے اخذ کی۔ انھوں نے اسے اُمِّ کلثوم[3] سے اور انھوں نے اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے نقل کیا وہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص کھانا شروع کرتے وقت اللہ کا نام لینا بھول جائے تو (جس وقت یاد آئے) کہہ دے بِسْمِ اللهِ اَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ۔"

تسمیہ بھول جانے کی صورت میں پہلی روایت میں بسم اللہ کی برکت کا ذکر ہوا۔ اب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کھانا شروع کرتے وقت اللہ کا نام لینا بھول جائے تو اس کا ازالہ کیسے کرے؟ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا کہ آغاز

---

[1] المتوفی ۱۵۴ھ، [2] المتوفی ۱۱۳ھ، [3] بنت محمد بن ابی بکر وقیل بنت عقبۃ بن ابی معیط هاجرت سنۃ سبع وهی اخت عثمان لامہ۔ (فیاض)

میں بھول جانے کی صورت میں چاہیے کہ جس وقت یاد آئے اُسی وقت اللہ کا نام لے لے اور بِسْمِ اللّٰہِ کے ساتھ اَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ کا اضافہ کرلے تو آغاز میں بھول جانے کا ازالہ ہو جائے گا اور کھانے میں وہ برکت پیدا ہو جائے گی جو عدمِ تسمیّہ کی وجہ سے ممکن ہو گئی تھی۔

بعض کہتے ہیں کہ بِسْمِ اللّٰہِ اَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ (میں اللہ کا نام لے کر اوّل اور آخر سے کھاتا ہوں) میں کھانے والا فعل محذوف ہے، اور اَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ اس کا مفعول ہے۔ بِسْمِ اللّٰہِ مِنْ اَوَّلِهٖ وَاٰخِرِهٖ والی توجیہہ بھی کر سکتے ہیں مگر پہلا جملہ یعنی بِسْمِ اللّٰہِ اَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ ہی زیادہ صحیح ہے اور اس میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں ہے۔ بہر حال بھول جانے کی صورت میں درمیان میں یا کھانے کے آخر میں جب بھی یاد آجائے، مذکورہ جملہ کہہ دیا جائے تو معاملہ ٹھیک ہو جائے گا۔

امام ابنِ ہمامؒ (المتوفی ۸۸۷ھ) کہتے ہیں کہ کھانے کا ہر لقمہ ایک الگ امر ہے لہٰذا ہر ہر لقمہ میں برکت آتی ہے، اس لیے کھانے کے دوران کسی بھی لقمے کے ساتھ اللہ کا نام لے لے گا تو کوتاہی کا ازالہ ہو جائے گا۔ البتہ اس امر کا اطلاق وضو پر نہیں کیا جا سکتا۔ اگر وضو شروع کرتے وقت کوئی آدمی بسم اللہ کہنا بھول گیا ہے تو پھر وضو کے درمیان یا آخر میں اللہ کا نام لے لینے سے وہ کمی پوری نہیں ہوگی کیونکہ وضو سارے کا سارا فعل اباحت ہے لہٰذا وضو شروع کرتے وقت ہی اللہ کا نام لے لینا چاہیے ورنہ ثواب میں کمی رہ جائیگی۔

اگلی روایت میں مختلف الفاظ کا ذکر بھی آرہا ہے جو کھانا شروع کرتے وقت ادا کرنا چاہئیں تاکہ کھانا باعثِ برکت ہو جائے۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الصَّبَّاحِ الْهَاشِمِيُّ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْاَعْلٰى عَنْ مَّعْمَرٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عُمَرَ بْنِ اَبِيْ سَلَمَةَ اَنَّهٗ دَخَلَ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعِنْدَهٗ طَعَامٌ فَقَالَ اُدْنُ يَا بُنَيَّ فَسَمِّ اللهَ تَعَالٰى وَكُلْ بِيَمِيْنِكَ وَكُلْ مِمَّا يَلِيْكَ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۸۱)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ یہ روایت ہمارے پاس عبد اللہ بن صباح ہاشمی بصری نے بیان کی وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے عبد الاعلیٰ نے معمر کے واسطہ سے بیان کیا۔ انھوں نے یہ روایت ہشام بن عروۃ سے ان کے باپ کے واسطہ سے روایت کی ۔ اور انھوں نے عمر[1] بن ابی سلمہؓ سے سماعت کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ اس وقت آپ کے پاس کھانا موجود تھا ۔ آپ نے فرمایا، بیٹے! قریب ہو جاؤ ۔ پھر اللہ تعالیٰ کا نام لو اور دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھاؤ ۔"

کھانا کھانے کے آداب اس روایت میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اپنی امت کو کھانے کے بعض آداب کی تعلیم دی ہے ۔ عمر بن ابی سلمہؓ کہتے ہیں کہ میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں اس وقت پہنچا جب کہ آپ کے سامنے کھانا موجود تھا ۔ مجھے آپ نے فرمایا اُدْنُ يَا بُنَيَّ اے

[1] المتوفی ۸۳ھ (فیاض)

بیٹے! قریب ہو جاؤ۔ یہ پیار کا خطاب تھا جس میں شفقت کا عنصر غالب تھا۔ راوی بیان کرتا ہے کہ اس موقع پر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے مجھے کھانا کھانے کے تین آداب سکھلائے۔

۱۔ فرمایا فَسَمِّ اللّٰہَ تَعَالٰی یعنی کھانا شروع کرنے سے پہلے اللہ کا نام لو، یعنی بِسْمِ اللّٰہِ کہو یا بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کہو یا پھر بِسْمِ اللّٰہِ وَعَلٰی بَرَکَۃِ اللّٰہِ زبان سے کہنے کے بعد کھانا شروع کرو۔

۲۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے دوسرا ادب یہ سکھلایا وَکُلْ بِیَمِیْنِکَ جب کھانا شروع کرو تو دائیں ہاتھ سے کھاؤ کیونکہ عزّت کے تمام کام دائیں ہاتھ سے کرنے چاہئیں۔ البتہ حقیر کام جیسے استنجا پاک کرنا یا ناک جھاڑنا وغیرہ بائیں ہاتھ سے انجام دینے چاہئیں۔ اگر کوئی عذر ہو اور دایاں ہاتھ کام نہ کر رہا ہو تو پھر ایسی صورت میں کھانے کے لیے بایاں ہاتھ بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ فرمایا وَکُلْ مِمَّا یَلِیْکَ اور کھانا اٹھاتے وقت اپنے سامنے سے اُٹھاؤ، دوسرے کے سامنے اِدھر اُدھر ہاتھ نہ مارو۔ اگر بہت سے افراد ایک ہی برتن میں کھانا کھا رہے ہوں اور کھانا بھی ایک ہی نوعیت کا ہو تو پھر اپنے سامنے سے کھانا چاہیے۔ ہاں اگر برتن میں مختلف قسم کی اشیاء ہیں تو پھر آدمی اپنی پسند کی چیز دوسری طرف سے بھی اُٹھا سکتا ہے۔

حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا اَبُوْ اَحْمَدَ الزُّبَيْرِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ عَنْ اَبِيْ هَاشِمٍ عَنْ اِسْمٰعِيْلَ بْنِ رِيَاحٍ عَنْ رِيَاحِ بْنِ عُبَيْدَةَ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا فَرَغَ مِنْ طَعَامِهٖ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مُسْلِمِيْنَ ۔ (ترمذی مع شمائل ۵۸)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت محمود بن غیلان نے بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے ابو احمد زبیری نے بیان کیا ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت سفیان ثوری نے ابو ہاشم کے واسطہ سے بیان کی ۔ انھوں نے یہ روایت اسماعیل بن ریاح سے روایت کی ۔ انھوں نے یہ روایت ریاح بن عبیدہ سے صحابی رسول حضرت ابو سعید خدریؓ (المتوفی ۷۴ھ) کے واسطہ سے سماعت کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھانے سے فارغ ہوتے تو یوں کہتے : اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مُسْلِمِيْنَ ۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا اور ہم کو مسلمان بنایا ۔"

کلماتِ شکر بعد از طعام

یہ بھی کھانے کے آداب میں سے ہے کہ جب کوئی شخص کھانا کھا چکے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے جس کے لیے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ کی ادائیگی کی تعلیم دی ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مُسْلِمِيْنَ ہم خدائے وحدہٗ لاشریک کا شکر ادا کرتے

ہیں جس نے اپنی خاص مہربانی سے ہمیں کھانا کھلایا، مشروب پلایا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسلام کی دولت نصیب فرما کر مسلمانوں کی جماعت میں سے بنایا۔

کھانا پینا انسان کی بنیادی ضروریات میں سے ہے اس سے جسم میں توانائی آتی ہے۔ گویا اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا جسم کے قوام کا شکر ہے۔ آگے وَجَعَلَنَا مُسْلِمِيْنَ روح کے قوام کا شکر ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ہمیں مسلمان بنا کر ہمارے لیے روحانی غذا کا سامان بہم پہنچا دیا ہے تو اس طرح پورا جملہ گویا جسمانی اور روحانی ہر دو لحاظ سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کا ذریعہ ہے۔

باب - ۲۸

درس - ۲۹

حدیث - ۵

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا ثَوْرُ بْنُ يَزِيدَ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَعْدَانَ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رُفِعَتِ الْمَائِدَةُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ يَقُولُ الْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيهِ غَيْرَ مُوَدَّعٍ وَلَا مُسْتَغْنًى عَنْهُ رَبَّنَا۔ (ترمذی مع شمائل صـ۵۸۱)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت محمد بن بشار نے بیان کی وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ یحیٰی بن سعید نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے یہ روایت ثور بن یزید نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے خالد بن معدان نے بیان کیا اور انھوں نے یہ حدیث صحابی رسول حضرت ابو امامہؓ سے سماعت کی۔ وہ کہتے ہیں کہ جب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے سامنے سے دسترخوان اُٹھایا جاتا تو آپ یوں کہتے: سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو کہ بہت پاکیزہ اور بابرکت تعریف ہے جو کہ نہ تو چھوڑی گئی ہو، اور نہ اس سے بے پرواہی اختیار کی گئی ہو، اے ہمارے پروردگار!"

دسترخوان اُٹھائے جانے کے وقت کی دُعا

اس روایت میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اپنی اُمّت کو وہ دُعا سکھائی ہے جو اُس وقت کی جاتی ہے جبکہ کھانا کھانے کے بعد دسترخوان اُٹھایا جاتا ہے۔ کھانے سے قبل اور بعد کی دعائیں گزشتہ روایات میں بیان ہو چکی ہیں۔ یہ دعا بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ہی ہے جو کہ ایک بندۂ مؤمن کھانے سے مکمل فراغت

کے بعد کرتا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُبَارَکًا فِیْہِ غَیْرَ مُوَدَّعٍ وَلَا مُسْتَغْنًی عَنْہُ رَبَّنَا۔ مطلب یہ ہے کہ تمام کی تمام طیّب، پاکیزہ اور بابرکت تعریفیں اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے ہی ہیں جو ہر چیز کا خالق مالک اور مربّی ہے ہم اُس کی مخلوق ہیں اور اُس کی عطا کردہ روزی سے پرورش پاتے ہیں۔ لہٰذا ہر قسم کی اعلیٰ سے اعلیٰ تعریف اللہ تعالیٰ ہی کو سزاوار ہے۔ یہ ایسی تعریف ہے جس کو چھوڑا نہیں جا سکتا بلکہ یہ ہماری زبان پر ہر وقت جاری رہنی چاہیئے اور ہم اس سے بے نیاز بھی نہیں ہو سکتے۔ آخر میں اللہ کے حضور رَبَّنَا کہہ کر اللہ تعالیٰ کو خطاب کیا گیا ہے۔ اے ہمارے پروردگار! ہماری زندگی اور اس میں عطا ہونے والی ہر نعمت تیرا عظیم انعام ہے لہٰذا ہمہ وقت تیرا شکر ادا کرتے ہیں۔ یہ رَبَّنَا دراصل یَا رَبَّنَا حرفِ نِدا ہے لہٰذا یہ رَبُّنَا نہیں بلکہ رَبَّنَا پڑھا جائے گا۔

حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ اَبَانٍ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ عَنْ هِشَامٍ الدَّسْتَوَائِيِّ عَنْ بُدَيْلِ بْنِ مَيْسَرَةَ الْعُقَيْلِيِّ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ اُمِّ كُلْثُوْمٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْكُلُ الطَّعَامَ فِيْ سِتَّةٍ مِّنْ اَصْحَابِهٖ فَجَاءَ اَعْرَابِيٌّ فَاَكَلَهٗ بِلُقْمَتَيْنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ سَمّٰى لَكَفَاكُمْ۔ (ترمذی مع شمائل صـ۵۸)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ[1] کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت ابوبکر محمدؒ بن ابان نے بیان کی وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے وکیع نے ہشام دستوائی کے واسطہ سے بیان کیا۔ انھوں نے یہ روایت بدیل بن میسرۃ عقیلی سے روایت کی۔ انھوں نے یہ روایت عبداللہ بن عبید بن عمیر سے روایت کی۔ انھوں نے یہ روایت امّ کلثوم سے ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ کے ذریعہ سے نقل کی ہے۔ امّ المؤمنین کہتی ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چھ صحابہؓ کے درمیان کھانا تناول فرما رہے تھے اتنے میں ایک دیہاتی آدمی آیا اور آتے ہی اس نے دو بڑے بڑے لقمے مارے اور کھانا ختم ہو گیا۔ حضور علیہ السّلام نے فرمایا کہ اگر یہ آدمی اللہ کا نام لے کر کھانا شروع کرتا تو یہ تم سب کے لیے کافی ہوتا۔"

---

[1] المتوفی ۲۷۹ھ (فیاض)

بسم اللہ کی برکت

اس روایت میں بھی کھانا شروع کرتے وقت اللہ کے نام کی برکت کا ذکر ہے خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چھ اصحاب کے ساتھ کھانا شروع کر چکے تھے۔ اس دوران میں ایک دیہاتی آدمی آیا اور آتے ہی کھانے پر ٹوٹ پڑا اور اللہ کا نام لیے بغیر کھانا شروع کر دیا۔ فَأَكَلَهُ بِلُقْمَتَيْنِ اُس نے دو بڑے بڑے لقمے لیے اور کھانا ختم ہوگیا۔ گویا جو حضرات پہلے سے کھانا کھا رہے تھے وہ بھی پیٹ بھر کر نہ کھا سکے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اُن کی اس حالت کو دیکھ کر ہی فرمایا لَوْ سَمَّى لَكَفَاكُمْ اگر یہ نووارد اعرابی کھانا شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ کہہ لیتا تو اس کھانے میں اللہ تعالیٰ مزید برکت ڈال دیتا، اور یہ تم سب کے لیے کافی ہوتا۔ مگر اس شخص کے اللہ کا نام نہ لینے کی وجہ سے شیطان بھی اسکے ساتھ کھانے میں شریک ہوگیا۔ یہی وجہ ہے کہ اب یہ کھانا تم سب کے لیے کافی نہیں رہا۔

باب - ۲۸

درس - ۲۹

حدیث - ۱

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ وَّ مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ قَالَا حَدَّثَنَا أَبُوْ أُسَامَةَ عَنْ زَكَرِيَّا ابْنِ أَبِيْ زَائِدَةَ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ أَبِيْ بُرْدَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ لَيَرْضٰى عَنِ الْعَبْدِ أَنْ يَأْكُلَ الْأُكْلَةَ أَوْ يَشْرَبَ الشَّرْبَةَ فَيَحْمَدَهُ عَلَيْهَا۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۸۱)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت ہناد اور محمود بن غیلان نے بیان کی۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت ابو اُسامہ نے زکریا بن ابی زائدہ کے واسطہ سے بیان کی۔ انھوں نے یہ روایت سعید بن ابی بردہ سے روایت کی اور انھوں نے اسے حضرت انس بن مالکؓ (المتوفی ۹۳ھ) سے سُنا تھا وہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس بندے سے راضی ہوتا ہے کہ جب وہ ایک لقمہ کھانا کھاتا ہے یا ایک گھونٹ پانی پیتا ہے تو اللہ کی حمد بیان کرتا ہے۔"

حمد ذریعہ رضائے الٰہی

اس روایت میں آمدہ لفظ اُکْلَۃ کا تلفظ الف کے ضمّہ یا فتح کے ساتھ دونوں طرح درست ہے آپ اَکْلَۃ پڑھ لیں یا اُکْلَۃ کہہ لیں۔ اگر آپ اُکْلَۃ پڑھیں گے تو اس کا مطلب ایک لقمہ ہوگا اور اگر اَکْلَۃ پڑھیں گے تو مُراد ایک دفعہ کھانا ہوگا۔ اسی طرح شُرْبَۃ کا معنیٰ ایک گھونٹ ہے اور اگر شَرْبَۃ پڑھیں گے تو اس کا معنیٰ ایک دفعہ مشروب پینا ہوگا۔

الغرض ! حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا فرمان مبارک ہے کہ جس شخص نے ایک لقمہ کھا کر یا ایک دفعہ مکمل کھانا کھا کر اللہ کی حمد بیان کی یعنی اُس کا شکریہ ادا کیا تو اللہ تعالیٰ اس آدمی سے راضی ہو گیا۔ نیز جس شخص نے ایک گھونٹ پانی ، دودھ یا کوئی مشروب پی کر یا ایک دفعہ پانی وغیرہ سے سیراب ہو کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا، اُس سے بھی اللہ راضی ہوتا ہے۔ کھانا کھانے اور مشروب پینے کے بعد اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے کلمات گزشتہ روایات میں بیان ہو چکے ہیں۔

---

(۲۹) بَابُ مَا جَآءَ فِیْ قَدَحِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

ترجمہ: "باب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے پیالہ کے بیان میں"

قَدَحٌ کا معنیٰ مشروب پینے کا برتن یعنی پیالہ ہے اور اسکی جمع اَقْدَاحٌ آتی ہے

اس باب میں امام ترمذیؒ نے دو احادیث جمع کی ہیں جن میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے مشروب پینے کے پیالہ کا ذکر ہے کہ وہ کس قسم کا تھا۔ جملہ روایات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے وقتاً فوقتاً پانچ پیالے استعمال کیے ہیں۔ ان کے نام بھی سیرت کی کتابوں میں ملتے ہیں۔

(۱) ریّان، جو سیرابی کا معنیٰ دیتا ہے۔ (۲) مغیث (۳) مضبب، یعنی پترا چڑھا ہوا۔ (۴) زجاج، شیشے کا بنا ہوا۔ (۵) عیدان، یعنی لکڑی کا بنا ہوا۔

شمائل ترمذی — باب۔ ۲۹

درس۔ ۲۹ — حدیث۔ ۱

حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ الْاَسْوَدِ الْبَغْدَادِيُّ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عِيْسَى بْنُ طَهْمَانَ عَنْ ثَابِتٍ قَالَ اَخْرَجَ اِلَيْنَا اَنَسُ بْنُ مَالِكٍؓ قَدَحَ خَشَبٍ غَلِيْظًا مُّضَبَّبًا بِحَدِيْدٍ فَقَالَ يَا ثَابِتُ هٰذَا قَدَحُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۸۱)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت حسین بن اسود بغدادی نے بیان کی۔ وہ کہتے کہ ہمارے پاس اسے

عمرو بن محمد[1] نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت عیسیٰ بن طہمان نے ثابت کے واسطہ سے بیان کی۔ ثابت کہتے ہیں کہ حضرت انس بن مالکؓ نے ہمیں لکڑی کا بنا ہُوا ایک موٹا پیالہ نکال کر دکھایا جس پر لوہے کا پترا چڑھا ہوا تھا، اور کہا اے ثابت! یہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا پیالہ ہے۔"

تشریح حضرت انس بن مالکؓ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادمِ خاص تھے جنھوں نے آپ کی سفر و حضر میں خدمت کی ہے چونکہ حضرت انسؓ کو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو کھلانے پلانے کا بھی زیادہ موقع ملتا تھا، جو پیالہ انھوں نے ثابت کو دکھایا وہ ان کو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے دیا ہوگا جو انکے پاس بطورِ تبرک رکھا ہوا تھا۔ حضرت انسؓ کے بعد یہ پیالہ ان کی اولاد میں نضر بن انسؓ کی میراث سے آٹھ لاکھ درہم میں فروخت ہوا۔ کہتے ہیں کہ امام بخاریؒ (المتوفی ۲۵۶ھ) کو بھی اس پیالے میں بصرہ کے مقام پر پانی پینے کا موقع ملا تھا۔

---

[1] المتوفی ۱۹۹ھ (فیاض)

درس - ۲۹　　　　حدیث - ۲

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَۃَ حَدَّثَنَا حُمَیْدٌ وَ ثَابِتٌ عَنْ اَنَسٍ قَالَ لَقَدْ سَقَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِھٰذَا الْقَدَحِ الشَّرَابَ کُلَّہُ الْمَآءَ وَالنَّبِیْذَ وَالْعَسَلَ وَاللَّبَنَ۔　　(ترمذی مع شمائل ص۵۸۱)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے بیان کی وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت عمرو بن عاصم نے بیان کی - اُن کو یہ روایت حماد بن سلمہ سے ملی۔ انھوں نے یہ روایت حمید سے اور انھوں نے ثابت سے روایت کی - ثابت نے یہ حدیث حضرت انس بن مالکؓ سے سُنی جو کہتے ہیں کہ مَیں نے اس پیالہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام مشروبات منجملہ ان کے پانی ، نبیذ شہد اور دودھ پلائے ہیں۔"

تشریح | اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت انسؓ نے مذکورہ ایک ہی پیالے میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو مختلف قسم کے مشروبات پلائے جس کا مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام ہمیشہ سادگی کو پسند فرماتے تھے اور مختلف قسم کے مشروبات مختلف پیالوں میں نوش فرمانے کا تکلّف نہیں کرتے تھے۔ موجودہ زمانے میں تو ہر مشروب کے لیے ان کی مناسبت سے گلاس یا مگ بھی علیحدہ علیحدہ ہوتا ہے بلکہ اب تو پلاسٹک کے ایسے گلاس ایجاد ہو چکے ہیں جو صرف ایک ہی دفعہ استعمال ہوتے ہیں اور پھر ضائع کر دیے جاتے ہیں۔ اب تو زیادہ متمدن ممالک میں پلاسٹک کے گلاس میں پانی ، شربت یا چائے وغیرہ پی کر اُس کو فوراً کوڑے کے ڈرم میں پھینک

دیا جاتا ہے اور اسے دوبارہ استعمال کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ حاجی صاحبان جانتے ہیں کہ آج کل حرمین الشریفین میں آبِ زم زم پینے کے لیے جو گلاس مہیا کیے جاتے ہیں وہ بھی ایک ہی دفعہ استعمال ہوتے ہیں۔ ہر شخص پانی پینے کے لیے نیا گلاس حاصل کرتا ہے جو موقع پر آبِ زم زم کے کولروں کے ساتھ مہیا کیے گئے ہیں۔

اگرچہ سیرت کی کتابوں میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے لیے پانچ قسم کے پیالوں کا ذکر ملتا ہے مگر آپ نے بیک وقت ایک سے زیادہ پیالہ نہیں رکھا۔ اگر لکڑی کا پیالہ کسی وقت ٹوٹ گیا تو اس کو لوہے کا پترا لگا کر مرمت کر لیا اور جب تک کوئی برتن کام دیتا رہا ہے اس کو چلایا ہے۔ آپ نے ضروریاتِ زندگی کی کسی بھی چیز میں کبھی تکلّف نہیں فرمایا۔

---

(۳۰) بَابُ مَا جَاءَ فِیْ صِفَةِ فَاکِهَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ترجمہ: "باب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پھلوں کے بیان میں"

یہ باب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پھلوں کے بارے میں ہے کہ آپ نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں کون سے پھل استعمال کیے اور اُن کے بارے میں کیا ارشادات فرمائے۔ پھلوں کی تعریف میں اہلِ لغت کہتے ہیں کہ یہ ایسی چیز ہے مَا یُتَفَکَّهُ بِهٖ وَلَا یُتَغَذّٰی وَلَا یُتَدَاوٰی کہ جو غذا یا دوائی کے کام نہیں آتی بلکہ یہ تفریح طبع کا سامان ہے۔ عام طور پر لوگ کھانا کھانے کے بعد تفریح طبع کے لیے کچھ پھل بھی کھا لیتے ہیں۔ البتہ جن علاقوں میں بعض پھلوں کی کثرت ہوتی ہے، وہاں انھیں غذا کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ مثلاً جن خطوں میں کھجوروں کی کثرت ہوتی ہے وہاں کھجوروں کو بطور غذا بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی طرح جہاں انگور یا سیب بکثرت پیدا ہوتے ہیں وہاں انھی کو گزر اوقات کے لیے کھا لیا جاتا ہے۔ بایں ہمہ پھلوں کا اصل مقصد تفریح طبع ہی ہوتا ہے۔ خود حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے بھی پھل استعمال کیے۔ امام ترمذیؒ نے اس باب میں سات روایات جمع کی ہیں۔

درس - ۳۰　　　　　　　　　　　　　　　　حدیث - ۱

حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ بْنُ مُوْسَى الْفَزَارِيُّ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْكُلُ الْقِثَّاءَ بِالرُّطَبِ۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۸)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت اسمٰعیل بن موسیٰ فزاری نے بیان کی۔ اُن کے پاس یہ روایت ابراہیم بن سعد نے اپنے باپ کے حوالہ سے بیان کی۔ انھوں نے یہ روایت عبداللہ بن جعفرؓ سے سنی۔ وہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ککڑی تازہ کھجوروں کے ساتھ ملا کر کھاتے تھے۔"

تشریح: عربی زبان میں قثاء ککڑی کو کہتے ہیں رُطب تازہ اور پختہ کھجور کو کہتے ہیں۔ اس حدیث میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا ان دونوں پھلوں کو اکٹھا کھانے کا ذکر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ ککڑی سرد مزاج اور کھجور گرم مزاج ہوتی ہے اور ملا کر کھانے میں اعتدال پیدا ہوجاتا ہے۔ نیز ککڑی پھیکی اور کھجور میٹھی ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے بھی ان دونوں کو اکٹھا کھانے سے ذائقہ میں اعتدال پیدا ہوجاتا ہے۔ اگلی روایت میں خربوزہ کو کھجور کے ساتھ ملا کر کھانے کا ذکر بھی آرہا ہے۔ بعض اوقات پھلوں کا ذائقہ خوشگوار بنانے کے لیے یہاں بھی لوگ خربوزہ، تربوز یا امرود میں چینی ملا لیتے ہیں۔ ککڑی اور کھجور کا امتزاج بھی کچھ اسی قسم کا بن جاتا ہے۔

درس - ۳۰　　　　حدیث - ۲

حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْخُزَاعِيُّ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ هِشَامٍ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَاْكُلُ الْبِطِّيْخَ بِالرُّطَبِ -

(ترمذی مع شمائل ص۵۸۱)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث عبدہ بن عبداللہ خزاعی بصری نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے معاویہ بن ہشام نے بیان کیا۔ انھوں نے یہ روایت سفیان سے روایت کی۔ انھوں نے یہ روایت ہشام بن عروۃ سے ان کے باپ کے حوالہ سے نقل کی اور وہ امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تربوز اور کھجور کو ملا کر تناول فرماتے تھے۔"

تشریح: یہ روایت بھی بلحاظ مضمون پہلی روایت سے ملتی جلتی ہے سابقہ روایت میں ککڑی اور کھجور کو ملا کر کھانے کا ذکر تھا اب اس روایت میں بطیخ یعنی تربوز کو تازہ کھجوروں کے ساتھ ملا کر کھانے کا تذکرہ ہے۔ بطیخ کا اطلاق تربوز کے علاوہ خربوزہ پر بھی ہوتا ہے۔ غرضیکہ امّ المؤمنین عائشہؓ (المتوفاۃ ۵۷ھ) سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام تربوز یا خربوزہ بھی کھجوروں کے ساتھ ملا کر تناول فرمالیا کرتے تھے یہاں بھی وہی اصول کارفرما ہے کہ دونوں پھلوں کو اکٹھا کھانے سے تاثیر اور ذائقہ معتدل ہو جاتا ہے۔ اگرچہ خربوزہ کی تاثیر بھی گرم ہوتی ہے تاہم کھجوروں کے ساتھ ملا کر کھانے سے خوش ذائقہ چیز ضرور بن جاتی ہے۔

حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ يَعْقُوْبَ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيْرٍ حَدَّثَنَا اَبِيْ قَالَ سَمِعْتُ حُمَيْدًا يَقُوْلُ اَوْقَالَ حَدَّثَنِيْ حُمَيْدٌ قَالَ وَهْبٌ وَكَانَ صَدِيْقًا لَهٗ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْمَعُ بَيْنَ الْخِرْبِزِ وَالرُّطَبِ ۔ (ترمذی مع شمائل ص ۵۸۲)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت ابراہیم بن یعقوب نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے وہب بن جریر نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس میرے باپ نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حمید کو یہ کہتے ہوئے سُنا یا کہا کہ یہ روایت حمید نے میرے سامنے بیان کی۔ کہتے ہیں کہ وہب حمید کا دوست تھا۔ انھوں نے یہ روایت حضرت انس بن مالکؓ سے بیان کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خربوزہ اور تازہ کھجوریں ملا کر کھاتے ہوئے دیکھا۔"

تشریح: گزشتہ روایت میں تربوز اور کھجور ملا کر کھانے کا ذکر تھا، اب اس روایت میں خربوزہ اور کھجوریں ملا کر کھانے کا ذکر ہوا ہے جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا، اگر خربوزہ پھیکا ہو تو تازہ کھجوروں کے ساتھ ملا کر کھانے سے اس کا ذائقہ اچھا ہو جاتا ہے۔

شمائل ترمذی

باب ۔ ۳۰

درس ۔ ۳۰

حدیث ۔ ۴

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ الرَّمْلِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يَزِيْدَ بْنِ الصَّلْتِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْحٰقَ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ رُوْمَانَ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكَلَ الْبِطِّيْخَ بِالرُّطَبِ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۸۲)

ترجمہ:۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت محمد بن یحییٰ نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے محمد بن عبدالعزیز رملی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے یہ روایت عبداللہ بن یزید بن صلت نے محمد بن اسحٰق کے واسطہ سے بیان کی۔ انھوں نے یہ روایت یزید بن رومان سے اور انھوں نے عروۃ سے روایت کی۔ عروۃ ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تربوز اور تازہ کھجوروں کو ملا کر تناول فرماتے تھے۔

تشریح: یہ حدیث بھی اس باب کی حدیث ۲ کے مطابق ہے دونوں احادیث میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے تربوز کے ساتھ تازہ کھجوروں کو ملا کر کھانے کا ذکر ہے۔ مَیں نے عرض کیا تھا کہ اس کی مصلحت یہ ہوسکتی ہے سرد اور گرم مزاج چیزوں کو بیک وقت کھانے سے مزاج میں اعتدال پیدا ہوتا ہے جو کہ انسانی جسم کے لیے مفید ہوتا ہے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ اَنَسٍ ح وَحَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مُوْسٰى حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ اَبِيْ صَالِحٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّاسُ اِذَا رَاَوْا اَوَّلَ الثَّمَرِ جَاءُوْا بِهٖ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا اَخَذَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ ثِمَارِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِيْ مَدِيْنَتِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِيْ صَاعِنَا وَفِيْ مُدِّنَا اَللّٰهُمَّ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ عَبْدُكَ وَخَلِيْلُكَ وَنَبِيُّكَ وَاِنِّيْ عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ وَاِنَّهٗ دَعَاكَ لِمَكَّةَ وَاِنِّيْ اَدْعُوْكَ لِلْمَدِيْنَةِ بِمِثْلِ مَا دَعَاكَ بِهٖ لِمَكَّةَ وَمِثْلِهٖ مَعَهٗ قَالَ ثُمَّ يَدْعُوْا اَصْغَرَ وَلِيْدٍ يَرَاهُ فَيُعْطِيْهِ ذٰلِكَ الثَّمَرَ۔

(ترمذی مع شمائل صـ۵۸۲)

ترجمہ:۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت قتیبہ بن سعید نے بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے مالک بن انس نے بیان کیا (تحویل) ہمارے پاس یہ روایت اسحٰق بن موسیٰ نے بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت معن نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے مالک بن سہیل بن ابی صالح نے اپنے باپ کے واسطہ سے بیان کیا ۔ انھوں نے یہ حدیث صحابی رسول حضرت ابوہریرہؓ سے سنی ۔ وہ کہتے ہیں کہ جب لوگ اپنے باغات میں پہلا پھل لگا ہوا دیکھتے تو اسے توڑ کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آتے۔

پھر جب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اُس کو اپنے ہاتھ میں لیتے تو اس طرح دُعا کرتے ۔ اے اللہ ! ہمارے پھلوں میں برکت عطا فرما اور ہمارے شہر میں برکت عطا فرما ، اور ہمارے صاع اور مُد میں بھی برکت عطا فرما ۔ اے اللہ ! بے شک ابراہیم علیہ السّلام تیرے بندے اور خلیل اور نبی تھے اور مَیں بھی تیرا بندہ اور نبی ہوں ۔ انھوں نے تو مکہ مکرمہ کے لیے دُعا کی تھی ، اور میں تیرے حضور میں مدینہ طیبہ کے لیے دُعا کرتا ہُوں اس کی مثل جیسی انھوں نے مکہّ مکرمہ کے لیے کی تھی اور اُس کے ساتھ اس جیسی مزید بھی (یعنی ڈبل) ابوہریرۃؓ کہتے ہیں کہ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس چھوٹے بچے کو قریب دیکھتے وہ پھل اُس کو عطا کر دیتے ۔"

تشریح اس روایت میں اَوَّلَ الثَّمَرِ سے مُراد وہ کچّا پھل ہے جو موسم کے لحاظ سے درختوں پر لگتا تھا۔ ہم اس کو اپنی زبان میں ڈوڈی بھی کہہ سکتے ہیں یعنی جب درختوں پر پھل لگنا شروع ہوتا تو مدینہ طیبہ کے اہلِ ایمان کا دستور تھا کہ وہ اس نئے پھل کے چند دانے توڑ کر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں لے آتے ۔ اُن کا مقصد ہی یہ ہوتا تھا کہ نیا پھل دیکھ کر نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام بھی خوش ہوں گے اور پھر اس میں خیر و برکت کے لیے اللہ ربّ العزّت کی بارگاہ میں دُعا بھی کریں گے ۔ چنانچہ جب کوئی شخص نیا پھل لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتا تو آپ اس پھل کو اپنے ہاتھ میں لیتے اور پھر اس طرح دُعا کرتے

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِىْ ثِمَارِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِىْ مَدِيْنَتِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِىْ صَاعِنَا وَفِىْ مُدِّنَا اَللّٰهُمَّ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ عَبْدُكَ وَخَلِيْلُكَ وَنَبِيُّكَ وَاِنِّىْ عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ وَاِنَّهٗ دَعَاكَ لِمَكَّةَ وَاِنِّىْ اَدْعُوْكَ لِلْمَدِيْنَةِ بِمِثْلِ مَا دَعَاكَ بِهٖ لِمَكَّةَ وَمِثْلِهٖ مَعَهٗ ۔ اے اللہ ہمارے

پھلوں میں برکت عطا فرما اور ہمارے شہر میں برکت عطا فرما اور ہمارے صاع اور مُد میں برکت عطا فرما۔ بے شک ابراہیم علیہ السّلام تیرے بندے، دوست اور نبی تھے۔ اور بے شک میں بھی تیرا بندہ اور نبی ہوں۔ ابراہیم علیہ السّلام نے تو اپنے شہر مکہ مکرمہ کے لیے دُعا کی اور میں تیرے حضور مدینہ منورہ کے لیے دُعا کرتا ہوں کہ ہمارے شہر میں بھی مکہ مکرمہ جیسی خیر و برکات کا نزول فرما بلکہ اس سے دگنی خیر و برکات کے لیے دست بدعا ہوں۔

ظاہر ہے کہ نئے پھل کو دیکھ کر اس کے لیے خیر و برکت کی دُعا کرنا ایک فطری امر ہے اور مدینہ کے لوگ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے یہی توقع رکھتے تھے اور صاع اور مُد کے لیے دُعا کرنا اس وجہ سے تھا کہ یہ جنس کو ماپنے کے پیمانے تھے۔ ان پیمانوں میں خیر و برکت کا مقصد بھی دراصل فصل ہی میں خیر و برکات ہوتا تھا کہ جب ہم ان پیمانوں کے ساتھ نئی آمدہ فصل کو ماپیں تو یہ فصل زیادہ سے زیادہ ثابت ہو۔

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی دُعا کا تیسرا حصّہ اپنے شہر مدینہ منورہ کے لیے ہوتا تھا کہ اے اللہ جس طرح تیرے خلیل ابراہیم علیہ السّلام نے اپنے ہاتھوں سے شہر مکہ آباد کر کے اس کے لیے خیر و برکت کی دُعا کی، اسی طرح میں اپنی ہجرت کے شہر مدینہ کے لیے خیر و برکت کی دُعا کرتا ہوں جس طرح تو نے اپنے خلیل کی دُعا کو شرفِ قبولیت بخشا اور مکہ مکرمہ میں پھلوں کی فراوانی عطا فرمائی اسی طرح میں شہر مدینہ میں ہر چیز کی فراوانی کی دُعا کرتا ہوں بلکہ میری دُعا یہ ہے کہ شہر مکہ کی نسبت مدینہ طیبہ میں دوگنا خیر و برکات کا نزول فرما۔

ابراہیم علیہ السّلام کی شہر مکہ کے لیے دُعا کا ذکر سورۃ ابراہیم میں موجود ہے کہ جب اُنھوں نے اپنی بیوی حضرت ہاجرہؓ اور نومولود بچے اسمٰعیل علیہ السّلام کو سرزمین عرب میں اللہ کے بھروسے پر تنِ تنہا چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ کے حضور اس طرح دُعا کی تھی:

رَبَّنَآ اِنِّیۡۤ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِکَ الۡمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا	اے ہمارے پروردگار! بے شک میں نے اپنی اولاد کو بے آب وگیاہ وادی میں تیرے محترم گھر کے قریب آباد کیا ہے۔ اے ہمارے پروردگار

لِيُقِيمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ۝ (آیت ۳۷)

تاکہ یہ نماز قائم کریں پس بنا دے لوگوں کے دلوں کو تاکہ ان کی طرف مائل ہوں اور ان کو پھلوں سے روزی عطا فرما تاکہ یہ شکر ادا کریں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی دُعا کو شرفِ قبولیت بخشا، ایک ماں اور بیٹے سے وہاں ایک قوم آباد ہوئی۔ پھر وہاں اللہ کا گھر تعمیر ہُوا اور دُنیا بھر کے اہلِ ایمان کے دل کھنچ کھنچ کر اُدھر آنے لگے۔ اللہ نے ان کو پھلوں کی ایسی روزی عطا فرمائی کہ آج ہم دیکھتے ہیں کہ دُنیا بھر کا نہ صرف بہترین پھل وہاں موجود ہوتا ہے بلکہ انسانی زندگی کی ضرورت کی ہر چیز بافراط وہاں ملتی ہے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی دُعا کا مقصد بھی یہی تھا کہ ایسی ہی خیر و برکات شہر مدینہ کو عطا فرما بلکہ اُس سے بھی دُگنی۔ چنانچہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شہر مدینہ کو دوچند برکات سے نوازا ہے، وہاں مکہ کی نسبت نہ صرف پھلوں میں بلکہ ہر چیز میں فراوانی ہے اور ہر چیز مکہ کی نسبت سستی بھی ہے۔

اس دعا میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ابراہیم علیہ السّلام کی عبدیت، خلت اور نبوّت کا ذکر کیا ہے مگر اپنے لیے صرف عبدیت اور نبوت کا تذکرہ کیا ہے حالانکہ آپ کے لیے خلت بھی ثابت ہے۔ شارحین کہتے ہیں کہ اس میں اپنے جدِّ امجد کے مقابلہ میں انکساری کا اظہار ہے۔ یاد رہے کہ خانہ کعبہ کی ذاتی فضیلت ہے جس کی وجہ سے وہاں ایک نماز پڑھنے کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے جبکہ مسجدِ نبوی میں ایک نماز کا ثواب دوسری جگہ پر ادا کی جانے والی پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے۔ لہٰذا خانہ کعبہ کی فضیلت بلاشبہ مسجد نبوی سے زیادہ ہے۔ تاہم اشیائے ضرورت کی فراوانی مدینہ میں زیادہ ہے جو کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی دُعا کی قبولیت کا ثمر ہے۔

درس - ۳۰

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حُمَيْدِ الرَّازِيُّ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ الْمُخْتَارِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْحٰقَ عَنْ اَبِيْ عُبَيْدَةَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذِ بْنِ عَفْرَاءَ قَالَتْ بَعَثَنِيْ مُعَاذُ بْنُ عَفْرَاءَ بِقِنَاعٍ مِّنْ رُطَبٍ وَعَلَيْهِ اَجْرٌ مِّنْ قِثَّاءٍ زُغْبٍ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ الْقِثَّاءَ فَاَتَيْتُهُ بِهٖ وَعِنْدَهٗ حِلْيَةٌ قَدْ قَدِمَتْ عَلَيْهِ مِنَ الْبَحْرَيْنِ فَمَلَأَ يَدَهٗ مِنْهَا فَاَعْطَانِيْهِ -

(ترمذی مع شمائل ص۵۸۲)

ترجمہ:" امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث محمد بن حمید رازی نے بیان کی وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس بیان کیا ابراہیم بن مختار نے، انھوں نے یہ روایت محمد بن اسحٰق سے ابو عبیدہ بن محمد بن عمار بن یاسر کی وساطت سے روایت کی۔ انھوں نے یہ روایت ربیع بنت معوذ بن عفراء سے حاصل کی۔ وہ کہتی ہیں کہ مجھے میرے چچا معاذ بن عفراءؓ نے تازہ کھجوروں کی ایک طشتری ——بھیجی — اور اس پر ککڑیوں کے روئی دار چھوٹے چھوٹے بچے بھی تھے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ککڑیوں کو بہت پسند فرماتے تھے۔ چنانچہ میں وہ تھال نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں لے گئی۔ اُس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ زیور تھا، جو بحرین سے آیا تھا۔ آپ نے ہاتھ بھر کر اُس میں سے مجھے عطا کیا۔"

تشریح | یہ روایت ربیع بنت معوذ بن عفراءؓ سے منقول ہے جو خود اپنا واقعہ بیان کرتی ہیں کہ انکے چچا معاذؓ نے انھیں ایک تھال میں تازہ کھجوریں اور نرم اور تازہ

تازہ ککڑیاں رکھ کر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں بھیجا۔ رطب کی وضاحت پہلے ہو چکی ہے کہ تازہ اور پکی ہوئی کھجوروں کو کہتے ہیں۔ ککڑیوں کی پسندیدگی کا ذکر بھی گزشتہ روایات میں ہو چکا ہے البتہ اس روایت میں خاص ککڑیوں کا ذکر ہے اَجْرٍ مِّنْ قِثَّاءٍ زُغْبٍ ککڑیوں کے چھوٹے چھوٹے بچے جن پر ابھی روئی روئی سی ہو۔ زُغْبٌ، ازغب کی جمع ہے جو کسی پرندے کے نوزائیدہ بچے کے لیے بولا جاتا ہے جس کے جسم پر ابھی پورے بال نہ اُگے ہوں بلکہ روئی روئی سی ہو جو نہایت ہی نرم اور ملائم ہوتی ہے تو یہاں بھی راویہ ایسی ککڑیوں کا ذکر کر رہی ہے جو ابھی پوری طرح پکنے کی عمر کو نہیں پہنچی تھیں بلکہ انھیں پہلے ہی توڑ لیا گیا تھا۔ وہ نہایت نرم و نازک تھیں اور اُن پر ابھی روئی روئی سی آئی ہوئی تھی۔

صحابیہ بیان کرتی ہیں کہ جب میں یہ تحفہ لے کر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپکے پاس اُس وقت کچھ حلیہ تھا، جو بحرین سے آیا تھا۔ حلیہ دراصل سونے چاندی سے بنائے گئے زیورات کو کہتے ہیں۔ حضرت ربیعؓ کہتی ہیں کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ و السّلام نے مجھ سے میرا پیش کردہ تحفہ قبول فرمالیا، اور اس کے بدلے میں مجھے مٹھی بھر کر زیورات میں سے عطا کر دیا۔

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی عادتِ مبارکہ تھی کہ جب کوئی شخص آپ کی خدمت میں کوئی ہدیہ پیش کرتا تو آپ اُس کو حتی الامکان اُس کا کوئی بدل بھی عطا فرماتے۔ اگر اُس وقت آپ کے پاس دینے کے لیے کوئی بھی چیز نہ ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تحفہ دینے والے کے لیے دُعا ہی کر دیتے، گویا تحفہ لانے والے کو خالی ہاتھ نہ بھیجتے۔ آپ نے اُمّت کو بھی یہی تعلیم دی ہے کہ اگر کوئی شخص تم کو کوئی تحفہ پیش کرے تو اپنی استطاعت کے مطابق اُسے اُس کا معاوضہ ضرور ادا کرو اور کچھ نہ ہو تو کم از کم اس کے لیے دُعا ہی کر دو۔ جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا یعنی اللہ تعالیٰ تم کو اس کا بہتر بدلہ عطا فرمائے۔

درس - ۳۰　　　　حدیث - ۷

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ اَخْبَرَنَا شَرِيْكٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عُقَيْلٍ عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذِ بْنِ عَفْرَاءَ قَالَتْ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقِنَاعٍ مِّنْ رُطَبٍ وَاَجْرٍ زُغْبٍ فَاَعْطَانِيْ مِلْأَ كَفِّهٖ حُلِيًّا اَوْ قَالَتْ ذَهَبًا۔　　(ترمذی مع شمائل ص۵۸۲)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت علی بن حجر نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں شریک نے خبر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی خبر عبداللہ بن محمد بن عقیل نے دی۔ وہ اسے رُبَیِّع بنتِ معوّذؓ بن عفراء سے روایت کرتے ہیں حضرت رُبَیِّعؓ کہتی ہیں کہ میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں تازہ کھجوریں اور نرم نرم ککڑیاں تھال میں رکھ کر لائی تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ہاتھ بھر کر زیور عطا فرمایا۔ (نچلے راوی کو تردّد ہے کہ) صحابیہ نے زیور کہا یا سونا کہا۔"

تشریح یہ روایت بھی پچھلی روایت کی ہم معنی اور اسی صحابیہ حضرت رُبَیِّع بنتِ معوّذؓ سے ہے تاہم اسکی نچلی سند کچھ مختلف ہے۔ اس میں راوی عبداللہ کو کچھ تردّد ہے کہ حضرت ربیعؓ نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے عطا کردہ ہاتھ بھر زیور کہا تھا یا سونا کہا تھا۔ زیور بھی سونے یا چاندی کا بنایا جاتا ہے۔ لہٰذا مطلب ایک ہی ہے کہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے وصول کردہ ہدیہ کا معاوضہ سونے یا اس سے بنائے گئے زیور کی شکل میں عطا کیا۔

(۳۱) بَابُ مَاجَاءَ فِیْ صِفَةِ شَرَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

ترجمہ: "باب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے مشروبات کے بیان میں"

اس باب میں نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی ان چیزوں کا ذکر ہے جو آپ پینے کے لیے بطور مشروب استعمال کرتے تھے مثلاً پانی، دودھ، شہد، نبیذ وغیرہ۔ جس چیز کو ہم شراب کا نام دیتے ہیں اس کو عربی زبان میں خمر کہتے ہیں جو کہ نشہ آور چیز ہے اور قطعی حرام ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے جنت کی شراب کو شَرَابًا طَھُوْرًا کا نام دیا ہے جو نہایت پاکیزہ اور نشہ کی بجائے سرور کی حامل ہوگی۔ اُس کو پینے سے فرحت و تازگی حاصل ہوگی اور کسی جنتی کو سرگرانی، بوجھ، متلی وغیرہ کی شکایت نہیں ہوگی۔ بہرحال اس باب میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے پاکیزہ مشروبات کا تذکرہ ہے کہ آپ اپنی حیاتِ مبارکہ میں کون سے مشروب استعمال فرماتے تھے۔

شمائل ترمذی

باب - ۳۱

درس - ۳۰

حدیث - ۱

حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّھْرِیِّ عَنْ عُرْوَۃَ عَنْ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا قَالَتْ کَانَ اَحَبُّ الشَّرَابِ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْحُلْوَ الْبَارِدَ۔ (ترمذی مع شمائل صـ۵۸۲)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت ابنِ ابی عمر نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے سفیان نے بیان کیا۔ انھوں نے یہ روایت معمر سے زہری کے واسطہ سے روایت کی۔ انھوں نے یہ روایت عروۃ سے

اور انھوں نے امّ المومنین عائشہ صدیقہؓ سے سماعت کی ۔ وہ کہتی ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پسندیدہ مشروب میٹھا اور ٹھنڈا ہوتا تھا ۔"

تشریح سرزمینِ عرب جیسی پتھریلی اور ریگستانی سرزمین میں ٹھنڈا اور میٹھا پانی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت تھی ۔ مدینہ طیبہ کے اکثر کنوئیں کھاری تھے اور میٹھا پانی کہیں کہیں دستیاب تھا ۔ بعض اوقات میٹھا (بالمقابل کھاری) پانی دُور سے لانا پڑتا تھا ۔ پھر عرب کی گرمی میں ٹھنڈے پانی کا حصول بھی کوئی کم اہمیت کا حامل نہیں تھا ۔ اسی چیز کے متعلق امّ المومنینؓ کہتی ہیں کہ کَانَ اَحَبُّ الشَّرَابِ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْحُلْوَ الْبَارِدَ آقائے نامدار صلّی اللہ علیہ وسلم کو ٹھنڈا اور میٹھا مشروب بہت مرغوب تھا ۔ ٹھنڈے اور میٹھے پانی کی قدر و قیمت تو پاکستان کے بعض علاقوں میں بھی مسلّم ہے ۔ بہاول پور اور خوشاب کے بعض علاقوں میں جہاں عام طور پر کھاری پانی ہے ، میٹھے پانی کے حصُول کے لیے بڑی تگ و دو کرنا پڑتی ہے حتیٰ کہ کھانا پکانے کے لیے تو نہر کا پانی صاف کر کے استعمال کیا جاتا ہے ۔ بہر حال ٹھنڈا اور میٹھا پانی اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت ہے ۔

حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيْعٍ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ اَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ زَيْدٍ عَنْ عُمَرَ هُوَ ابْنُ اَبِيْ حَرْمَلَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ دَخَلْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا وَخَالِدُ بْنُ الْوَلِيْدِ عَلٰى مَيْمُوْنَةَ فَجَاءَتْنَا بِاِنَاءٍ مِّنْ لَبَنٍ فَشَرِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا عَلٰى يَمِيْنِهٖ وَخَالِدٌ عَلٰى شِمَالِهٖ فَقَالَ لِيْ الشُّرْبَةُ لَكَ فَاِنْ شِئْتَ اٰثَرْتَ بِهَا خَالِدًا فَقُلْتُ مَا كُنْتُ لِاُوْثِرَ عَلٰى سُؤْرِكَ اَحَدًا ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَطْعَمَهُ اللّٰهُ طَعَامًا فَلْيَقُلِ اللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَاَطْعِمْنَا خَيْرًا مِّنْهُ وَمَنْ سَقَاهُ اللّٰهُ لَبَنًا فَلْيَقُلِ اللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَزِدْنَا مِنْهُ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ شَيْءٌ يُجْزِئُ مَكَانَ الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ غَيْرُ اللَّبَنِ ۔

قَالَ اَبُوْ عِيْسٰى هٰكَذَا رَوٰى سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ هٰذَا الْحَدِيْثَ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا وَرَوَاهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُبَارَكٍ وَعَبْدُ الرَّزَّاقِ وَغَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا وَلَمْ يَذْكُرُوْا فِيْهِ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ وَهٰكَذَا رَوٰى يُوْنُسُ وَ غَيْرُ وَاحِدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ مُرْسَلًا۔

قَالَ اَبُوْعِيْسٰی اِنَّمَا اَسْنَدَهٗ ابْنُ عُيَيْنَةَ مِنْ بَيْنِ النَّاسِ وَمَيْمُوْنَةُ بِنْتُ الْحَارِثِ زَوْجُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هِيَ خَالَةُ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيْدِ وَخَالَةُ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَخَالَةُ يَزِيْدَ بْنِ الْاَصَمِّ۔

وَاخْتَلَفَ النَّاسُ فِيْ رِوَايَةِ هٰذَا الْحَدِيْثِ عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدِ بْنِ جُدْعَانَ فَرَوٰى بَعْضُهُمْ عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ اَبِيْ حَرْمَلَةَ وَرَوٰى شُعْبَةُ عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ فَقَالَ عَنْ عَمْرِو بْنِ حَرْمَلَةَ وَالصَّحِيْحُ عُمَرُ ابْنُ اَبِيْ حَرْمَلَةَ۔

(ترمذی مع شمائل صہ ۵۸۲)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت احمد بن منیع نے بیان کی وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے اسمٰعیل بن ابراہیم نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس روایت کی خبر علی[1] بن زید نے عمر کے واسطہ سے دی جو کہ ابن ابی حرملہ ہیں۔ انھوں نے یہ روایت حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے سُنی۔ حضرت ابن عباسؓ (المتوفی فی الطائف ۶۸ھ) کہتے ہیں کہ میں اور خالد بن ولیدؓ (المتوفی فی حمص ۲۱ھ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اُمّ المؤمنین حضرت میمونہؓ[2]

---

[1] المتوفی ۱۳۱ھ [2] میمونہ بنت الحارث الہلالیہ العامریہ ان کا نام برّہ تھا حضورؐ نے تبدیل کر کے میمونہؓ رکھ دیا۔ حضورؐ نے انکے ساتھ ذی قعدہ ۷ھ میں عمرۃ القضاء کے موقع پر مکہ مکرمہ سے دس میل کے فاصلے پر مقام سرف میں نکاح کیا اور قدرتی طور پر ان کی وفات بھی اسی مقام پر ۴۶ یا ۵۱ یا ۶۱ھ میں ہوئی اور یہیں انکی قبر بنائی گئی یہ حضورؐ کی سب سے آخری زوجہ محترمہ ہیں ان کی نماز جنازہ عبد اللہ بن عباسؓ نے پڑھائی۔ یہ عباسؓ کی بیوی ام الفضل کی بہن تھیں۔ (فیاض)

کے ہاں پہنچے۔ وہ ہمارے پاس ایک برتن میں دودھ لے آئیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ دودھ نوش فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دائیں طرف اور خالد بن ولیدؓ بائیں طرف بیٹھے تھے۔ حضور علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا کہ (میرے بعد دودھ) پینے کی باری تو تمہاری ہے، تاہم اگر تم چاہو تو خالد بن ولیدؓ کو اپنے اوپر ترجیح دے سکتے ہو۔ میں نے عرض کیا، حضورؐ! میں تو آپ کے بچے ہوئے دودھ کے لیے کسی کو ترجیح دینے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو اللہ تعالےٰ کھانا کھلائے اُسے اس طرح دعا کرنی چاہیے "اے اللہ! ہمارے اس کھانے میں برکت عطا فرما، اور ہمیں اس سے بہتر کھانا کھلا" اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ دودھ پینا نصیب فرمادے اس کو اس طرح دُعا کرنی چاہیے "اے اللہ! ہمیں اس میں برکت عطا فرما، اور ہمارے لیے اس میں اضافہ فرما" راوی حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دودھ کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں ہے جو کھانے اور پینے کی جگہ کفایت کرے۔

(بحث اسناد) امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث اسی طرح روایت کی ہے سفیان بن عیینہ (المتوفی ۱۹۸ھ) نے معمر سے انھوں نے زہری[1] سے، انھوں نے عروۃ سے اور انھوں نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے۔ اور یہی حدیث بیان کی

---

[1] محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبداللہ بن شہاب زہری۔ المتوفی ۱۲۴ھ (فیاض)

ہے عبداللہ بن مبارک (المتوفی ۱۸۱ھ) عبدالرزاق اور بہت سے
دوسرے لوگوں نے معمر سے، انھوں نے زہری سے اور انھوں نے
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت مرسلاً بیان کی ہے
البتہ اس روایت میں عروہ اور عائشہؓ کا ذکر نہیں ہے۔ اور اسی
طرح یہ حدیث روایت کی ہے یونس اور دوسرے بہت سے راویوں
نے زہری سے اور نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے مرسلاً۔ امام
ترمذیؒ یہ بھی کہتے ہیں کہ ابنِ عیینہ نے بھی اسے بہت سے
لوگوں کے درمیان مسند کیا ہے یعنی سند کے ساتھ بیان کیا
ہے۔

اس حدیث کی راویہ میمونہؓ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی
زوجہ محترم ہیں اور وہ خالد بن ولیدؓ، عبداللہ بن عباسؓ اور
یزید بن اصمؓ کی خالہ تھیں۔

امام ترمذیؒ یہ بھی کہتے ہیں کہ بہت سے لوگوں نے اس
حدیث کی سند میں اختلاف کیا ہے۔ بعض نے اس کو علی بن
زید بن جدعان سے روایت کیا ہے اور بعض نے عمرو بن ابی حرملہ
سے۔ اور شعبہ نے علی بن زید سے روایت کیا ہے اور آگے
عمرو بن حرملہ کہا ہے۔ حالانکہ صحیح نام عمرو بن ابی حرملہ ہے۔"

تشریح اس روایت سے بعض مسائل کی وضاحت ہوتی ہے:

(۱) جب کوئی چیز مجلس میں موجود سب لوگوں میں تقسیم کرنا مقصود ہو
تو دائیں طرف کے لوگوں سے آغاز کرنا چاہیے۔ یہ مسلّمہ اصول ہے۔ اسی لیے حضور
علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے خود دودھ پینے کے بعد حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے فرمایا کہ میرے
دائیں طرف ہونے کی وجہ سے میرا بقیہ دودھ پہلے پینے کا حق تو تجھے پہنچتا ہے مگر تم خالد
بن ولیدؓ سے کم عمر ہو، لہٰذا اگر تم چاہو تو انھیں اپنے اوپر ترجیح دے کر ان کو پہلے

دودھ پینے کی اجازت دے سکتے ہو۔ حضرت ابنِ عباسؓ بھی بڑے ذہین تھے جنکے حق میں خود حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے دین میں سمجھ کی دُعا کی تھی۔ انھوں نے عرض کیا کہ آپ کا بچا ہوا دودھ میرے لیے اس قدر متبرک ہے کہ مَیں پہلے پینے کا حق کسی دوسرے کو نہیں دے سکتا۔

(۲) کوئی شخص اپنا حق اپنی خوشی خاطر سے تو دے سکتا ہے مگر اس کو مجبور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ضرور ہی ایسا کرے۔

(۳) اسی طرح کا ایک واقعہ جنگِ اُحد کے موقع پر بھی پیش آیا تھا۔ باپ اور بیٹا دونوں جنگ میں حصہ لینے کے خواہش مند تھے مگر اُن میں سے کسی ایک کا پیچھے رہنا بھی ضروری تھا جب وہ دونوں جنگ میں شریک ہونے پر مُصر رہے تو اُن کے درمیان قرعہ ڈالا گیا تاکہ جس کا نام نکل آئے وہ میدانِ جنگ میں چلا جائے اتفاق سے قرعہ بیٹے کے نام نکل آیا۔ باپ نے خواہش ظاہر کی کہ بیٹا! اگر تم چاہو تو اپنے اوپر مجھے ترجیح دے کر جنگ میں بھیج سکتے ہو۔ باپ کی اس خواہش کے باوجود بیٹے نے جواب دیا کہ اگر مقصد دُنیا کی کسی چیز کا حصُول ہوتا تو مَیں آپ کو ضرور ترجیح دے دیتا مگر یہ جنت کا حصُول ہے جس کے لیے مَیں آپ کو اپنے اوپر ترجیح نہیں دے سکتا۔

(۴) اس حدیث میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی تعلیم کردہ ایک خاص دُعا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ جب کوئی شخص دودھ کے علاوہ کوئی بھی چیز کھائے پیئے تو اس میں برکت کی دُعا کرے اور کہے اے اللہ! مجھے اس سے بہتر رزق عطا فرما اور جب کوئی آدمی دودھ پیئے تو اس میں اللہ تعالےٰ سے خیر و برکت کے لیے اس میں اضافہ کی دُعا کرے کیونکہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا فرمان ہے کہ دودھ واحد چیز ہے جس میں کھانے اور پینے کے تمام ضروری اجزاء پائے جاتے ہیں اور اس سے بہتر خورد و نوش کی اور کوئی چیز نہیں ہے لہٰذا اس سے بہتر چیز کے حصول کی بجائے اسی میں اضافہ کی دُعا کی جاتی ہے۔ چنانچہ میڈیکل سائنس والے کہتے ہیں کہ دودھ میں وہ ہر قسم کے لحمیات روغنیات، چربی، نشاستہ، پروٹین، نمکیات، معدنیات پائے جاتے ہیں جو انسانی جسم کی نشوونما کے لیے ضروری ہیں۔ یہ تمام اجزاء کسی بھی دوسری غذا میں نہیں پائے جاتے۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدائی دو سال تک بچہ صرف دودھ پر گزارہ کرتا ہے۔

(۵) امام ترمذیؒ نے سندِ حدیث کے متعلق بھی وضاحت فرما دی ہے۔

(۳۲) بَابُ مَا جَاءَ فِیْ صِفَةِ شُرْبِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

ترجمہ: "باب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے پینے کے طریقِ کار کے بیان میں "

اس باب میں امام ترمذیؒ نے ایسی دس احادیث جمع کی ہیں جن سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشروبات پینے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے یعنی پانی وغیرہ پینے کے آداب کیا ہیں۔ ان احادیث سے ایک واضح اصول یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بھی چیز پیتے وقت ایک ہی سانس میں پورا برتن خالی نہیں کر دینا چاہیے بلکہ درمیان میں تین یا کم از کم دو سانس ضرور لینے چاہئیں۔

شمائل ترمذی — باب ۔ ۳۲

درس ۔ ۳۱ — حدیث ۔ ۱

حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِیْعٍ حَدَّثَنَا هُشَیْمٌ اَخْبَرَنَا عَاصِمُنِ الْاَحْوَلُ وَمُغِیْرَةُ عَنِ الشَّعْبِیِّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شَرِبَ مِنْ زَمْزَمَ وَهُوَ قَائِمٌ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۸۲)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث احمد بن منیع نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے ہشیم نے بیان کیا ان کو اس حدیث کی خبر عاصم احول اور مغیرۃ نے شعبی کے واسطہ سے دی، اور انھوں نے صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کی۔ وہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم نے زم زم کا پانی کھڑے کھڑے نوش فرمایا"

آبِ زم زم کھڑے ہو کر پینا

عام حالات میں بیٹھ کر کھانا پینا چاہیے اور کھڑے ہو کر کھانا پینا خلافِ سُنت اور خلافِ ادب ہے۔ تاہم اگر کوئی مجبوری ہو تو کھڑے ہو کر بھی کھایا پیا جا سکتا ہے مثلاً انسان کے بدن میں کوئی تکلیف ہے جس کی وجہ سے بیٹھ نہیں سکتا یا بیٹھنے کی جگہ ہی نہیں یا خورد و نوش کی چیز ہی ایسی اونچی جگہ پر ہے کہ کھڑے ہو کر ہی حاصل کی جا سکتی ہے۔

البتہ بعض قسم کے پانی کھڑے ہو کر پینا مستحب ہے اس حدیث میں آبِ زم زم کا ذکر ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے کھڑے کھڑے نوش فرمایا۔ چنانچہ آپ کے عمل سے ثابت ہے کہ آبِ زم زم کھڑے ہو کر، قبلہ رُو ہو کر اور خوب پیٹ بھر کر پینا بھی سُنّتِ نبوی ہے۔ اسی طرح وضو کرنے کے بعد جو پانی لوٹا وغیرہ میں بچ جائے اُس میں سے دو تین گھونٹ بھی کھڑے ہو کر پینا مستحب ہے اور اس کی حکمت یہ ہے کہ یہ پانی بعض امراض میں شفا کا باعث بنتا ہے ایک موقع پر پانی کا مشکیزہ اونچی جگہ پر لٹک رہا تھا مگر کوئی گلاس وغیرہ نہیں تھا جس میں ڈال کر پانی پیا جاتا تو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے مشکیزہ کے منہ کے ساتھ اپنا منہ لگا کر اپنی پیاس بجھائی تھی تاہم اس قسم کے استثنائی حالات ہوتے ہیں۔

درس - ۳۱

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ حُسَيْنِ الْمُعَلِّمِ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْرَبُ قَائِمًا وَّقَاعِدًا ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۸۲)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث قتیبہ بن سعید نے بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے محمد بن جعفر نے بیان کیا ۔ انھوں نے یہ روایت حسین معلم سے روایت کی ۔ انھوں نے اسے عمرو بن شعیب سے ان کے باپ اور دادا کی وساطت سے حاصل کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھڑے ہو کر بھی اور بیٹھ کر بھی پانی پیتے ہوئے دیکھا ہے ۔"

تشریح: جیسا کہ میں نے عرض کیا عام حالات میں کھانا پینا بیٹھ کر ہی مستحب ہے تاہم غیر معمولی حالات میں یا کسی مجبوری کی وجہ سے کھڑے ہو کر بھی کھایا پیا جا سکتا ہے اسی بنا پر راوی حدیث کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دونوں حالتوں میں پانی پیتے ہوئے دیکھا ہے یعنی قَائِمًا وَّ قَاعِدًا کھڑے ہو کر بھی اور بیٹھ کر بھی ۔ پچھلی روایت میں بیان ہو چکا ہے کہ آبِ زم زم اور وضو کا باقی ماندہ پانی کھڑے ہو کر پینا مستحب ہے ۔

لہ المتوفی ۱۱۸ھ (فیاض)

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ عَاصِمٍ الْأَحْوَلِ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَقَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ زَمْزَمَ فَشَرِبَ وَهُوَ قَائِمٌ۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۸۳)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث علی بن حجر نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت عبداللہ بن مبارک نے بیان کی۔ انھوں نے یہ روایت عاصم احول سے شعبی کے واسطہ سے اخذ کی اور انھوں نے اسے عبد اللہ بن عباسؓ سے نقل کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آبِ زمزم پلایا تو آپ نے کھڑے ہو کر نوش فرمایا۔"

تشریح: اس روایت میں آبِ زم زم پینے کا ذکر ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے کھڑے ہو کر پیا۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زمزم پلایا جسے آپ نے کھڑے ہو کر نوش فرمایا۔ یہی مضمون اس باب کی پہلی حدیث میں بھی گزر چکا ہے کہ آبِ زم زم کھڑے ہو کر اور قبلہ رو ہو کر پینا مستحب ہے۔ آپ نے اس موقع پر یہ دعا[1] بھی کی: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا وَرِزْقًا وَاسِعًا وَشِفَاءً مِّنْ كُلِّ دَاءٍ "اے اللہ میں تجھ سے نفع بخش علم، وسیع رزق اور تمام امراض سے شفا کا طالب ہوں۔"

---

[1] مستدرک حاکم ص۴۷۳ ج۱ (فیاض)

حَدَّثَنَا اَبُوْ كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ وَمُحَمَّدُ بْنُ طَرِيْفِ الْكُوْفِيُّ قَالَا اَنْبَأَنَا ابْنُ الْفُضَيْلِ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ مَيْسَرَةَ عَنِ النَّزَّالِ بْنِ سَبْرَةَ قَالَ اُتِيَ عَلِيٌّ بِكُوْزٍ مِّنْ مَّاءٍ وَهُوَ فِي الرَّحْبَةِ فَاَخَذَ مِنْهُ كَفًّا فَغَسَلَ يَدَيْهِ وَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَمَسَحَ وَجْهَهُ وَذِرَاعَيْهِ وَرَأْسَهُ ثُمَّ شَرِبَ مِنْهُ وَهُوَ قَائِمٌ ثُمَّ قَالَ هٰذَا وُضُوْءُ مَنْ لَّمْ يُحْدِثْ هٰكَذَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَلَ۔ (ترمذی مع شمائل صـ۵۸۳)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت ابو کریب محمد بن علاء، اور محمد بن طریف کوفیؒ[1] نے بیان کی۔ وہ دونوں کہتے ہیں اس روایت کی خبر ہمیں ابن فضیل نے اعمش[2] کے واسطہ سے دی۔ انھوں نے یہ روایت عبدالملک بن میسرۃ سے نزال بن سبرہ کے واسطہ سے روایت کی۔ وہ کہتے ہیں کہ امیرالمؤمنین حضرت علیؓ کے پاس پانی کا ایک کوزہ لایا گیا جب کہ آپ چبوترہ (رحبہ) پر تھے آپ نے کوزہ میں سے چلو بھر پانی لیا۔ دونوں ہاتھ (کلائی تک) دھوئے، اور کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا، اور چہرے، ہاتھوں (کہنیوں تک) کو دھویا اور سر کا مسح کیا۔ پھر (وضو کے بقیہ) پانی کو کھڑے کھڑے پیا۔ پھر کہا یہ اس شخص کا وضو ہے جو بے وضو نہ ہو۔ میں نے

---

[1] المتوفی ۲۴۲ھ ، [2] اسمہ سلیمان بن مہران الباہلی الکوفی آپ صغار تابعی ہیں۔ ۷۵ سال تک آپکی نماز با جماعت سے تکبیر تحریمہ فوت نہیں ہوئی۔ المتوفی ۱۴۸ھ (فیاض)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔"

تشریح اس روایت میں کئی باتیں وضاحت طلب ہیں۔

(۱) اس روایت میں راوی نے حضرت علیؓ کے عمل کا ذکر کیا ہے جبکہ آپ رحبہ میں تھے۔ رحبہ سے مراد وہ چبوترہ ہے جو کوفہ میں مسجد کے سامنے بنایا گیا تھا۔ اس وقت حضرت علیؓ منصبِ خلافت پر فائز تھے اور دارالخلافہ بھی کوفہ ہی تھا۔ کہتے ہیں کہ امیرالمؤمنین اس چبوترہ پر موجود تھے کہ آپ کے پاس پانی کا ایک لوٹا لایا گیا اور آپ نے اس سے وضو کیا۔

(۲) حضرت علیؓ نے وضو کا طریقہ یہ اختیار کیا کہ برتن میں سے چُلو بھر پانی لیا، پانچوں تک ہاتھ دھوئے۔ کُلی کی، ناک میں پانی ڈالا، اور پھر چہرے، کہنیوں تک ہاتھوں اور سر کا مسح کیا۔ یہاں پاؤں کے دھونے یا مسح کرنے کا ذکر نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ نے چہرے ہاتھوں اور سر کا حقیقتاً مسح کیا ہو اور اس عمل کو مجازاً وضو کہا گیا ہو۔ یا آپ نے غسلِ خفیف کیا ہو یعنی معمولی طریقے سے ان اعضاء کو دھویا ہو کیونکہ بعض اوقات مسح سے غسل بھی مُراد ہوتا ہے۔

(۳) فرمایا، کہ یہ اس شخص کا وضو ہے جو پہلے سے باوضو ہو اور اس قسم کا ہلکا سا وضو محض نشاط کے لیے ہو، کیونکہ بے وضو شخص کے لیے پوری شرائط کے ساتھ وضو کرنا ضروری ہے۔

درس - ۳۱　　　　حدیث - ۵

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَيُوسُفُ بْنُ حَمَّادٍ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ أَبِي عِصَامٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَنَفَّسُ فِي الْإِنَاءِ ثَلَاثًا إِذَا شَرِبَ وَيَقُولُ هُوَ أَمْرَأُ وَأَرْوَى ۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۸۳)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث قتیبۃ بن سعید اور یوسف بن حماد نے بیان کی ۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے عبدالوارث[1] بن سعید نے ابی عصام کے واسطہ سے بیان کی ۔ ابو عصام نے اسے صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پانی پینے وقت برتن میں تین سانس لیتے تھے اور فرماتے تھے کہ ایسا کرنا خوش ہضم اور زیادہ سیرابی کا باعث ہوتا ہے "

پیتے وقت تین سانس لینا

اس حدیث میں کوئی بھی مشروب غٹاغٹ پی جانے کی بجائے تین سانس لے کر پینے کا طریقہ بتایا گیا ہے اور اس کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ اس طرح ٹھہر ٹھہر کر پینے سے مشروب انسانی بدن کے لیے زیادہ مفید ثابت ہوتا ہے ۔ ایک تو یہ اَمْرَأُ یعنی خوش ہضم ہوتا ہے اور دوسرے اَرْوٰی یعنی سیرابی زیادہ کرتا ہے اور آدمی کی پیاس بجھ جاتی ہے ۔ ظاہر ہے کہ جو کھانا پینا اچھی طرح ہضم ہو جائے وہ خوش گوار ہوتا ہے ، جزو بدن بن جاتا ہے اور اس سے صالح خون پیدا ہو کر جسم میں طاقت آتی ہے اسکے برخلاف جو غذا زود ہضم نہ ہو کہ بلکہ ثقیل ہو اس سے نہ تو صالح خون پیدا ہوتا ہے

[1] المتوفی سنہ ۱۸۰ھ (فیاض)

اور نہ ہی وہ جزو بدن بن کر طاقت کا ذریعہ بنتی ہے بلکہ بعض اوقات اس کی وجہ سے جسم میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔ اطباء بھی کہتے ہیں کہ ایک ہی سانس میں بہت سا پانی پینے سے کُباد کی بیماری لاحق ہو جاتی ہے اور آدمی کی پیاس نہیں بجھتی۔ لہٰذا پانی یا کوئی بھی مشروب ٹھہر ٹھہر کر پینا زیادہ مفید ہوتا ہے۔ اس حدیث میں تین سانس لینے کا ذکر ہے۔ دوسری روایت میں دو سانس لے کر پینے کا ذکر بھی آتا ہے۔ بہرحال پیتے وقت دو یا تین سانس لے کر مشروب پینا چاہیے۔

متنِ حدیث میں کَانَ یَتَنَفَّسُ فِی الْاِنَاءِ ثَلَاثًا کے الفاظ ہیں جن کا ظاہر معنیٰ پانی کے برتن کے اندر تین سانس لینا معلوم ہوتا ہے۔ مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ مشروب کا کچھ حصہ پی کر برتن سے منہ علیحدہ کر کے سانس لے اور پھر دوبارہ اور اسی طرح سہ بارہ پیے۔ اگر منہ برتن کے ساتھ لگائے لگائے ہی سانس لے گا اور وقفہ نہ کرے گا تو ہو سکتا ہے کہ ناک کی کوئی آلائش برتن میں چلی جائے جو یقیناً ناپسندیدہ فعل ہوگا۔ اگرچہ اس طرح مشروب مکروہ تحریمی کے حکم میں تو نہیں آتا مگر اس سے تکدر ضرور پیدا ہوتا ہے اسی لیے دوسری روایت میں برتن کے اندر سانس لینے سے منع کیا گیا ہے۔

درس - ۳۱

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ اَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ عَنْ رِشْدِيْنِ بْنِ كُرَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا شَرِبَ تَنَفَّسَ مَرَّتَيْنِ ۔　　(ترمذی مع شمائل ص۵۸۳)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت علی بن خشرم نے بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی عیسیٰ بن یونس نے انھوں نے یہ حدیث رشدین بن کریب سے ان کے باپؒ کے حوالہ سے روایت کی اور انھوں نے اُسے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی مشروب نوش فرماتے تو دو مرتبہ سانس لیتے ۔"

تشریح: پچھلی حدیث میں تین مرتبہ سانس لینے کا ذکر آچکا ہے ۔ اس روایت میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے دو مرتبہ سانس لینے کا مشاہدہ بیان کیا گیا ہے ۔ دونوں روایات کا مطلب ایک ہی ہے کہ سارا مشروب بلا وقفہ غٹاغٹ نہیں پی جانا چاہیے بلکہ دو یا تین سانس درمیان میں ضرور لینے چاہئیں تاکہ مشروب سے پورا پورا استفادہ حاصل کیا جا سکے ۔ ویسے اگر مشروب پینے کے دوران دو دفعہ بھی وقفہ کر لیا جائے تو پھر بھی مشروب تین ہی حصوں میں پیا جاتا ہے ۔ لہٰذا دونوں روایات میں کوئی تعارض نہیں ہے ۔

لہ المتوفی ۹۸ھ (فیاض)

باب - ۲۲

درس - ۳۱

حدیث - ۷

حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِی عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ عَنْ یَزِیْدَ بْنِ یَزِیْدَ بْنِ جَابِرٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِی عَمْرَةَ عَنْ جَدَّتِهٖ کَبْشَةَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَیَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَشَرِبَ مِنْ قِرْبَةٍ مُّعَلَّقَةٍ قَآئِمًا فَقُمْتُ اِلٰی فِیْهَا فَقَطَعْتُهٗ۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۸۳)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث ابن ابی عمر نے بیان کی وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے سفیان نے یزید بن یزید بن جابر[1] کے واسطہ سے بیان کی۔ انھوں نے یہ روایت عبدالرحمٰن بن ابی عمرۃ سے انکی دادی کبشہؓ کی وساطت سے اخذ کی۔ حضرت کبشہؓ کہتی ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر تشریف لائے تو آپ نے ایک لٹکتے ہوئے مشکیزہ سے کھڑے ہوکر پانی پیا۔ صحابیہ کہتی ہیں کہ پھر میں نے اٹھ کر مشکیزے کا منہ کاٹ لیا۔"

کھڑے کھڑے پینے کی اباحت

عرب میں پانی کی ویسے ہی قلت ہے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے زمانہ میں لوگ پانی کی خاص طور پر حفاظت کرتے تھے پانی حاصل کر کے اُسے چمڑے کے بنے ہوئے مشکیزے میں محفوظ کر لیتے اور حسبِ ضرورت استعمال کرتے رہتے۔ عام طور پر مشکیزے کو دیوار یا درخت یا کسی دوسری بلند چیز کے ساتھ لٹکا دیا جاتا اور مشکیزے کا منہ بند کر دیا جاتا جب پانی لینا مقصود ہوتا۔ لٹکتے ہوئے مشکیزے کا منہ کھول کر حسبِ ضرورت پانی دوسرے برتن میں انڈیل لیا جاتا اور مشکیزے کا منہ پھر کس کر باندھ دیا جاتا۔ اس طریقے سے پانی محفوظ بھی رہتا اور ہوا لگنے سے قدرے ٹھنڈا بھی رہتا۔

---

[1] المتوفی ۱۳۳ھ (فیاض)

صحابیہ حضرت کبشہؓ بیان کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے گھر میں تشریف لائے آپ نے پیاس محسوس کی تو دیوار کے ساتھ لٹکتے ہوئے مشکیزہ سے پانی پینا چاہا۔ ممکن ہے اس وقت کوئی دوسرا چھوٹا برتن، پیالہ یا گلاس وغیرہ قریب نہ ہو جس میں پانی انڈیل کر آپ نوش فرماتے، لہٰذا آپ نے مشکیزے کا منہ کھول کر اور مشکیزے کے منہ کے ساتھ اپنا منہ لگا کر اُس سے پانی پیا۔ چونکہ مشکیزہ اوپر لٹک رہا تھا اس لیے آپ کو کھڑے ہو کر ہی پانی پینا پڑا۔ اگرچہ کھانا پینا بیٹھ کر ہی مستحب ہے تاہم عند الضرورت کھڑے ہو کر بھی کھانا کھایا جاسکتا ہے، اور کوئی مشروب پیا جاسکتا ہے بعض اوقات آدمی کو کوئی ایسی تکلیف ہوتی ہے جس کی وجہ سے بیٹھنے سے معذور ہوتا ہے یا بیٹھنے کی جگہ ہی نہیں ہے تو ایسی صورت میں کھڑے کھڑے کھانا پینا بھی مباح ہے اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اپنے عمل سے اس کی اباحت کو واضح فرما دیا ہے۔

تبرکات کی حیثیت

آگے صحابیہ نے اپنے عمل کو ظاہر کیا ہے کہ جب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام مشکیزے سے براہِ راست پانی نوش فرما چکے۔ فَقُمْتُ اِلٰی فِیْهَا فَقَطَعْتُهٗ تو میں نے اٹھ کر مشکیزے کے منہ کا وہ حصہ کاٹ لیا جس کے ساتھ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے منہ لگا کر پانی نوش فرمایا تھا۔ صحابیہ کا یہ عمل دو وجوہ کی بناء پر ہو سکتا ہے ایک یہ کہ جس مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دہن مبارک لگا ہے اُس کے تقدس کا تقاضا ہے کہ کسی دوسرے شخص کا منہ اس مقام پر نہ لگے۔ لہٰذا صحابیہ نے اس حصۂ مشکیزہ کو کاٹ کر الگ کر لیا۔ دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ صحابیہ نے مشکیزہ کا وہ حصہ کاٹ کر بطور تبرک اپنے پاس رکھ لیا ہو۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ تبرکات کا ذکر قرآن و سنّت میں موجود ہے آلِ موسیٰ اور آلِ ہارون کے تبرکات کا ذکر اللہ نے سورۃ بقرہ میں کیا۔ جب بنی اسرائیل کا بادشاہ اللہ تعالیٰ نے طالوت کو مقرر کیا تو قوم نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ بنی اسرائیل کے اس وقت کے نبی نے قوم کو تبلایا کہ طالوت کے اللہ کی طرف سے بادشاہ مقرر کرنے کی ایک نشانی یہ ہے کہ فرشتے ایک صندوق اٹھا کر تمہارے پاس لائیں گے فِیْهِ سَکِیْنَةٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَبَقِیَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰی وَاٰلُ هٰرُوْنَ (آیت ۲۴۸) جس میں تمہارے

پروردگار کی طرف سے تسکینِ قلب اور حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی اولاد کی چھوڑی ہوئی کچھ چیزیں ہیں۔ یہی وہ تبرکات تھے جو بیس سال تک دشمنوں کی تحویل میں رہنے کے بعد بنی اسرائیل کو واپس مل گئے اور انھیں دشمن پر اپنی کامیابی کا یقین آگیا۔

بھائی! بالکل سخت قسم کے وہابیوں کی طرح نہ ہو جانا کہ تبرکات کا انکار ہی کر دو۔ ان سے بھی برکت حاصل ہوتی ہے مگر شرط یہ ہے کہ وہ واقعی کسی نبی یا کسی بزرگ دین کا تبرک ہو۔ یہاں برصغیر پاک و ہند میں تبرکات کی اس قدر کثرت تو ہے مگر ان کے تبرک ہونے کا کوئی ثبوت میسّر نہیں ہے۔ آپ جس علاقے میں بھی چلے جائیں کسی مسجد یا کسی زیارت میں تبرکات کے نام پر پگڑیاں ہی پگڑیاں رکھی ہوئی ہیں کہ یہ حضرت علیؓ (المتوفی ۴۰ھ) کی پگڑی ہے اور یہ فلاں بزرگ کی ہے اور یہ فلاں بزرگ کی ہے۔ بمبئی کے علاقے میں تو ہر مسجد میں صحابہؓ اور دیگر بزرگوں سے منسوب تبرکات موجود ہیں۔ یہاں لاہور میں بادشاہی مسجد میں بھی تبرکات رکھے ہوئے ہیں مگر انکی اصلیت کی سند کیا ہے؟ اور جب تک انکے تبرک ہونے کا ثبوت نہ ہو ہم انکو کیسے سچّا تبرک تسلیم کر سکتے ہیں؟ سلطان عبدالحمید کے پاس حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی چادر مبارک کا ایک ٹکڑا خلافت کی نشانی کے طور پر رکھا ہوا تھا۔ یہ ٹکڑا مدرسہ دیوبند میں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (المتوفی ۱۲۹۷ھ) یا مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (المتوفی ۱۳۲۳ھ) اور مولانا شیخ الہندؒ (المتوفی ۱۳۳۹ھ) کی تحویل میں بطور تبرک رکھا ہوا تھا اور ہر سال بخاری شریف کے اختتام پر اسکی زیارت بھی کرائی جاتی تھی اسکے متعلق صرف اتنا معلوم تھا کہ یہ سلطان نے مدرسہ کو تبرک کے طور پر بھیجا تھا مگر اسکی حقیقت کا کوئی ثبوت کسی کے پاس بھی نہیں تھا۔ لہٰذا یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے تھے کہ یہ واقعی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی چادر مبارک کا ٹکڑا اور تبرک ہے۔ اب تو جہاں کہیں دیکھو کسی بزرگ کا مصلّٰی رکھا ہوا ہے کہیں کسی بزرگ کی لاٹھی، کہیں کسی کی پگڑی ہے اور کہیں قمیص ہے مگر انکا ثبوت کیا ہے، کچھ بھی نہیں۔ دیکھیں کشمیر میں موئے مبارک کی چوری کے مسئلہ پر کتنی جانیں تلف ہوئیں حالانکہ اس بات کا کسی کے پاس بھی کوئی ثبوت نہیں کہ یہ موئے مبارک واقعی حضور علیہ السّلام کا ہے ہماری حالت تو یہ ہے کہ قرآن و سنّت پر تو ہمارا عمل نہیں، فرائض و واجبات کی کچھ پرواہ نہیں کرتے مگر تبرکات کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ بہرحال صحابیہ کبشہؓ نے مشکیزے کا وہ حصہ کاٹ کر رکھ لیا جس پر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے پانی پینے کیلیے اپنا دہن مبارک لگایا تھا۔

درس - ۳۱　　　　　حدیث - ۸

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا عَزْرَةُ بْنُ ثَابِتٍ الْاَنْصَارِيُّ عَنْ ثُمَامَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ كَانَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ يَتَنَفَّسُ فِي الْاِنَاءِ ثَلَاثًا وَزَعَمَ اَنَسٌ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَنَفَّسُ فِي الْاِنَاءِ ثَلَاثًا۔ (ترمذی مع شمائل صفحہ ۵۸۳)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث محمد بن بشار نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے عبدالرحمٰن بن مہدی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت عزرہ بن ثابت انصاری نے بیان کی۔ وہ یہ روایت صحابی رسول حضرت ثمامہ بن عبداللہؓ سے نقل کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت انس بن مالکؓ مشروب پیتے وقت برتن میں تین دفعہ سانس لیتے تھے اور کہتے تھے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام بھی تین سانس میں ہی پیتے تھے۔"

تشریح: اس مضمون کی روایت اس باب کی حدیث ۵ میں بھی گزر چکی ہے جس میں خود حضرت انسؓ نے کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تین سانس میں مشروب پیتے تھے۔ اب اس روایت میں حضرت ثمامہؓ کا بیان ہے کہ حضرت انسؓ تین سانس میں پیتے تھے اور کہتے تھے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا ہی کرتے تھے چنانچہ آپ کی اقتدا میں حضرت انسؓ بھی اسی طرح پیتے تھے۔

شمائل ترمذی

باب - ۴۲

درس - ۳۱

حدیث - ۹

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَخْبَرَنَا اَبُوْعَاصِمٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ عَبْدِ الْكَرِيْمِ عَنِ الْبَرَآءِ بْنِ زَيْدٍ ابْنِ ابْنَةِ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلٰى اُمِّ سُلَيْمٍ وَقِرْبَةٌ مُعَلَّقَةٌ فَشَرِبَ مِنْ فَمِ الْقِرْبَةِ وَهُوَ قَائِمٌ فَقَامَتْ اُمُّ سُلَيْمٍ اِلٰى رَأْسِ الْقِرْبَةِ فَقَطَعَتْهَا۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۸۳)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی خبر ابوعاصم نے ابنِ جریج کے واسطہ سے دی۔ انھوں نے یہ روایت عبدالکریم[1] سے اور انھوں نے براء بن زید سے روایت کی اور انھوں نے حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کیا ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اُمِ سلیمؓ کے گھر تشریف لائے جب کہ پانی کا مشکیزہ لٹک رہا تھا۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے کھڑے ہو کر مشکیزہ کے منہ کے ساتھ پانی نوش فرمایا۔ پھر امّ سلیمؓ اٹھیں اور انھوں نے مشکیزہ کا منہ کاٹ لیا۔"

تشریح یہ مضمون حدیث ۷ میں بھی گزر چکا ہے جس میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے حضرت کبشہؓ کے گھر میں قدم رنجہ فرمانے اور وہاں پر لٹکتے ہوئے مشکیزہ سے براہِ راست پانی پینے کا ذکر ہے۔ وہاں پر صحابیہ کا اپنا بیان ہے کہ

---

[1] المتوفی ۱۲۷ھ (فیاض)

میں نے مشکیزے کا وہ حصّہ کاٹ کر رکھ لیا جس حصّہ پر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا دہنِ مبارک لگا تھا۔ اس روایت کی تشریح میں میں نے کھڑے ہو کر براہِ راست مشکیزہ سے پانی پینے اور پھر حضرت کبشہؓ کے مشکیزہ کو کاٹنے کی ممکنہ وجوہات بھی عرض کر دی ہیں اس ضمن میں تبرکات اور ان سے مستفید ہونے کا ذکر بھی ہو چکا ہے۔

اب اس حدیث میں حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی والدہ امّ سلیمؓ کے گھر تشریف لائے۔ وہاں پر پانی کا مشکیزہ لٹک رہا تھا۔ آپ نے اس مشکیزے کا منہ کھول کر اس سے منہ لگا کر پانی نوش فرمایا اور امّ سلیمؓ نے وہ حصّہ کاٹ کر رکھ لیا جس حصۂ مشکیزہ کے ساتھ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا دہنِ مبارک لگا تھا۔

شمائل ترمذی

باب - ۳۲

درس - ۳۱

حدیث - ۱۰

حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ نَصْرٍ النَّيْسَابُوْرِيُّ حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْفَرْوِيُّ حَدَّثَتْنَا عُبَيْدَةُ بِنْتُ نَائِلٍ عَنْ عَائِشَةَ بِنْتِ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ عَنْ اَبِيْهَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَشْرَبُ قَائِمًا وَقَالَ اَبُوْعِيْسٰى وَقَالَ بَعْضُهُمْ عُبَيْدَةُ بِنْتُ نَابِلٍ۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۸۳)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت احمد[1] بن نصر نیشاپوری نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس بیان کیا اسحٰق[2] بن محمد فروی نے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث عبیدۃ بنت نائل نے بیان کی۔ انھوں نے یہ روایت عائشہ[3] بنت سعد[4] بن ابی وقاصؓ سے ان کے باپ کے واسطہ سے اخذ کی۔ وہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوکر بھی پانی نوش فرما لیتے تھے۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ بعض نے اس روایت کی ایک راویہ عبیدۃ بنت نائل کو عبیدۃ بنت نابل کہا ہے۔"

---

[1] المتوفی ۲۴۵ھ ، [2] المتوفی ۲۲۶ھ ، [3] المتوفاۃ ۱۱۷ھ فی المدینہ، عند البعض یہ صحابیہ ہیں۔ [4] آپ کے والد ابو وقاص مالک بن وہب حضورؐ کی والدہ آمنہ بنت وہب کے چچازاد بھائی تھے۔ سعدؓ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ ۱۷ برس کی عمر میں حضرت ابوبکرؓ کی دعوت پر ساتویں نمبر پر اسلام قبول کیا۔ تمام غزوات میں شریک رہے اسلام میں سب سے پہلا تیر آپ نے چلایا۔ آپ فاتح ایران ہیں مدینہ منورہ میں ۵۵ھ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ (فیاض)

تشریح اس باب میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر دونوں طرح سے پینے کا ذکر ہو چکا۔ یہ حدیث بھی کھڑے ہو کر پینے سے متعلق ہے۔ مَیں نے عرض کیا کہ سنت طریقہ تو بیٹھ کر ہی کھانا پینا ہے مگر کسی عذر کی بناء پر کھڑے ہو کر بھی کھایا پیا جا سکتا ہے۔ نیز آبِ زم زم اور وضو کا بقیہ پانی کھڑے ہو کر پینا ہی مستحب ہے۔

(۳۳) بَابُ مَاجَآءَ فِیْ تَعَطُّرِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

ترجمہ: "باب حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کے خوشبو استعمال کرنے کے بیان میں"

یہ باب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے خوشبو استعمال کرنے کے بیان میں ہے اگرچہ آپ کے پسینہ میں ایسی بہترین خوشبو موجود تھی کہ دُنیا کی کوئی خوشبو اُس کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی، پھر بھی آپ خارجی خوشبو استعمال کرتے تھے تاکہ اُمّت کے مَردوں اور عورتوں کے لیے بھی خوشبو لگانے کی حدود متعین ہو جائیں۔ آگے آپ اُمِّ سلیمؓ کی روایت میں پڑھیں گے کہ ایک موقع پر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم دوپہر کے وقت محوِ خواب تھے، آپ کو پسینہ آ رہا تھا کہ اُمِّ سلیمؓ نے آپ کا پسینہ مبارک جمع کرنا شروع کر دیا۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نیند سے بیدار ہو گئے اور پوچھا: اُمِّ سلیمؓ! کیا کر رہی ہو؟ عرض کیا، حضور! آپ کا پسینہ مبارک جمع کیا ہے تاکہ اس کو اپنی خوشبو کے ساتھ ملا لیں۔ آپ کے پسینہ مبارک میں بہترین اور سب سے پاکیزہ خوشبو ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام جس گلی اور بازار سے گزر جاتے، وہ گلی اور بازار مہک جاتے۔ اس باب میں امام ترمذیؒ نے چھ احادیث نقل کی ہیں۔

حضور نبی کریم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے زمانہ مبارکہ میں عام طور پر کستوری کی خوشبو مل جاتی تھی اور یہ نسبتاً سستی بھی ہوتی تھی اس کے علاوہ آپ دوسری اچھی خوشبو بھی استعمال فرماتے تھے تاکہ اُمّت کے لیے دستور العمل بن جائے۔ شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ ہماری مِلّت کے شعار میں طہارت بھی داخل ہے۔ طہارت کے لیے جس طرح پانی کا استعمال ضروری ہے اسی طرح خوشبو لگانا بھی ایک اہم اُصول ہے خاص طور پر جمعہ، عیدین اور دیگر اجتماعات کے موقع پر

خوشبو لگانا مستحب ہے تاکہ کسی شخص کے پسینہ کی وجہ سے کسی دوسرے شخص کے لیے تکدّر نہ ہو۔ غرضیکہ اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِيْمَانِ ۔ (مسلم ص۱۱۸ ج ۱) طہارت نصف ایمان ہے اور گندے رہنا دوسری اقوام کا شعار تو ہو سکتا ہے مسلمان قوم کا شعار نہیں بن سکتا مگر افسوس کا مقام ہے کہ آج مسلمانوں نے اپنے اصول ترک کر دیے ہیں جنھیں غیر اقوام نے اپنا لیا ہے۔ ہمارے جسم، لباس، برتن، مکان، گلیاں اور بازار گندے ہیں جو کہ تنزل کی علامت ہے۔ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ اللہ تعالیٰ پاک صاف لوگوں کو پسند کرتا ہے مگر ہم نے گندگی کو شعار بنا لیا ہے۔ غرضیکہ طہارت ہمارے دین کا ایک اہم اصول ہے اور خوشبو اس کا ایک جزو ہے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے خود بھی خوشبو استعمال کی ہے اور اُمّت کو بھی اس کی ترغیب دی ہے۔

درس ۔ ۳۲ — حدیث ۔ ۱

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوا اَخْبَرَنَا اَبُو اَحْمَدَ الزُّبَيْرِيُّ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْمُخْتَارِ عَنْ مُوسَى بْنِ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ اَبِيهِ قَالَ كَانَ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُكَّةٌ يَتَطَيَّبُ مِنْهَا ۔ (ترمذی مع شمائل ص ۵۸۳)

ترجمہ:" امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث محمد بن[1] رافع اور بہت سے دوسرے لوگوں (رواۃ) نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی خبر احمد زبیری نے دی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے یہ روایت شیبان[2] نے عبد اللہ بن مختار کے واسطہ سے بیان کی اور انھوں نے یہ روایت موسیٰ بن انس بن مالکؓ سے ان کے باپ کے واسطہ سے نقل کی، تو حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک ڈبیہ (عطر دانی) تھی جس میں سے آپ خوشبو استعمال کرتے تھے "

خوشبو کا استعمال اس روایت میں آمدہ لفظ سُكَّة کے دو معنے آتے ہیں ایک معنیٰ تو ڈبیہ، شیشی یا عطر دانی ہے جس میں خوشبو رکھی جائے اور دوسرا معنیٰ ایک خاص قسم کی خوشبو کا نام ہے جو کئی چیزیں ملا کر بنائی جاتی ہے۔ صاحبِ قاموس جو کہ محدّث اور سیرت نگار بھی ہیں وہ اپنی لغت کی کتاب میں سُكَّة کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ ایک خاص قسم کی مرکب خوشبو کا نام ہے جو صندل، زعفران، گلاب وغیرہ کو ملا کر بڑی محنت سے تیار کی جاتی ہے۔ صاحبِ قاموس نے اس کے بنانے کا طریقہ بھی لکھا ہے۔ بہرحال سکۃ کے یہ

---

[1] المتوفی ۲۴۵ھ ، [2] المتوفی ۲۳۵ھ (فیاض)

دو نوں معنے آتے ہیں یعنی خوشبو رکھنے کی عطردانی یا ڈبیہ بھی اور خود خوشبو بھی۔

تو حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے پاس ایک ڈبیہ تھی یا خاص قسم کی خوشبو تھی جس میں سے آپ وقتاً فوقتاً خوشبو لگاتے تھے۔ سیرت کی جملہ کتب میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے شیشہ، کنگھی، سرمہ دانی اور خوشبو وغیرہ کا ذکر آتا ہے جو آپ سفر و حضر میں ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے تھے اور ان اشیاء کو استعمال میں لاتے تھے۔ آگے آپ خود روایات میں پڑھیں گے لِکُلِّ حَالٍ عِنْدَہٗ عَتَادٌ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے پاس ہر حال کے لیے ضروریات کا سامان ہوتا تھا۔ اگر کوئی چیز بوقتِ ضرورت میسّر نہ آئے تو بدنظمی پیدا ہو سکتی ہے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں تو بدنظمی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، لہٰذا آپ اپنی ضروریات کی تمام چیزیں ہمیشہ اپنے پاس موجود رکھتے تھے اور خوشبو بھی انھی میں سے ایک ضرورت کی چیز ہے جو سفر و حضر میں آپ کے پاس رہتی تھی۔

درس - ۳۲　　　　حدیث - ۲

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا عَزْرَةُ بْنُ ثَابِتٍ عَنْ ثُمَامَةَ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ كَانَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ لَا يَرُدُّ الطِّيْبَ وَقَالَ اَنَسٌ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَرُدُّ الطِّيْبَ ۔ (ترمذی مع شمائل صـ۵۸۳)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت محمد بن بشار نے بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے اسے عبدالرحمٰن بن مہدی نے بیان کیا ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت عزرۃ بن ثابت نے ثمامۃ بن عبداللہ کے حوالہ سے بیان کی حضرت ثمامۃ کہتے ہیں کہ حضرت انس بن مالکؓ کسی شخص کی طرف سے پیش کردہ خوشبو کو ردّ نہیں کرتے تھے بلکہ اس کا یہ تحفہ قبول کرلیتے تھے اور ساتھ یہ بھی بیان کیا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی خوشبو لینے سے انکار نہیں کرتے تھے بلکہ یہ تحفہ ضرور ہی قبول فرمالیتے ۔ اسی بنار پر حضرت انسؓ بھی اتباع رسول کے طور پر خوشبو کو ردّ نہیں کرتے تھے ۔"

تشریح | پہلے بیان ہوچکا ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو طہارت اور اس سے متعلقہ چیز خوشبو بہت پسند تھی اور آپ ہمیشہ اسے اپنے پاس رکھتے تھے ۔ یہ روایت حضرت انسؓ کی تھی اب ثمامۃ نے بھی حضرت انسؓ کے حوالہ سے اس روایت کی تصدیق کردی ہے ۔

حَدَّثَنَا قُتَیْبَۃُ بْنُ سَعِیْدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ فُدَیْکٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مُسْلِمِ بْنِ جُنْدُبٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثَلَاثٌ لَا تُرَدُّ الْوَسَائِدُ وَالدُّھْنُ الطِّیْبُ وَاللَّبَنُ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۸۳)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت قتیبہ بن سعید نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے ابنِ[1] ابی فدیک نے بیان کی۔ انھوں نے یہ روایت عبداللہ بن مسلم بن جندب سے ان کے باپ کے واسطہ سے اخذ کی۔ اور وہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین چیزوں کو ردّ نہ کرو یعنی تکیہ، خوشبودار تیل اور دودھ۔"

تشریح: اس روایت میں مذکورہ چیزیں خفیف المحمل ہیں لہٰذا اگر کوئی ہدیہ کے طور پر پیش کرے تو انکار نہیں کرنا چاہیے۔ وسادۃ تکیہ یا گدے کو بھی کہتے ہیں۔ اگر کہیں فرش پر قالین وغیرہ بچھی ہے تکیے رکھے ہوئے ہیں اور میزبان پیش کرتا ہے تو اُسے خوشی سے قبول کر لینا چاہیے اور کسرنفسی سے کام نہیں لینا چاہیے کہ حضرت! مَیں تو اس قابل نہیں ہوں، وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا کہ خوشبودار تیل، یا خود خوشبو یا دودھ اگر کوئی شخص پیش کرتا ہے تو اس سے انکار نہیں کرنا چاہیے بلکہ اللہ کی نعمت سمجھ کر قبول کر لینا چاہیئے۔ بعض روایات میں خوشبودار پودے یا پھول کا ذکر بھی آتا ہے۔

---

[1] اسمہٗ محمد بن اسمٰعیل بن مسلم بن ابی فدیک۔ (فیاض)

درس - ۳۲
حدیث - ۴

حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَیْلَانَ حَدَّثَنَا اَبُوْدَاوٗدَ الْحَفَرِیُّ عَنْ سُفْیَانَ عَنِ الْجُرَیْرِیِّ عَنْ اَبِیْ نَضْرَۃَ عَنْ رَجُلٍ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ طِیْبُ الرِّجَالِ مَا ظَهَرَ رِیْحُهٗ وَخَفِیَ لَوْنُهٗ وَطِیْبُ النِّسَآءِ مَا ظَهَرَ لَوْنُهٗ وَخَفِیَ رِیْحُهٗ۔
حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِیْلُ بْنُ اِبْرَاهِیْمَ عَنِ الْجُرَیْرِیِّ عَنْ اَبِیْ نَضْرَۃَ عَنِ الطُّفَاوِیِّ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهٗ بِمَعْنَاهُ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۸۳)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت محمود بن غیلان نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے اسے ابوداؤد حفری نے سفیان کے واسطہ سے بیان کیا۔ انھوں نے یہ روایت جریری[1] سے ابونضرۃ[2] کی وساطت سے روایت کی اور انھوں نے یہ ایک شخص (طفاوی) سے سُنی۔ وہ حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مَردوں کی خوشبو وہ ہے جس کی خوشبو ظاہر مگر رنگ پوشیدہ ہو، اور عورتوں کی خوشبو وہ ہے جس کا رنگ ظاہر اور خوشبو مخفی ہو۔

امام ترمذیؒ دوسری سند اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت علی بن حجر نے بیان کی۔ ان کے پاس اسمٰعیل بن ابراہیم نے جریری کے واسطہ سے بیان کی۔ انھوں نے

---

[1] اسمہٗ سعید بن ایاس۔ [2] اسمہٗ منذر بن مالک۔ (فیاض)

یہ روایت ابونضرہ سے طفاوی کے ذریعے روایت کی اور انھوں نے صحابی رسول حضرت ابوہریرہؓ سے سُنی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرماتے تھے اور یہ روایت پہلی روایت سے معنی میں متفق ہے۔"

تشریح امام ترمذیؒ نے یہ حدیث دو اسناد سے نقل کی ہے اور دونوں اسناد میں اصل راوی حضرت ابوہریرہؓ ہیں جنھوں نے یہ روایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سُن کر آگے بیان کی ہے اس میں عورتوں اور مردوں کے لیے خوشبو استعمال کرنے کا قانون بتلایا گیا ہے کہ مرد ایسی خوشبو استعمال کریں جس کی خوشبو تو بے شک ظاہر ہو مگر رنگ مخفی ہو کیونکہ رنگ دار خوشبو کا استعمال مردوں کے شایانِ شان نہیں ہے اس کے برخلاف عورتیں ایسی خوشبو استعمال کریں کہ جن کا رنگ ظاہر ہو سکتا۔ مگر اِس کی مہک غیر محرم مردوں تک نہیں پہنچنی چاہیے کیونکہ ایسی عورتوں پر لعنت بھیجی گئی ہے۔ البتہ عورتیں مہندی، دنداسہ، ہلکی سرخی جس میں سور کی چربی نہ ملی ہوئی ہو، استعمال کرسکتی ہیں۔ گھر میں رہ کر عورتیں ہر قسم کی خوشبو استعمال کرسکتی ہیں مگر اب تو اس قانون کی قطعاً پرواہ نہیں کی جاتی، بے حیائی غالب آگئی ہے۔ عورتیں ننگے منہ اعلیٰ ترین کوالٹی کی خوشبو لگا کر باہر نکلتی ہیں، جلسوں میں شریک ہوتی ہیں۔ مسلمان اپنی تہذیب و تمدن کو چھوڑ چکے ہیں اور یہی لعنتی حالت ہے جس سے منع کیا گیا ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ خَلِيفَةَ وَعَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ قَالَا حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ الصَّوَّافُ عَنْ حَنَّانٍ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أُعْطِيَ أَحَدُكُمُ الرَّيْحَانَ فَلَا يَرُدُّهُ فَإِنَّهُ خَرَجَ مِنَ الْجَنَّةِ قَالَ أَبُو عِيسَى وَلَا نَعْرِفُ لِحَنَّانٍ غَيْرَ هٰذَا الْحَدِيثِ وَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي حَاتِمٍ فِي كِتَابِ الْجَرْحِ وَالتَّعْدِيلِ حَنَّانُ الْأَسَدِيُّ مِنْ بَنِي أَسَدِ بْنِ شَرِيكٍ وَهُوَ صَاحِبُ الرَّقِيقِ عَمُّ وَالِدِ مُسَدَّدٍ وَرَوٰى عَنْ أَبِي عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ وَرَوٰى عَنْهُ الْحَجَّاجُ بْنُ أَبِي عُثْمَانَ الصَّوَّافُ وَسَمِعْتُ أَبِي يَقُولُ ذٰلِكَ - (ترمذی مع شمائل ص۵۸۳)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت محمد بن[1] خلیفہ اور عمرو بن علی نے بیان کی۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے یزید بن زریع نے بیان کیا وہ کہتے ہیں ہمارے پاس یہ روایت حجاج صواف نے حنان کے واسطہ سے بیان کی۔ انھوں نے یہ روایت ابو عثمان نہدی سے روایت کی۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تمھیں کوئی شخص ریحان (نیازبو، خوشبو دار پودا پھول وغیرہ) پیش کرے تو اُسے ردّ نہ کرو کیونکہ یہ جنت سے آیا ہے۔ ابو عیسیٰ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث کے

[1] المتوفی ۲۴۶ھ (فیاض)

علاوہ ہم حنّان کی کسی اور روایت کو نہیں جانتے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں
کہ امام جرح والتعدیل عبدالرحمٰن ابن ابی حاتم اپنی کتاب الجرح و
التعدیل میں کہتے ہیں کہ حنان اسدی اسدبن شریک کے خاندان
میں سے ہیں۔ اور وہ صاحبِ رقیق مسدد کے والد کے چچا تھے
(صاحبِ رقیق کا مطلب یہ ہے کہ وہ غلاموں کی خرید وفروخت
کا کاروبار کرتے تھے)، انھوں نے ابی عثمان نہدی سے روایت
کی ہے اور ان سے حجاج ابن ابی عثمان صواف نے روایت
کی ہے عبدالرحمٰن ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ میں نے یہ بات
اپنے والد حاتم سے سُنی ہے"۔

سندِ حدیث اس حدیث کے راوی ابوعثمان نہدی صحابی نہیں بلکہ تابعی ہیں۔ ان کو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی زیارت نصیب نہیں ہوئی لہٰذا صحابیت کا درجہ نہیں پاسکے مگر وہ یہ روایت مرفوعاً حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے بیان کر رہے ہیں۔ ایسی روایت مرسلات میں آتی ہے اور صرف اس صورت میں معتبر ہوتی ہے جب کہ اس کے راوی ثقہ ہوں نہ کہ ضعیف۔

اس روایت میں امام ترمذیؒ نے بعض راویوں کا تعارف بھی کرا دیا ہے کہ وہ کون حضرات ہیں۔ اس ضمن میں انھوں نے امام الجرح والتعدیل عبدالرحمٰن ابن ابی حاتم کا حوالہ دیا ہے کہ انھوں نے اپنی کتاب الجرح والتعدیل میں اسی طرح بیان کیا ہے۔

ریحان نفسِ مضمون کے لحاظ سے اس روایت میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا یہ ارشاد مبارک نقل کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو ریحان پیش کرے تو اسے بخوشی قبول کرلینا چاہیے کیونکہ اس کی اصل جنت سے آئی ہے۔

ریحان کا اطلاق عام طور پر ایک خوشبودار پودے نیازبو پر کیا جاتا ہے گزشتہ روایات میں جس طرح خوشبو کی پسندیدگی کا ذکر ہوا ہے اس کی رُو سے نیازبو

بھی چونکہ خوشبودار پودا ہے، اس کی ٹہنی وغیرہ یا پھول بھی نہایت خوشبودار ہوتا ہے اور حضور علیہ السّلام نے دیگر خوشبو کی طرح اس کو بھی قبول کرنے کا حکم دیا ہے کہ ایسی پیش کش کو رد نہیں کرنا چاہیئے۔

ویسے لُغت کے اعتبار سے ریحان کا معنیٰ ہے کُلُّ نَبْتٍ طَیِّبٍ فَھُوَ رَیْحَانٌ عِنْدَ الْعَرَبِ۔ یعنی عربوں کے نزدیک ہر خوشبودار پودا ریحان کہلاتا ہے اس کو قبول کرنے کی توجیہہ یہ ہے کہ اس پودے کی اصل جنت سے آئی ہے اور یہ دُنیا میں آکر لوگوں کو جنت میں جانے کی ترغیب دیتا ہے۔ یہ یاد دلاتا ہے کہ اے آدم کی اولاد! تمھارا اصل گھر تو جنت ہے مگر تم یہاں آکر دُنیا کے فانی کاموں میں مصروف ہوگئے ہو اس کی بجائے اپنے اصل گھر کی فکر کرو، اور وہ اُمور انجام دو جو تمھیں جنت میں لے جانے کا باعث بن سکیں۔ کہتے ہیں کہ جب حضرت آدم علیہ السّلام کو جنت سے اُتارا گیا تو ان کے ساتھ حجرِ اسود، کچھ بیج اور خوشبو بھی اُتاری گئی۔ شاید اس کی حکمت یہی تھی کہ یہ چیزیں لوگوں کو ان کی اصل کی یاد دلاتی رہیں کہ تمھارا اصل گھر جنت ہے اور یہ دُنیا تو محض راستے کی ایک منزل ہے۔

درس - ۳۲

حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ اِسْمٰعِيْلَ بْنِ مُجَالِدِ بْنِ سَعِيْدِ الْهَمْدَانِیُّ حَدَّثَنَا اَبِیْ عَنْ بَيَانٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ اَبِیْ حَازِمٍ عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ عُرِضْتُ بَيْنَ يَدَیْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَاَلْقٰى جَرِيْرٌ رِدَآءَهٗ وَمَشٰى فِیْ اِزَارٍ فَقَالَ لَهٗ خُذْ رِدَآءَكَ فَقَالَ عُمَرُ لِلْقَوْمِ مَا رَاَيْتُ رَجُلًا اَحْسَنَ صُوْرَةً مِنْ جَرِيْرٍ اِلَّا مَا بَلَغَنَا مِنْ صُوْرَةِ يُوْسُفَ عَلَيْهِ السَّلَامُ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۸۳)

ترجمہ: ”امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت عمر بن اسمٰعیل بن مجالد بن سعید ہمدانی نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے میرے والد نے بیان کے واسطہ سے بیان کیا۔ انھوں نے یہ روایت قیس بن ابی حازم سے روایت کی اور انھوں نے جریرؓ بن عبداللہ بجلیؓ سے سُنی جو کہ صحابی رسُول ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے حضرت عمر بن خطابؓ کے سامنے (معائنہ کے لیے) پیش کیا گیا تو جریرؓ نے اپنی چادر اتار کر صرف تہبند میں چل کر معائنہ کرایا، تو حضرت عمرؓ نے اُس سے کہا کہ اپنی چادر اوڑھ لو۔ پھر حضرت عمرؓ نے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ مَیں نے جریرؓ سے زیادہ حسین آدمی کوئی نہیں دیکھا سوائے حضرت یُوسُف علیہ السّلام کی صورت کے جیسا کہ ہمیں ان کے متعلق معلومات حاصل ہوئی ہیں“

لہ المتوفی ۱۵۱ھ (نیاض)

جریر بن عبداللہ بجلیؓ اس حدیث کے اوّلین راوی حضرت جریر بن عبداللہ بجلیؓ ہیں جن کا تعلق قبیلہ بُجیلہ کے ساتھ تھا۔ اِن کے اسلام لانے کے متعلق دو روایات ملتی ہیں مشہور روایت یہ ہے کہ آپ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی وفات سے چالیس روز پہلے اسلام کی دولت سے مشرف ہوئے۔ البتہ حافظ ابن حجرؒ (المتوفی ۸۵۲ھ) کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت جریرؓ حضورؐ کے دُنیا سے رُخصت ہونے سے ایک سال پہلے اسلام لے آئے تھے۔ یہ مشہور و معروف صحابی رسول ہیں جو شکل و صورت میں بھی نہایت ہی خوب صورت اور وجیہہ آدمی تھے۔ آپ کا پورا جسم ہی نہایت متوازن تھا۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ایک اور صحابی حضرت دحیہ کلبیؓ بھی نہایت ہی وجیہہ انسان تھے اور جبریل علیہ السّلام عموماً انھی کی شکل میں وحی لے کر آیا کرتے تھے مگر آپ کی خوبصورتی بلحاظ چہرہ تھی جب کہ حضرت جریرؓ کا حسن چہرہ اور پورے جسم کے اعتبار سے بے مثال تھا۔

تشریح حضرت جریر بن عبداللہؓ کہتے ہیں عُرِضْتُ بَيْنَ يَدَيْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ کہ مجھے حضرت عمر بن الخطابؓ کے سامنے پیش کیا گیا۔ یہ پیشی حضرت جریرؓ کے معائنہ کے لیے تھی۔ جب فوج میں سپاہی بھرتی کرنے ہوں تو ان کی جسمانی اہلیت جانچنے کے لیے اُن کا اچھی طرح معائنہ کیا جاتا ہے۔ کسی ایسے ہی موقع پر حضرت جریرؓ کا جسمانی معائنہ تھا۔ دستور کے مطابق آپ نے چادر اُتار دی اور صرف تہبند پہن کر جسمانی معائنہ کرایا اور اس مقصد کے لیے انھوں نے چلنا شروع کیا۔ حضرت عمرؓ نے اُنکے جسم کی ساخت، قد، سینہ، کندھے، چال ڈھال وغیرہ ملاحظہ کی اور پھر فرمایا خُذْ رِدَآءَكَ اب اپنی چادر بھی اوڑھ لو کیونکہ تمھارا معائنہ ہو چکا ہے۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ وہاں پر موجود لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا مَا رَأَيْتُ رَجُلًا أَحْسَنَ صُوْرَةً مِنْ جَرِيْرٍ میں نے آج تک جریرؓ سے خوبصورت آدمی نہیں دیکھا جو اپنی جسمانی ساخت، وضع قطع اور چہرہ مہرہ غرضیکہ ہر لحاظ سے خوبصورت ہیں اور ان کا جسم نہایت ہی متوازن ہے۔ کہنے لگے، حضرت جریرؓ سے زیادہ حسین حضرت

یوسف علیہ السّلام ہی ہو سکتے ہیں۔ اُن کو ہم نے دیکھا تو نہیں اِلَّا مَا بَلَغَنَا مگر اُنکے متعلق جس قدر معلومات ہم تک پہنچی ہیں کہ وہ اتنے حسین وجمیل تھے، اُن اطلاعات کے مطابق حضرت یوسف علیہ السّلام کے سوا میں نے جریرؓ سے خوبصورت شخص آج تک کوئی نہیں دیکھا۔

یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے خوبصورتی میں حضرت یوسف علیہ السّلام کا نام تو لیا مگر حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہیں لیا حالانکہ آپ پوری نسلِ انسانی میں متوازن ترین اور خوبصورت ترین شخصیّت تھے اور ہم ایسی روایات اسی کتاب کے پہلے باب میں پڑھ چکے ہیں۔

محدثینِ کرام اس سوال کا جواب یہ دیتے ہیں کہ حضور علیہ الصّلوٰة والسّلام کی ذاتِ مبارکہ تو تمام صحابہ کے نزدیک مسلّمہ تھی کہ آپ پوری دُنیا کے انسانوں میں سب سے زیادہ حسین تھے، اور اس حقیقت میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں تھی، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہاں ذکر کرنا ضروری نہیں تھا۔ لہٰذا صرف یوسف علیہ السّلام کا نام لیا جن کے متعلق سُنا ہے:

؎ ترا دیدہ و یوسف را شنیدہ

باب کے ساتھ مُناسبت اس روایت کو بظاہر باب کے ساتھ مناسبت نہیں ہے کیونکہ یہ باب تو حضور علیہ السّلام کے خوشبو استعمال کرنے سے متعلق ہے جب کہ اس روایت میں ایک صحابی حضرت جریرؓ کے جسمانی معائنہ اور ان کی خوبصورتی کا تذکرہ ہے۔ محدثین کہتے ہیں کہ ترجمۃ الباب کے ساتھ اس روایت کی مناسبت صرف اتنی ہے کہ ہر خوب صورت آدمی خوشبو کو پسند کرتا ہے اور استعمال کرتا ہے، لہٰذا حضرت جریرؓ کی خوب صورتی میں خوشبو کا بھی حصّہ ہے۔ اس لحاظ سے اس روایت کو اس باب کے ساتھ التزامی مناسبت آتی ہے۔

(۳۴) بَابُ كَيْفَ كَانَ كَلَامُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ترجمہ: "باب اس بارے میں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو کیسے فرماتے تھے؟"

گفتگو کرنے کے بھی مختلف انداز ہوتے ہیں بعض لوگ بہت آہستہ آہستہ گفتگو کرتے ہیں اور بعض کا اندازِ کلام تیز ہوتا ہے بعض میانہ روی کے ساتھ پُرمعنی گفتگو کرتے ہیں اور بعض بے معنی انٹ شنٹ بولتے رہتے ہیں بعض لوگ مخاطبین کی اہلیت کو پیشِ نظر رکھ کر بات چیت کرتے ہیں اور بعض حضرات اپنے علم وفن کو اجاگر کرنے کی کوشش کرتے ہیں خواہ سامع بات کو سمجھتا ہو یا نہ سمجھتا ہو۔ اس باب میں امام ترمذیؒ نے تین روایات جمع کی ہیں جن سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے طرزِ گفتگو کی وضاحت ہوتی ہے۔

شمائل ترمذی — باب - ۳۴

درس - ۳۲ — حدیث - ۱

حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ الْاَسْوَدِ عَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَآئِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ مَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْرُدُ سَرْدَكُمْ هٰذَا وَلٰكِنَّهٗ كَانَ يَتَكَلَّمُ بِكَلَامٍ بَيِّنٍ فَصْلٍ يَحْفَظُهٗ مَنْ جَلَسَ اِلَيْهِ۔ (ترمذی مع شمائل صـ۳۸۴)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث حمید بن مسعدہ بصری نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے حمید بن اسود نے بیان کیا۔ انھوں نے یہ روایت اسامہ[1] بن زید سے اور انھوں نے

[1] المتوفی ۱۵۳ھ (فیاض)

زہری سے روایت کی۔ انھوں نے یہ روایت عروۃ سے سُنی جنھوں نے امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے نقل کی۔ امّ المؤمنین کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمھاری طرح جلدی جلدی کلام نہیں کرتے تھے بلکہ آپ بالکل صاف صاف بات چیت کرتے تھے، آپ کی ہر بات جُدا جُدا ہوتی تھی، جسے پاس بیٹھنے والا اچھی طرح محفوظ (ذہن نشین) کر لیتا تھا۔ یا کر سکتا تھا"

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا طرزِ کلام

حضرت ابوہریرہؓ کے متعلق آگے روایت آرہی ہے کہ امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نماز پڑھ رہی تھیں اتنے میں ابوہریرہؓ جلدی جلدی بات کہہ کر چلے گئے۔ جب امّ المؤمنینؓ نے نماز ختم کی تو فرمایا، ابوہریرہؓ کا طرزِ گفتگو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے طرزِ گفتگو کے خلاف ہے۔ آپ تو ہمیشہ صبر و تحمل کے ساتھ آہستہ آہستہ گفتگو فرماتے تھے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اس طریقے سے کلام فرماتے جو بالکل واضح ہوتا اور اس میں کسی قسم کی پیچیدگی نہ ہوتی۔ آپ کی گفتگو کا ہر ہر لفظ ایک دوسرے سے جُدا ہوتا اور سُننے والے کی سمجھ میں آسانی سے آجاتا، اور آپ کے پاس بیٹھنے والا آپ کی ہر بات کو ذہن نشین کر لیتا۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے کلام کی یہ خصوصیت تھی۔ آگے مزید تفصیل بھی آرہی ہے۔

درس - ۳۲　　　　حدیث - ۲

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى حَدَّثَنَا اَبُوْقُتَيْبَةَ سَلْمُ بْنُ قُتَيْبَةَ عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ الْمُثَنّٰى عَنْ ثُمَامَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعِيْدُ الْكَلِمَةَ ثَلَاثًا لِتُعْقَلَ عَنْهُ۔　(ترمذی مع شمائل ص ۵۸۴)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث محمد بن یحییٰ نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے ابوقتیبہ نے بیان کیا۔ انھوں نے یہ روایت عبداللہ بن مثنیٰ سے سُنی۔ انھوں نے اسے ثمامہ سے روایت کیا جنھوں نے اسے خادمِ رسول حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر کلمہ کو تین دفعہ دُہراتے تھے تاکہ سُننے والا والا اس کو اچھی طرح سمجھ جائے۔"

ہر بات تین بار دُہرانا

اس روایت کے اوّلین راوی حضور علیہ السّلام کے خادمِ خاص حضرت انسؓ ہیں جو کہتے ہیں يُعِيْدُ الْكَلِمَةَ ثَلَاثًا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک بات کو تین تین بار دُہراتے۔ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو لوگوں کے سامنے کوئی اہم بات کرنا ہوتی تو آپ اسے بار بار دہراتے تاکہ وہ بات لِتُعْقَلَ عَنْهُ سامعین کی سمجھ میں اچھے طریقے سے آجائے اور کسی شخص سے کوئی چیز مخفی نہ رہے۔

شارحین کہتے ہیں کہ تین بار کسی بات کے کہنے کی یہ وجہ تھی کہ پہلی بار بات سنانے کے لیے ہوتی تھی، دوسری بار یاد کرنے کے لیے اور تیسری بار اس بات پر غور و فکر کرنے کے لیے ہوتی تھی۔ تین بار دہرانے کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ پہلی دفعہ کوئی بات اعلیٰ درجے کے لوگوں کے لیے ہوتی تھی، دوسری دفعہ متوسط طبقہ کے

لوگوں کے لیے اور تیسری دفعہ ادنیٰ درجے کے سامعین کے لیے تاکہ ہر طبقہ کے لوگ بات کو اچھی طرح سمجھ جائیں۔ یا پھر اس کے اُلٹ بھی ہو سکتا ہے۔ مطلب یہ ہوتا ہے کہ اعلیٰ درجے کے ذہین لوگ تو پہلی دفعہ ہی بات کو سمجھ جاتے ہیں اور جو اُن سے کم درجہ میں ہوتے ہیں وہ دوسری بار دہرانے سے سمجھ جاتے ہیں اور کُند ذہن لوگوں کو سمجھانے کے لیے تیسری دفعہ بھی بات کر لی جاتی تھی۔

بعض شارحین تین بار دہرانے سے یہ مُراد لیتے ہیں کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام ایک دفعہ اپنے دائیں طرف بیٹھنے والوں کی طرف رُخ کر کے بات کرتے تھے دوسری دفعہ سامنے بیٹھنے والوں کی توجہ کے لیے اور تیسری مرتبہ بائیں طرف موجود لوگوں کی طرف منہ کر کے وہی بات دُہراتے تھے۔ کسی بات کو بار بار دہرانے کا ایک واقعہ آپ باب ۲۲ کی حدیث ۲ میں پڑھ چکے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، اور جھوٹی گواہی دینا اکبر الکبائر میں سے ہے حضورؐ اس بات کو بار بار دہراتے تھے حتّٰی کہ صحابہ تمنا کرنے لگے کاش کہ آپ اب سکوت فرمالیں۔

درس - ۳۲　　　　　　　　　　　　　　　　　　حدیث - ۳

حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيْعٍ اَنْبَانَا جُمَيْعُ بْنُ عُمَرِ وَبْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْعِجْلِيُّ حَدَّثَنِيْ رَجُلٌ مِّنْ بَنِيْ تَمِيْمٍ مِنْ وُلْدِ اَبِيْ هَالَةَ زَوْجِ خَدِيْجَةَ يُكَنّٰى اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنٍ لِاَبِيْ هَالَةَ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ سَاَلْتُ خَالِيْ هِنْدَ بْنَ اَبِيْ هَالَةَ وَكَانَ وَصَّافًا قُلْتُ صِفْ لِيْ مَنْطِقَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَوَاصِلَ الْاَحْزَانِ دَآئِمَ الْفِكْرَةِ لَيْسَتْ لَهٗ رَاحَةٌ طَوِيْلَ السَّكْتِ لَا يَتَكَلَّمُ فِيْ غَيْرِ حَاجَةٍ يَفْتَتِحُ الْكَلَامَ وَيَخْتِمُهٗ بِاَشْدَاقِهٖ وَيَتَكَلَّمُ بِجَوَامِعِ الْكَلِمِ كَلَامُهٗ فَصْلٌ لَا فُضُوْلَ وَلَا تَقْصِيْرَ لَيْسَ بِالْجَافِيْ وَلَا الْمَهِيْنِ يُعَظِّمُ النِّعْمَةَ وَاِنْ دَقَّتْ لَا يَذُمُّ مِنْهَا شَيْئًا غَيْرَ اَنَّهٗ لَمْ يَكُنْ يَذُمُّ ذَوَاقًا وَلَا يَمْدَحُهٗ وَلَا تُغْضِبُهُ الدُّنْيَا وَلَا مَا كَانَ لَهَا فَاِذَا تُعُدِّيَ الْحَقُّ لَمْ يَقُمْ لِغَضَبِهٖ شَيْءٌ حَتّٰى يَنْتَصِرَ لَهٗ وَلَا يَغْضَبُ لِنَفْسِهٖ وَلَا يَنْتَصِرُ لَهَا اِذَا اَشَارَ اَشَارَ بِكَفِّهٖ كُلِّهَا وَاِذَا تَعَجَّبَ قَلَبَهَا وَاِذَا تَحَدَّثَ اِتَّصَلَ بِهَا وَضَرَبَ بِرَاحَتِهِ الْيُمْنٰى بَطْنَ اِبْهَامِهِ الْيُسْرٰى وَاِذَا غَضِبَ اَعْرَضَ وَاَشَاحَ وَاِذَا فَرِحَ غَضَّ طَرْفَهٗ جُلُّ ضِحْكِهِ التَّبَسُّمُ يَفْتَرُّ عَنْ مِثْلِ حَبِّ الْغَمَامِ - (ترمذی مع شمائل ص۵۸۴)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث سفیان بن وکیع نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسکی جمیع بن عمر بن عبدالرحمٰن عجلی نے خبر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے پاس یہ روایت بنی تمیم کے ایک آدمی ابو عبداللہ نے بیان کی جو کہ امّ المؤمنین حضرت خدیجہؓ کے پہلے شوہر ابو ہالہ کی اولاد میں سے تھا۔ اُس نے یہ روایت ابن ابی ہالہ سے روایت کی۔ وہ اسے حضرت حسن بن علیؓ سے نقل کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ مَیں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے کہا جو کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے عادات و فضائل کو بہت اچھی طرح بیان کرنے والے تھے کہ مجھے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی گفتگو کے متعلق بتائیں کہ وہ کیسی ہوتی تھی۔ انھوں نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل غم کرنے والے تھے اور ہمیشہ متفکّر رہتے تھے۔ آپ کے لیے آرام و راحت تام کی کوئی چیز نہ تھی۔ آپ زیادہ وقت خاموشی اختیار کیے رکھتے۔ بغیر ضرورت کے بات نہیں کرتے تھے۔ ابتداء سے انتہاء تک آپ کی ساری گفتگو منہ بھر کر ہوتی۔ آپ جامع کلمات کے ساتھ گفتگو فرماتے۔ آپ کا کلام صحیح اور غلط کے درمیان فیصلہ کرنے والا ہوتا تھا۔ اس میں نہ تو فضول بات ہوتی تھی اور نہ ہی کوتاہی ہوتی۔ آپ کی ذاتِ مبارکہ میں اکھّڑ مزاجی نہیں تھی اور نہ آپ کسی کے ساتھ زیادتی کرتے تھے اور نہ ہی آپ حقیر تھے۔ آپ نعمتِ خداوندی کی قدر کرتے تھے اگرچہ وہ چھوٹی ہی کیوں نہ ہو۔ آپ اس میں سے کسی چیز کی مذمّت نہیں کرتے تھے۔ البتہ اشیائے خورد و نوش کی نہ تو مذمّت

فرماتے اور نہ ان کی تعریف کرتے تھے۔ آپ کو دُنیا یا اس کا کوئی کام غصّہ نہیں دلاتا تھا۔ البتہ جب حق کے معاملہ میں تعدی کی جاتی تو پھر آپ کی ناراضگی کے سامنے کوئی چیز نہ ٹھہر سکتی تھی یہاں تک کہ آپ اُس زیادتی کا بدلہ نہ لے لیں ۔ اپنی ذات کے لیے آپ نہ ناراض ہوتے اور نہ کسی سے بدلہ لیتے ۔ جب آپ کسی کی طرف اشارہ کرتے تو پورے ہاتھ کے ساتھ کرتے ۔ جب کسی چیز پر تعجّب کرتے تو ہاتھ کو پلٹ لیتے تھے ۔ جب آپ کوئی بات کرتے تو ہاتھ کا اشارہ بھی فرماتے تھے اور اپنی دائیں ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کے انگوٹھے پر مارتے ۔ جب آپ کسی پر ناراض ہوتے تو اس سے منہ پھیر لیتے اور بے توجہی فرماتے اور جب آپ خوش ہوتے تو نگاہ نیچے جھکا لیتے ۔ آپ کی ہنسی تبسّم کی صورت میں ہوتی تھی اُس وقت آپ کے دندانِ مبارک اولے کی طرح سفید اور چمک دار ظاہر ہوتے تھے ۔"

تشریح | یہ حضرت حسن بن علیؓ سے منقول ایک لمبی حدیث ہے جس کا کچھ حصّہ باب ۱ کی حدیث ۷ میں گزر چکا ہے، ایک ٹکڑا بعد میں بھی بیان ہوا کچھ حصّہ اس روایت میں ہے اور بعض اجزاء اس کے بعد والی روایات میں بھی بیان ہوں گے ۔ حضرت امام حسنؓ نے یہ روایت اپنے ماموں ہند بن ابو ہالہؓ سے بیان کی ہے ۔ ہندؓ حضور علیہ السّلام کی اوّلین زوجہ محترمہ حضرت خدیجہؓ کے فرزند تھے جو ان کے پہلے خاوند ابو ہالہ سے تھے ۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے حضرت خدیجہؓ کے ساتھ نکاح کے بعد یہ بھی اپنی والدہ کے ساتھ ہی آ گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں ہی پرورش پائی ۔ ان کی یہ خصوصیّت تھی کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی صحبت میں رہنے کی وجہ سے آپ کے اوصاف بڑی

اچھی طرح وضاحت کے ساتھ اور مزے سے لے لے کر بیان کیا کرتے تھے حضرت حسنؓ ابھی چھوٹی عمر کے تھے جب آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ لہٰذا آپ اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہؓ سے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے اوصاف سنا کرتے تھے۔ اس روایت میں حضرت حسنؓ نے ہند بن ابی ہالہؓ کے حوالہ سے جو روایت بیان کی، اس میں حسب ذیل باتیں وضاحت طلب ہیں۔ مُتَوَاصِلَ الْاَحْزَانِ دَائِمَ الْفِکْرَۃِ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے غم آپس میں ملے ہُوئے تھے یعنی آپ کو بہت سے غم لاحق تھے جس کی وجہ سے آپ ہمیشہ متفکر رہتے تھے۔ یہ غم آپ کو کسی دنیاوی محرومی کی وجہ سے نہیں تھے کہ آپ عُسرت کی زندگی گزار رہے تھے بلکہ آپ کو آخرت کا غم تھا اور امّت کے مستقبل کے متعلق بہت فکرمند رہتے تھے کہ کسی طرح ان کو ہدایت نصیب ہو جائے اور وہ آخرت میں کامیاب ہو جائیں۔ ان چیزوں کی وضاحت آگے دوسری روایات میں بھی آرہی ہے۔ اسی لیے حضرت حسنؓ بیان کرتے ہیں۔ لَیْسَتْ لَہٗ رَاحَۃٌ کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو آرام وراحت حاصل نہیں تھا بلکہ آپ اکثر بے چین اور فکرمند رہتے تھے۔

طَوِیْلُ السَّکْتِ آپ زیادہ تر خاموش ہی رہتے تھے لَا یَتَکَلَّمُ فِیْ غَیْرِ حَاجَۃٍ اور بلاضرورت کلام نہیں فرماتے تھے۔ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ بلاضرورت بھی ہر وقت بولتے رہتے ہیں۔ مگر آپ ہر چھوٹی سے چھوٹی بات کی حفاظت کرنے والے تھے کیونکہ انسان کی ہر چھوٹی بڑی بات اُس کے نامۂ اعمال میں درج ہو رہی ہے یَفْتَتِحُ الْکَلَامَ وَیَخْتِمُہٗ بِاَشْدَاقِہٖ آپ اپنے کلام کا آغاز اور اختتام پُر دہن کرتے تھے یعنی بات کو پورے طریقے پر بیان کرتے تھے اور مغروروں کی طرح ادھوری بات نہیں کرتے تھے۔ آپ نہ تو زیادہ بلند آواز سے بات کرتے اور نہ ہی بہت پست آواز سے بلکہ باوقار طریقے سے بِجَوَامِعِ الْکَلِمِ ایسے کلام فرماتے جو پُر مغز

اور پُرمعنی ہو۔ جامع کلام وہ ہوتا ہے جس کے الفاظ کم از کم ہوں مگر مطالب و معنی زیادہ سے زیادہ ہوں۔ آپ کی ہر بات کے تحت ایک جہانِ معنی آباد ہوتا تھا۔

آپ کا کلام كَلَامُهُ فَصْلٌ حق و باطل، سچ اور جھوٹ میں امتیاز پیدا کرنے والا ہوتا تھا اور سامع پر حق و باطل واضح ہو جاتا تھا۔ آپ کے کلام میں نہ تو فضول باتیں ہوتی تھیں اور نہ بیان کرنے میں کوئی کسر رہ جاتی تھی۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اللہ تعالیٰ کی ہر چھوٹی سے چھوٹی نعمت کی بھی قدر دانی کرتے تھے اور کسی چیز کی مذمت نہیں کرتے تھے آپ کو اپنی ذات کے ساتھ کی گئی زیادتی کا بدلہ لینے کی کوئی فکر نہیں ہوتی تھی۔ البتہ اگر دین کے معاملہ میں کوئی شخص زیادتی کرتا تو آپ برداشت نہ کرتے تھے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام مغرور لوگوں کی طرح کسی شخص کی طرف صرف ایک انگلی کے ساتھ اشارہ نہیں کرتے تھے بلکہ بوقتِ ضرورت پورے ہاتھ کے ساتھ باوقار طریقہ سے اشارہ فرماتے۔ اگر آپ کو کوئی چیز غصّہ دلاتی تو آپ درگزر فرماتے اور جب کسی چیز سے خوش ہوتے تو نظریں جھکا لیتے اور اللہ کا شکر ادا کرتے۔ آپ کی عادت مبارک یہ تھی کہ خوشی کے وقت جُلُّ ضِحْكِهِ التَّبَسُّمُ آپ کی ہنسی تبسّم یعنی محض مسکرانے تک محدود رہتی اور آپ گنوار لوگوں کی طرح قہقہہ مار کر نہیں ہنستے تھے۔ البتہ جب آپ مسکراتے تو يَفْتَرُّ عَنْ مِثْلِ حَبِّ الْغَمَامِ آپ کے دانت مبارک ظاہر ہو جاتے اور ایسے صاف و شفاف نظر آتے جیسے اولے کے دانے ہوں۔

---

(۳۵) بَابُ مَا جَاءَ فِی ضِحْکِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

ترجمہ: "باب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہنسنے کے بارے میں"

یہ باب اس بارے میں ہے کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیاتِ مبارکہ میں کبھی کبھی ہنستے بھی تھے یا نہیں؟ اگر ہنستے تھے تو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی ہنسی مبارک کا کیا انداز ہوتا تھا۔ اس ضمن میں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ انسان کی زندگی میں خوشی اور غمی، رونا اور ہنسنا، موت اور حیات، بیماری اور صحت وغیرہ امورِ طبعیہ ہیں اور نسلِ انسانی کے ہر ہر فرد کو لاحق ہوتے ہیں حتّٰی کہ اللہ کے پاک انبیاء بھی ان امور سے مستثنیٰ نہیں ہیں کیونکہ وہ بھی نسلِ انسانی میں سے ہیں۔ ہم روزمرّہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ ہنسی تین قسم کی ہوتی ہے:

۱۔ مُسکرانا (تبسّم)، اس میں آدمی کا منہ تو قدرے کھلتا ہے مگر ہنسی کی آواز نہیں آتی۔ یہ ہنسنے کی ادنیٰ قسم ہے۔

۲۔ ہنسنا (ضحک): اس میں انسان منہ کھول کر ہنستا ہے مگر ہنسی کی آواز کمزور سی ہوتی ہے۔ یہ ہنسنے کی درمیانی قسم ہے۔

۳۔ قہقہہ: اس میں آدمی پورا منہ کھول کر ٹھاہ ٹھاہ کرکے ہنستا ہے جو کہ ہنسنے کی انتہائی قسم ہے۔

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے ہنسی کے پہلے دو درجے تو ثابت ہیں مگر تیسرا درجہ ثابت نہیں کیونکہ یہ غفلت کی علامت ہے آپ کا ارشاد مبارک ہے:

لَا تُکْثِرُ الضِّحْکَ فَاِنَّ کَثْرَۃَ الضِّحْکِ تُمِیْتُ الْقَلْبَ۔ (ترمذی مع شمائل ص۳۳۵، اِیَّاکَ وَکَثْرَۃَ الضِّحْکِ فَاِنَّہٗ یُمِیْتُ الْقَلْبَ۔ (المعجم الصغیر للطبرانی ص۱۰۴ ج۲) زیادہ ہنسی نہ کیا کرو کیونکہ اس سے دل مُردہ ہو

جاتا ہے۔ بہر حال ضحک انسان کا خاصہ ہے۔ اگر کسی کو کوئی خوشی حاصل ہو تو ہنسی کا آجانا ایک قدرتی امر ہے مگر یہ بھی ایک حد تک ہونی چاہیے۔ ہر وقت ہنسی مذاق سے دل میں مُردنی چھا جاتی ہے۔

اس باب میں امام ترمذیؒ نے نو احادیث جمع کی ہیں۔

شمائل ترمذی — باب۔ ۲۵

درس۔ ۳۳ — حدیث۔ ۱

حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ الْعَوَّامِ اَخْبَرَنَا الْحَجَّاجُ وَهُوَ ابْنُ اَرْطَاةَ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ فِي سَاقَيْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُمُوشَةٌ وَكَانَ لَا يَضْحَكُ اِلَّا تَبَسُّمًا فَكُنْتَ اِذَا نَظَرْتَ اِلَيْهِ قُلْتَ اَكْحَلَ الْعَيْنَيْنِ وَلَيْسَ بِاَكْحَلَ۔ (ترمذی مع شمائل صـ۵۸۴)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث احمد بن منیع نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس بیان کیا عباد بن عوام نے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی خبر حجاج نے جو کہ ابن ارطاۃ ہے۔ سماک بن حرب کے واسطہ سے دی انھوں نے یہ روایت صحابی رسول حضرت جابر بن سمرہؓ سے سماعت کی۔ وہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پنڈلیاں مبارک پتلی تھیں اور آپ کا ہنسنا صرف تبسّم کی صورت میں ہوتا تھا۔ جب تُو آپ کی طرف دیکھتا تو گمان کرتا کہ آپ سُرمہ لگائے ہوئے ہیں حالانکہ آپ نے سُرمہ نہیں استعمال کیا ہوتا تھا۔"

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا تبسّم فرمانا،

اس روایت میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ سے متعلق تین باتوں کا ذکر ہے صحابی رسول، حضرت جابر بن سمرۃؓ پہلی بات یہ بیان کرتے ہیں

كَانَ فِىْ سَاقَىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُمُوْشَةٌ حموشہ کا معنی قلتِ لحم یعنی گوشت کی کمی ہے جس کی وجہ سے مخصوص حصّہ جسم کمزور نظر آتا ہے مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی پنڈلیاں مبارک قدرے پتلی تھیں کیونکہ اُن پر گوشت کم تھا۔

راوی نے دوسری بات یہ بیان کی ہے جو کہ ترجمۃ الباب سے تعلق رکھتی ہے وَكَانَ لَا يَضْحَكُ اِلَّا تَبَسُّمًا اور نبی کریم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی ہنسی مبارک صرف تبسّم یعنی مسکراہٹ تک محدود رہتی تھی۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ کسی ایسے موقع پر آپ عموماً مسکرا دیتے تھے جس سے آپ کے لب مبارک کھل جاتے آپ کے چہرہ پر خوشی کے آثار نمایاں ہوجاتے مگر ہنسنے کی آواز نہیں نکلتی تھی۔

تیسری بات راوی نے یہ بیان کی ہے کہ جب کوئی شخص حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی زیارت کرتا تو سمجھتا کہ آپ اَكْحَلَ الْعَيْنَيْنِ ہیں یعنی آپ نے آنکھوں میں سُرمہ لگا رکھا ہے۔ وَلَيْسَ بِاَكْحَلَ حالانکہ آپنے سرمہ نہیں لگایا ہوتا تھا بلکہ قدرتی طور پر آپکی آنکھوں میں ایسی سیاہی تھی جس سے دیکھنے والا محسوس کرتا تھا کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے سرمہ استعمال کیا ہوا ہے آپ بعض اوقات رات کو خارجی سرمہ بھی استعمال فرماتے تھے تاہم اللہ نے آپکی آنکھیں قدرتی طور پر سُرمگین بنائی تھیں۔ اس روایت کے الفاظ اِذَا نَظَرْتَ قُلْتَ کو اِذَا نَظَرْتُ قُلْتُ بھی پڑھ سکتے ہیں۔ نَظَرْتَ اور قُلْتَ کا اشارہ ہر مخاطب کی طرف ہے کہ جو شخص بھی حضور کی زیارت کرتا آپ کو سرمگین پاتا اور نَظَرْتُ اور قُلْتُ سے مُراد خود راوی ہیں کہ جب میں آپ کے چہرۂ انور کی طرف دیکھتا تو کہتا کہ آپنے سُرمہ لگا رکھا ہے حالانکہ آپ نے اس وقت سُرمہ نہیں لگایا ہوتا تھا بلکہ آنکھیں مبارک قدرتی طور پر سُرمگین معلوم ہوتی تھیں۔

درس - ۳۲　　　　حدیث - ۲

حَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ بْنُ سَعِیْدٍ اَخْبَرَنَا ابْنُ لَهِیْعَةَ عَنْ عُبَیْدِ اللّٰهِ بْنِ الْمُغِیْرَةِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحٰرِثِ بْنِ جُزْءٍ قَالَ مَارَأَیْتُ اَحَدًا اَکْثَرَ تَبَسُّمًا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۸۴)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت قتیبہ بن سعید نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی خبر ابنِ لہیعۃ نے دی۔ انھوں نے یہ روایت عبید اللہ بن مغیرۃ سے روایت کی۔ انھوں نے یہ روایت عبد اللہ بن حارث بن جزءؓ سے سُنی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مسکراہٹ والا کسی کو نہیں دیکھا۔"

راویانِ حدیث اس حدیث کے راویان میں قتیبہ بن سعید امام ترمذیؒ کے استاد اور بڑے ائمہ حدیث میں سے ہیں۔ ابنِ لہیعۃ مصر کے قاضی تھے مگر آخری عمر میں جا کر ان کا حافظہ کمزور ہو گیا تھا۔ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کی شرائط قبولِ حدیث ذرا سخت ہیں۔ لہٰذا وہ تو ابنِ لہیعۃ کی روایات کو صرف متابعت کے طور پر قبول کر لیتے ہیں۔ لیکن امام ترمذیؒ اور امام احمدؒ ان کی روایات کو قابلِ قبول سمجھتے ہوئے لے لیتے ہیں۔

اس حدیث کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرنے والے آپ کے صحابی حضرت عبد اللہؓ بن حارث بن جزء (الزبیدیؓ) ہیں یہ وہ صحابی ہیں جن کی زیارت امام ابوحنیفہؒ نے بھی کی ہے۔ اس ملاقات کی تفصیل امام ابن البرؒ (المتوفی ۴۶۳ھ) نے اپنی کتاب میں اس طرح بیان کی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اپنے والد

---

[1] المتوفی ۹۷ھ مصر ہیں (فیاض)

ثابتؒ کے ساتھ کہیں جارہے تھے۔ انھوں نے راستے میں ایک بڑا معمر شخص دیکھا جس کے ابرو نیچے گرے ہوئے تھے اور لوگ اس کے گرد جمع تھے اس وقت امام ابوحنیفہؒ کی عمر چودہ سال تھی۔ انھوں نے اپنے والد سے دریافت کیا کہ یہ لوگ یہاں کیوں جمع ہیں تو ان کے والد نے بتایا کہ یہ لوگ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ایک صحابی عبداللہ بن حارث بن جزءؓ کی زیارت کے لیے جمع ہوئے ہیں۔ چنانچہ اس وقت حضرت عبداللہؓ نے جو روایت بیان کی۔ امام ابوحنیفہؒ نے ان کی زبان سے وہ بھی سماعت کی۔

متبسّم ترین شخصیّت

بہرحال یہی صحابی رسول کہتے ہیں۔ مَارَاَیْتُ اَحَدًا اَکْثَرَ تَبَسُّمًا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یعنی مَیں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مسکرانے والا کوئی شخص نہیں دیکھا۔

باب کے آغاز میں مَیں نے ہنسی کی تین قسمیں شمار کی تھیں جن میں سے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام زیادہ تر تبسّم ہی فرمایا کرتے تھے۔ البتہ کبھی کبھی ہنس لیا کرتے تھے۔ اس کے بعد قہقہہ مار کر ہنسنے کا تو نبی علیہ السّلام سے گمان بھی نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ ایسا کرنا غفلت کی نشانی ہے جو کہ ایک نبی کے شایانِ شان نہیں۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ خوشی یا تعجّب وغیرہ کے موقع پر جس قدر زیادہ تعداد میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام تبسّم کو اختیار کرتے تھے، اتنی زیادہ تعداد میں مَیں نے کسی اور شخص کو مسکرانے والا نہیں دیکھا۔

حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ خَالِدِ الْخَلَّالُ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ إِسْحٰقَ السَّيْلَحَانِيُّ حَدَّثَنَا لَيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ اَبِي حَبِيْبٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ مَا كَانَ ضِحْكُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا تَبَسُّمًا قَالَ اَبُوْعِيْسٰى هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ مِنْ حَدِيْثِ لَيْثِ بْنِ سَعْدٍ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۸۴)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت احمد[1] بن خالد خلال نے بیان کی۔ ان کے پاس یہ روایت یحییٰ بن اسحٰق سیلحانی[2] نے بیان کی۔ ان کے پاس اسے لیث بن سعد نے یزید بن ابی حبیب کے واسطہ سے بیان کی اور انہوں نے یہ حدیث صحابی رسول حضرت عبداللہ بن حارث رضؓ سے روایت کی۔ صحابی بیان کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہنسنا مسکراہٹ ہی ہوتا تھا۔"

تشریح گزشتہ روایت بھی اسی مضمون کے ساتھ اسی صحابی رسول سے بیان ہو چکی ہے جس کی وضاحت بھی بیان کی جا چکی ہے۔

امام ترمذیؒ اس حدیث کی سند کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ حدیث لیث بن سعد کی غریب روایت ہے۔ ایسی روایت کے متعلق اصول یہ ہے کہ اَلْغَرَابَۃُ لَا یُنَافِی الصِّحَّۃَ یعنی کسی حدیث کی غرابت کا انحصار راوی کے تفرد پر ہوتا ہے مگر روایت کی صحت میں کوئی کلام نہیں ہوتا بلکہ وہ صحیح ہوتی ہے اس پر ایک اشکال یہ وارد ہوتا ہے کہ گزشتہ باب ص۳۴ کی روایت ۳ میں گزر چکا ہے

---

[1] المتوفی ۲۴۷ھ ، [2] المتوفی ۲۱۰ھ (فیاض)

کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام مُتَوَاصِلُ الْاَحْزَانِ دَائِمُ الْفِکْرَۃِ کو غم بہت زیادہ تھے اور آپ ہمیشہ متفکر رہتے تھے اور یہاں پر آپ کے اکثر مسکراتے رہنے کا ذکر کیا، تو ان دونوں روایات کی تطبیق کیسے ہوگی ؟ اس کے جواب میں شارحین کہتے ہیں کہ حزن کا تعلق ضحک کے ساتھ ہے مگر آپ زیادہ ہنستے نہیں تھے بلکہ تبسم فرماتے تھے لہٰذا یہ کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں ہے۔

دوسرا جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام بذاتہ ہی تو مغموم اور متفکر ہی رہتے تھے مگر بعض اوقات مخاطبین کی رعایت اور دلجوئی کے لیے آپ مسکراہٹ بھی فرماتے تھے تاکہ وہ فیض سے محروم نہ رہیں۔

درس ۔ ۳۳ — حدیث ۔ ۴

حَدَّثَنَا اَبُوْ عَمَّارِنِ الْحُسَيْنُ بْنُ حُرَيْثٍ اَنْبَأَنَا وَكِيْعٌ حَدَّثَنَا الْاَعْمَشُ عَنِ الْمَعْرُوْرِ بْنِ سُوَيْدٍ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ لَاَعْلَمُ اَوَّلَ رَجُلٍ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ وَاٰخِرَ رَجُلٍ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ يُؤْتٰى بِالرَّجُلِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَيُقَالُ اَعْرِضُوْا عَلَيْهِ صِغَارَ ذُنُوْبِهٖ وَنُحِّيَ عَنْهُ كِبَارُهَا فَيُقَالُ لَهٗ عَمِلْتَ يَوْمَ كَذَا، كَذَا وَكَذَا وَهُوَ مُقِرٌّ لَا يُنْكِرُ وَهُوَ مُشْفِقٌ مِنْ كِبَارِهَا فَيُقَالُ اَعْطُوْهُ مَكَانَ كُلِّ سَيِّئَةٍ عَمِلَهَا حَسَنَةً فَيَقُوْلُ اِنَّ لِیْ ذُنُوْبًا لَا اَرَاهَا هٰهُنَا قَالَ اَبُوْ ذَرٍّ فَلَقَدْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَحِكَ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهٗ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۸۴)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت ابوعمار حسین بن حریث نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اس کی وکیع نے خبر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے اعمش نے معرور بن سوید کے واسطہ سے بیان کیا اور انھوں نے یہ روایت صحابی رسول حضرت ابوذر غفاریؓ[1] سے سُنی۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں اس شخص کو جانتا ہوں جو سب سے پہلے جنت میں

[1] آپ کا نام جندب بن جنادہ ہے۔ اور لقب قدیم الکرام ہے ان سے پہلے صرف چار صحابہ مسلمان ہوئے تھے آخر میں آپ مقام ربذہ میں مقیم ہو گئے تھے اور وہیں حضرت عثمانؓ کے دور خلافت ۳۲ھ میں وفات پائی۔ (فیاض)

داخل ہوگا، اور اس آدمی کو بھی جو سب سے آخر میں دوزخ
سے نکلے گا۔ پھر آپ نے فرمایا قیامت والے دن ایک شخص
لایا جائے گا پھر کہا جائے گا کہ اس شخص پر اس کے صغیرہ
گناہ پیش کرو اور اس کے کبیرہ گناہوں کو مخفی رکھا جائے۔
پھر اس سے کہا جائے گا کہ تونے فلاں فلاں روز ان چھوٹے
چھوٹے گناہوں کا ازتکاب کیا۔ وہ ان گناہوں کا اقرار کرے گا
اور انکار نہیں کر سکے گا۔ وہ شخص اپنے کبیرہ گناہوں سے خوفزدہ
ہوگا (جو ابھی تک پیش نہیں کیے گئے ہوں گے) پھر اس شخص
کے لیے حکم ہوگا کہ اس کو ہر صغیرہ گناہ کے بدلے ایک ایک
نیکی دے دو۔ وہ شخص کہے گا کہ ابھی تو میرے اور بھی گناہ
ہیں جو مجھے یہاں نظر نہیں آرہے ہیں۔ اس کے بعد راوی
حدیث حضرت ابوذر غفاریؓ کہتے ہیں کہ اس موقع پر میں نے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنستے ہوئے دیکھا حتیٰ کہ آپ
کے دانت مبارک ظاہر ہو گئے۔"

تشریح دوزخ سے سب سے آخر میں نکلنے والے آدمی کے متعلق آپ شعب الایمان
میں بہت سی روایات پڑھ لیں گے البتہ جنت میں سب سے پہلے داخل ہونے
والے شخص سے کون مراد ہے؟ اگر اس سے حقیقی داخلہ مراد ہے تو وہ تو حضور
علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ مبارکہ ہے کیونکہ آپ کا ارشاد ہے اَنَا اَوَّلُ مَا
یَقْرَعُ بَابَ الْجَنَّۃِ سب سے پہلے جنت کا دروازہ میں کھٹکھٹاؤں گا۔ لہٰذا
خاتم الانبیاءؐ سے پہلے کوئی بھی جنت میں نہیں جائے گا حتیٰ کہ اولوا العزم انبیاء
بھی آپ کے بعد ہی جنت میں داخل ہونگے۔ اور اگر اس اولیت سے مجازی
اوّلیت مراد ہے تو پھر کوئی اور شخص ہوگا جس کا علم بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
کو ہی ہے۔

پھر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اس شخص کا واقعہ بیان کیا جسے اللہ کے حکم سے بارگاہِ ربّ العزّت میں پیش کیا جائے گا۔ اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ اس کے سامنے ظاہر کیے جائینگے جن کے ارتکاب کا وہ شخص اقرار کرے گا مگر بڑے بڑے گناہوں سے خوف زدہ ہو گا کہ اُن کا کیا بنے گا؟ پھر حکم ہو گا کہ اس شخص کو اس کے ہر صغیرہ گناہ کے بدلے میں ایک ایک نیکی دے دو۔ جب وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے گناہوں کی معافی اور ان کے بدلے نیکیاں پانے کی خوشخبری سُنے گا تو بے قرار ہو جائے گا کہ میرے باقی گناہ بھی حاضر کر دیے جائیں تا کہ انکے بدلے میں بھی مجھے نیکیاں حاصل ہو جائیں۔ یہ انسان کا خاصہ ہے کہ اب اس کا خوف دُور ہو گیا ہے اور دلیر ہو گیا ہے، اس لیے فوراً بول اُٹھے گا کہ ابھی تو میرے اور بھی بہت سے گناہ ہیں جن کو ابھی پیش نہیں کیا گیا۔ وہ سمجھتا ہے کہ جب چھوٹے گناہوں کے عوض چھوٹی نیکیاں ملی ہیں تو بڑے گناہوں کے عوض بڑی بڑی نیکیاں حاصل ہوں گی۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کہتے ہیں کہ اس شخص کی اس حالت پر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام ضَحِكَ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهٗ ہنس پڑے یہاں تک کہ حضورؐ کے دانت مبارک ظاہر ہو گئے۔ یہی حصہ روایت ترجمۃ الباب سے متعلق ہے۔

حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ عَمْرٍو حَدَّثَنَا زَائِدَةُ عَنْ بَيَانٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ اَبِي حَازِمٍ عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ مَا حَجَبَنِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنْذُ اَسْلَمْتُ وَلَا رَاٰنِي اِلَّا ضَحِكَ -

(ترمذی مع شمائل ص۵۸۴)

ترجمہ: " امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث احمد بن منیع نے بیان کی - وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے معاویہ بن عمرو نے بیان کیا - وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت زائدہ نے بیان کی وساطت سے بیان کی - انھوں نے یہ روایت قیس بن ابی حاتم سے روایت کی اور انھوں نے صحابی رسول حضرت جریر بن عبداللہ سے نقل کیا وہ کہتے ہیں کہ جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حاضر خدمت ہونے سے کبھی نہیں روکا اور میں نے ہمیشہ آپ کو ہنستے ہوئے ہی پایا ہے ۔"

تشریح | یہ روایت اس باب کی پہلی روایتوں کے ساتھ مطابقت رکھتی ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سب سے زیادہ ہنسنے والے یا تبسّم فرمانے والے تھے -

شمائل ترمذی — باب - ۴۵

درس - ۳۳ — حدیث - ۶

حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيْعٍ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ عَمْرٍو حَدَّثَنَا زَائِدَةُ عَنْ اِسْمٰعِيْلَ بْنِ اَبِىْ خَالِدٍ عَنْ قَيْسٍ عَنْ جَرِيْرٍ قَالَ مَا حَجَبَنِىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنْذُ اَسْلَمْتُ وَلَا رَاٰنِىْ اِلَّا تَبَسَّمَ۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۸۴)

ترجمہ:۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث احمد بن منیع نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت معاویہ بن عمرو نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے زائدہ نے اسمٰعیل ابن ابی خالد کے حوالہ سے بیان کیا۔ انھوں نے یہ روایت قیس سے اور انھوں نے جریر بن عبداللہ صحابی رسول سے روایت کی۔ وہ کہتے ہیں کہ جب سے مَیں نے اسلام قبول کیا ہے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے مجھے حاضری سے کبھی نہیں روکا، اور آپ جب بھی مجھے دیکھتے تھے تبسّم فرماتے تھے۔"

تشریح یہ حدیث بھی اس سے پہلی حدیث کے ہم معنی ہے اور اُسی صحابی حضرت جریر بن عبداللہؓ سے مروی ہے۔ صرف سند میں تھوڑا سا اختلاف ہے کہ سابقہ روایت میں آمدہ راوی زائدۃ عن بیان کی بجائے اس روایت میں زائدۃ عن اسمٰعیل ابن ابی خالد ہے۔ پہلی روایت میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ہنسنے کا ذکر تھا اور اس روایت میں تبسّم فرمانے کا تذکرہ ہے۔

حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ حَدَّثَنَا اَبُوْ مُعَاوِيَةَ عَنِ
الْاَعْمَشِ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَبِيْدَةَ السَّلْمَانِيِّ
عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ لَاَعْرِفُ اٰخِرَ
اَهْلِ النَّارِ خُرُوْجًا رَجُلٌ يَخْرُجُ مِنْهَا زَحْفًا
فَيُقَالُ لَهُ انْطَلِقْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ فَيَذْهَبُ
لِيَدْخُلَ الْجَنَّةَ فَيَجِدُ النَّاسَ قَدْ اَخَذُوا الْمَنَازِلَ
فَيَرْجِعُ فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ قَدْ اَخَذَ النَّاسُ الْمَنَازِلَ
فَيُقَالُ لَهُ اَتَذْكُرُ الزَّمَانَ الَّذِيْ كُنْتَ فِيْهِ فَيَقُوْلُ
نَعَمْ قَالَ فَيُقَالُ لَهُ تَمَنَّ قَالَ فَيَتَمَنّٰى فَيُقَالُ
لَهُ فَاِنَّ لَكَ الَّذِيْ تَمَنَّيْتَ وَعَشْرَةَ اَضْعَافِ
الدُّنْيَا قَالَ فَيَقُوْلُ اَتَسْخَرُ بِيْ (مِنِّيْ) وَاَنْتَ الْمَلِكُ
قَالَ فَلَقَدْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
ضَحِكَ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهٗ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۸۴)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت ھناد بن سری
نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے ابو معاویہ نے
اعمش کے واسطہ سے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ انھوں نے
یہ روایت ابراہیم سے عبیدۃ سلمانی[1] سے روایت کی، اور
انھوں نے یہ حدیث صحابی رسول حضرت عبداللہ بن مسعودؓ
سے روایت کی وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] المتوفی سنہ ۷۲ھ (فیاض)

نے ارشاد فرمایا کہ میں اس شخص کو جانتا ہوں جو سب سے آخر میں دوزخ سے نکلے گا۔ وہ آدمی وہاں سے گھسٹتا ہُوا نکلے گا۔ اس کو حکم ہوگا کہ جاؤ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ کہتے ہیں کہ وہ شخص جنت میں داخل ہونے کے لیے جائے گا تو دیکھے گا کہ جنت میں سب لوگوں نے اپنے اپنے ٹھکانوں کو پکڑ رکھا ہے۔ پس وہ شخص لوٹ آئے گا اور عرض کرے گا، اے پروردگار! وہاں تو سب لوگوں نے اپنی اپنی جگہوں پر قبضہ کر رکھا ہے۔ پھر اس سے کہا جائے گا کیا تُو دنیا کے اس زمانے کو یاد کرتا ہے جس زمانے میں تو وہاں تھا؟ عرض کرے گا، پروردگار! ہاں مجھے وہ وقت یاد ہے۔ پھر اُس سے کہا جائے گا کہ کوئی آرزو کرو۔ پس وہ آرزو کرے گا۔ پھر اُس سے کہا جائے گا کہ تمھیں تمھاری تمنّا کے مطابق بھی دیا، اور پوری دُنیا سے دس گنا زیادہ بھی عطا کیا، وہ شخص عرض کرے گا، پروردگار! کیا تو میرے ساتھ ٹھٹھا کرتا ہے حالانکہ تو بادشاہوں کا بادشاہ ہے؟ راوی بیان کرتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع پر ہنس پڑے یہاں تک کہ آپ کے دانت مبارک ظاہر ہو گئے۔"

تشریح اس روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ہنسی فرمانے کا ایک واقعہ بیان کیا ہے۔ دراصل نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے خود ہی ایک حقیقت کا اظہار فرمایا اور ایک ایسے شخص کے ساتھ پیش آنے والے واقعہ کا ذکر کیا جو اسے قیامت والے دن پیش آئے گا۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ارشاد فرمایا کہ دوزخ سے نکلنے والا آخری

آدمی[1] بڑی مشکل سے زمین پر چوتڑوں کے بَل گھسٹتا ہُوا آئے گا۔ اللہ کے دربار میں پیش ہوگا تو اسے جنت میں داخلے کی اجازت مل جائے گی وہ خوشی خوشی جنت کے دروازے پر پہنچے گا تو دیکھے گا کہ ساری جنّت تو پُر ہو چکی ہے۔ تمام جنتی اپنے اپنے ٹھکانوں پر پہنچ چکے ہیں اور وہاں مزید کسی آدمی کے رہنے کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ وہ شخص واپس بارگاہِ ربّ العزّت میں حاضر ہو کر عرض کرے گا، پروردگار! آپ نے مجھے جنّت میں داخلے کا حکم تو دے دیا ہے مگر وہاں تو میرے لیے کوئی جگہ ہی نہیں ہے جہاں میں جا کر ٹھہر سکوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کیا تمھیں اپنی زندگی کا وہ زمانہ یاد ہے جب تم زمین پر رہائش رکھتے تھے؟ وہ عرض کرے گا، پروردگار مجھے یاد ہے کہ وہ زمین کتنی وسیع تھی، اُس پر کتنے لوگ آباد تھے، اُس زمین پر کیسی کیسی نعمتیں تھیں اور آرام و آسائش کے کتنے سامان تھے۔ اُس زمین پر کتنے ملک اور کتنی سلطنتیں تھیں، وہ ساری باتیں یاد ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، اچھا اب اپنی خواہش کا اظہار کرو کہ تمھیں کیا کیا نعمتیں چاہئیں اور کون کونسی چیز درکار ہے۔ صحابی بیان کرتا ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا کہ وہ شخص اپنی خواہشات اور آرزوں کا اظہار کرے گا کہ پروردگار! مجھے اتنی وسیع زمین، اتنا بڑا مکان، اُس میں فلاں فلاں سہولتیں اور آرام و آسائش کے لیے فلاں فلاں چیزیں درکار ہیں۔ پروردگار ارشاد فرمائے گا کہ جاؤ میں نے تمھیں تمھاری مطلوبہ تمام نعمتیں عطا کیں اور پوری دُنیا اور اس کی نعمتوں سے دس گنا زیادہ بھی تمھیں عطا کیا۔

وہ شخص عرض کرے گا، پروردگار! تُو تو بادشاہوں کا بادشاہ ہے اور مجھ سے مذاق کر رہا ہے کہ مجھے اتنی وسیع زمین اور اتنی نعمتیں عطا کیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، میرے بندے! میں تجھ سے ٹھٹھا نہیں کر رہا ہوں بلکہ میں فی الحقیقت یہ انعامات عطا فرما رہا ہوں۔ تم تو کہتے ہو کہ جنت میں تمھارے رہنے کے لیے

---

[1] قیل اسمہ جھینۃ او ھناد الجھنی - (فیاض)

اب جگہ ہی باقی نہیں بچی۔ جاؤ میں نے اتنی جگہ عطا کر دی ہے جو پوری دُنیا سے بھی دس گنا زیادہ ہے میں قدرتِ تامّہ کا مالک ہوں، لہٰذا یہ سب کچھ تمھیں ملے گا۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ادنیٰ سے ادنیٰ جنتی کو بھی اتنے بڑے بڑے انعامات سے نوازے گا۔ صحابی بیان کرتا ہے کہ جب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اس شخص کا یہ حال سُنایا تو آپ ہنس پڑے، حتّٰی کہ آپ کے دانت مبارک ظاہر ہو گئے آپ کو ہنسی اس بات پر آئی کہ اس شخص کا حال دیکھو کہ پہلے تو اسے جنت میں سر چھپانے کے لیے جگہ نظر نہیں آ رہی تھی اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام واکرام کی بارش ہو رہی ہے تو کہتا ہے کہ مولا کریم، کیا تُو مجھ سے تمسخر کر رہا ہے۔

حَدَّثَنِیْ قُتَیْبَةُ بْنُ سَعِیْدٍ اَنْبَأَنَا اَبُو الْاَحْوَصِ عَنْ اَبِیْ اِسْحٰقَ عَنْ عَلِیِّ بْنِ رَبِیْعَةَ قَالَ شَهِدْتُ عَلِیًّا رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اُتِیَ بِدَابَّةٍ لِیَرْکَبَهَا فَلَمَّا وَضَعَ رِجْلَهٗ فِی الرِّکَابِ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ فَلَمَّا اسْتَوٰی عَلٰی ظَهْرِهَا قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ثُمَّ قَالَ سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا کُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ثُمَّ قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ثَلَاثًا وَاللّٰهُ اَکْبَرُ ثَلَاثًا سُبْحَانَکَ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَاِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ ثُمَّ ضَحِکَ فَقُلْتُ لَهٗ مِنْ اَیِّ شَیْءٍ ضَحِکْتَ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَنَعَ کَمَا صَنَعْتُ ثُمَّ ضَحِکَ فَقُلْتُ مِنْ اَیِّ شَیْءٍ ضَحِکْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِنَّ رَبَّکَ لَیَعْجَبُ مِنْ عَبْدِهٖ اِذَا قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ ذُنُوْبِیْ یَعْلَمُ اَنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اَحَدٌ غَیْرِیْ۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۸۵)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ میرے پاس یہ روایت قتیبہ بن سعید نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس روایت کی خبر ابوالاحوص نے ابی اسحٰق کے واسطہ سے دی اور انھوں نے یہ روایت علی بن ربیعہ سے روایت کی وہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ کے پاس سواری کے لیے جانور

لایا گیا۔ جب آپ نے اپنا پاؤں رکاب میں رکھا تاکہ اس پر پوری طرح سوار ہو جائیں، تو کہا بِسْمِ اللّٰہِ۔ پھر جب سواری کی پشت پر ٹھیک طریقے سے بیٹھ گئے تو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہا اور ساتھ یہ بھی کہا سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا ھٰذَا وَمَا کُنَّا لَہٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ اس کے بعد حضرت علیؓ نے تین دفعہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہا اور تین دفعہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہا، اور ساتھ یہ جملہ بھی ادا کیا۔ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَاِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ راوی ابنِ ربیعہؒ کہتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت علیؓ ہنس پڑے تو میں نے عرض کیا، اے امیرالمؤمنین! آپ کو کس چیز نے ہنسایا ہے؟ وہ کہتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا جیسا کہ اب میں نے کیا ہے، تو میں نے بھی عرض کیا تھا کہ اللہ کے رسول! آپ کس بات پر ہنسے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ تیرا پروردگار اپنے بندے پر اس وقت خوش ہو جاتا ہے جب وہ کہتا ہے کہ اے پروردگار! میرے گناہ معاف کردے کیونکہ وہ بندہ جانتا ہے کہ اللہ کے سوا گناہوں کو کوئی نہیں بخش سکتا۔"

تشریح اس روایت میں خشکی پر چلنے والی سواری پر بیٹھنے کے آداب اور اس موقع پر پڑھنے کی دُعا کا ذکر ہے۔ اس حدیث میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا معمول بیان کیا گیا ہے جو علی بن ربیعہؒ نے حضرت علیؓ سے سُن کر بیان کیا ہے۔ حضرت علیؓ نے یہ طریقہ اور دُعائیں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے سیکھیں تھیں۔ حضرت علی بن ربیعہؒ نے حضرت علیؓ کے پیش آنے والے واقعہ کا ذکر کیا ہے کہ آپ کو کہیں جانا تھا۔ آپ کی خلافت کا دور تھا کہ آپ

کے لیے سواری لائی گئی۔ دآبۃ کسی بھی جانور کے لیے بولا جاتا ہے۔ شارحین کہتے ہیں کہ اس موقع پر حضرت علیؓ کی سواری کے لیے گھوڑا پیش کیا گیا۔ جب آپ نے گھوڑے پر سوار ہونے کے لیے رکاب میں پہلا قدم رکھا تو بِسْمِ اللّٰہِ کہا پھر پورے طور پر سوار ہو کر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہا اور پھر یہ دُعا پڑھی:

سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ ○ وَاِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ○ (الزخرف ۱۳، ۱۴)

پاک ہے وہ ذاتِ خداوندی جس نے اس سواری کو ہمارے لیے مسخر کر دیا، ورنہ ہم تو اس کو اپنے بس میں نہیں کر سکتے تھے اور ہم اپنے پروردگار کی طرف ہی لوٹ کر جانے والے ہیں۔

راوی بیان کرتا ہے کہ دعا پڑھنے کے بعد حضرت علیؓ نے تین دفعہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اور تین دفعہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہا اور پھر یہ دُعا بھی پڑھی:

سُبْحَانَكَ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَاِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ۔

مولا کریم! تیری ذات پاک ہے بیشک میں نے ہی اپنے نفس پر ظلم کیا ہے لہٰذا میری مغفرت فرما دے کیونکہ تیرے سوا گناہوں کو بخشنے والا کوئی نہیں ہے۔

کسی بھی خشکی کی سواری از قسم جانور گھوڑا، اونٹ، گدھا وغیرہ یا موجودہ زمانے میں موٹر، ریل، کار، ہوائی جہاز یا بس میں سفر شروع کرتے وقت مذکورہ دعائیں پڑھنا مستحب ہے اس دُعا میں پروردگار کی طرف لوٹنے کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت تو ہم دُنیا کے کسی سفر پر جا رہے ہیں۔ لیکن ایک وقت آنے والا ہے جب ہم آخرت کے سفر پر روانہ ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچ جائیں گے۔ البتہ پانی کے سفر میں کشتی یا جہاز پر سوار ہوتے وقت یہ دعا پڑھنا مستحب ہے۔ بِسْمِ اللّٰہِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰهَا اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ (ھود: ۴۱) "اس کا چلنا اور ٹھہرنا اللہ تعالیٰ ہی کے نام سے ہے۔ بے شک میرا پروردگار بہت بخشنے والا اور مہربان ہے۔"

ابنِ ربیعۃ کہتے ہیں کہ سواری پر سوار ہو کر اور یہ دعائیں پڑھنے کے بعد حضرت

علیؓ ہنس دیے۔ حالانکہ بظاہر اس وقت ہنسنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی تھی چنانچہ میں نے آپ سے عرض کیا کہ آپ کس بات پر ہنسے ہیں تو انھوں نے بتایا کہ ایک موقع پر میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو سواری پر سوار ہوتے اور یہی دعائیں پڑھتے مشاہدہ کیا تھا اور یہ بھی کہ آپ اس موقع پر ہنس دیے تھے جس طرح تم نے مجھ سے ہنسنے کی وجہ پوچھی ہے۔ اسی طرح میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا کہ حضور! اس موقع پر ہنسنے کی کیا وجہ ہے؟ تو انھوں نے یہ جواب دیا تھا کہ جب اللہ کا کوئی بندہ اپنے پروردگار سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرتا ہے اور اقرار کرتا ہے کہ اس کے سوا گناہ معاف کرنے پر کوئی قادر نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ اس بندے پر خوش ہوتا ہے تو گویا اللہ کی بندے پر اس رضا کی وجہ سے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام مسکرائے اور آپ کے اتباع میں حضرت علیؓ بھی سواری پر سوار ہو کر مسکرائے۔

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ یہاں پر اِنَّ رَبَّكَ لَيَعْجَبُ مِنْ عَبْدِهٖ کے الفاظ ہیں۔ عَجِبَ يَعْجَبُ کا لغوی معنی تو تعجب کرنا ہوتا ہے مگر اس کا اطلاق ذاتِ خداوندی پر نہیں ہوتا۔ کیونکہ استعجاب تو اس چیز پر ہوتا ہے جس کا پہلے سے کسی کو علم نہ ہو مگر اللہ تعالیٰ سے تو کوئی بھی چیز مخفی نہیں ہے لہٰذا اس کی ذات کے ساتھ استعجاب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ چنانچہ اس مقام پر لَيَعْجَبُ مِنْ عَبْدِهٖ کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر راضی ہو جاتا ہے جب وہ اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرتا ہے اور اس کو یقین ہوتا ہے کہ گناہوں کو معاف کرنے والی ذات صرف وہی ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ اَنْبَأَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْاَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْنٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ سَعْدٌ لَقَدْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَحِكَ يَوْمَ الْخَنْدَقِ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهٗ قَالَ قُلْتُ كَيْفَ كَانَ قَالَ كَانَ رَجُلٌ مَعَهٗ تُرْسٌ وَكَانَ سَعْدٌ رَامِيًا وَكَانَ يَقُوْلُ كَذَا وَكَذَا بِالتُّرْسِ يُغَطِّيْ جَبْهَتَهٗ فَنَزَعَ سَعْدٌ بِسَهْمٍ فَلَمَّا رَفَعَ رَاْسَهٗ رَمَاهُ فَلَمْ يُخْطِئْ هٰذِهٖ مِنْهُ يَعْنِيْ جَبْهَتَهٗ وَانْقَلَبَ وَشَالَ بِرِجْلِهٖ فَضَحِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهٗ قُلْتُ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ ضَحِكَ قَالَ مِنْ فِعْلِهٖ بِالرَّجُلِ ۔　(ترمذی مع شمائل ص۵۸۵)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت محمد بن بشار نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اس کی خبر محمد بن عبداللہ انصاری نے دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے ابنِ عونؒ[1] نے محمد بن محمد بن اسود کے واسطہ سے بیان کیا۔ ان کے پاس یہ روایت عامرؒ[2] بن سعدؓ نے نقل کی۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت سعدؓ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ میں نے جنگِ خندق کے دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہنستے دیکھا حتّٰی کہ آپ کے دانت

---

[1] المتوفی ۱۵۱ھ ، [2] المتوفی ۱۰۴ھ　(فیاض)

مبارک ظاہر ہوگئے۔ عامرؓ کہتے ہیں کہ مَیں نے اپنے والد حضرت سعدؓ سے پوچھا کہ حضور کو ہنسی کیوں آئی؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ (مشرکوں میں سے) ایک شخص کے پاس ڈھال تھی اور حضرت سعدؓ اگرچہ بڑے تیر انداز تھے۔ (اور کافر کو نشانہ بنانا چاہتے تھے) مگر وہ شخص اپنی پیشانی کا بچاؤ اپنی ڈھال کے ساتھ کر رہا تھا۔ (ایک مناسب موقع پر) حضرت سعدؓ نے اپنی ترکش سے تیر نکالا اور کمان میں چڑھایا پھر جونہی اس کافر نے اپنا سر ڈھال سے اوپر اُٹھایا، حضرت سعدؓ نے فوراً تیر چلا دیا اور اب کہ یہ تیر خطا نہ ہُوا اور سیدھا اس کی پیشانی پر لگا۔ وہ شخص (تیر لگنے سے) اُلٹ گیا اور اس کی ٹانگیں اُوپر کو اُٹھ گئیں (اور سر نیچے کی طرف آگیا) پس حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے حتیٰ کہ آپ کے دانت مبارک ظاہر ہوگئے۔ عامر کہتے ہیں کہ مَیں نے اپنے والد سے پوچھا کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کس بات پر ہنس دیے تو انھوں نے بتایا کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام حضرت سعدؓ کے اس عمل پر ہنسے جو انھوں نے اس مشرک آدمی کے ساتھ کیا۔"

تشریح اس حدیث کے راوی حضرت سعد بن ابی وقاصؓ (بنی زہرہ کے خاندان میں سے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ماموں لگتے تھے آپ کے یہ جلیل القدر صحابی (سترہ یا) اٹھارہ سال کی عمر میں (ساتویں یا) آٹھویں نمبر پر ایمان لائے۔ اس لحاظ سے یہ قدیم الاسلام صحابی اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑی شان عطا کی۔ اُحد کے موقع پر بھی انھوں نے تیر اندازی کے جوہر دکھائے اور پھر ایران کو فتح کرنے کی سعادت بھی انھی کو حاصل ہوئی

حضرت سعدؓ فاتحِ ایران کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں)۔ (فیاض)

حضرت سعدؓ اس واقعہ کے چشم دید گواہ ہیں وہ کہتے ہیں کہ جنگِ خندق کے موقع پر ایک بڑا ہوشیار چالاک کافر مشرک آدمی میرے تیر کی زد میں تھا مگر ہر بار اپنی ڈھال کے ذریعے میرے تیر سے بچ جاتا تھا۔ حضرت سعدؓ بھی اللہ کے فضل وکرم سے بڑے تجربہ کار نشانہ باز تھے۔ وہ کسی مناسب موقع کی تلاش میں تھے۔ پھر جونہی اس ناہنجار کافر نے اپنا سر ذرا سا ڈھال سے اوپر نکالا، تو حضرت سعدؓ نے فوراً تیر چھوڑ دیا جو سیدھا اس کی پیشانی پر جا کر لگا۔ وہ اس کاری ضرب کی تاب نہ لا سکا اور اس قدر لڑکھڑایا کہ اس کا سر نیچے اور ٹانگیں اوپر کو اٹھ گئیں۔ اس کی یہ بُری حالت دیکھ کر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام ہنس پڑے حتّٰی کہ آپ کے دانت مبارک ظاہر ہو گئے۔ یہ واقعہ حضرت عامر نے اپنے باپ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے حوالے سے بیان کیا۔

پرانے زمانے میں لڑائی دست بدست بذریعہ تلوار اور نیزہ وغیرہ ہوتی تھی یا پھر زیادہ سے زیادہ کچھ فاصلے سے حریف گروہ ایک دوسرے پر تیر چلاتے تھے ہر سپاہی اپنے دفاع کے لیے ڈھال بھی استعمال کرتا تھا۔ یہ ڈھال لوہے یا چمڑے کی بنی ہوئی ہوتی تھی اور تلوار، تیر یا نیزے کے وار کو روکنے کے کام آتی تھی۔

موجودہ زمانے میں تو جنگ کے متحارب ملک ایک دوسرے کے خلاف جدید ترین آتشیں ہتھیار استعمال کرتے ہیں۔ اور دست بدست لڑائی کا امکان بہت کم رہ گیا ہے۔ اب تو کئی کئی میل دور جا کر دشمن پر حملے کیے جاتے ہیں حتّٰی کہ میزائل ہزاروں میل دُور تک مار کرتے ہیں تاہم ڈھال کی ضرورت اب بھی ہے اور موجودہ زمانے کی جنگوں میں بھی ٹینک اور بکتر بند گاڑیوں کی صورت میں استعمال کی جاتی ہے۔ شہروں میں قیامِ امن کے لیے پولیس کے ہر سپاہی کے پاس بھی دستی ڈھال ہوتی ہے جس سے وہ سامنے سے آنے والے پتھراؤ سے اپنی حفاظت کرتا ہے۔

یہ بات وضاحت طلب ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اس شخص کی ٹانگیں

اُوپر کو اُٹھ جانے اور اس کے برہنہ ہو جانے کی وجہ سے نہیں ہنستے تھے کیونکہ یہ تو اخلاقی بیماری ہے۔ البتہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اس شخص کی چالاکی اور پھر اس کی سزا چکھ لینے کی وجہ سے ہنسے تھے۔

ابتدائے اسلام کے زمانہ میں مسلمان اللہ کے حکم وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ (انفال: ۶۰) کے مطابق دشمن سے مقابلہ کے لیے ہر وقت مستعد رہتے تھے اور اللہ تعالیٰ ان کو کامیابی بھی عطا کرتا تھا مگر جب سے مسلمانوں نے اس حکم پر عمل درآمد ترک کر دیا ہے، ذلیل و خوار ہو کر رہ گئے ہیں اور دنیا بھر میں ان کو کوئی عزّت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔

---

(۳۶) بَابُ مَا جَآءَ فِي صِفَةِ مِزَاحِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ترجمہ: "باب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح کے بارے میں"

مِزاح یا مُزاح دل لگی کو کہتے ہیں۔ خوش طبعی روا ہے مگر اس شرط کے ساتھ مِنْ غَيْرِ اِيْذَاءٍ وَّتَحْقِيْرٍ کہ اس کے ذریعے نہ کسی کو تکلیف دینا مقصود ہو اور نہ ہی کسی کی تحقیر یا تنقیص مطلوب ہو۔ ترمذی شریف جلد ۲ میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا یہ فرمان بھی موجود ہے کہ کسی کے ساتھ نہ تو جھگڑا کرو، نہ مزاح کرو اور نہ وعدہ خلافی کرو۔ ظاہر ہے کہ اس حدیث میں تو مزاح کرنے کی ممانعت آئی ہے، لہٰذا مزاح کرنے کا جواز کیسے پیدا ہوتا ہے؟۔ اس کے جواب میں شارحین فرماتے ہیں کہ یہ ممانعت مقید ہے یعنی کثرت سے مزاح نہ کرو، یا ایسا مزاح نہ کرو جس سے کسی دوسرے آدمی کی تحقیر ہوتی ہو یا کسی کو تکلیف پہنچانا مقصود ہو۔ ایسے مزاح کی ممانعت آئی ہے اور ایسا مزاح بھی درست نہیں جو انسان کو اس کے فرائض سے غافل کر دے کیونکہ اس طرح قساوتِ قلب پیدا ہوتی ہے اور دل میں فتور آتا ہے یا اگر کوئی شخص کثرت کے ساتھ وقت بے وقت مزاح کرتا رہتا ہے تو اسکی ہیبت اور وقار جاتا رہتا ہے لہٰذا یہ بھی ٹھیک نہیں ہے۔

امام سفیان بن عیینہؒ (المتوفی ۱۹۸ھ) سے کسی نے سوال کیا کہ مزاح کرنے کی تو ممانعت آئی ہے؟ فرمایا نہیں، بلکہ مزاح کرنا سنّت میں داخل ہے مگر اس شخص کے لیے جو اس کی حدود کو قائم رکھ سکے اور موقع محل کے مطابق اچھا مزاح کر سکے، کیونکہ خود حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام بھی خوش طبعی فرمایا کرتے تھے تاکہ لوگ آپکے فیض سے محروم نہ رہیں۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے مزاح میں بھی بہت سی مصلحتیں پائی جاتی ہیں۔ آپ سے قولی اور فعلی دونوں طریقوں سے مزاح ثابت

ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص بے تکا مزاح کرتا ہے اور دوسرے کی عزتِ نفس کا خیال نہیں رکھتا، تو ایسا مزاح روا نہیں ہے۔

امام ترمذیؒ نے اس باب میں چھ احادیث لائے ہیں۔

شمائل ترمذی — باب ۔ ۳۶

درس ۔ ۳۴ — حدیث ۔ ۱

حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ اَنْبَاَنَا اَبُوْاُسَامَةَ عَنْ شَرِيْكٍ عَنْ عَاصِمِ الْاَحْوَلِ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا ذَا الْاُذُنَيْنِ قَالَ مَحْمُوْدٌ قَالَ اَبُوْاُسَامَةَ يَعْنِيْ يُمَازِحُهٗ ۔

(ترمذی مع شمائل صـ۵۸۵ـ)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت محمود بن غیلان نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اس کی ابو اسامۃ نے شریک کی وساطت سے خبر دی۔ انھوں نے یہ روایت عاصم احول سے روایت کی اور انھوں نے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: "اے دو کانوں والے" امام ترمذیؒ کے استاذ محمود بن غیلان کہتے ہیں کہ راوی ابواسامۃ نے کہا کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے یہ الفاظ مزاح کے طور پر ارشاد فرمائے۔"

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا مزاح فرمانا

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خادم خاص حضرت انس بن مالکؓ کو یَا ذَا الْاُذُنَیْن، یعنی اے دو کانوں والے کہہ کر مخاطب کیا، حالانکہ

دو کان ہونا صرف حضرت انسؓ ہی کی خصوصیت تو نہیں تھی بلکہ ہر انسان کے دو کان ہی تو ہوتے ہیں۔ دراصل یہ خطاب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مزاح کے طور پر کیا۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا، مزاح، دل لگی یا خوش طبعی کرنا روا ہے مگر خاص حدود کی پابندی کے ساتھ کہ اس مزاح سے نہ تو کسی کی تحقیر مقصود ہو، نہ اس کے ذریعے کسی کو ایذا پہنچائی جائے اور نہ ہی کسی کی غیبت کی جائے۔ عام آدمی اور اللہ کے نبی کے مزاح میں یہ بنیادی فرق ہوتا ہے کہ عام آدمی ان حدود کی پابندی نہیں کر سکتا، اللہ کا کوئی خاص بندہ ہی مذکورہ معیار پر پورا اُترتا ہوگا مگر اللہ کے نبی کا مزاح کسی کی تحقیر یا ایذا رسانی کے لیے نہیں ہوتا بلکہ اس کی دل جوئی اور خوش طبعی کے لیے ہوتا ہے۔ اللہ کے نبی جو بات مزاح کے طور پر بھی کرتے ہیں اس میں بھی خاص حکمت ہوتی ہے اور اس میں امر واقعہ کے خلاف کوئی بات نہیں ہوتی۔ چنانچہ اسی باب کی تیسری روایت میں حضور کا یہ فرمان آرہا ہے کہ لَا اَقُوْلُ اِلَّا حَقًّا یعنی میں مزاح کے طور پر یا غصے کے دوران بھی جو بات کرتا ہوں وہ حق ہی ہوتا ہے۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ یَاذَا الْاُذُنَیْنِ والے جملے میں بھی خاص حکمت ہے حضرت انسؓ چھوٹی عمر کے بچے ہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خادمِ خاص ہیں اور ان سے دل لگی ہو رہی ہے اس کو یہ حقیقت بھی سمجھانا مقصود ہے کہ ان کانوں سے حق بات سُننی چاہیے کیونکہ کافروں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ط (الاعراف: ۹۷) کہ اُن کے کان تو ہیں مگر وہ سُنتے نہیں۔ لہٰذا تمھیں تو سُننا چاہیے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت انسؓ کے کان بلحاظ جسامت عام کانوں کی نسبت قدرے بڑے ہوں یا چھوٹے ہوں، اس لیے آپ نے یَاذَا الْاُذُنَیْنِ کہہ کر خطاب فرمایا۔ بہر حال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد میں مزاح بھی ہے اور سبق بھی کہ کان اللہ نے حق بات سُننے کے لیے عطا کیے ہیں۔

درس - ۳۴　　　　　　　　حدیث - ۲

حَدَّثَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ إِنْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُخَالِطُنَا حَتَّى يَقُولُ لِأَخٍ لِي صَغِيرٍ يَا أَبَا عُمَيْرٍ مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ قَالَ أَبُو عِيسَى[۱] وَفِقْهُ هٰذَا الْحَدِيثِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُمَازِحُ وَفِيهِ أَنَّهُ كَنَّى غُلَامًا صَغِيرًا فَقَالَ لَهُ يَا أَبَا عُمَيْرٍ وَفِيهِ أَنْ لَا بَأْسَ أَنْ يُعْطَى الصَّبِيُّ الطَّيْرَ لِيَلْعَبَ بِهِ وَإِنَّمَا قَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَا عُمَيْرٍ مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ لِأَنَّهُ كَانَ لَهُ نُغَيْرٌ يَلْعَبُ بِهِ فَمَاتَ فَحَزِنَ الْغُلَامُ عَلَيْهِ فَمَازَحَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا أَبَا عُمَيْرٍ مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ۔ (ترمذی مع شمائل صـ ۵۸۵)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث ھناد بن السری نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے وکیع نے شعبۃ کے حوالہ سے بیان کیا۔ انھوں نے یہ روایت ابی تیاح[۱] سے اور انھوں نے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کی وہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ میل جول رکھتے تھے یعنی مزاح فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ میرے چھوٹے بھائی[۲] سے کہتے " اے ابو عمیرؓ! تمھارا نُغیر کدھر گیا؟

---

[۱] المتوفی ۱۲۸ھ ، [۲] لاخ لی ای من الام کان صغیرا واسمہ کشبۃ وابوطلحۃ بن زید بن سہل الانصاری۔ (فیاض)

امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے مزاح کے طور پر اس چھوٹے بچے کو ابا عمیر کی کنیت کے ساتھ تعبیر کیا اور اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ چھوٹے بچے کے ہاتھ میں پرندہ دے دینے میں کوئی حرج نہیں ہے تاکہ وہ اس کے ساتھ کھیل سکے۔ اور یہ بات کہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اس بچے کو یوں خطاب کیا "اے عمیر تیرا نُغَیر کدھر گیا؟" بایں وجہ تھا کہ اُس بچے کے پاس ایک نغیر تھا جس کے ساتھ وہ کھیلا کرتا تھا، وہ مر گیا جس کی وجہ سے بچہ سخت غمگین تھا، تو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے مزاح کے طور پر یہ جملہ فرمایا: اے ابو عمیر تمھارا وہ نغیر کدھر گیا؟"

بچے کے ساتھ دل لگی یہ روایت بھی حضرت انس بن مالکؓ سے ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خادمِ خاص اور عظیم المرتبت صحابی ہیں۔ انھوں نے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اُن کے چھوٹے بھائی کے ساتھ کس انداز میں دل لگی فرمائی۔ کہتے ہیں اِنْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُخَالِطُنَا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لَيُخَالِطُنَا ہم سے میل جول رکھتے تھے۔ مخالطت کا لغوی معنیٰ تو میل جول ہی ہوتا ہے لیکن اہل لُغت اس لفظ کا عرفاً معنیٰ مَازَحَنَا کرتے ہیں یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم ہم سے مزاح فرمایا کرتے تھے۔ اس مفہوم کے لیے دوسرا لفظ لَيُدَاعِبُنَا بھی اسی باب میں استعمال ہوا ہے۔ مطلب یہی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے مزاح فرمایا کرتے تھے۔

حضرت انسؓ یہ واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں، اِنْ کَانَ یعنی شان یہ ہے اس اِنْ کو مخففہ من المثقلۃ کہتے ہیں۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے حضرت انسؓ کے چھوٹے بھائی سے اس طرح خطاب کیا يَا اَبَا عُمَيْرٍ مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ

یعنی اے ابوعمیر تمہارا وہ نغیر کدھر گیا۔ دراصل نغیر ایک پرندہ ہے جس کی چونچ سُرخ ہوتی ہے۔ علماء نے اس نغیر کا ترجمہ لال کیا ہے۔ صاحبِ حیٰوۃ الحیوان نے اس کو بلبل کہا ہے۔ حضرت انسؓ کا چھوٹا بھائی تھا اس نے یہ پرندہ پال رکھا تھا جس کے ساتھ وہ کھیلا کرتا تھا۔ اتفاق کی بات کہ وہ پرندہ مرگیا اور وہ چھوٹا بچہ سخت مغموم ہوگیا کیونکہ پرندہ اس سے مانوس ہوچکا تھا اور وہ اس کے ساتھ دل بہلایا کرتا تھا۔ اس موقع پر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے بچے سے دل لگی کے طور پر فرمایا کہ اے ابوعمیر تمہارا وہ بلبل کدھر چلا گیا؟

استخراج مسائل قربان جائیں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی ذاتِ مبارکہ پر کہ محدثین کرام نے حضور کے ایک ایک جملہ سے سینکڑوں مسائل نکالے ہیں ابن القاصؒ نے تو اس ضمن میں ایک رسالہ بھی لکھا ہے جس میں واضح کیا ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے مزاح کے طور پر فرمائے گئے اس ایک جملہ سے سو سے زائد مسائل اخذ ہوتے ہیں۔ ان میں سے تین مسائل کا ذکر تو امام ترمذیؒ نے متنِ حدیث میں کردیا ہے اور اس کے علاوہ بھی بے شمار مسائل اس ایک جملہ سے حل ہوتے ہیں، مثلاً:

۱۔ چونکہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے یہ جملہ مزاح کے طور پر بچے کی دل لگی کے لیے فرمایا تھا لہٰذا ثابت ہوا کہ حدود کے اندر رہتے ہوئے مزاح کرنا جائز ہے۔

۲۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اس چھوٹے بچے کو کنیت کے ساتھ یا اباعمیر کہہ کر پکارا، اباعُمیر کا معنیٰ عُمیر کا باپ ہے مگر وہ تو ابھی خود چھوٹا بچہ تھا اور کسی کا باپ نہیں تھا۔ ہوسکتا ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اس کی یہ کنیت نغیر کی مناسبت سے رکھی ہو۔ بعض اوقات ابا سے صاحب یا ساتھی بھی مُراد لے لیا جاتا ہے جیسے بعض لوگوں کی کنیت ابوالنور یا ابوالحسنات بھی ہوتی ہے اور حقیقت میں وہ نور یا حسنات کے باپ نہیں ہوتے۔ لہٰذا اباعمیر جیسی کنیت کو جھوٹ پر محمول نہیں کرنا چاہیے بلکہ اس کا معنیٰ نغیر یعنی بلبل کا ساتھی بھی کیا جاسکتا ہے مطلب یہ کہ چھوٹے بچے کی کنیت کو جھوٹ پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔

۳۔ اس بات میں بھی کوئی حرج نہیں کہ کسی چھوٹے بچے کے لیے اس کو کوئی پرندہ مہیا کر دیا جائے۔ اگر پرندہ کی مناسب دیکھ بھال کی جائے۔ اس کی خوراک کا معقول بندوبست ہو تو اس کو پنجرے میں بھی بند کیا جا سکتا ہے۔

۴۔ اس سے یہ مسئلہ بھی نکلتا ہے کہ حرمِ مکہ اور حرمِ مدینہ کی حرمت میں قدرے فرق ہے۔ حرمِ مکہ میں تو شکار کھیلنا، خود رو درخت و گھاس کاٹنا درست نہیں۔ البتہ حرمِ مدینہ میں شکار کرنے اور خود رو گھاس وغیرہ کاٹنے کی اجازت ہے اس کے علاوہ یہاں پر جانور کو پنجرے میں بند کرنا بھی روا ہے بشرطیکہ غرض فاسد نہ ہو۔ یا اگر کوئی تنہا آدمی جو کہ بیمار ہے اپنا دل بہلانے کے لیے کوئی جانور رکھ لیتا ہے تو اس کے لیے بھی گنجائش موجود ہے۔

۵۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے یَا اَبَا عُمَیْرٍ مَا فَعَلَ النُّغَیْرُ کہہ کر سجع فرمایا یعنی لطافت آمیز بات کی۔ اس سے ثابت ہوا کہ چھوٹے بچوں کی دل جوئی کے لیے سجع کرنا بھی جائز ہے بشرطیکہ اس میں زیادہ مبالغہ آرائی نہ ہو جس سے قباحت پیدا ہونے کا خطرہ ہو۔

۶۔ اس بچے کا نام تو عُمر ہوگا مگر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اس کو اسم تصغیر بنا دیا اور اَبَا عُمَیْر فرمایا معلوم ہوا کہ ناموں کا تصغیر بنانا بھی درست ہے یہ صرف خوش طبعی کی حد تک جائز ہے جب تک کہ گناہ کی حد میں داخل نہ ہو۔

۷۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام جانتے تھے کہ بچے کا پالا ہوا پرندہ مر گیا ہے، اس کے باوجود آپ نے پوچھا کہ تیرا وہ پرندہ کدھر گیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ بچے کی دل جوئی کے لیے کسی چیز کو جانتے ہوئے بھی اس کے متعلق پوچھنا روا ہے اس سے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا کمالِ اخلاق بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو بچوں کے ساتھ کس قدر پیار تھا اور آپ ان سے کتنا اچھا سلوک فرماتے تھے۔

۸۔ بعض اوقات کنیت نیک شگون کے لیے بھی ہوتی ہے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے چھوٹے بچے کو باپ کی کنیت دی اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خدا کرے بڑا

ہو کر یہ بچہ صاحبِ اولاد بنے اور یہ کنیت اس پر صادق آئے ۔

۹۔۔۔ چھوٹے بچے کو باپ کی کنیت کے ساتھ پکارنا بظاہر کذب بیانی معلوم ہوتی ہے مگر یہ بھی روا ہے ۔

۱۰۔۔۔ بچوں کی دل جوئی کے لیے جانور پالنے اور اس پر رقم خرچ کرنا بھی جائز ہے بشرطیکہ اس میں مبالغہ آرائی نہ ہو۔ چھوٹے بچوں کو کھلونے وغیرہ لے کر دینے میں بھی کوئی حرج نہیں جب تک کہ اس میں کوئی امر خلافِ شرع نہ ہو اور نہ ہی ایسی چیزوں پر آمدہ اخراجات اسراف کی حدود میں داخل ہوتے ہوں ۔

الغرض حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے اس ایک مزاح میں کہے گئے جملہ سے بہت سے مسائل نکلتے ہیں ۔

درس - ۳۴　　حدیث - ۳

حَدَّثَنَا عَبَّاسُ بْنُ مُحَمَّدٍ الدَّوْرِيُّ قَالَ اَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ بْنِ شَقِيقٍ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ اِنَّكَ تُدَاعِبُنَا قَالَ اِنِّي لَا اَقُولُ اِلَّا حَقًّا تُدَاعِبُنَا يَعْنِي تُمَازِحُنَا۔

(ترمذی مع شمائل صـ۵۸۵)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث عباس بن محمد دوری نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس علی بن حسن بن شقیق[1] نے خبر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی خبر عبداللہ بن مبارک نے دی۔ انھوں نے یہ روایت اسامہ بن زید سے روایت کی۔ انھوں نے یہ روایت سعید مقبری سے سنی اور انھوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے سماعت کی۔ وہ کہتے ہیں کہ بعض صحابہ نے عرض کیا، حضور! آپ مزاح بھی فرما لیتے ہیں؟ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ارشاد فرمایا (ہاں)، مگر میں حق کے سوا کچھ نہیں کہتا۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ اس روایت میں آمدہ لفظ تُدَاعِبُنَا کا معنیٰ تُمَازِحُنَا ہے یعنی آپ ہم سے مزاح کرتے ہیں۔"

تشریح: جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا کہ ایک عام آدمی کے مزاح اور نبی کے مزاح میں یہ بنیادی فرق ہوتا ہے کہ ایک عام آدمی کے مزاح میں تو کوئی خلافِ واقعہ یا غلط بات بھی ہو سکتی ہے مگر اللہ کے نبی کی بات ہمیشہ سچی اور نفس الامر کے مطابق ہوتی ہے اگرچہ وہ مزاح کے انداز میں ہی کہی گئی ہو۔ گزشتہ روایت کی تشریح میں گزر چکا ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی مزاح میں کہی گئی چھوٹی سی بات سے سینکڑوں مسائل نکالے گئے ہیں

---

[1] المتوفیٰ ۲۱۵ھ (فاضی)

باب - ۳۶
درس - ۳۴
حدیث - ۴

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَجُلًا اِسْتَحْمَلَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّيْ حَامِلُكَ عَلٰى وَلَدِ نَاقَةٍ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللهِ مَا اَصْنَعُ بِوَلَدِ النَّاقَةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهَلْ تَلِدُ الْاِبِلَ اِلَّا النُّوْقُ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۸۵)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث قتیبہ بن سعید نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس خالد بن عبداللہ[1] نے حمید کے حوالہ سے بیان کیا اور انھوں نے یہ روایت حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کی کہ ایک شخص نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے سفر کے لیے سواری طلب کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہم تمھیں اونٹنی کے بچے پر سوار کرا دیں گے اس شخص نے عرض کیا، اللہ کے رسول! میں اونٹنی کا بچہ لے کر کیا کروں گا؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ بڑے اونٹ بھی تو اونٹنی کے بچے ہی ہوتے ہیں۔"

تشریح حضرت انسؓ نے ایک ایسے شخص کا واقعہ بیان کیا ہے جو کسی جہاد یا دیگر سفر پر جانا چاہتا تھا مگر اس کے پاس سواری نہیں تھی۔ ظاہر ہے کہ عرب کے سنگلاخ پہاڑوں اور ریگستانوں میں سفر کرنا بڑا مشکل کام تھا۔ اس زمانے میں نہ تو سڑکیں ہوتی تھیں اور نہ ہی مشینی ذرائع آمد و رفت موجود تھے اس لیے لوگ عام طور پر اونٹ، گھوڑے یا گدھے وغیرہ کی پشت پر ہی سفر کرتے تھے۔

[1] المتوفی ۱۷۹ھ (فیاض)

چونکہ اس آدمی کو سفر پر جانا تھا، اس لیے اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سواری کے لیے عرضداشت پیش کی کہ حضرت میرے لیے کسی سواری کا بندوبست فرمادیں۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اُس شخص سے فرمایا۔ اِنِّیْ حَامِلُکَ عَلٰی وَلَدِ النَّاقَۃِ اچھا ہم تمھیں اونٹنی کے بچے پر سوار کرادیں گے یعنی تمھارے لیے اونٹنی کے بچے کا انتظام کردیں گے تاکہ تم اپنا سفر خوش اسلوبی سے طے کرسکو۔ وہ شخص سمجھا کہ شاید حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام مجھے اونٹنی کا کوئی چھوٹا سا بچہ دلادیں گے اس لیے اس نے عرض کیا حضرت! مَا اَصْنَعُ بِوَلَدِ النَّاقَۃِ میں اونٹنی کا بچہ لے کر کیا کروں گا ؟ مجھے تو سواری کے لیے کوئی اچھا سا جانور چاہیے۔ اونٹنی کے بچے کی تو اُلٹا مجھے دیکھ بھال کرنا پڑے گی۔ لہٰذا میں اونٹنی کا بچہ لے کر کیسے سفر کرسکوں گا ؟ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا : اللہ کے بندے! ھَلْ تَلِدُ الْاِبِلَ اِلَّا النُّوْقُ بڑا اونٹ بھی تو کسی اونٹنی کا بچہ ہی ہوتا ہے، تم کیوں گھبرا گئے ہو ؟ میں تمھیں سواری کے قابل اونٹ دلادوں گا جو بہرحال کسی اونٹنی کا بچہ ہی تو ہوگا۔ یہ بات آپ نے مزاحاً فرمائی۔

درس - ۳۴　　　　　　　　حدیث - ۵

حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَجُلًا مِّنْ اَهْلِ الْبَادِيَةِ كَانَ اسْمُهٗ زَاهِرًا وَ كَانَ يُهْدِيْ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَدِيَّةً مِنَ الْبَادِيَةِ فَيُجَهِّزُهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَخْرُجَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ زَاهِرًا بَادِيَتُنَا وَنَحْنُ حَاضِرُوْهُ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّهٗ وَكَانَ رَجُلًا دَمِيْمًا فَاَتَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا وَهُوَ يَبِيْعُ مَتَاعَهٗ وَاحْتَضَنَهٗ مِنْ خَلْفِهٖ وَهُوَ لَا يُبْصِرُهٗ فَقَالَ مَنْ هٰذَا اَرْسِلْنِيْ فَالْتَفَتَ فَعَرَفَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ لَا يَأْلُوْا مَا اَلْصَقَ ظَهْرَهٗ بِصَدْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ عَرَفَهٗ فَجَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ يَّشْتَرِيْ هٰذَا الْعَبْدَ فَقَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِذًا وَاللّٰهِ تَجِدُنِيْ كَاسِدًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لٰكِنَّ عِنْدَ اللّٰهِ لَسْتَ بِكَاسِدٍ اَوْ قَالَ اَنْتَ عِنْدَ اللّٰهِ غَالٍ -　　　(ترمذی مع شمائل ص۵۸۵)

ترجمہ:- امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت اسحٰق بن منصور نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے

عبد الرزاق نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت معمر نے بیان کی۔ انھوں نے یہ حدیث ثابت سے روایت کی اور انھوں نے اسے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک شخص دیہات کا رہنے والا تھا جس کا نام زاہر تھا۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا تو دیہات کا کوئی تحفہ بھی حضور کو پیش کرتا۔ پھر جب وہ شخص واپس جانے کا ارادہ کرتا تو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام بھی اس کو کوئی تحفہ عطا کرتے۔ ایک موقع پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زاہر ہمارا دیہات ہے اور ہم اس کے شہر ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص سے محبت کرتے تھے، اور وہ آدمی قدرے بدصورت تھا۔ ایک روز نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اس شخص کے پاس اس حالت میں تشریف لائے کہ وہ شخص اپنا کچھ سامان فروخت کر رہا تھا۔ پس حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے پیچھے سے آکر اس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیا اور اس کو اپنے ساتھ ملا لیا تاکہ وہ آپ کو نہ دیکھ سکے۔ وہ شخص کہنے لگا، کون ہے ؟ مجھے چھوڑ دو جب اُس نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو پہچان لیا تو اپنی کمر کو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے سینہ مبارک کے ساتھ لگانے لگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس غلام کا کون خریدار ہے ؟ وہ شخص کہنے لگا، اللہ کے رسول ! میں تو کھوٹا غلام ہوں۔ پس اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو اللہ کے نزدیک تو کھوٹا نہیں ہے۔ راوی کہتا ہے کہ یا حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا کہ تو اللہ کے نزدیک

بیش قیمت ہے۔"

قولی اور فعلی مزاح حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے قولی مزاح کے تو کئی واقعات گزشتہ احادیث میں بیان ہو چکے ہیں۔ اس حدیث میں آپ کے قولی مزاح کے علاوہ فعلی مزاح کا واقعہ بھی مذکور ہے۔ یہ دل لگی آپ نے اپنے عظیم المرتبت صحابی زاہر بن حرام اشجعیؓ کے ساتھ فرمائی جو اصحابِ بدر میں سے تھا۔ وہ دیہات کے رہنے والے تھے جب کبھی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں مدینہ طیبہ آتے تو دیہات کا کوئی نہ کوئی تحفہ از قسم ساگ، پودینہ، جنگلی بیر وغیرہ بھی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں پیش کرتا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس شخص سے خصوصی محبت تھی، لہٰذا جب وہ مدینہ میں کچھ روز ٹھہر کر اپنے گاؤں جانے کا ارادہ کرتا تو نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام بھی شہر کا کوئی نہ کوئی تحفہ اپنے اس صحابی کو عطا کر دیتے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اس شخص کے ساتھ وقتاً فوقتاً مزاح بھی فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ جب وہ شخص حاضرِ خدمت ہوا تو آپ نے مزاحاً فرمایا اِنَّ زَاهِرًا بَادِيَتُنَا وَنَحْنُ حَاضِرُوْهُ یعنی زاہر ہمارا دیہات ہے اور ہم اس کے شہر ہیں مطلب یہ تھا کہ چونکہ یہ شخص ہمارے لیے دیہات کی اشیاء بطور ہدیہ لاتا ہے لہٰذا یہ ہمارے لیے بمنزلہ دیہات کے ہے اور ہم اسے شہر کی بعض اشیاء دیتے ہیں۔ اس لیے ہم اس کے شہر ٹھہرے۔

اگرچہ زاہر کی شکل وصورت اچھی نہ تھی مگر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو اس کے خلوص اور دین کے ساتھ محبت کی وجہ سے محبت تھی، اس کا دل روشن تھا اور کردار اور سیرت اچھی تھی جب وہ شہر آتا تھا تو شہر میں فروخت کرنے کے لیے کچھ سامان بھی لے آتا تھا جسے وہ بازار میں بیچ کر اپنی ضروریات کی بعض چیزیں شہر سے لے جاتا تھا۔ ایک دفعہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام بازار گئے تو وہ شخص بازار میں اپنی چیزیں فروخت کر رہا تھا اور اپنے کاروبار میں نہایت ہی منہمک تھا فَاحْتَضَنَهُ مِنْ خَلْفِهِ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے پیچھے سے آکر مزاح کے طور پر اس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیے اور اس کو اپنے ساتھ ملا لیا

اور وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کی آنکھیں بند کرنے والی کون شخصیت ہے وہ کہنے لگا ،
مَنْ هٰذَا اَرْسِلْنِیْ کون ہو، مجھے چھوڑ دو۔ پھر جب اس شخص نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو پہچان لیا کہ اس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھنے والی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی ذات بابرکات ہے تو اس نے موقع کو غنیمت جانا اور اپنی پشت کو احتیاط کے ساتھ پیچھے کی طرف ہٹایا تاکہ اس کی پشت حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے سینہ مبارک کے ساتھ لگ جائے اور یہ فیض اسے زیادہ سے زیادہ دیر تک حاصل ہوتا رہے۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس غلام کو کون خریدتا ہے، وہ شخص فوراً بول اٹھا حضور! اِذًا وَاللّٰہِ تَجِدُنِیْ کَاسِدًا میں تو ایک کھوٹا آدمی ہوں، کسی کام کا نہیں ہوں، بھلا مجھے کون خریدے گا؟ یہ اس شخص کی کسر نفسی تھی، حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اس کی حیثیت کو جانتے تھے، فرمایا کہ تم کھوٹے سکے نہیں ہو بلکہ اللہ کے بندے اور اللہ کے نزدیک بیش قیمت انسان ہو۔

جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس دیہاتی صحابی کے متعلق فرمایا یہ ہمارا دیہات ہے اور ہم اس کے شہر ہیں تو آپ نے مزاح کے طور پر ایسا فرمایا تھا ورنہ حقیقت میں نہ وہ دیہاتی آدمی خود دیہات تھا اور نہ مدینہ والے شہر تھے۔ بلکہ یہ جملہ آپ نے اس لیے فرمایا کہ صحابی دیہات کی چیزیں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو پیش کرتا تھا اور آپ شہر کی چیزیں اس کو مہیا کرتے تھے یہ آپ کا قولی مزاح تھا۔ پھر جب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اس شخص کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر ان کو بند کر دیا تو یہ آپ کی طرف سے اس دیہاتی کے ساتھ فعلی مزاح تھا۔

خواہشات کی غلامی

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دیہاتی صحابی کے متعلق فرمایا کہ اس غلام کو کون خریدتا ہے؟ حالانکہ وہ حقیقت میں آزاد آدمی تھا، مگر آپ کا اس شخص کو غلام کہنا بھی خالی از علّت نہیں تھا وہ آدمی تو بڑے اونچے درجے کا تھا مگر آپ اُسے بازار میں ملے تو وہ اپنے کاروبار میں ضرورت سے زیادہ منہمک تھا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاۗءِ الزَّكٰوةِ ۔ (النور: ۳۷) کہ اس کے نیک بندوں کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر، نماز کی ادائیگی اور زکوٰۃ کی ادائیگی سے غافل نہیں کرتی۔ چنانچہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اپنے صحابی کو تنبیہہ کرنا چاہتے تھے کہ اسے کاروبار میں اس قدر انہماک نہیں رکھنا چاہیے۔ آپ نے اشارۃً اُسے یہ بات سمجھا دی کہ وہ دُنیاوی امور میں زیادہ انہماک کر کے خواہشات کا غلام بن چکا ہے۔ وہ بھی اللہ کا نیک بندہ تھا، کہنے لگا کہ مجھ جیسے ناکارہ غلام کو کون خریدے گا؟ مگر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اس کو سمجھا دیا کہ اللہ کے نزدیک تیرا مرتبہ بہت اُونچا ہے لہٰذا تمہیں دُنیا میں زیادہ انہماک نہیں رکھنا چاہیے کیونکہ ایسا کرنا اللہ کے نیک بندوں کے شایانِ شان نہیں ہے۔

جب اس شخص کو علم ہوا کہ اس کے پیچھے کھڑے ہو کر اس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھنے والے اللہ کے نبی ہیں تو اُس نے فرطِ محبّت میں اپنی پشت کو آپ کے سینۂ مبارک سے لگا لیا جو کہ آپ کے ساتھ کمالِ محبت کی علامت تھی کسی کے جسم کا حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے جسم کے ساتھ تلبس ہو جانا بہت بڑی سعادت ہے اور اسی لیے امہات المؤمنینؓ کو عظیم مرتبہ حاصل ہے۔

درس ۔ ۳۴

حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ حَدَّثَنَا مُصْعَبُ بْنُ الْمِقْدَامِ حَدَّثَنَا الْمُبَارَكُ بْنُ فُضَالَةَ عَنِ الْحَسَنِ قَالَ اَتَتْ عَجُوْزٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُدْعُ اللّٰهَ اَنْ يُّدْخِلَنِي الْجَنَّةَ فَقَالَ يَا اُمَّ فُلَانٍ اِنَّ الْجَنَّةَ لَا تَدْخُلُهَا عَجُوْزٌ قَالَ فَوَلَّتْ تَبْكِيْ فَقَالَ اَخْبِرُوْهَا اَنَّهَا لَا تَدْخُلُهَا وَهِيَ عَجُوْزٌ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ○ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ○ (الواقعۃ : ۳۵،۳٦)

(ترمذی مع شمائل ص۵۸٦)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث عبد بن حمید نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے مصعب بن مقدام نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے مبارک[1] بن فضالہ نے بیان کیا۔ انھوں نے یہ روایت حسن سے سُنی۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک بوڑھی عورت حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا، حضور! میرے لیے اللہ کے سامنے دعا کریں کہ وہ مجھے جنت میں داخلہ عطا کردے۔ آپ نے فرمایا، اے امِّ فلاں! کوئی بوڑھی عورت تو جنت میں نہیں جاسکتی۔ راوی بیان کرتا ہے کہ وہ عورت روتی ہوئی واپس پلٹی۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا کہ اس عورت کو سمجھاؤ کہ وہ بڑھاپے کی حالت میں

---

[1] المتوفی ۱٦۵ھ (فیاض)

جنت میں داخل نہیں ہو گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے اُن کو کنواریاں بنایا ہے[1]۔"

تشریح | یہ ایک بوڑھی عورت کے ساتھ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا نہایت ہی شستہ مزاح ہے یہاں پر بوڑھی عورت کے لیے عجوز کا لفظ استعمال ہُوا ہے جس کی جمع عجائز آتی ہے۔ وہ عورت حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے جنت کے انعامات اور دوزخ کی تعذیبات کا بیان اکثر سُنا کرتی تھی۔ چنانچہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضور! میرے لیے دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے جنت کا داخلہ نصیب فرمادے۔ اُدعُ اللہَ اَنْ یُدْخِلَنِیَ الْجَنَّۃَ۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا، تم کس خیال میں ہو اِنَّ الْجَنَّۃَ لَا تَدْخُلُھَا وَھِیَ عَجُوْزٌ جنت میں کوئی بوڑھی عورت تو داخل نہیں ہوگی۔ عجوز کے لفظ کا اطلاق حضرت سارہؓ زوجہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے بھی اپنے اوپر کیا تھا جب فرشتوں نے ان کو بیٹے کی خوشخبری دی تو کہنے لگی یٰوَیْلَتٰٓی ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّھٰذَا بَعْلِیْ شَیْخًا (ہود: ۷۲) ہائے افسوس! مَیں اب بچہّ جنوں گی جب کہ مَیں بوڑھی عورت ہوں اور میرا شوہر بھی بوڑھا ہو چکا ہے۔ مگر فرشتوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اسکی برکات تمہارے ساتھ ہیں، لہٰذا ایسا ہی ہوگا۔

یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا عجوز کا اطلاق صرف بوڑھی عورت پر ہوتا ہے یا یہ لفظ بوڑھے مرد کے لیے بھی استعمال ہو سکتا ہے۔ مصر کے مشہور مصنّف و ادیب مصطفےٰ صادق مرحوم نے اپنی کتاب وحی القلم میں لکھا ہے کہ اس لفظ کا اطلاق مرد پر بھی ہو سکتا ہے۔ امام جوالیقی جس نے ابن قتیبہ کی کتاب کی شرح لکھی ہے وہ بھی اس کے حق میں ہیں۔ خود ہمارے استاد مولانا اعزاز علی صاحبؒ (المتوفی ۱۳۷۴ھ) بھی فرمایا کرتے تھے کہ عجوز کا لفظ بوڑھے مرد کے لیے بھی بولا جا سکتا ہے۔

---

[1] بعض محدثین فرماتے ہیں کہ اس بڑھیا کا نام صفیہ بنت عبدالمطلب، امّ الزبیر بن العوام، عمّۃ النبیؐ ہے۔ (فیاض)

الغرض حضورؐ کی یہ بات سن کر بڑھیا سخت مایوس ہوگئی اور روتی ہوئی واپس جانے لگی کہ میں تو جنت کی نعمتوں سے محروم ہوگئی کیونکہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا ہے کہ کوئی بوڑھی عورت یا بوڑھا مرد جنت میں نہیں جا سکے گا۔ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے جب اس عورت کی یہ حالت دیکھی تو آپ نے فرمایا کہ اس عورت کو سمجھاؤ کہ میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ جنت سے محروم ہو چکی ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جنت میں پہنچ جانے والا کوئی مرد یا عورت بڑھاپے کی حالت میں نہیں ہوگا بلکہ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے کہ ہم جنت میں جانے والی ہر عورت کو دوشیزگی کی حالت دے دیں گے اور اس پاک مقام میں بوڑھا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہاں پر پہنچنے والا ہر مرد و زن تیس پینتیس سال کی جوان عمر کا ہوگا اور اس پر کبھی بڑھاپا نہیں آئے گا۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اس بڑھیا کے ساتھ یہ لطیف مزاح فرمایا۔

(۳۷) بَابُ مَا جَاءَ فِيْ صِفَةِ كَلَامِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الشِّعْرِ

ترجمہ: "باب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شعر پڑھنے پڑھانے کے بیان میں"

لفظ شعر شَعَرَ یَشْعُرُ، شُعُوْرًا کے مادہ سے ہے۔ شاعر کو ایک خاص قسم کا شعور ہوتا ہے جب کہ یہ ملکہ ایک عام آدمی کو حاصل نہیں ہوتا۔ اس باب میں مذکورہ روایات سے یہ معلومات حاصل ہوں گی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں کبھی شعر گوئی بھی کی ہے یا نہیں؟ کیا آپ نے کبھی کسی دوسرے شاعر کا کوئی شعر بھی پڑھا ہے، یا نہیں؟ اور شعر کے بارے میں آپ نے کیا فرمایا ہے۔ اس باب میں امام ترمذیؒ نو (۹) احادیث لائے ہیں۔

شعر و شاعری کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ط (یٰسٓ : ٦٩) ہم نے اپنے نبی کو شعر و شاعری کا علم سکھایا ہی نہیں اور نہ ہی یہ ان کے شایانِ شان ہے۔ وجہ یہ ہے کہ شعر کا مبنیٰ تخیلات پر ہوتا ہے جب کہ نبوت کا مبنیٰ حقائق واقعیہ حقہ پر ہوتا ہے۔ شاعر لوگ تو عام طور پر خیالی گھوڑے دوڑاتے رہتے ہیں اور پھر لطف کی بات یہ ہے کہ کوئی شعر جس قدر حقیقت سے دُور ہو کر محض الفاظ کا تانا بانا ہوتا ہے اتنا ہی وہ سامعین کو زیادہ محظوظ کرتا ہے اور لوگ عام طور پر داد دینا شروع کر دیتے ہیں۔ اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ الشعرآء میں ارشاد فرمایا ہے:

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ۝ (آیت ۲۲۵) اور شاعروں کا اتباع کرنے والے تو اکثر گمراہ لوگ ہی ہوتے ہیں جو ہر مصرعہ پر واہ واہ کے ڈونگرے برساتے ہیں اور ہر طرف سے مکرر مکرر کی آوازیں آتی ہیں۔ اس سلسلہ میں ہمارا ذاتی مشاہدہ بھی سُن لیں بہت بڑے مشاعرے کا بازار گرم تھا۔ نامی گرامی شعراء اپنا اپنا کلام سُنا رہے تھے اور لوگ

دل کھول کر داد دے رہے تھے۔ ہم بھی پیچھے جا کر بیٹھ گئے۔ سامنے کھڑکی میں سے کھیت نظر آ رہے تھے ایک آدمی کو پیشاب کی حاجت ہوئی تو اس نے کھڑکی میں سے ہی باہر کی طرف پیشاب کرنا شروع کر دیا۔ ادھر کسی شاعر نے کوئی اچھا شعر پڑھا تو وہ شخص پیشاب بھی کر رہا تھا اور ساتھ واہ واہ اور مکرر مکرر کی رٹ بھی لگا رکھی تھی۔ مطلب یہ ہے کہ شعر و شاعری کے شوقین اور شاعروں کے پیچھے لگنے والوں کا تو یہی حال ہوتا ہے شعر میں جتنی غلط بیانی اور خلافِ واقعہ بات ہو گی، وہ اتنا ہی اچھا سمجھا جاتا ہے کہ سبحان اللہ! کیسا اچھا تخیّل باندھا ہے، حالانکہ اس میں جھوٹ کے سوا کچھ نہیں ہوتا اور اگر اس میں جھوٹ والا حصہ نکال دیا جائے تو شعر ہی بدمزا اور بے وقعت ہو کر رہ جائے اور کوئی بھی اس کو سننے کے لیے تیار نہ ہو۔

آیئے ذرا جھوٹ پر مبنی تخیلات کے چند نمونے بھی ملاحظہ کرلیں۔ شاعر کہتا ہے:

ے فرصتِ گناہ ملی اور وہ بھی چار دن
دیکھے ہیں ہم نے حوصلے پروردگار کے

معاذاللہ! اللہ رب العزّت کے سامنے کس قدر گستاخی کی بات کی ہے مگر سننے والے ہیں کہ لوٹ پوٹ ہو رہے ہیں:

ے آگ دیتا ہے خواہشوں کو عدم
درحقیقت وہ بے نیاز نہیں

ایسی مبالغہ آرائی اور کفریہ کلمات پر لوگ واہ واہ کرتے ہیں۔

ے اے رشکِ مسیحا تیری رفتار پہ قربان
سو بار میری لاش ٹھوکر سے جلا دی

کس قدر کذب بیانی ہے کہ خود مرنے والا کہہ رہا ہے کہ میری لاش کہیں سرِ راہ پڑی تھی، اچانک محبوب کا گزر ادھر سے ہوا تو اس نے پاؤں سے لاش کو ٹھوکر مار کر زندہ کر دیا۔ غرضیکہ جھوٹ کو جتنا زیادہ دُہرایا جائے اتنا ہی مزا آتا ہے۔

یہ تو عام شعراء کی بات ہے جن کا سچ اور جھوٹ کے درمیان امتیاز کرنا ضروری

نہیں ہوتا۔ بعض اچھّے اچھّے، سمجھدار اور نیک لوگ بھی اس رَو میں بہ کر کہہ جاتے ہیں:

ہزار بار بشوئم دہن زمشک وگلاب
ہنوز نامِ تو گفتن کمال بے ادبی ست

بظاہر یہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کمال عقیدت ومحبت کا اظہار ہے کہ اگر عرقِ گلاب اور کستوری کے ساتھ ہزار بار منہ دھو کر بھی آپ کا نام نامی اسم گرامی زبان پہ لایا جائے تو پھر بھی یہ بہت بڑی بے ادبی ہوگی کیونکہ ہم گناہ گاروں کی زبان اس قابل نہیں کہ اللہ کے نبی اور امام الانبیاء کا نام اپنی زبان سے ادا کر سکیں اب ذرا اس شعر کو حقیقت کی نظر سے بھی دیکھنے کی کوشش کریں۔ اگر اس قدر اہتمام کے بعد بھی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا نام زبان پر لانا کمال درجہ بے ادبی میں داخل ہے تو پھر آپ کا نام نامی کس طرح زبان پر لایا جائے گا اور آپ کی ذات بارکات پہ درودِ پاک کس طرح پڑھا جائے گا جس کے متعلق خود ارشادِ خداوندی ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ط یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ○ (الاحزاب: ۵۶) کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں، اے ایمان والو تم بھی اُس ذاتِ برکات پر درود وسلام بھیجا کرو۔ یہ شعر جتنا الفاظ کے لحاظ سے خوب صورت ہے حقیقت کے اعتبار سے اتنا ہی بے اصل ہے۔

فارسی کے بعد اب ایک عربی شعر بھی سُن لیں:

لَوْ ضَمَّ اِلٰی صَدْرِھَا
لَمْ یُحْمَلْ اِلٰی قَابِرٖ

میرے محبوب کی صفت یہ ہے کہ اگر کوئی اس کے سینے کے ساتھ لگ جائے تو وہ قبرستان جانے کی بجائے زندہ ہو کر اُٹھ بیٹھے یعنی محبوب کے مس کرنے سے مردہ بھی زندہ ہو جائے گا۔ آپ خود ہی دیکھ لیں کہ یہ کس قدر مبالغہ آرائی اور بے حقیقت بات ہے مگر سننے والے محبوب کی تعریف میں یہ سب کچھ سُنتے ہیں

بلکہ اس تخیل کی داد بھی دیتے ہیں۔ یہ لایعنی باتیں شاعری میں چلتی ہیں کیونکہ اس کی بنیاد حقیقت کی بجائے تخیل پر ہوتی ہے اسی لیے تو اللہ نے شاعروں کے متعلق فرمایا
أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ ○ (الشعرآء : ۲۲۵) کیا تم نے دیکھا نہیں کہ یہ لوگ تخیل کی ہر وادی میں خیالی گھوڑے دوڑاتے ہیں اور بھٹکتے پھرتے ہیں اور ایسی بے تکی باتیں کرتے ہیں جن کی کوئی جڑ بنیاد نہیں ہوتی۔ ان کا خاص موضوع کسی کی مدح اور کسی کی قدح کرنا ہوتا ہے اور ایسی ایسی اَن ہونی باتیں کرتے ہیں کہ زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتے ہیں۔

حضرت ابو سعید خدریؓ (المتوفی ۷۴ھ) سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کسی سفر پر جا رہے تھے۔ راستے میں کوئی شاعر بے ہودہ شعر گاتا ہوا ملا۔ آپ نے فرمایا: خُذُوا الشَّيْطٰنَ اس شیطان کو پکڑو۔ یہ کیا بکتا جا رہا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا:[1] لَاَنْ يَّمْتَلِئَ الرَّجُلُ جَوْفَهٗ قَيْحًا خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ اَنْ يُّنْشِدَ شِعْرًا۔ بُری شعر گوئی سے انسان کے لیے یہ بہتر ہے کہ وہ اپنے پیٹ کو پیپ جیسی نجس چیز سے بھر لے۔

شعر و شاعری کی ایک جدید صنف قوالی بھی ہمارے ملک میں عام ہے، اس کا کچھ نمونہ بھی ملاحظہ فرمالیں۔ کافی عرصہ کا واقعہ ہے کہ ہم لوگ رات کے تین بجے تانگے پر سوار آرہے تھے۔ آگے خیمہ لگا ہوا تھا، پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہاں قوالی ہو رہی ہے کچھ ساتھیوں کو سوجھی کہ ہم بھی دیکھ لیں کہ قوالی کیسی ہوتی ہے۔ پہلے تو سنجیدہ اور بڑی قوالی کا نمونہ دیکھیے:

؎ کیا چیز جو نہیں ہے خواجہ تیری گلی میں
دُنیا تیری گلی میں، عقبیٰ تیری گلی میں

سبحان اللہ! خواجہ کی گلی نہ ہوئی کوئی بہت بڑی گراؤنڈ ہوگئی جس میں دُنیا

---

[1] نیز فرمایا: لان یمتلی جوف الرجل قیحا خیر له من ان ینشد شعرًا۔ (مسند احمد صفحہ ۴۷/۳) ۔ (فیاض)

اور عقبیٰ ہر چیز سما گئی ہے بس جھوٹا تخیل ہے جس کو جتنا چاہو پھیلا لو۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ بڑے قوال تو اپنے فن کا مظاہرہ کر کے چلے گئے ہیں، اب چھوٹے قوال نئی سٹائل قوالی کا مظاہرہ کریں گے۔ اس کا بھی ایک نمونہ ہو جائے:

پہلے ایک قوال نے مصرعہ اٹھایا ؎ میرے سر کا تاج ہے جوتی پرانی آپ کی
اس کو دوسرے قوال نے مکمل کیا: مجنوں تھا بھانجا میرا اور لیلیٰ تھی نانی آپ کی

برصغیر میں کچھ عرصہ گزارنے والے ایک انگریز سے پوچھا گیا کہ تم نے اس ملک کی تہذیب و تمدن، رسم و رواج، گانے بجانے وغیرہ کا مطالعہ کیا ہے۔ بھلا یہ تو بتاؤ کہ تم نے قوالی کو کیا پایا ہے؟ وہ کہنے لگا کہ قوالی گانے کی ایک ایسی قسم ہے کہ جس میں بہت سے گانے والے مل کر گاتے ہیں مگر اس طریقے سے کہ گانے والا نہ تو اپنی بات دوسرے کو سنا سکتا ہے اور نہ دوسرا گانے والا اپنا کلام پہلے کو سنا سکتا ہے وجہ یہ ہے جب ایک قوال گا رہا ہوتا ہے تو دوسرا تالیاں بجا رہا ہوتا ہے۔ لہٰذا ایک قوال دوسرے کا کلام کیسے سن سکتا ہے؟

افسوس کا مقام تو یہ ہے کہ اہلِ بدعت قوالی سننا سنانا کارِ ثواب سمجھتے ہیں۔

حالانکہ شعر و شاعری کی بنیاد ہی محض تخیل پر ہے اور اس کا حقیقت سے عموماً کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اِلّا ماشاء اللہ۔ اسی لیے تو اللہ نے فرمایا کہ ہم نے اپنے نبی کو شاعری کا علم نہیں سکھایا اور نہ ہی یہ نبی کی شان کے مطابق ہے بعض لوگ قرآنِ پاک کے متعلق کہتے ہیں کہ اس کے جملوں میں شاعرانہ ربط پایا جاتا ہے مگر اللہ نے اس کی بھی صاف نفی فرما دی۔ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ (الحاقہ : ۴۱) یہ قرآن کسی شاعر کا کلام نہیں ہے یہ تو اللہ تعالیٰ کا اعلیٰ و ارفع کلام ہے جو انسانوں کی ہدایت کے لیے نازل کیا گیا بھلا شعر و شاعری کی اس سے کیا نسبت ہو سکتی ہے؟

البتہ اللہ تعالیٰ نے شعر و شاعری کی مطلقاً نفی نہیں فرمائی۔ چنانچہ سورۃ الشعراء کے آخر میں فرمایا کہ اکثر شعراء اور ان کا اتباع کرنے والے تو گمراہ لوگ ہی ہوتے ہیں۔ جو تخیلات کی ہر وادی میں گھوم جاتے ہیں اور ان کے قول و فعل میں تضاد ہوتا ہے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ البتہ اہلِ ایمان اور نیکو کار لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا کلام مبنی بر حق ہوتا ہے ایسے لوگوں کے کلام میں قوم و ملّت کے لیے نصیحت آموز باتیں بھی ہوتی ہیں۔ چنانچہ امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ کی روایت میں آتا ہے : اَلشِّعْرُ كَلَامٌ حَسَنُهٗ حَسَنٌ وَقَبِيْحُهٗ قَبِيْحٌ (جمع الوسائل ص۳۴ ج۲) شعر ایک ایسا کلام ہے جس کا اچّھا حصّہ اچّھا ہے اور بُرا حصّہ بُرا ہے۔ مطلب یہ ہے شاعری بذاتہٖ بُری چیز نہیں، البتہ اس کا استعمال جس طریقے پر ہوگا، اُسی طریقے پر اس کا نتیجہ ظاہر ہوگا۔ مسلم شریف میں کتاب الشعر کا باب[1] بھی موجود ہے ان احادیث میں بکثرت روایات موجود ہیں جن میں اچھے اشعار کی تعریف کی گئی ہے اور بُرے اشعار کی مذمت ہے۔

چنانچہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے صحابہؓ میں سے بعض اصحاب شاعری کو اچھے مقصد کے لیے استعمال کرتے تھے۔ عربی زبان تو شعر و شاعری میں حد کمال تک پہنچی ہوئی نظر آتی ہے جس میں قصیدے، غزلیں، قطعات، رباعیات، غرضیکہ ہر قسم کی اصناف موجود ہیں عربی کے بعض دیوان تو دروس میں بھی پڑھائے جاتے ہیں مگر ان میں سے بد اخلاقی اور محض عشق و محبت کی باتوں کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ ہیروں کے ایک ڈھیر میں کہیں گوبر کا ایک آدھ ڈھیلا بھی آگیا ہو جسے نکال دیا جائے۔ بہرحال زبان کے اعتبار سے عربی میں بڑی اچھی اچھی باتیں ملتی ہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ کہا کرتے تھے کہ قرآن و حدیث کو سمجھنے کے لیے عَلَيْكُمْ بِالدِّيْوَانِ الْعَرَبِ عربوں کے دیوان سے استعانت پکڑو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک ان کی زبان میں نازل فرمایا ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر مشکل الفاظ اور محاورات کو سمجھنے کے لیے عربوں میں مروّج اصطلاحات سے استفادہ کرنا پڑتا ہے۔

فارسی زبان میں شیخ (مصلح الدین سعدی شیرازی، المتوفی ۶۹۱ھ) نے پند و نصائح کے سلسلہ میں اچھا کلام کیا ہے بوستان میں۔ مولانا (جلال الدین) رومیؒ (المتوفی ۶۷۲ھ) نے شعر و شاعری کے ذریعے بڑی اچھی باتیں کی ہیں۔ ہمارا قومی شاعر اقبال

[1] نیز حضور علیہ السّلام نے ارشاد فرمایا : اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حِكْمَةً۔ (دارمی ص۲۹۷ ج۲) (فیاض)

(المتوفی ۱۹۳۸ء) ہے جس نے اردو اور فارسی زبان میں مسلم قومیت کو خواب غفلت سے جگانے کی کوشش کی ہے خودی کے فلسفہ پر ڈاکٹر اقبال نے نہایت اچھا کلام کیا ہے وہ خود فلسفی تھا لہٰذا اس کے شاعرانہ کلام میں بڑی اچھی اچھی باتیں ہیں، اس نے مسلمانوں کے زوال کا رونا رویا ہے اور پھر انھیں اپنا اصل مقام حاصل کرنے کی ترغیب دی ہے۔ شعر و شاعری میں بعض فضولیات کا آجانا بھی شاعری کا خاصہ ہے جس کو نظر انداز کر دینا چاہیے۔

ان تمام حقائق کے پیش نظر شاہ ولی اللہؒ (المتوفی ۱۱۷۶ھ) فنِ شعر کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں۔ اَصْوَاتٌ مُقَطَّعَةٌ بِاَزَامِ مَعَانٍ مُتَنَوِّعَةٍ (تفہیمات) کہ یہ موزون آوازیں ہوتی ہیں جو طرح طرح کے معانی پر مشتمل ہوتی ہیں۔ بعض علماء نے شعر کی تعریف یوں کی ہے۔ کَلَامٌ مَوْزُوْنٌ مُقَفًّی قَصْدًا شعر ایک ایسا موزوں کلام ہوتا ہے جسے ارادتاً قافیہ ردیف کے ساتھ موزون کیا جاتا ہے۔ یہاں پر قصداً کا لفظ معنی خیز ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شعر وہ کلام کہلائے گا جو ارادے کے ساتھ موزوں کیا گیا ہو۔ اگر کوئی کلام بغیر ارادے کے شعر کی طرز پر موزوں ہو جائے تو وہ شعر نہیں ہوگا۔ چنانچہ قرآنِ پاک کی بہت سی آیات شعر کے طریقے پر موزوں ہیں یا حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے بعض کلمات پر شعر کا گمان ہوتا ہے مگر وہ شعر نہیں ہوں گے کیونکہ وہ بلا ارادہ موزوں ہو گئے ہیں۔ احمد بن فارس[1] جو لغت اور ادبیات کے بڑے امام ہیں، وہ شعر کی تعریف اسی طرح کرتے ہیں، کَلَامٌ مَوْزُوْنٌ مُقَفًّی وَیَکُوْنُ اَکْثَرُ مِنْ بَیْتٍ دَلَّ عَلٰی مَعْنًی شعر ایک سے زیادہ مصرعوں پر مشتمل قافیہ اور ردیف وغیرہ کے ساتھ موزوں کلام کا نام ہے جو کسی معنی پر دلالت کرتا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ صرف ایک مصرعہ شعر نہیں کہلائے گا بلکہ ایک سے زیادہ دو، تین، چار، چھ مصرعوں پر مشتمل شعر، رباعی یا مسدّس وغیرہ کہلاتی ہیں جو شعر کی مختلف اصناف و اقسام ہیں۔

---

[1] احمد بن فارس فی کتابہ الصاحبی ص۲۲۹ فی فقہ اللغۃ وسنن العرب فی کلامہا۔ (فیاض)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں اپنی زبان مبارک سے قصداً کوئی شعر نہیں کہا کیونکہ یہ ایک ایسا علم ہے جو اللہ کے نبی کے شایان شان ہی نہیں۔ البتہ آپ نے دوسروں کے بعض اشعار بطور استشہاد اپنی زبان مبارک سے وقتاً فوقتاً ادا کیے ہیں۔ آپ کسی شاعر کا مکمل شعر یا اس کا ایک حصہ بعض اوقات ذکر کر دیتے تھے جیسا کہ آمدہ روایات سے ثابت ہوتا ہے۔

درس ۔ ۳۵　　　　حدیث ۔ ۱

حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا شَرِیْکٌ عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ شُرَیْحٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قِیْلَ لَهَا هَلْ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَتَمَثَّلُ بِشَیْءٍ مِّنَ الشِّعْرِ قَالَتْ کَانَ یَتَمَثَّلُ بِشِعْرِ ابْنِ رَوَاحَةَ وَ یَتَمَثَّلُ وَیَقُوْلُ وَیَاْتِیْکَ بِالْاَخْبَارِ مَنْ لَّمْ تُزَوِّدِ۔[۱]

(ترمذی مع شمائل ص۵۸۶)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث علی بن حجر نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے شریک نے بیان کیا۔ انھوں نے یہ روایت مقداد بن شریح سے ان کے باپ[۱] کے واسطہ سے بیان کی۔ انھوں نے یہ حدیث امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت کی۔ وہ کہتی ہیں کہ کسی نے اُن سے پوچھا، کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی شعر بھی پڑھ لیا کرتے تھے؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہاں آپ کبھی عبداللہ بن رواحہؓ کا شعر پڑھ لیتے تھے، اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اس کلام کو بھی بطور تمثل پڑھ لیا کرتے تھے۔ تیرے پاس وہ شخص بھی خبریں لے کر آئے گا جسے تو نے کوئی زادِ راہ نہیں دیا۔"

حضور علیہ السّلام کا شعر پڑھنا | جیسا کہ متنِ حدیث سے ظاہر ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے حضور علیہ الصّلوٰۃ

---

[۱] شریح بن ہانی الکوفی ان کے والد ہانی کی کنیت حضورؐ نے ابوشریح رکھی تھی۔ من اصحاب علیؓ ادرکؓ زمن النبیؐ وقتل مع ابی بکرۃ بسجستان۔ (فیاض)

والسلام کی شعر خوانی کے متعلق دریافت کیا گیا تو انھوں نے بتایا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی کسی شاعر کا ایک آدھ مصرعہ یا شعر اپنی زبان مبارک سے بطور تمثل ادا فرما لیتے تھے۔ اس ضمن میں امّ المؤمنینؓ نے حضرت عبداللہؓ بن رواحہؓ (الخزاجیؓ) کا نام لیا ہے جو کہ انصار مدینہ میں سے آپ کے عظیم المرتبت صحابی اور قدیم الاسلام مسلمان ہیں۔ یہ صحابی رسول حضورؐ کی زندگی میں ہی جنگِ موتہ (۸ھ) میں لشکرِ اسلام کی قیادت کرتے ہوئے شہید ہو گئے تھے۔

امّ المؤمنین کہتی ہیں: وَ یَتَمَثَّلُ وَیَقُوْلُ "وَیَاْتِیْكَ بِالْاَخْبَارِ مَنْ لَّمْ تُزَوِّدِ"۔ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کبھی کبھی یہ مصرعہ بھی زبانِ مبارک پر لے آیا کرتے تھے: "تیرے پاس کوئی ایسا شخص خبریں لے کر آئے گا جس کو تُو نے اس کام کے لیے کوئی معاوضہ بھی نہیں دیا"۔ حدیث کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ مصرعہ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کا ہے۔ چونکہ آپ کو یہ کلام بہت پسند تھا اس لیے آپ اسے تمثیل کے طور پر کبھی کبھی پڑھ لیا کرتے تھے مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ مصرعہ عبداللہ بن رواحہؓ کا نہیں ہے بلکہ زمانہ جاہلیت کے ایک مشہور شاعر طرفہ ابن عبد (اسمہٗ عمرو) کا ہے جو کہ عربی ادب کی مشہور کتاب "سبعہ معلقہ" میں معلقہ ۲ پر اسی شاعر کے نام سے موجود ہے پورا شعر اس طرح ہے:

ع سَتُبْدِیْ لَكَ الْاَیَّامُ مَا كُنْتَ جَاهِلًا
وَیَاْتِیْكَ بِالْاَخْبَارِ مَنْ لَّمْ تُزَوِّدِ

عنقریب تیرے سامنے زمانہ ایسے حالات بیان کرے گا جو اس وقت تیرے علم میں نہیں ہیں اور تمھارے پاس خبریں لے کر وہ آدمی آئے گا جسے تو نے زادِ راہ بھی نہیں دیا۔

پہلے زمانے میں جب وسائل رسل و رسائل بہت کم تھے، اُس وقت کسی آدمی کو اپنے کسی عزیز کے حالات معلوم کرنا ہوتے تھے یا کسی قسم کی خبر مطلوب ہوتی تھی

ؔ ۱ سنہ ھ میں آپ نے اسلام قبول کیا اور فتح مکہ کے علاوہ تمام جنگوں میں بھی شریک رہے۔ (فیاض)

تو وہ بڑا تکلیف دہ اور کٹھن سفر کر کے اپنا مسئلہ حل کر پاتا تھا یا پھر وہ کسی قاصد کو اس مقصد کے لیے بھیجتا جس کا زادِ راہ یعنی سواری اور راستے کا خرچہ بھیجنے والے کے ذمہ ہوتا تھا۔ گویا اُس زمانہ میں کسی کی خبر معلوم کرنا کوئی آسان کام نہ تھا بلکہ اس کے لیے وقت، مشقت اور خرچہ کی ضرورت ہوتی تھی۔ اس کے برخلاف اس شعر میں یہ پیشین گوئی کی گئی ہے کہ ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے جس میں بغیر کسی مشقت اور زادِ راہ کے خبریں معلوم ہوجایا کریں گی۔

اس شعر کا مفہوم بڑا وسیع ہے اگر اس کو موجودہ زمانے پر منطبق کیا جائے تو بالکل صادق آتا ہے ہم آج دیکھ رہے ہیں کہ دنیا بھر میں پیش آنے والے واقعات جاننے کے لیے کوئی تکلیف نہیں کرنا پڑتی اور نہ کسی خرچہ کی ضرورت ہوتی ہے یہ مسئلہ بہت حد تک تو ٹیلی فون کی ایجاد نے حل کر دیا تھا جس کے ذریعے گھر بیٹھے سینکڑوں میل دُور عزیز و اقارب سے بالمشافہ گفتگو ہوسکتی ہے اور منڈیوں کے ساتھ کاروباری معاملات طے ہوجاتے ہیں مگر اب ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ذریعے دُنیا کے کسی بھی گوشے میں پیش آنے والے واقعہ کی خبر فوری طور پر معلوم ہوجاتی ہے حتیٰ کہ اہم جلسے جلوسوں کی کارروائی یا کھیلے جانے والے کھیل براہِ راست دیکھے جاسکتے ہیں اور ان کی کارروائی سُنی جاسکتی ہے۔ طرفہ بن عبد کا یہ شعر اس لحاظ سے بالکل حقیقت پر مبنی نظر آتا ہے۔ چنانچہ اس شعر کے مخاطبین ہر زمانے کے لوگ ہوسکتے ہیں جو اس شاعر کے ہم عصر تھے یا بعد میں آرہے ہیں۔

اس کے علاوہ یہ شعر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی ذاتِ مبارکہ پر بھی صادق آتا ہے۔ اُس زمانے میں لوگ غیب کی خبریں معلوم کرنے کے لیے کاہنوں کے پاس جایا کرتے تھے جو اپنی فیس لے کر جھوٹی موٹی خبریں بتا دیا کرتے تھے۔ جب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام دنیا میں تشریف لے آئے تو آپ نے بلا معاوضہ عالمِ بالا، جنت اور دوزخ، گزشتہ اقوام کے واقعات اور آئندہ پیش آنے والے واقعات کی پیشین گوئیاں بتلانا شروع کر دیں۔ اس لحاظ سے بھی یہ شعر بالکل صحیح ہے کہ

عنقریب اللہ کا آخری نبی مبعوث ہونے والا ہے جو تمھیں بلا معاوضہ ہر قسم کی خبریں مہیّا کر دیا کرے گا۔ چونکہ یہ شعر مبنی بر حقیقت ہے لہٰذا اللہ کے نبی کبھی کبھی اسکے الفاظ اپنی زبانِ مبارک سے بھی ادا کیا کرتے تھے۔ الغرض! اس روایت کا مفہوم یہ ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم خود تو شعر گوئی نہیں کرتے تھے، البتہ عبداللہ بن رواحہ رض کے بعض اچھے اشعار یا طرفہ بن عبد کا مذکورہ شعر کبھی کبھی پڑھ لیا کرتے تھے۔

درس : ۳۵
حدیث - ۲

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ حَدَّثَنَا اَبُوْسَلَمَةَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَصْدَقَ كَلِمَةٍ قَالَهَا الشَّاعِرُ كَلِمَةُ لَبِيْدٍ ۔ اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهِ بَاطِلٌ ـــــ وَكَادَ اُمَيَّةُ بْنُ اَبِي الصَّلْتِ اَنْ يُّسْلِمَ ۔

(ترمذی مع شمائل صـ۵۸۶)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت محمد بن بشار نے بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے عبدالرحمٰن بن مہدی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت سفیان نے عبدالملک بن عمیر کے واسطہ سے بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے ابوسلمہ نے صحابی رسول حضرت ابوہریرہؓ سے سُن کر بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے زیادہ سچا کلمہ جو کسی شاعر نے کہا ہے وہ لبید بن ربیعہ کا یہ کلمہ ہے :

خبردار ! اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز باطل یعنی فانی ہے۔
اور قریب تھا کہ امیہ بن ابی الصلت اسلام قبول کر لیتا۔"

لبید بن ربیعہ کی حق گوئی

اس روایت میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لبید (ابنِ ربیعہ العامری، المتوفی ۴۱ھ) شاعر کے ایک شعر کی تعریف کی ہے۔ جسے آپ کبھی کبھی اپنی زبانِ مبارک سے بھی پڑھ لیا کرتے تھے۔ لبید زمانہ جاہلیت کے بہت بڑے شاعر تھے۔ عربی ادب کی مشہور کتاب

سبعہ معلقہ میں چوتھا قصیدہ[1] انھی کا ہے ۔ انھوں نے نوے سال زمانہ جاہلیت میں گزارے پھر اللہ نے ایمان لانے کی توفیق بخشی تو مزید پچاس سال تک زندہ رہ کر اسلام کی خدمت میں گزار دیے ۔ زمانہ جاہلیت میں تو یہ اُونچے درجے کے شاعر تھے مگر اسلام لانے کے بعد شعر کہنا ترک کر دیا اور تلاوت قرآن میں مصروف رہتے ۔ لبید کہا کرتے تھے کہ اب میرے لیے شعر و شاعری کی بجائے قرآن کی سورۃ بقرہ ہی کافی ہے ۔ ان کا جو کلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند تھا اس کا ایک مصرعہ متنِ حدیث میں آگیا ہے اور مکمل شعر اس طرح ہے :

اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰہِ بَاطِلُ
وَکُلُّ نَعِیْمٍ لَا مُحَالَۃَ زَائِلُ
نَعِیْمُکَ فِی الدُّنْیَا غُرُوْرٌ وَّحَسْرَۃٌ
وَاَنْتَ قَرِیْبًا عَنْ مَقِیْلِکَ رَاحِلُ

ترجمہ : "خبردار ! دنیا کی ہر چیز سوائے ذاتِ خداوندی کے فانی ہے اور بلاشبہ ہر نعمت ختم ہو جانے والی ہے ۔ دنیا کی تمام نعمتیں دھوکے اور حسرت کے سوا کچھ نہیں ہیں ، اور تو عنقریب اس فانی جہاں سے کوچ کرنے والا ہے ۔"

چونکہ اس شعر میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کے ازلی ابدی ہونے کا اقرار ہے اور دنیا کی بے ثباتی کا ذکر کیا گیا ہے ۔ اس لیے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو یہ شعر بہت پسند تھا ۔ یہ شعر اللہ کے اس فرمان کے عین مطابق ہے ۔ کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ ○ وَّیَبْقٰی وَجْہُ رَبِّکَ ذُوالْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ ○ (الرحمٰن ۲۶/۲۷) اس زمین کی ہر چیز فنا ہو جانے والی ہے جب کہ باقی رہنے والی صرف اللہ تعالیٰ کی ذاتِ بابرکات ہی ہے ۔ نیز یہ شعر آیت کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ (ہر چیز فانی ہونے والی ہے صرف اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس قائم دائم ہے)

[1] یہ قصیدہ کعبۃ اللہ کے ساتھ لٹکایا گیا تھا ۔ (فیاض)

کے عین مطابق ہے۔

امیہ بن ابی صلت

اس حدیث میں امیہ بن ابی صلت کا تذکرہ بھی ہے۔ وَکَادَ أُمَيَّةُ بْنُ أَبِي الصَّلْتِ أَنْ يُسْلِمَ اور قریب تھا کہ یہ شخص بھی اسلام لے آتا۔ یہ آدمی[۱] طائف کے رہنے والے قبیلہ ثقیف کا فرد تھا۔ اپنے زمانے کا بہت بڑا شاعر تھا۔ اس نے مختلف مذاہب کا مطالعہ کیا تھا اور ہمیشہ حق کی تلاش میں رہتا تھا۔ اس کے کلام میں توحید اور قیامت کا تصوّر بھی ملتا ہے مگر جب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے نبوت کا اعلان کیا تو یہ حسد میں آگیا، اس اس پر شقاوت غالب آگئی اور کہنے لگا کہ نبوت کا حق دار تو میں تھا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ منصب کیسے مل گیا؟ پھر اس نے جنگ بدر میں قتل ہونے والے کفار کا مرثیہ بھی کہا تھا۔ بہر حال یہ شخص ایمان کی دولت سے محروم گیا مگر اس کا کلام نہایت اچھا تھا۔ اسی لیے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا کہ قریب تھا کہ امیہ بن ابی الصّلت اسلام قبول کر لیتا مگر وہ اس کی قسمت میں نہ ہو سکا۔

---

[۱] امیّہ بن ابی الصّلت بن ابی ربیعہ بن عوف الثقفی، اس نے ۸ھ یا ۹ھ میں وفات پائی۔ (فیاض)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی قَالَ اَنْبَاَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْاَسْوَدِ بْنِ قَيْسٍ عَنْ جُنْدُبِ بْنِ سُفْيَانَ الْبَجَلِيِّ قَالَ اَصَابَ حَجَرٌ اِصْبَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدُمِيَتْ فَقَالَ هَلْ اَنْتِ اِلَّا اِصْبَعٌ دَمِيْتِ وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَا لَقِيْتِ ۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۸٦)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت محمد بن مثنیٰ نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اس کی خبر محمد بن جعفرؒ نے دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے شعبہ نے اسود بن قیس کے واسطہ سے بیان کیا۔ انھوں نے یہ روایت جندب بن سفیان بجلیؓ سے نقل کی۔ وہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلی پر پتھر سے چوٹ لگ گئی جس کی وجہ سے انگلی خون آلود ہو گئی۔ اس موقع پر آپ نے فرمایا: تو ایک انگلی ہے جو خون آلود ہو گئی ہے اور تجھے یہ تکلیف اللہ کے راستے میں آئی ہے۔"

تشریح حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی انگلی مبارک کے زخمی ہونے کا واقعہ غزوۂ خندق (۵ھ) کے موقع پر خندق کھودتے ہوئے پیش آیا تھا، یا یہ کسی دوسرے غزوہ[1] کا واقعہ ہے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے یہ الفاظ بالکل شعر کا نمونہ ہیں، حالانکہ اللہ کا فرمان یہ ہے کہ ہم نے اپنے نبی کو شعر کا علم نہیں سکھایا۔ کیونکہ یہ

---

[1] قال الکرمانی وجمهور المحدثين كان ذٰلك فی غزوة احد وعند البعض غير ذٰلك۔ (فیاض)

اُس کی شان کے مطابق نہیں ہے۔ شارحین کرام اس اشکال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے مذکورہ کلمات بلا قصد آپ کی زبان مبارک پر جاری ہو گئے تھے وگرنہ آپ نے ارادتاً ان الفاظ کو شعر کی صورت میں نہیں ڈھالا تھا اور جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ محققین نے شعر اس کلام کو تسلیم کیا ہے جو قصداً شعر کی صورت میں بولا جائے۔ چونکہ یہ کلمات حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے بلا قصدِ شعر ادا فرمائے تھے لہٰذا ان پر شعر کا اطلاق نہیں ہوتا، اور اللہ تعالیٰ کا فرمان بالکل برحق ہے کہ اُس نے اپنے نبی کو شعر و شاعری کا علم نہیں سکھایا۔

بعض کہتے ہیں کہ یہ کلمات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں بلکہ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ (یا ولید بن الولید بن المغیرہ) کے ہیں اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ان کو اپنی زبان سے ادا کیا تھا۔ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الْاَسْوَدِ بْنِ قَيْسٍ عَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْبَجَلِيِّ نَحْوَهٗ

امام ترمذیؒ نے اس حدیث کی دوسری سند اس طرح بیان کی ہے کہ ہمارے پاس یہ روایت ابن ابی عمر نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے سفیان بن عیینہ نے اسود بن قیس کے واسطہ سے بیان کیا اور انھوں نے یہ روایت جندب بن عبداللہ بجلیؓ سے نقل کی جس کا مضمون پہلی روایت کے ہم معنی ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحٰقَ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ لَهُ رَجُلٌ أَفَرَرْتُمْ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَا عُمَارَةَ فَقَالَ لَا وَاللّٰهِ مَا وَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلٰكِنْ سَرَعَانُ النَّاسِ تَلَقَّتْهُمْ هَوَازِنُ بِالنَّبْلِ وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى بَغْلَتِهٖ وَأَبُو سُفْيَانُ بْنُ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ آخِذٌ بِلِجَامِهَا وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ:

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

(ترمذی مع شمائل ص۵۸۶)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت محمد بن بشار نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے یحیٰی بن سعید نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت سفیان ثوری نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے ابواسحٰق نے براء بن عازب کے واسطہ سے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے ان سے دریافت کیا، اے ابوعمارہؓ! کیا تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ انھوں نے جواب دیا، نہیں اللہ کی قسم، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو نہیں پیچھے ہٹے، بلکہ بعض جلد باز مجاہدوں نے قبیلہ ہوازن کی تیر اندازی کی وجہ سے منہ پھیر لیا تھا۔ حضور

علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اپنے خچر[1] پر سوار تھے اور ابوسفیان[2] بن الحارث بن عبدالمطلب نے خچر کی لگام پکڑ رکھی تھی۔ اس وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہہ رہے تھے:

"مَیں اللہ کا نبی ہوں، اس میں کوئی جھوٹ نہیں، مَیں عبدالمطلب کا بیٹا (پوتا) ہوں"

اللہ کے نبیؐ کا کلمۂ حق

اس روایت میں غزوۂ حنین ۸ھ کے موقع پر پیش آنے والے واقعہ کی طرف اشارہ ہے جس میں مسلمان سخت آزمائش میں مبتلا ہو گئے تھے۔ یہ ایسا وقت تھا جب بیشتر مسلمان میدانِ جنگ سے منہ پھیر چکے تھے۔ صرف خلفاء راشدینؓ سمیت تقریباً ایک سو آدمی میدان جنگ میں ثابت قدم رہے تھے اور خود حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سب سے آگے ایک خچر پر سوار تھے جس کی مہار آپ کے چچازاد بھائی ابوسفیان بن الحارثؓ نے پکڑ رکھی تھی۔ اس حدیث کے راوی حضرت براء بن عازبؓ (المتوفی ۷۲ھ) پورے وثوق کے ساتھ کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم اللہ کے رسول اس موقع پر ہرگز نہیں بھاگے تھے۔ بلکہ بعض جلد باز لوگوں نے میدانِ جنگ سے منہ پھیر لیا تھا۔ اس افراتفری کے عالم میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام چند صحابہ کی معیت میں دشمنوں کی طرف بڑھے اور زبان سے یہ کلمۂ حق ادا فرمایا:

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ   أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

بلاشبہ مَیں اللہ کا رسول اور عبدالمطلب کا بیٹا (پوتا) ہوں۔

مطلب یہ تھا کہ دشمنوں کے نرغے میں آنے کے باوجود اپنے مشن کی تکمیل

---

[1] یہ خچر سفید رنگ کا تھا جو کہ مقوقس والیٔ مصر نے آپ کو ہدیہ دیا تھا اس کو دُلدل کہا جاتا تھا، یہ حضرت معاویہؓ کے زمانہ خلافت میں فوت ہوا۔ آپ کا ایک اور خچر بھی تھا جس کو فضہ کہا جاتا تھا اور ایک گدھا بھی تھا جس کا نام یعفور تھا اس گدھے نے حضورؐ کی وفات کے دن ایک کنویں میں چھلانگ لگا دی تھی اور مر گیا تھا۔ [2] ان کا نام بعض نے مغیرہ لکھا ہے یہ حضورؐ کے رضاعی بھائی بھی ہیں۔ (فیاض)

کے لیے آگے بڑھتا رہوں گا۔ چنانچہ آپ نے بھاگتے ہوئے مجاہدوں کو ان کے نام لے لے کر پکارا جس سے ان کو کچھ حوصلہ ہوا اور وہ پیچھے کو مڑنا شروع ہو گئے اور دوبارہ گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خچر سے نیچے اتر کر مٹی کی مٹھی اپنے ہاتھ میں لے کر شَاهَتِ الْوُجُوهُ کہتے ہوئے دشمنوں کی طرف پھینکی۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت مسلمانوں کی خاص مدد فرمائی اور کافر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس طرح اہلِ ایمان کو اس جنگ میں بھی مکمل فتح حاصل ہو گئی۔

دراصل فتح مکہ کے بعد حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے مدینہ روانگی سے قبل حنین کو فتح کرنے کا منصوبہ بھی بنایا۔ چنانچہ مدینہ سے آنے والے دس ہزار صحابہؓ کے علاوہ مکہ کے بہت سے نومسلم بھی اس لشکر میں شریک ہو گئے۔ مسلمانوں کو گمان پیدا ہو گیا کہ جب مکہ فتح کرتے وقت ہماری کسی نے مزاحمت نہیں کی تو حنین کی فتح تو معمولی بات ہے جب کہ سپاہی بھی زیادہ ہیں مگر اللہ تعالیٰ کو مسلمانوں کی اصلاح مطلوب تھی۔

کہتے ہیں کہ جب اہلِ اسلام کا لشکر دو پہاڑوں کے درمیان تنگ گھاٹی سے گزر رہا تھا تو کافروں کے قبیلہ ہوازن کے تجربہ کار تیر اندازوں نے یکبارگی لشکر اسلام پر تیروں کی بارش کر دی جس کی وجہ سے مسلمانوں میں افراتفری پھیل گئی اور ان میں سے بیشتر بھاگ نکلے۔ ایک اور روایت کے مطابق میدانِ جنگ میں مسلمانوں کو ابتدائی طور پر کامیابی بھی حاصل ہوئی مگر جب مسلمانوں نے مالِ غنیمت جمع کرنا شروع کر دیا تو کافروں کے تیر اندازوں نے ان پر یکبارگی تیروں کی بوچھاڑ کر دی جس کی وجہ سے مسلمان تتر بتر ہو گئے اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ساتھ بہت کم ساتھی باقی رہ گئے۔ اس وقت آپ نے یہ کلمات ادا کیے:

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ   أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

اور روایت کا یہی حصہ ترجمۃ الباب سے تعلق رکھتا ہے۔

اس موقع پر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اپنے آپ کو عبدالمطلب کا بیٹا کہا ہے حالانکہ آپ تو ان کے پوتے تھے۔ شارحین کرام اس کی وجہ یہ بتلاتے ہیں کہ حضور

علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے باپ حضرت عبداللہ کی نسبت آپ کے دادا عبدالمطلب زیادہ مشہور و معروف آدمی تھے اور سردارانِ مکہ میں سے تھے۔ جب ابرہہ نے ہاتھیوں کے ساتھ مکہؓ پر حملہ کیا تھا تو اس نے ابتدائی بات چیت سردارِ مکہ عبدالمطلب کے ساتھ ہی کی تھی اور پھر مکہ پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ ویسے بھی سرزمین عرب میں مشہور تھا کہ عبدالمطلب کی اولاد میں سے ایک شخص سردار ہوگا۔

درس - ۳۶ حدیث - ۵

حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ اَنْبَاَنَا ثَابِتٌ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ مَكَّةَ فِيْ عُمْرَةِ الْقَضَاءِ وَابْنُ رَوَاحَةَ يَمْشِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُوَ يَقُوْلُ:

خَلُّوْا بَنِي الْكُفَّارِ عَنْ سَبِيْلِهٖ

اَلْيَوْمَ نَضْرِبْكُمْ عَلٰى تَنْزِيْلِهٖ

ضَرْبًا يُزِيْلُ الْهَامَ عَنْ مَقِيْلِهٖ

وَيُذْهِلُ الْخَلِيْلَ عَنْ خَلِيْلِهٖ

فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ يَا ابْنَ رَوَاحَةَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِيْ حَرَمِ اللّٰهِ تَعَالٰى تَقُوْلُ شِعْرًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَلِّ عَنْهُ يَا عُمَرُ فَلَهِيَ اَسْرَعُ فِيْهِمْ مِنْ نَضْحِ النَّبْلِ ۔ (ترمذی مع شمائل صـ۵۸۶)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت اسحٰق بن منصور نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے عبدالرزاق نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے جعفر بن سلیمان نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت ثابت نے حضرت انسؓ کی وساطت سے بیان کی وہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ قضاء کے موقع پر مکہ شہر میں داخل ہوئے تو حضرت عبداللہ

بن رواحہؓ آپکے آگے آگے چل کر یہ اشعار پڑھ رہے تھے :۔

اے فرزندانِ کفار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ چھوڑ دو

آج کے دن ہم تمھیں اُس کی تنزیل کے مطابق ماریں گے

ایسی مار جو کھوپڑیوں کو اُن کے ٹھکانوں سے جُدا کر دے گی،

اور دوست اپنے دوست کو فراموش کر دے گا۔

حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت عبد اللہ بن رواحہؓ سے کہا، اے ابن رواحہؓ ! آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حرم کی سرزمین پر ایسے شعر پڑھ رہے ہیں۔ اس پر نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا، اے عمرؓ ! اس کو چھوڑ دو یعنی پڑھنے دو، کفار کیلیے یہ اشعار تیروں کے نشانوں پر لگنے سے بھی جلدی اثر کرنے والے ہیں ۔"

تشریح اس روایت میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد اللہ بن رواحہؓ کے اشعار کی تعریف فرمائی ہے جو انھوں نے عمرہ قضاء کے موقع پر شہر مکہ میں داخل ہوتے وقت پڑھے تھے۔ پہلی دفعہ ۶ھ میں مدینہ سے مسلمانوں کی ایک جماعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیّت میں عمرہ کی ادائیگی کے لیے مکہ مکرمہ کے لیے روانہ ہوئی، مگر کفار مکہ نے انھیں حدیبیہ کے مقام پر شہر مکہ سے دس میل باہر ہی روک لیا اور عمرہ کی ادائیگی کی اجازت نہ دی۔ اس موقع پر مسلمانوں اور کافروں کے درمیان گفت وشنید کے بعد ایک معاہدہ ہوا جس میں طے پایا کہ اس سال مسلمان بغیر عمرہ ادا کیے واپس چلے جائیں گے، البتہ وہ اگلے سال آکر عمرہ ادا کر سکیں گے مگر مکہ میں تین دن سے زیادہ ٹھہرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ اس معاہدہ کی یہ شرط اور دیگر شرائط بھی بظاہر مسلمانوں کے حق میں نہیں تھیں مگر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ان شرائط کو منظور کر لیا اور اس طرح تاریخ کا ایک نہایت ہی اہم معاہدہ طے پایا جو صلح حدیبیہ کے نام سے معروف ہے۔ اس معاہدہ کے مطابق مسلمان واپس چلے گئے اور اگلے

سال ۷ھ میں عمرہ قضاء کے لیے دوبارہ مکہ مکرمہ آئے۔ اس روایت میں مذکورہ اشعار حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے اسی موقع پر شہر میں داخل ہوتے وقت پڑھے تھے۔ آپ مسلمانوں کی جماعت کے آگے آگے یہ اشعار پڑھتے ہوئے شہر میں جا رہے تھے۔

اس زمانے میں اس قسم کی اشعار خوانی کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ جنگ کے موقع پر یا کسی ایسے ہی اہم موقع پر اس قسم کی شعر بازی اور تقاریر کے مقابلے ہوتے تھے۔ چنانچہ تاریخ اور احادیث میں اس قسم کے مقابلوں کے کئی واقعات ملتے ہیں حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کے اشعار کافروں کے دلوں پر چوٹ لگانے کے لیے کافی تھے اسی لیے جب حضرت عمرؓ نے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کی توجہ اس طرف دلائی کہ آپ حرم کی سرزمین میں جہاں کسی مکھی مچھر تک کو ایذا نہیں پہنچائی جا سکتی۔ خودرَو گھاس اور درخت وغیرہ نہیں کاٹے جا سکتے، کسی جانور کا شکار نہیں کیا سکتا آپ اس قسم کے اشتعال انگیز کلمات کہہ رہے ہیں، اور وہ بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں جن پر قرآن نازل ہو رہا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کے شارح اور اس کو نافذ کرنے والے ہیں۔ بیشتر اس کے کہ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ حضرت عمرؓ کو کوئی جواب دیتے۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان اشعار کی اس موقع پر خواندگی کو پسند فرمایا اور حضرت عمرؓ کو جواب دیا کہ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو مت روکو کیونکہ یہ ایسا کلام ہے جو کفارِ مکہ کو تیروں کی بارش سے بھی جلدی گھائل کر رہا ہے[1] مطلب یہ کہ ہمارا مقصد اس وقت کفار کو مغلوب کرنا ہے۔ لہٰذا عبداللہ بن رواحہؓ کو یہ اشعار پڑھ کر اپنا دل ٹھنڈا کر لینے دو۔

اَلْيَوْمَ نَضْرِبْكُمْ عَلٰى تَنْزِيْلِهٖ میں ہ کی ضمیر اگر اللہ تعالیٰ کی طرف

---

[1] جراحات السنان لها التيام ولا يلتام ما جرح اللسان
زخم نیزہ بہ گردد بدارد ولیک زخم زبان رانیست دارد (فیاض)

لوٹائی جائے تو اس کا مطلب ہو گا کہ آج ہم تمھیں اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حکم کے مطابق ماریں گے اور ہٖ کی ضمیر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی طرف بھی ہو سکتی ہے اس صورت میں تَنْزِیْلِہٖ کا مطلب یہ ہو گا کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے مکہ میں نزول کی وجہ سے ہم تمھیں ماریں گے جہاں سے تم نے انھیں ہجرت پر مجبور کر دیا تھا۔

اشعار کی سختی واضح ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ہم معاہدہ کے مطابق عمرہ کی ادائیگی کے لیے آئے ہیں۔ اگر آج تم نے ہمارا راستہ روکنے کی کوشش کی تو پھر تمھیں ایسی کاری ضرب لگائیں گے جس سے تمھاری گردنوں کو تن سے جدا کر دیں گے اور یہ ایسا وقت ہو گا جب تمھارے دوست بھی ایک دوسرے کو بھول جائیں گے یعنی تمھارے اندر ایسی افراتفری پیدا ہو جائے گی۔

حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ حُجْرٍ اَنْبَأَنَا شَرِیْكٌ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ جَالَسْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَکْثَرَ مِنْ مِائَةِ مَرَّةٍ وَّکَانَ اَصْحَابُهٗ یَتَنَاشَدُوْنَ الشِّعْرَ وَیَتَذَاکَرُوْنَ اَشْیَاءَ مِنْ اَمْرِ الْجَاهِلِیَّةِ وَهُوَ سَاکِتٌ وَرُبَّمَا تَبَسَّمَ مَعَهُمْ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۸۶)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث علی بن حجر نے بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اس کی شریک نے سماک بن حرب کے واسطہ سے خبر دی ۔ انھوں نے یہ روایت صحابی رسول حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے سوؔ سے زیادہ مرتبہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی مجلس میں شریک ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے صحابہ کرامؓ اشعار بھی پڑھا کرتے تھے اور زمانہ جاہلیت کی بعض باتوں کا تذکرہ بھی کیا کرتے تھے ایسے مواقع پر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اکثر خاموش رہتے تھے ، اور بعض باتوں پر تبسّم بھی فرما دیتے تھے۔"

تشریح: اس روایت میں حضرت جابر بن سمرہؓ نے خود اپنا مشاہدہ بیان کیا ہے کہ وہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے مجالس میں سو سے زیادہ دفعہ شامل ہوئے ہیں اور ان مجالس میں انھوں نے بعض صحابہ کرامؓ کو شعر پڑھتے اور زمانہ جاہلیت کے بعض واقعات ذکر کرتے ہوئے بھی سُنا ہے ۔ ایسی مجالس میں

[1] المتوفی ۷۳، ۷۴، ۷۵، یا ۷۶ھ (فیاض)

خود اللہ کے نبی بھی لوگوں کی شعر و شاعری اور زمانہ جاہلیت کے بعض واقعات سے محظوظ ہوتے تھے اور کبھی کبھی مسکرا بھی پڑتے تھے۔ ظاہر ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جاہلیت کی بعض عجیب و غریب باتوں پر ہی تبسم فرماتے ہوں گے کہ دیکھو یہ کیسے لوگ تھے جو اللہ تعالیٰ کی پہچان اور اس کی توحید سے نابلد تھے اور جہالت کی وجہ سے کیسی کیسی حرکات کیا کرتے تھے۔

اس روایت سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خود تو شعر نہیں کہتے تھے کیونکہ یہ علم آپ کی شایانِ شان ہی نہیں تھا۔ البتہ آپ نے اپنے صحابہؓ کو شعر و شاعری سے روکا بھی نہیں۔ لہٰذا شعر و شاعری بذاتہٖ کوئی ایسی مکروہ چیز نہیں جب تک کہ اس میں حقیقت کے خلاف کوئی چیز نہ ہو۔ بلکہ آپ نے دینِ اسلام کی تقویت کے لیے شعر و شاعری کو پسند بھی فرمایا ہے۔

شمائل ترمذی — باب - ۳۷

درس - ۳۶ — حدیث - ۷

حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ حُجْرٍ اَنْبَأَنَا شَرِیْکٌ عَنْ عَبْدِ الْمَلِکِ بْنِ عُمَیْرٍ عَنْ اَبِیْ سَلَمَۃَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَشْعَرُ کَلِمَۃٍ تَکَلَّمَتْ بِهَا الْعَرَبُ کَلِمَۃُ لَبِیْدٍ۔ اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰهِ بَاطِلٌ۔

(ترمذی مع شمائل ص ۵۸۶)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث علی بن حجر نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اس کی خبر شریک نے عبدالملک بن عمیر کے واسطہ سے دی۔ انھوں نے یہ روایت ابی سلمۃ سے انھوں نے اسے ابوہریرہؓ سے سماعت کیا وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ عرب شاعروں کے کلام میں سے بہترین کلمہ لبیدؓ کا یہ شعر ہے "خبردار! اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا ہر چیز فانی ہے"

تشریح: اس شعر کی پسندیدگی کا ذکر اسی باب کی حدیث ۲ میں حضرت ابوہریرہؓ کی زبانی ہوچکا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ شعر بہت ہی پسند تھا کیونکہ یہ کلمہ وحی الٰہی کے مطابق ہے کہ اللہ کی ذات کے سوا ہر چیز فانی ہے اس شعر میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا ذکر ہے اور اس کے ازلی ابدی ہونے کو تسلیم کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے۔ کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ ○ وَّیَبْقٰی وَجْهُ رَبِّکَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ ○ (الرحمٰن: ۲۶-۲۷)
اس دنیا کی ہر چیز فانی ہے اور باقی رہنے والی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو جلال اور عزت والا ہے۔

حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيْعٍ حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الطَّآئِفِيِّ عَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِيْدِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كُنْتُ رِدْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَنْشَدْتُهٗ مِائَةَ قَافِيَةٍ مِنْ قَوْلِ اُمَيَّةَ بْنِ اَبِي الصَّلْتِ كُلَّمَا اَنْشَدْتُهٗ بَيْتًا قَالَ لِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هِيْهِ حَتّٰى اَنْشَدْتُهٗ مِائَةً يَعْنِيْ بَيْتًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْ كَادَ لَيُسْلِمُ۔ (ترمذی مع شمائل ص ۵۸۶)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت احمد بن منیع نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے مروان بن معاویہ[1] نے عبداللہ بن عبدالرحمٰن طائفی کے واسطہ سے بیان کیا۔ انھوں نے یہ روایت عمرو بن شرید سے ان کے باپ[2] کے واسطہ سے سُنی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ حضور علیہ السّلام کے پیچھے ان کی سواری پر بیٹھا تھا۔ پس (دورانِ سفر) میں نے آپ کو امیّہ بن ابی الصلت کے سَو اشعار سنائے۔ جب بھی میں کوئی شعر سُناتا، حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام مجھ سے فرماتے اور سُناؤ حتیٰ کہ میں نے ایک سو اشعار پڑھ دیئے۔ پس اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قریب تھا کہ امیہ اسلام قبول کرلیتا۔"

تشریح اس روایت سے بھی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی طرف سے اچھے اشعار کو پسند فرمانے کا اظہار ہوتا ہے۔ آپ نے امیۃ بن ابی صلت ثقفی کا کلام سُنانے

[1] المتوفی ۱۹۳ھ [2] ان کا نام عبدالملک ہے یہ بیعتِ رضوان میں شریک ہوئے۔ (فیاض)

کے لیے اپنے ردیف سے بار بار فرمائش کی۔ شاعر امیۃ بن ابی صلت کے کلام کا تذکرہ اس باب کی حدیث ۲ میں آچکا ہے۔ وہاں بھی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا یہ ارشاد موجود ہے۔ قریب تھا کہ امیۃ بن ابی صلت اسلام قبول کر لیتا۔

یہ طائف کے رہنے والے قبیلہ ثقیف کا فرد اور اپنے زمانے کا بڑا شاعر تھا۔ اس نے مختلف مذاہب کا مطالعہ کیا تھا اور حق کی تلاش میں رہتا تھا۔ چنانچہ اس کے کلام میں توحید خداوندی اور قیامت کا تصوّر پایا جاتا تھا۔ اسی لیے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اس شخص کے کلام کو بہت پسند فرماتے تھے۔ پھر جب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے نبوت کا اعلان کیا تو اس شخص پر ازلی بدبختی غالب آگئی اور یہ حسد میں مبتلا ہو کر کہنے لگا کہ وحی الٰہی تو مجھ پر نازل ہونی چاہیے تھی، اس کے مستحق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ٹھہرے؟ اس بدبخت نے جنگِ بدر میں قتل ہونے والے کافروں کا مرثیہ بھی لکھا تھا۔ یہ شخص بہرحال ایمان کی دولت سے محروم ہی گیا۔ چونکہ اس کے نظریات اچھے تھے اس لیے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ارشاد فرمایا کہ قریب تھا کہ یہ شخص اسلام قبول کر لیتا مگر اس کی شقاوت غالب آگئی اور یہ ایمان سے محروم ہی دنیا سے گیا۔

درس ۔ ۳۶　　　　　　　　　　　　　　　　حدیث ۔ ۹

حَدَّثَنَا اِسْمٰعِیْلُ بْنُ مُوْسٰی الْفَزَارِیُّ وَعَلِیُّ بْنُ حُجْرٍ وَالْمَعْنٰی وَاحِدٌ قَالَا اَنْبَأَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اَبِی الزِّنَادِ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَضَعُ لِحَسَّانِ بْنِ ثَابِتٍ مِنْبَرًا فِی الْمَسْجِدِ یَقُوْمُ عَلَیْهِ قَائِمًا یُفَاخِرُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَوْ قَالَ یُنَافِحُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَیَقُوْلُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ یُؤَیِّدُ حَسَّانَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ مَا یُنَافِحُ اَوْ یُفَاخِرُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔

(ترمذی مع شمائل صـ۵۸۶)

حَدَّثَنَا اِسْمٰعِیْلُ بْنُ مُوْسٰی وَعَلِیُّ بْنُ حُجْرٍ قَالَا حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِی الزِّنَادِ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهٗ۔　(ترمذی مع شمائل صـ۵۸۷)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت اسمٰعیل بن موسٰی فزاری اور علی بن حجر نے بیان کی ۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہمارے پاس خبر دی عبدالرحمٰن بن ابی زناد نے، انھوں نے یہ روایت ہشام بن عروہ سے ان کے باپ کے واسطہ سے اخذ کی۔ وہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت کرتے ہیں۔ امّ المؤمنینؓ فرماتی ہیں کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام حسان بن

ثابتؓ کے لیے مسجد میں منبر رکھواتے تھے تاکہ وہ اس پر کھڑے ہوکر آپ کی طرف سے مفاخرت کریں یعنی آپ کی تعریف میں فخریہ اشعار پڑھیں یا حضور علیہ السّلام کی طرف سے مدافعت کریں۔ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام یہ بھی فرماتے تھے کہ اللہ تعالےٰ حضرت حسانؓ کی روح القدس کے ذریعے تائید فرماتا ہے جبکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مدافعت یا مفاخرت بیان کرتے ہیں۔

امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ راوی اس حدیث جیسی دوسری حدیث اس طرح بیان کرتے ہیں۔ ہمارے پاس یہ حدیث اسمٰعیل بن موسیٰ اور علی بن حجر نے بیان کی۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت عبدالرحمٰن بن ابی زناد نے بیان کی۔ انھوں نے یہ روایت ہشام ابن عروۃ سے انکے باپ کے واسطہ سے روایت کی۔ انھوں نے یہ حدیث ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے سُنی جو حضور نبی کریم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے پہلی روایت کے ہم معنیٰ حدیث بیان کرتی ہیں۔"

تشریح حضرت حسانؓ بن ثابتؓ (ابن المنذر بن عمرو الانصاری الخزرجی)[1] حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے صحابی اور شاعرِ اسلام تھے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے زمانہ میں شعر و شاعری کے ذریعے مخالفین پر اثر انداز ہونے کا بڑا رواج تھا۔ اس مقصد کے لیے بڑے بڑے اجتماع اور میلے منعقد ہوتے تھے جن میں شاعر لوگ اپنے اپنے قبیلوں اور حلیف قبائل کے کارنامے فخریہ طور پر پیش کرتے تھے اور حریف قبائل کی مذمت بیان کرتے

---

[1] ان کی کنیت ابوالولید ہے۔ انھوں نے ایک سو بیس سال عمر پائی نصف جاہلیت میں اور نصف اسلام میں گزاری اور حضرت علیؓ کی خلافت میں ۵۴ھ میں وفات پائی۔ (نیاض)

تھے۔ جنگ کے مواقع پر ایسے مشاعروں اور تقاریر کا خاص طور پر اہتمام کیا جاتا تھا تاکہ اپنے جنگجو نوجوانوں کی حوصلہ افزائی ہو اور دشمن کی حوصلہ شکنی کی جا سکے۔ اس حدیث میں بھی اسی بات کا ذکر ہے۔ حضرت حسان بن ثابتؓ کے لیے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام خاص طور پر مسجد میں منبر کا اہتمام کیا کرتے تھے جس پر کھڑے ہو کر وہ اللہ کی تعریف بیان کرتے، اللہ کے رسول اور آپ کے صحابہ کے کارناموں کا ذکر کرتے جن سے دین اسلام کی برتری کا اظہار ہوتا۔ یُفَاخِرُ کا یہی معنیٰ ہے۔ اس کے علاوہ حضرت حسانؓ اپنے اشعار کے ذریعے منافحت بھی کرتے یعنی کفار کی طرف سے اسلام، اللہ کے رسول اور مسلمانوں کی مذمت کے بیان میں اُن کا دفاع کرتے ہیں اور اس طرح شعر و شاعری کے میدان میں کفار کا مقابلہ کرتے تھے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو اس محاذ پر حضرت حسانؓ کی کارکردگی بہت پسند تھی لہٰذا آپ اس کا کلام سننے کے لیے خاص طور پر مسجد میں اہتمام فرمایا کرتے تھے آپ یہ بھی فرماتے۔ اِنَّ اللّٰہَ یُؤَیِّدُ حَسَّانَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ اللہ تعالیٰ اس معاملہ میں خاص طور پر جبریل علیہ السّلام کے ذریعے حضرت حسانؓ کی تائید فرماتا ہے جس سے کفار کے دلوں میں رعب طاری ہو جاتا ہے۔ یُؤَیِّدُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ کا عام مفہوم تو یہی ہے۔ تاہم امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں روح قدس سے ملاءِ اعلیٰ کی پوری جماعت مراد ہے جس میں جبریل علیہ السّلام بھی اس جماعت کے ایک رکن کی حیثیت سے شامل ہیں۔

(۳۸) بَابُ مَا جَاءَ فِي كَلَامِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي السَّمَرِ ۔

ترجمہ: "باب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے قصّہ سُننے سُنانے کے بیان میں"

قصّہ گوئی کی تاریخ سَمر دراصل رات کی چاندنی کو کہتے ہیں جب چاند خوب روشن ہوتا ہے اور مجازی طور پر سمر سے مراد رات کی چاندنی میں یا ویسے ہی رات کی گھڑیوں میں قصّے کہانیاں سُننے سُنانے کو کہتے ہیں۔ پرانے زمانے میں جب لوگ دن بھر کے کام کاج سے فارغ ہو جاتے تھے تو رات کے وقت کسی جگہ مل بیٹھتے تھے اور پھر تفریح طبع کے لیے ایک دوسرے کو قصّے کہانیاں سنایا کرتے تھے۔ اس مقصد کے لیے ایک دوسرے کو قصّے کہانیاں سنایا کرتے تھے اس مقصد کے لیے امراء حضرات بڑی بڑی مجالس کا اہتمام کرتے تھے جن میں بڑے بڑے پیشہ ور قصّہ گو حضرات کو دعوت دی جاتی اور پرانے زمانے کے قصے کہانیاں بیان کرتے جس سے حاضرین مجلس محظوظ ہوتے۔ اس سلسلہ میں عوام بھی اس مشغلہ سے محروم نہیں رہتے تھے۔ خاص طور پر دیہات کے لوگ رات کے وقت گاؤں کی کسی مشترکہ جگہ تکیہ یا دائرہ وغیرہ میں جمع ہو جاتے، جہاں وہ پرانے زمانے کی کہانیاں از قسم الف لیلیٰ، سسّی پنوں، ہیر رانجھا وغیرہ سُنتے سُناتے۔ یہ ان کی خوش طبعی کا ایک ذریعہ ہوتا تھا۔

پھر جب سینما گھر قائم ہوئے تو شہر کے لوگوں نے اس سستی تفریح طبع کی طرف رخ کرنا شروع کر دیا۔ اس کے بعد ریڈیو اور ٹیلی ویژن نے شہری اور دیہاتی سارے ہی لوگوں کے لیے تفریح کے سامان مہیا کر دیے ہیں۔ اب ہر گھر تفریح گاہ بنا ہوا ہے جہاں ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے پروگرام سُنے اور دیکھے جاتے ہیں۔ اب قصّہ کہانیوں کی جگہ ڈراموں نے لے لی ہے۔ گانے بجانے کا اہتمام بھی ہوتا ہے اور اس طرح جس

چیز کو تفریح طبع کے نام پر جاری کیا گیا تھا۔ اب وہ عریانی، فحاشی اور لوگوں کے اخلاق کو تباہ کرنے کا ذریعہ بن چکی ہے۔ اب عوام وخواص کو سینما ہال میں جانے کی ضرورت بھی باقی نہیں رہی بلکہ ہر قسم کی فلمیں گھر بیٹھے ہی دیکھ سکتے ہیں۔ کلبوں میں جانیوالے امیر لوگ اب گھر میں بیٹھ کر ڈش انٹینا یا وی سی آر کے ذریعے دنیا بھر کے پروگرام دیکھ اور سن سکتے ہیں۔ بلاشبہ یہ چیزیں انسانیت کے تنزل کی علامت ہیں۔

الغرض! قصہ گوئی کا رواج قدیم زمانے سے چلا آرہا ہے اور آج بھی مختلف شکلوں میں موجود ہے۔ اس باب میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے زمانے کے قصہ گوئی سے متعلق معلومات ملیں گی۔ اس باب میں امام ترمذیؒ نے صرف دو روایات نقل کی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قصّہ گوئی کو کس حد تک مباح قرار دیا ہے۔

قصّہ گوئی کا جواز

ان روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی کوئی قصّہ بیان ہوا اور آپ نے اُسے سماعت فرمایا۔ بعض روایات کی رُو سے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے خود بھی کوئی قصہ بیان کیا لہٰذا اس سے قصّہ کہانی سننے سُنانے کا جواز نکلتا ہے بشرطیکہ اس میں مخرّبِ اخلاق کوئی بات نہ ہو، اور نہ ہی اس کی وجہ سے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی واقع ہونے کا خطرہ ہو۔ خاص طور پر اپنے اہل خانہ کے سامنے کوئی قصّہ کہانی بیان کرنا تاکہ انکی دل جُوئی ہو، ایک مستحسن عمل ہے اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے ثابت ہے۔

فرائض کی ادائیگی کو اوّلیت حاصل ہے ایسا نہ ہو کہ آپ لوگ قصّہ کہانیاں سنتے رہیں، کوئی ناول پڑھتے رہیں اور نمازیں ضائع ہو رہی ہیں۔ اگر یہ صورت حال پیدا ہو جائے تو پھر قصّہ کہانیاں سننے سنانے کا جواز ختم ہو جاتا ہے، لہٰذا مذکورہ شرائط کی پابندی ضروری ہے عام طور پر فلمیں اور ڈرامے دیکھنے والے، قوالی کرنے اور سُننے والے، بعض واعظ اور مقررین کا حال یہی ہوتا ہے کہ ایسے مواقع پر عشاء کی نماز بھی ضائع ہو جاتی ہے۔ پھر جب دیر سے سوتے ہیں تو نیند پوری نہیں ہوتی اور فجر کی نماز بھی ادا نہیں کر پاتے۔ چودھری افضل حق مرحوم نے اپنی تحریر میں یہی رونا رویا ہے کہ بڑے افسوس کا مقام ہے کہ واعظ

وگ رات بھر تقریریں کرتے رہتے ہیں، نعت خوانی ہوتی رہتی ہے یا قوالی کی محفل گرم رہتی ہے مگر صبح کی نماز ہی رہ جاتی ہے۔ البتہ اہلِ حق لوگ وعظ و نصیحت بھی کرتے ہیں۔ تبلیغ دین کا حق بھی ادا کرتے ہیں مگر وہ فرائض سے غفلت اختیار نہیں کرتے۔
سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اکثر رات رات بھر تقریر کرتے تھے مگر کوئی نماز نہیں چھوٹتی تھی بلکہ ہمیشہ وقت پر ادا کرتے تھے۔ ہمارے شیخ، شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ (المتوفی ۱۳۷۷ھ) بھی جلسوں میں شریک ہوتے، لمبی لمبی تقریریں کرتے مگر کیا مجال کہ کوئی نماز فوت ہو جائے۔ آپ ہمیشہ نماز باجماعت ادا کرتے تھے، اور اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود نماز تہجّد بھی باقاعدگی سے ادا کرتے تھے۔
بہرحال قصّہ گوئی اسی صورت میں روا ہے جب کہ فرائض میں غفلت نہ آئے۔ اگر جلسہ میں شرکت کی وجہ سے کوئی نماز ضائع ہو گئی تو ایسے جلسے کا فائدہ؟

درس ـ ۳۷　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　حدیث ـ ۱

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ صَبَّاحٍ الْبَزَّارُ حَدَّثَنَا اَبُو النَّضْرِ حَدَّثَنَا اَبُوْعَقِيْلٍ الثَّقَفِيُّ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَقِيْلٍ عَنْ مُّجَالِدٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ حَدَّثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ نِسَاءَهٗ حَدِيْثًا فَقَالَتِ امْرَاَةٌ مِّنْهُنَّ كَاَنَّ الْحَدِيْثَ حَدِيْثُ خُرَافَةَ فَقَالَ اَتَدْرُوْنَ مَا خُرَافَةُ اِنَّ خُرَافَةَ كَانَ رَجُلًا مِّنْ عُذْرَةَ اَسَرَتْهُ الْجِنُّ فِى الْجَاهِلِيَّةِ فَمَكَثَ فِيْهِمْ دَهْرًا ثُمَّ رَدُّوْهُ اِلَى الْاِنْسِ فَكَانَ يُحَدِّثُ النَّاسَ بِمَا رَاٰى فِيْهِمْ مِنَ الْاَعَاجِيْبِ فَقَالَ النَّاسُ حَدِيْثُ خُرَافَةَ ـ

(ترمذی مع شمائل صـ ۵۸۷)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث حسن[1] بن صباح بزار نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے ابو نصر[2] نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اس روایت کو بیان کرنے والے ابوعقیل ثقفی عبداللہ بن عقیل ہیں۔ انھوں نے یہ روایت مجالد سے شعبی کے واسطہ سے بیان کی اور انھوں نے اسے مسروق سے سنا۔ انھوں نے یہ حدیث امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے سنی۔ وہ کہتی ہیں کہ ایک رات حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کو ایک قصہ سنایا پس اُن

---

[1] المتوفی ۲۴۹ھ ، [2] اسمہ سالم بن ابی امیہ یا ہاشم بن قاسم التمیمی المدنی المتوفی ۱۲۵ھ ۔ (فیاض)

ہیں سے ایک خاتون نے کہا کہ یہ تو خرافہ کی بات معلوم ہوتی ہے۔ پھر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے خود ہی ارشاد فرمایا: کیا تم جانتی ہو کہ خرافہ کون تھا؟ (پھر خود ہی وضاحت فرمائی) خرافہ بنی عذرۃ کا ایک شخص تھا جس کو زمانہ جاہلیت میں جنّات پکڑ کر لے گئے تھے۔ پھر وہ ایک زمانہ تک ان کے درمیان رہا۔ پھر جنّات اس شخص کو واپس انسانوں میں چھوڑ گئے۔ پھر وہ لوگوں کے سامنے عجیب و غریب قصّے بیان کرتا تھا جو اس نے جنّات میں رہ کر دیکھے۔ تو لوگ کہتے تھے کہ یہ خرافہ کی بات ہے۔"

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی ازواجِ مطہرات رضؓ

حضور نبی کریم صلّی اللّٰہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں گیارہ عورتوں سے نکاح کیا جن میں سے دو (خدیجہؓ اور زینبؓ اُمّ المساکین المتوفاۃ ۳ھ) تو آپ کی عینِ حیات ہی فوت ہو گئیں اور باقی نو آپ کی زندگی کے آخری لمحات تک آپ کی زوجیت میں رہیں۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ہر بیوی کے لیے علیحدہ علیحدہ کمرے بنوا رکھے تھے جن میں وہ رہائش رکھتی تھیں۔ آپ نے ہر بیوی کے ہاں رات گزارنے کے لیے باری مقرر کر رکھی تھی جس کے مطابق آپ اپنی راتیں بسر کرتے تھے۔ آگے متنِ حدیث میں یہ تفصیل بھی آ رہی ہے کہ آپ کی ایک زوجہ محترمہ حضرت سودہ رضؓ[1] نے اپنی باری کا حق حضرت عائشہ صدیقہ کو دے دیا تھا لہٰذا ان کے ہاں آپ دو راتیں گزارتے تھے اور باقی بیویوں کے ہاں ایک ایک رات۔ یہ معاملہ بھی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام کی عمرِ مبارک کے آخری حصّے میں جا کر ہوا تھا۔ وگرنہ

---

[1] بنت زمعہ دختر شموس بن قیس یہ قریش میں سے تھیں جضورؐ کی جب عمر مبارک ۵۰ برس تھی تو اس وقت ان کے ساتھ نکاح ہوا جب کہ نکاح کے وقت انکی عمر بھی ۵۰ برس تھی انھوں نے مدینہ منورہ میں ۱۹ھ یا شوال ۲۲ھ میں وفات پائی۔ (فیاض)

ابتدا میں آپ ہر بیوی کے ہاں حسبِ باری ایک ایک رات ہی بسر کرتے تھے۔
عام طور پر آپ کا معمول یہ تھا کہ جس بیوی کے گھر میں رہنے کی باری ہوتی تھی کام کاج سے فارغ ہو کر باقی ازواجِ مطہراتؓ بھی رات کے وقت اس گھر میں جمع ہو جاتی تھیں تاکہ کچھ وقت کے لیے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ارشاداتِ عالیہ سے مستفیض ہو سکیں۔ اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی خاص حکمت تھی کہ ازواجِ مطہراتؓ کے لیے دینی تعلیم و تربیت کا انتظام ہو گیا اور ان امہات المؤمنینؓ نے دینی معاملات میں امت کی بہت رہنمائی فرمائی۔ مدینہ طیبہ کی عورتیں جو عورتوں کے بعض مسائل حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے دریافت کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس کرتی تھیں، وہ ایسے مسائل امت کی ماؤں سے دریافت کر لیا کرتی تھیں۔ اس لحاظ سے ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کی معلّمات کا فریضہ بھی انجام دیا۔

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی قصّہ گوئی

یہ روایت امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے ہے۔ وہ کہتی ہیں۔ حَدَّثَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَیْلَۃٍ نِسَآءَہٗ حَدِیْثًا۔ ایک رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عورتوں کو ایک قصہ سنایا۔ فَقَالَتْ اِمْرَأَۃٌ مِنْھُنَّ کَاَنَّ الْحَدِیْثَ حَدِیْثُ خُرَافَۃَ تو اُن میں سے ایک بی بی کہنے لگی کہ یہ تو خرافہ کی بات معلوم ہوتی ہے۔

اس مقام پر ذَاتَ لَیْلَۃٍ کے الفاظ کی وضاحت ضروری ہے۔ ذَاتَ کا لفظ کئی معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ ذات کا ایک معنیٰ تو حال ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِکُمْ لہٰذا اپنے درمیان اپنے حال کو درست رکھو۔ ذَاتَ کا دوسرا معنیٰ رات یا دن کی کوئی گھڑی یا وقت ہوتا ہے۔ ذَاتَ کا تیسرا معنیٰ انسان کا جسم ہے۔ اس کا چوتھا معنیٰ نفس اور پانچواں معنیٰ ارادہ ہے۔ جیسے فرمایا: اِنَّہٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (الملک: ۱۳) اللہ تعالیٰ انسان کے مخفی ارادوں کو بھی جانتا ہے۔ تاہم اس مقام پر ذَاتَ سے مراد وقت ہے

اور ذَاتَ لَیْلَۃٍ کا معنیٰ رات کا کوئی وقت یا گھڑی ہے۔ تو جس واقعہ کا اس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تذکرہ کیا ہے، وہ رات کی کسی گھڑی میں پیش آیا یعنی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے رات کے وقت اپنی ازواجِ مطہراتؓ کو ایک قصّہ سنایا۔ چونکہ یہ ایک تعجب انگیز قصّہ تھا اس لیے ایک زوجہ نے کہا کہ یہ تو خرافہ کا قصّہ معلوم ہوتا ہے۔

جب ایک بی بی نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے بیان کردہ قصّہ کو خرافہ کے قصّہ کے ساتھ تشبیہہ دی تو آپ نے اپنی ازواج سے مخاطب ہو کر فرمایا؛ اَتَدْرُوْنَ مَا خُرَافَۃُ ؟ کیا تم جانتی ہو کہ خرافہ کون تھا؟ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی خرافہ کے متعلق فرمایا، کَانَ رَجُلًا مِّنْ عُذْرَۃَ یہ قبیلہ عذرہ[1] کا ایک آدمی تھا۔ اَسَرَتْہُ الْجِنُّ فِی الْجَاھِلِیَّۃِ زمانہ جاہلیت میں اس کو جن پکڑ کر لے گئے۔ فَمَکَثَ فِیْھِمْ دَھْرًا پھر وہ شخص جنّات کے پاس ایک زمانہ تک ٹھہرا رہا۔

ملائکہ نوری اور جنات ناری مخلوق ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اختیار دے رکھا ہے کہ وہ جس شکل میں چاہیں متشکل ہو جاتے ہیں یَتَشَکَّلُوْنَ بِاَشْکَالٍ مُّخْتَلِفَۃٍ کبھی وہ انسان کی شکل میں متشکل ہو جاتے ہیں کبھی سانپ، بچھو، بھیڑ، بکری، بھینس وغیرہ کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ عام طور پر تو ملائکہ اور جنّات انسانوں کو نظر نہیں آتے مگر جب وہ کسی دوسری شکل میں متشکل ہو جاتے ہیں تو پھر نظر بھی آنے لگتے ہیں۔ بہر حال خرافہ کو جنات کسی مقصد کے لیے اُٹھا کر اپنی بستی میں لے گئے اور پھر وہ شخص ایک عرصہ تک ان کے درمیان رہا۔ ظاہر ہے کہ اب اس کو جنّات نظر بھی آتے ہوں گے اور وہ ان کی حرکات و سکنات، بود و باش اور رسم و رواج دیکھتا ہوگا۔

---

[1] یہ یمن کا ایک قبیلہ ہے جس کے بارے میں مشہور ہے کہ اس قبیلہ کی عورتیں نہایت حسین و جمیل ہوتی ہیں۔ (فیاض)

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے خرافہ کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جنّات نے اس شخص کو ایک زمانے تک اپنے ماحول میں رکھا ثُمَّ رَدُّوْہُ اِلَی الْاِنْسِ پھر وہ اسے واپس انسانوں کے پاس چھوڑ گئے جہاں سے اُسے اغوا کیا تھا چونکہ خرافہ نے جنّات کے رہن سہن کو قریب سے دیکھا تھا۔ فَکَانَ یُحَدِّثُ النَّاسَ بِمَا رَاٰی فِیْھِمْ مِنَ الْاَعَاجِیْبِ اس لیے وہ لوگوں کے سامنے جنات کے عجیب وغریب واقعات بیان کرتا تھا جو اس شخص نے ان کے درمیان رہ کر مشاہدہ کیے۔ چونکہ جنات انسانوں کی نسبت ایک مختلف مخلوق ہے جس کا مادہ تخلیق ہی مختلف ہے۔ اس لیے ایک انسان کے لیے ان کے بود و باش اور رسم و رواج شادی اور غمی کا مشاہدہ بجائے خود ایک عجوبہ تھا۔ چنانچہ وہ لوگوں کو جنّات کی عجیب وغریب باتیں سنایا کرتا تھا۔ اس کے بعد خرافہ کی یہ باتیں اس قدر مشہور ہوئیں کہ وہ ضرب المثل بن گئیں پھر لوگ جب بھی کوئی عجیب وغریب واقعہ کسی دوسرے شخص سے بھی سُنتے تو فَقَالَ النَّاسُ حَدِیْثُ خُرَافَۃَ کہتے ہیں کہ یہ تو خرافہ کی بات ہے یعنی جس طرح خرافہ جنّات کی عجیب وغریب داستانیں سنایا کرتا تھا، یہ واقعہ بھی اسی نوعیت کا ہے۔

خرافہ بطور اصطلاح خرافہ کا لغوی معنیٰ جھوٹی یا بے عقلی کی بات بھی ہوتا ہے۔ اسی لیے خرافات ایسی ہی لایعنی باتوں کے متعلق بولا جاتا ہے کہ فلاں شخص خرافات بک رہا ہے۔

ایک عربی شاعر نے بھی یہ لفظ انھی معنوں میں اپنے کلام میں استعمال کیا ہے:

ءَاَتْرُكُ لَذَّۃَ الصَّھْبَاءِ صَرْفًا
لِمَا وَعَدُوْہُ مِنْ لَحْمٍ وَّخَمْرٍ
حَیَاۃٌ ثُمَّ مَوْتٌ ثُمَّ نَشْرٌ
حَدِیْثُ خُرَافَۃَ یَا اُمَّ عَمْرٍو[1]

---

[1] الملل والنحل بحاشیہ الفصل ص ۲۲۱/۳ و تصورات عرب قبل از اسلام ص ۹ (فیاض)

کیا میں اس وعدے پر شراب و کباب کو ترک کر دوں کہ یہ چیزیں مجھے جنت میں جا کر میسّر ہوں گی اور یہ کہ اس زندگی کے بعد موت ہے اور اس کے بعد پھر جی اُٹھنا ہوگا، اے امّ عمرو! یہ سب محض خرافات ہے یعنی اس کی کچھ حقیقت نہیں۔

یہ کلام صرف حدیث خرافہ کی اصطلاح کے طور پر بیان کیا ہے ورنہ یہ باتیں خود شاعر کی خرافات سے زیادہ کچھ نہیں۔ شاعر لوگ تو بالعموم حشر نشر اور جزا و سزا کے قائل نہیں ہوتے۔ لہٰذا ایسی بکواس کرتے رہتے ہیں۔ مگر عائشہ صدیقہ رضؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ اِنَّ خُرَافَۃَ کَانَ رَجُلًا صَالِحًا خرافہ ایک نیک آدمی تھا لہٰذا اس مقام پر خرافہ سے مراد جھوٹ نہیں بلکہ تعجب انگیز بات ہی ہو سکتی ہے۔

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ معناً اور اصطلاحاً تو خرافہ سے مراد جھوٹی بات ہی ہوتا ہے مگر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے اس واقعہ کو بیان کرنے اور ایک امّ المؤمنین رضؓ کا اسے حدیث خرافہ کہنا، ان لغوی اور اصطلاحی معنوں میں نہیں ہے بلکہ اس سے مراد عجیب و غریب واقعہ ہے کیونکہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی زبانِ مبارک سے تو کسی جھوٹی بات کی قطعاً توقع نہیں کی جا سکتی۔

حرفِ آخر

بہر حال مَیں نے عرض کیا کہ کسی قصّہ کہانی کو سُننا سُنانا روا ہے مگر ان شرائط کے ساتھ کہ ایسے قصّہ میں کوئی بد اخلاقی کی بات نہ ہو، ذوالنفس فوت ہو جانے کا خطرہ نہ ہو، کسی دینی شعار پر حرف نہ آتا ہو۔ البتہ اگر ان شرائط کی پابندی نہیں کی جائے گی تو پھر قصّہ گوئی روا نہیں ہے۔ خاص طور پر رات بھر قصّہ گوئی کے ذریعے تفریح طبع کرنا جس کی وجہ سے دوسرے امور ضروریہ رہ جائیں، بالکل ناجائز ہے۔ ہاں اگر قصّہ کے سُننے سُنانے کا مقصد اہلِ خانہ کی دل جوئی یا معلومات میں اضافہ کرنا ہو تو مباح ہے۔

حَدِیْثُ اُمِّ زَرْعٍ ـــــــ امّ زرع کا قصّہ

حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ حُجْرٍ قَالَ اَخْبَرَنَا عِیْسَی بْنُ یُوْنُسَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَخِیْهِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَلَسَتْ اِحْدٰی عَشَرَةَ اِمْرَاَةً فَتَعَاهَدْنَ وَتَعَاقَدْنَ اَنْ لَّا یَكْتُمْنَ مِنْ اَخْبَارِ اَزْوَاجِهِنَّ شَیْئًا ـ فَقَالَتْ قَالَتِ الْاُوْلٰی ـ زَوْجِیْ لَحْمُ جَمَلٍ غَثٍّ عَلٰی رَاْسِ جَبَلٍ وَعْرٍ لَا سَهْلٍ فَیُرْتَقٰی وَلَا سَمِیْنٍ فَیُنْتَقٰی ـ (ترمذی مع شمائل ص۵۸۷)

ترجمہ:- امّ زرع کا قصّہ

امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت علی ابن حجر نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی خبر عیسٰی بن یونس نے دی۔ انھوں نے یہ روایت ہشام بن عروۃ سے سنی جنھوں نے اسے اپنے بھائی عبداللہ بن عروۃ کے واسطہ سے اور انھوں نے اپنے باپ عروۃ سے بیان کی، انھوں نے یہ حدیث ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے سماعت کی۔ انھوں نے بیان کیا کہ کسی موقع پر گیارہ عورتیں ایک جگہ پر اکٹھی بیٹھ گئیں اور انھوں نے آپس میں عہد کیا بلکہ پختہ وعدہ کیا کہ وہ اپنے خاوندوں کی کسی بات کو (بیان کرنے میں) چھپائیں گی نہیں۔ امّ المؤمنینؓ فرماتی ہیں پس ان میں سے پہلی عورت نے کہا کہ میرا خاوند لاغر اونٹ کا گوشت ہے جو پہاڑ کی چوٹی پر پڑا ہے وہ پہاڑ دشوار گزار ہے جس پر چڑھنا آسان کام نہیں اور وہ

گوشت بھی اتنا عمدہ نہیں کہ اسے اُٹھا کر لے آیا جائے۔"

قصّہ امّ زرع

قصّہ گوئی کے باب میں امام ترمذیؒ نے یہ لمبی حدیث نقل کی ہے یہ درجہ اوّل کی صحیح روایت ہے جو بعینہٖ بخاری شریف اور مسلم شریف میں بھی موجود ہے۔ مسلم شریف کی روایت میں صرف ایک لفظ آخر میں زائد ہے اور طبرانی شریف کے آخر میں بھی چند الفاظ کا اضافہ ہے، باقی حدیث وہی ہے جو امام ترمذیؒ نے یہاں نقل کی ہے۔ یہ حدیث امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے جس میں گیارہ عورتوں نے اپنے اپنے خاوندوں کے حالات بیان کیے ہیں کسی نے اپنے خاوند کی تعریف کی ہے اور کسی نے اس کے بُرے سلوک کا شکوہ کیا ہے اسی طرح کسی عورت کے بیان سے اس کے خاوند کی مدح اور قدح کے دونوں پہلو نکلتے ہیں۔ ان گیارہ عورتوں میں سے سب سے زیادہ لمبا اور واضح بیان ام زرع نامی عورت کا ہے، اسی لیے یہ پوری حدیث ہی امّ زرع کے نام سے موسوم ہو گئی ہے۔

اس حدیث کے مطالعہ سے ذہن میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ امّ المؤمنینؓ سے منقول اس روایت کو کیا حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے خود بیان کیا ہے، یا یہ سارا واقعہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے سامنے کسی اور شخص نے بیان کیا اور آپ نے اس کو سماعت فرما کر آخر میں کچھ تبصرہ بھی فرمایا۔ درحقیقت یہ دونوں باتیں درست ہیں یعنی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا خود بیان کرنا یا کسی دوسرے سے سُننا۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ روایت خود بیان کی ہے تو یہ حدیث مرفوع بن جائے گی اور اگر آپ نے کسی دوسرے آدمی سے سنی ہے تو پھر بھی حکماً مرفوع ہے۔

الغرض! اس روایت سے بھی رات کے وقت تفریح طبع یا معلومات میں اضافہ کے لیے قصّہ کہانی بیان کرنا یا اس کا سُننا دونوں طرح جائز ثابت ہوتا ہے۔

مقامِ واقعہ اور عورتوں کے نام

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدّیقہ بیان کرتی ہیں۔ جَلَسَتْ اِحْدٰی عَشْرَۃَ امْرَأَۃً کسی جگہ گیارہ عورتیں مل کر بیٹھ گئیں۔ وہ کون سی جگہ تھی جہاں یہ عورتیں مل بیٹھیں اور ان عورتوں کے نام کیا تھے

جنھوں نے اپنے اپنے خاوندوں کے متعلق بیان دیا ؟ بعض شارحین نے اپنے طور پر حدیث امّ زرع کے مقام اور عورتوں کے نام معلوم کرنے کی کوشش کی ہے مگر ان کی تحقیق کا انحصار محض کمزور روایات پر ہے۔ جن کو وثوق کے ساتھ قبول نہیں کیا جا سکتا خطیب بغدادیؒ (المتوفی ۴۶۳ھ) نے کچھ ایسی روایات نکالی ہیں مگر بعد والوں کی تحقیق کے مطابق یہ روایات قابلِ اعتبار نہیں ہیں بعض محققین نے اسے حجاز اور مکہ کا واقعہ بیان کیا ہے اور بعض نے اسے یمن کے علاقہ سے منسوب کیا ہے۔ بعض نے ان عورتوں کے[1] کے نام بھی بتائے ہیں اور اسی ضمن میں آخری عورت امّ زرع جس کے نام سے یہ قصہ معروف ہے ، اس کا نام عاتکہ بتایا ہے۔ مگر بات وہی ہے کہ یہ سب روایات کمزور اور ناقابلِ یقین ہیں۔

پرانے زمانے میں مرد حضرات اکثر کاروبار کے سلسلے میں سفر پر چلے جاتے تھے۔ اور ان کی عورتیں گھر کے کام کاج سے فارغ ہو کر تفریح طبع اور وقت گزاری کے لیے کسی ایک جگہ اکٹھی ہو کر قصے کہانیاں سنتی سناتیں یا اپنے گھریلو معاملات سے متعلق آپس میں دکھ سکھ کی باتیں کر لیتیں۔ موجودہ زمانے میں بھی اس قسم کی مجلسیں ہوتی رہتی ہیں۔ مرد حضرات محنت مزدوری، کاروبار یا ملازمت کے لیے چلے جاتے ہیں ، عورتیں گھر کے کاموں سے فارغ ہو کر کسی ایک گھر میں جمع ہو جاتی ہیں اور پھر بھانت بھانت کی بولیاں بول کر کسی کا گلہ شکوہ کیا، کسی کی تعریف کی اور اس طرح اپنا فارغ وقت گزار لیا۔

عورتوں کا آپس میں معاہدہ

قصہ امّ زرع بھی اسی نوعیت کا ایک واقعہ ہے کسی مقام پر گیارہ عورتیں اکٹھی بیٹھ گئیں فَتَعَاهَدْنَ

[1] عمرہ بنت عمرو یا مہر ، (۲) حیی بنت کعب یا عمرہ ورملہ (۳) مہدد بنت ابی ہرومہ یا حبارا و کبشہ (۴) کبشہ یا نجیہ بنت صاعدہ (۵) ہند یا کبشہ (٦) حیی بنت علقمہ یا زہرہ (۷) کبشہ بنت الارقم یا زمرہ (۸) ناشرہ بنت اوس بن عبد یا عمرہ یا عاطلہ (۹) کبشہ بنت مالک (۱۰) مہد بنت ابی ہرومہ (۱۱) امّ زرع اسمہا عاتکہ ۔ (فیاض)

پھر انھوں نے آپس میں ایک معاہدہ کیا۔ عہد کا لفظ عربی زبان میں عام استعمال ہوتا ہے قرآن پاک میں بھی متعدد مقامات پر یہ لفظ آیا ہے جیسے اللہ نے فرمایا: وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا (بنی اسرائیل : ۳۴)۔ اپنے عہد کو پورا کرو کیونکہ اس کے متعلق بازپرس ہوگی۔ تو ان گیارہ عورتوں نے ایک معاہدہ کیا۔ وَتَعَاقَدْنَ اور اس عہد کو پختہ کیا یعنی اس عہد کی پابندی کا سختی کے ساتھ اقرار کیا۔ عقد کا معنیٰ پختہ کرنے کے آتے ہیں۔ اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے، اے ایمان والو! اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ (المائدہ : ۱) اپنے اقراروں کو پختہ کرو۔ بہرحال ان عورتوں نے یہ پختہ عہد کیا۔ اَنْ لَّا يَكْتُمْنَ مِنْ اَخْبَارِ اَزْوَاجِهِنَّ شَيْئًا ۔ کہ وہ اپنے خاوند کے حالات بیان کرنے میں کوئی چیز نہیں چھپائیں گی۔ بلکہ گھر والوں کے ساتھ اُن کے سلوک، ان کی مالی حالت اور اُن کے عادات وخصائل کو ٹھیک ٹھیک بیان کردیں گی۔ ظاہر ہے کہ ساری کی ساری عورتیں شادی شدہ تھیں، اسی لیے تو انھوں نے اپنے خاوندوں کے صحیح صحیح حالات بیان کرنے کا پختہ وعدہ کیا۔

پہلی عورت کا بیان

اس عہد وپیمان کے مطابق ان گیارہ عورتوں میں سے پہلی عورت نے اپنے خاوند کا حال اس طرح بیان کیا۔ زَوْجِىْ لَحْمُ جَمَلٍ غَثٍّ کہنے لگی کہ میرا خاوند تو ایسا ہے جیسے لاغر اونٹ کا گوشت ہو۔ اس کا معنیٰ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میرے خاوند کی مثال اونٹ کے لاغر گوشت کی ہے۔ غَثٌّ کا معنیٰ دُبلا، لاغر، بوسیدہ وغیرہ ہوتا ہے۔ اس طرح غَثٌّ صفت اونٹ کی بھی ہو سکتی ہے اور گوشت کی بھی مطلب یہ ہے کہ میرا خاوند ایسا ہے جیسے کسی لاغر اور درماندہ اونٹ کا گوشت ہو یا اونٹ کا گوشت تو ہے مگر بوسیدہ ہو چکا ہے معنیٰ ایک ہی ہے کہ میرا خاوند لاغر گوشت کی مانند ہے۔ موجودہ زمانے میں لاغر گوشت کا نمونہ آپ نے قصاب کی دکان پر مشاہدہ کیا ہوگا۔ قصاب اپنے صاحبِ حیثیت اور باقاعدہ گاہکوں کو اچھا گوشت دیتا ہے اور کبھی کبھار تھوڑا سودا لینے والوں کو محض چھیچھڑے اور ہڈیاں وغیرہ دے کر ٹرخا دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ مہنگائی کے اس دور میں غریب آدمی کا

کوئی حال نہیں ہے۔ ان بے چاروں کو اب بقر عید پر ہی گوشت کھانا نصیب ہوتا ہے۔
اس کے باوجود جب سے فریزر اور فرج ایجاد ہوئی ہیں اکثر لوگ قربانی کا گوشت غربا میں تقسیم کرنے کی بجائے اپنے اپنے گھروں میں ذخیرہ کر لیتے ہیں اور پھر مہینہ بھر کھاتے رہتے ہیں۔ اب تو تغیر و تبدل ہو کر کچھ کا کچھ بن گیا ہے اس وقت تو انسانوں نے کلوروفارم سونگھ رکھا ہے اور انھیں حقیقت کا پتہ نہیں چل رہا ہے۔ حقیقت کا علم تو اگلے جہاں میں چل کر ہو گا جب یہ نشہ اُتر جائے گا اس وقت معلوم ہو گا کہ ہم کس جہاں میں زندگی گزار کر آئے ہیں۔ وہاں ہمارے فرائض کیا تھے اور ہم کیا کرتے رہے ہیں ؟

یہ تو خیر ضمنی بات آگئی ہے۔ اُس پہلی عورت نے اپنے خاوند کا شکوہ کیا کہ اس کا حال تو ناکارہ گوشت کا سا ہے جو کہ عَلٰی رَأْسِ جَبَلٍ کسی پہاڑ کی بلند و بالا چوٹی پر پڑا ہو، اور وہ پہاڑ بھی وَعْرٍ بڑا دشوار گزار ہے۔ لَا سَهْلٍ فَیُرْتَقٰی جس پر چڑھنا بھی کوئی آسان کام نہیں۔ لَا سَهْلٍ کے لَا کو اگر لَیْسَ کے معنوں میں استعمال کریں تو ہم اس کو لَا سَهْلٌ بھی پڑھ سکتے ہیں اور نفی جنس کے طور پر استعمال کریں تو لَا سَهْلَ بھی درست ہے اس کے علاوہ لَا ذُوْ سَهْلٍ بھی وہی معنیٰ دے گا کہ وہ پہاڑ نرمی والا نہیں ہے کہ اس پر آسانی سے چڑھا جا سکے۔ یا ہم اس کو لَا سَهْلَ فِیْهِ بھی پڑھ سکتے ہیں کہ اس میں آسانی نہیں ہے کہ آپ وہاں تک پہنچ سکیں۔ الغرض ! ہر صورت میں معنیٰ وہی نکلتا ہے کہ جس پہاڑ کی چوٹی پر وہ ناکارہ اُونٹ کا گوشت پڑا ہے، اس تک چڑھنا بہت مشکل ہے کیونکہ وہ پہاڑ بڑا دشوار گزار ہے۔ اس گوشت کی ایک اور صفت یہ بیان کی ہے وَلَا سَمِیْنٍ کہ وہ چربی والا بھی نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ جو لاغر اونٹ کا گوشت ہو گا، اس میں چربی کہاں ہو گی اور اُس کے کھانے سے فائدے کی بجائے اُلٹا نقصان کا احتمال ہو سکتا ہے۔ غرضیکہ وہ گوشت اس قابل نہیں فَیُنْتَقٰی کہ اُس کو ضرور ہی حاصل کیا جائے اِنْتَقٰی کا لفظی معنیٰ کسی کو چھانٹ لینا ہوتا ہے یا اختیار کر لینا ہوتا ہے۔ مگر وہ گوشت عمدہ نہیں ہے کہ اس کو بصد مشقت اختیار کر لیا جائے۔ یہ لفظ نَقْیٌ کے مادہ سے بھی

نکل سکتا ہے جس کا معنیٰ ہڈی کے اندر موجود گودہ ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے معنیٰ یہ ہو گا کہ وہ گوشت ایسا ہے جس کی ہڈی میں گودہ ہی نہیں ہے۔ تندرست جانور کا گوشت تو گودے والا عمدہ گوشت ہوتا ہے جو کھانے والے کے لیے طاقت بخش ہوتا ہے مگر لاغر اور بوڑھے اونٹ کے گوشت کو کھانے سے الٹا بیمار ہونے کا خطرہ ہی ہو سکتا ہے بعض نسخوں میں یہ لفظ فَیُنْتَقَلُ بھی آیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ناکارہ گوشت اس قابل نہیں کہ اُسے وہاں سے منتقل کر کے لے آیا جائے۔

بہرحال اس پہلی عورت نے اپنے خاوند کی مذمّت بیان کی ہے کہ وہ ایک نکمّا، بدمزاج اور بداخلاق آدمی ہے۔ لہٰذا اس کو آسانی کے ساتھ پالینا بھی کچھ مفید نہیں ہے چہ جائیکہ سو تکالیف اٹھا کر اُسے حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔

شمائل ترمذی ... باب - ۳۸

درس - ۳۸ ... حدیث - ۲ (۲)

قَالَتِ الثَّانِيَةُ زَوْجِي لَا أَبُثُّ خَبَرَهُ إِنِّي أَخَافُ أَنْ لَا أَذَرَهُ إِنْ أَذْكُرْهُ أَذْكُرْ عُجَرَهُ وَبُجَرَهُ۔

(ترمذی مع شمائل صـ۵۸۷)

ترجمہ: " دوسری عورت بولی، میرا خاوند ایسا ہے کہ میں اس کے حالات کو پھیلانا نہیں چاہتی۔ اگر میں نے اُن کو ظاہر کرنا شروع کر دیا تو مجھے ڈر ہے کہ پھر میں اسے ادھورا نہیں چھوڑ سکوں گی۔ کیونکہ اگر میں نے اس کا تذکرہ شروع کر دیا تو پھر سارے ظاہری اور باطنی عیوب بیان کرنا پڑیں گے۔"

دوسری عورت کا بیان گیارہ عورتوں کے باہمی معاہدہ کے مطابق جب پہلی عورت اپنے خاوند کے متعلق اپنا بیان ختم کر چکی تو دوسری عورت نے یوں کہنا شروع کیا کہ میرا خاوند تو ایسا آدمی ہے لَا أَبُثُّ خَبَرَهُ کہ میں اس کے حالات کو ظاہر نہیں کرنا چاہتی۔ بَثَّ يَبُثُّ کا معنیٰ پھیلانا یا ظاہر کرنا ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ میرا خاوند ایسا قبیح آدمی ہے کہ اس کے مکمل حالات کو بیان کرنا میرے بس کی بات نہیں کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ اگر میں نے اس کے متعلق کچھ کہنا شروع کر دیا أَنْ لَا أَذَرَهُ تو پھر اُسے درمیان میں نہیں چھوڑوں گی۔ مطلب یہ کہ میرے خاوند کے عیوب کی فہرست اتنی طویل ہے کہ وہ ختم ہونے میں نہیں آئے گی۔

اس بیان پر پہلا اشکال تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ گیارہ عورتوں نے پختہ عہد کیا تھا کہ وہ اپنے اپنے خاوندوں کے حالات ٹھیک ٹھیک بیان کریں گی اور ان میں سے کوئی چیز چھپائیں گی نہیں مگر یہ عورت کہتی ہے کہ میں اپنے خاوند کے حالات کو ظاہر نہیں کرنا چاہتی کیونکہ اگر ایک دفعہ ان کو بیان کرنا شروع کر دیا تو پھر وہ ختم نہیں ہونگے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ عورت اپنے خاوند سے سخت شاکی ہے اور اُسے ڈر ہے کہ اگر

اس نے خاوند کے سارے عیوب بھری مجلس میں بیان کر دیے تو وہ تُند خو آدمی کہیں اُسے طلاق دے کر علیحدہ ہی نہ کر دے۔ چنانچہ اُس نے اپنے خاوند کا حال اس پیرائے میں بیان کر دیا ہے کہ وہ تو سراپا عیوب ہے اور اس کے عیوب اس قدر زیادہ ہیں جو ختم ہونے میں نہیں آئیں گے۔ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ ذرا ذرا سی بات پر مشتعل ہو جاتے ہیں اور خاص طور پر اگر بیوی ان کی مرضی کے خلاف کوئی کام کر دے تو پھر وہ گالی گلوچ، مار کٹائی اور طلاق سے کم پر ٹھہرتے ہی نہیں۔ ایسی صورت میں عورت کے لیے سخت مشکلات پیدا ہو جاتی تھیں۔ خاص طور پر صاحبِ اولاد عورت کی یہ مجبوری ہوتی ہے کہ طلاق کی صورت میں وہ بچوں کو لے کر کہاں ماری ماری پھرے گی۔ لہٰذا حتی الامکان ان کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ خاوند کو شکایت کا موقع نہ دیں۔ اس دوسری عورت کا حال بھی کچھ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے جو خاوند کے ڈر کی وجہ سے کچھ نہ کہنے کے باوجود اس کے سارے عیوب چند الفاظ میں ظاہر کر گئی ہے۔

اس عورت نے دوسری بات یہ کی ہے۔ اِنْ اَذْکُرْہٗ اَذْکُرْ عُجَرَہٗ وَ بُجَرَہٗ کہ اگر مَیں نے خاوند کا کچّا چِٹّھا کھول دیا تو پھر اس کا عجرہ بجرہ سارا ہی بیان کرنا پڑے گا۔ عجر دراصل گردن کی پھُولی ہوئی رگوں کو کہتے ہیں، اور بجر اُبھری ہوئی ناف کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ گردن کی رگ یا اُبھری ہُوئی ناف کا معمول سے زیادہ اُبھرا ہوا ہونا عیب سمجھا جاتا ہے اور جب محاورے کے طور پر عجر اور بجر کو اکٹھا استعمال کیا جائے تو اس سے تمام ظاہری اور باطنی عیوب سے کنایہ ہوتا ہے تو اس عورت کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایک دفعہ اس نے خاوند کے عیوب کو ظاہر کرنا شروع کر دیا تو پھر اسے تمام عیوبِ ظاہرہ اور باطنہ کی تفصیل بیان کرنی پڑے گی جو اس کے لیے مشکلات پیدا کر سکتی ہے۔

اس روایت میں آمدہ لفظ اَذَرَہٗ بھی قابلِ غور اور تفصیل طلب ہے۔ اگر اَذَرَہٗ میں ہٗ کی ضمیر خاوند کی طرف لوٹائی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مَیں اس کو چھوڑ نہیں سکوں گی۔ یعنی میری یہ مجبوری ہے کہ مَیں اس کے حالات ظاہر نہیں کر سکتی، اگر ظاہر کرنے کی صورت میں اُس نے مجھے طلاق دے دی تو پھر میرے دیگر وسائل ایسے

نہیں ہیں کہ مَیں اس خاوند کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ چلی جاؤں ۔

اور اگر اَذْرَہٗ میں ہٗ کی ضمیر کا مرجع خبر یعنی اس کے خاوند کے حالات ہیں تو معنیٰ یہ ہوگا کہ مَیں مکمل حالات بیان کیے بغیر انھیں ادھورا نہیں چھوڑ سکوں گی۔ بہرحال اس دوسری عورت نے اپنے مختصر بیان میں اپنے خاوند کے عیوب ظاہرہ اور باطنہ کی نشاندہی کر دی ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ شخص واقعی مجمع العیوب الظاہرہ والباطنہ ہے ۔

قَالَتِ الثَّالِثَةُ زَوْجِي الْعَشَنَّقُ إِنْ أَنْطِقْ أُطَلَّقْ فَإِنْ أَسْكُتْ أُعَلَّقْ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۸۷)

ترجمہ: "تیسری عورت نے کہا کہ میرا خاوند لم ڈھینگ (بے ڈول قسم کے لانبے قد والا) ہے۔ اگر میں کوئی بات کروں، تو طلاق دے دی جاؤں اور اگر خاموش رہوں تو درمیان میں لٹکتی رہوں۔"

تیسری عورت کا بیان

زمخشری کہتے ہیں کہ عشنق لمبے قد کے نحیف اور بے ڈول آدمی کو کہتے ہیں۔ ہماری زبان میں ایسے شخص کو لم ڈھینگ یا لمبوترا بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس عورت کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ میرے خاوند کی مثال لمبی ٹانگوں والے پرندے لم ڈھینگ کے ساتھ ہے جو بالکل بے ڈول، بدصورت اور کمزور ہوتا ہے۔ میرا خاوند ان صفات کا حامل ہونے کے علاوہ بداخلاق بھی ہے اس کی نہ تو ظاہری شکل وصورت اچھی ہے، نہ قد کاٹھ متوازن ہے اور نہ ہی اچھے اخلاق کا مالک ہے۔ وہ نہ میرا بولنا برداشت کرتا ہے اور چپ رہنا اس کو بھاتا ہے۔ اِنْ اَنْطِقْ اگر میں کوئی بات کرتی ہوں، کسی چیز کا مطالبہ کرتی ہوں تو اُطَلَّقْ تو وہ کھٹ سے طلاق دینے پر آمادہ ہوجاتا ہے کیونکہ وہ میری کوئی بھی بات برداشت نہیں کرتا۔ اور اگر میں ڈر کی ماری خاموش رہتی ہوں تو درمیان میں لٹکتی رہتی ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ جب میں بول ہی نہیں سکتی تو اپنی ضروریات اور حسنِ سلوک کا مطالبہ کیسے پیش کرسکتی ہوں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ منکوحہ ہونے کے باوجود مجھے شوہر والیوں جیسی سہولتیں حاصل نہیں ہوتیں اور نہ ہی مطلقہ ہوں کہ کسی دوسری جگہ نکاح کرلوں۔ اس لحاظ میں منکوحہ اور غیر منکوحہ حالت کے درمیان لٹکی ہی ہوں۔ الغرض! اس تیسری عورت نے بھی پہلی دو عورتوں کی طرح اپنے خاوند کی مکمل مذمت بیان کی ہے۔

باب - ۳۸

درس - ۳۸

حدیث - ۲(۴)

قَالَتِ الرَّابِعَةُ زَوْجِيْ كَلَيْلِ تِهَامَةَ لَا حَرٌّ وَلَا قَرٌّ وَلَا مَخَافَةَ وَلَا سَآمَةَ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۸۷)

ترجمہ: "چوتھی عورت نے کہا کہ میرا خاوند تہامہ کی رات کیطرح ہے کہ نہ تو اس میں گرمی ہے اور نہ ٹھنڈک ۔ نہ تو اس میں کوئی خوف والی بات ہے اور نہ ہی وہ تنگ دل ہے۔"

چوتھی عورت کا بیان اس مجلس کی چوتھی عورت نے اپنے خاوند کی تعریف کی ہے کہ وہ بہت اچھا آدمی ہے۔ کہنے لگی زَوْجِيْ كَلَيْلِ تِهَامَةَ ۔ میرا شوہر تہامہ کی رات کی مانند معتدل مزاج ہے۔ سرزمین عرب کو آب و ہوا کے لحاظ سے پانچ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے یعنی نجد، غور، حجاز، عروض اور تہامہ محل وقوع کے لحاظ سے ان علاقوں کی آب و ہوا بھی مختلف ہے۔ کسی علاقے کی سخت گرم، کسی کی سرد اور کسی کی معتدل۔ اطرافِ مکہ کے علاقہ کو تہامہ کہتے ہیں جہاں دن کے وقت سخت گرمی ہوتی ہے مگر رات کو جب ہوا چلتی ہے تو آب و ہوا معتدل ہو جاتی ہے۔ رات کے وقت اس علاقے میں نہ گرمی باقی رہتی ہے اور نہ ہی یہ خطہ سخت سرد ہو جاتا ہے بلکہ تہامہ کی رات خوشگوار ہو جاتی ہے تو اس عورت نے اپنے خاوند کی پہلی صفت یہ بیان کی ہے کہ اس کا مزاج تہامہ کی رات کی طرح ہے کہ جس میں لَا حَرٌّ نہ تو گرمی ہوتی ہے، وَلَا قَرٌّ اور نہ ہی سردی ہوتی ہے۔ یہاں پر اگر لَا نفی جنس کا مان کر خبر محذوف مان لیں تو عبارت یہ بن جائے گی لَا حَرَّ فِيْهِ وَلَا قَرَّ یعنی اُس میں نہ تو گرمی ہے اور نہ سردی۔ یا لَا کو لَيْسَ یا غَيْرَ کے معنیٰ میں ان الفاظ کو مرفوع بھی پڑھا جا سکتا ہے یعنی لَا حَرٌّ وَلَا قَرٌّ اور لَا کو عطف کے معنیٰ میں بنا کر یا ذُو کو محذوف مان کر بھی پڑھ سکتے ہیں۔ لَا ذُوْ حَرٍّ وَلَا ذُوْ قَرٍّ یہ سب اعراب آ سکتے ہیں مگر معنیٰ وہی ہو گا اور میرا خاوند معتدل مزاج ہے جس میں نہ گرمی ہے اور نہ سردی یعنی نہ تو وہ

معمولی سی بات پر طیش میں آجاتا ہے اور نہ اتنا بے حس ہے کہ بڑے سے بڑے حادثہ پر بھی اس کو جوش و غیرت نہیں آتی۔

پھر وہ عورت کہتی ہے۔ لَا مَخَافَةَ اس میں کوئی خوف کھانے والی چیز نہیں ہے جس سے خطرہ ہو کہ نامعلوم ابھی ناراض ہو گیا تو کیا کر گزرے گا۔ وَلَا سَامَةَ اس میں دلگیری یا تنگ دلی والی بھی کوئی چیز نہیں ہے کہ میری کسی جائز بات پر تنگ دلی کا مظاہرہ کرے، خود پریشان ہو جائے یا مجھے پریشان کر دے۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے بلکہ میرا خاوند نہایت ہی اچھا، خوش اخلاق اور معتدل مزاج انسان ہے۔

شمائل ترمذی — باب ۔ ۳۸

درس ۔ ۳۸ — حدیث ۔ ۲ (۵)

قَالَتِ الْخَامِسَةُ زَوْجِیْ اِنْ دَخَلَ فَہِدَ وَاِنْ خَرَجَ اَسِدَ وَلَا یَسْأَلُ عَمَّا عَہِدَ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۸۶)

ترجمہ: "پانچویں عورت کہنے لگی کہ میرا خاوند جب گھر میں داخل ہوتا ہے تو چیتا بن جاتا ہے اور جب نکلتا ہے تو شیر ہوتا ہے اور جانی بوجھی چیز کے بارے میں کچھ نہیں پوچھتا۔"

پانچویں عورت کا بیان

اس عورت کا بیان بھی حقیقت میں اپنے خاوند کی نیم مذمت پر دلالت کرتا ہے۔ وہ کہتی ہے اِنْ دَخَلَ فَہِدَ جب میرا خاوند گھر آتا ہے تو اس کی مثال چیتے[1] کی ہو جاتی ہے۔ چیتے کی تین خصلتیں مشہور ہیں یعنی کثرتِ نوم، کثرتِ جماع اور تغافل۔ دوسرے لفظوں میں اس اس عورت نے کہا ہے کہ میرے خاوند میں بھی یہی تین خصائل پائے جاتے ہیں کہ گھر میں آکر اس کا زیادہ وقت سونے میں گزرتا ہے۔ مباشرت بکثرت کرتا ہے اور گھریلو معاملات میں لاپرواہ بھی ثابت ہوا ہے، کوئی کام سنور جائے یا بگڑ جائے اس کو کچھ فکر نہیں ہوتی۔

نیز وہ عورت کہتی ہے کہ جب میرا خاوند گھر سے باہر چلا جاتا ہے تو اس کی ساری سستی دور ہو جاتی ہے۔ وَاِنْ خَرَجَ اَسِدَ اور وہ شیر کی مانند بن جاتا ہے۔ شیر جنگل کا بادشاہ تصوّر کیا جاتا ہے۔ جس کے سامنے تمام جنگلی جانوروں کی حیثیت رعایا کی ہوتی ہے۔ اسی طرح میرے خاوند کا بھی گھر سے باہر خوب کھڑ کا دھڑکا ہوتا ہے، اس کے سامنے کوئی بول نہیں سکتا، اچھا بارُعب آدمی ہوتا ہے۔

وَلَا یَسْأَلُ عَمَّا عَہِدَ وہ گھریلو معاملات کی کوئی چھان پھٹک نہیں کرتا کہ کیا پکایا اور کیا کھایا، کیا لیا اور کیا دیا، اسے ان امور سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔

[1] اگر دھاری دار ہو تو اسے نمر کہتے ہیں۔ (فاضل)

سب ہماری صوابدید پر ہوتا ہے۔ اس کا یہ مطلب بھی لیا جا سکتا ہے کہ گھر میں ضروریاتِ زندگی کی کوئی چیز ہو یا نہ ہو، ہم مریں یا جئیں، اُسے کچھ پرواہ نہیں ہوتی اور نہ ہی وہ ہماری خیر خیریت اور تنگی ترسی کے متعلق دریافت کرتا ہے۔

بہر حال اس عورت کے اس بیان سے قدرے تعریف اور قدرے شکایت کا اظہار ہوتا ہے۔

درس - ۳۸　　　　حدیث ۲۰ (۶)

قَالَتِ السَّادِسَةُ زَوْجِيْ اِنْ اَكَلَ لَفَّ وَاِنْ شَرِبَ اشْتَفَّ وَاِنِ اضْطَجَعَ الْتَفَّ وَلَا يُوْلِجُ الْكَفَّ لِيَعْلَمَ الْبَثَّ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۸۷)

ترجمہ: "چھٹی عورت نے کہا کہ میرا خاوند جب کھاتا ہے تو سب کچھ سمیٹ جاتا ہے اور جب پیتا ہے تو آخری قطرہ تک پی جاتا ہے جب سوتا ہے تو چادر لپیٹ کر سو جاتا ہے اور دوسرے کی طرف ہاتھ بھی نہیں بڑھاتا تاکہ اس کا حال معلوم کر سکے۔"

چھٹی عورت کا بیان

اس عورت کے بیان سے اس کے خاوند کی مدح کا پہلو بھی نکلتا ہے اور اس کی قدح کا اظہار بھی ہوتا ہے کہتی ہے۔ زَوْجِيْ اِنْ اَكَلَ لَفَّ میرا خاوند ایسا ہے کہ جب کھانا کھانے لگے تو سب کچھ چٹ کر جاتا ہے اور دوسروں کے لیے کچھ نہیں چھوڑتا محض اپنا پیٹ ہی بھرتا ہے۔ وَاِنْ شَرِبَ اشْتَفَّ اور جب کوئی مشروب پیتا ہے تو اس کا آخری قطرہ تک پی جاتا ہے۔ گھر میں دودھ، شہد، نبیذ یا پانی ہو تو سارے کا سارا پی جاتا ہے۔ اُسے اس بات کی کچھ پرواہ نہیں ہوتی کہ اس میں کسی دوسرے کا حصہ بھی ہے۔ کہتی ہے کہ میرے خاوند کی یہ عادت بھی ہے اِنِ اضْطَجَعَ الْتَفَّ جب بستر پر لیٹتا ہے تو چادر اوڑھ کر سو جاتا ہے اور پھر اس قدر غافل ہو جاتا ہے وَلَا يُوْلِجُ الْكَفَّ کہ میری طرف ہاتھ بھی نہیں بڑھاتا لِيَعْلَمَ الْبَثَّ تاکہ اس کی تکلیف، خواہش یا ضروریات کے متعلق معلوم کر سکے۔ اگر چھٹی عورت کے بیان کو ان معانی میں لیا جائے تو یہ مذمت کا پہلو ہے۔

انھی الفاظ سے خاوند کی مدح کا پہلو بھی نکلتا ہے اور وہ اس طرح کہ میرا خاوند کھاتا پیتا آسودہ حال آدمی ہے۔ اس کے ہاں خورد ونوش کی تمام اشیاء موجود ہوتی ہیں۔ لہٰذا وہ زردہ، پلاؤ، گوشت، چاول جو کچھ چاہے خوب کھاتا ہے۔ اسی طرح

اس کے پاس مشروب بھی ہر قسم کے ہوتے ہیں اور وہ ان کو پینے میں بھی بخل سے کام نہیں لیتا بلکہ سیر ہو کر کھاتا اور پیتا ہے۔

اور جب لیٹتا ہے تو بے فکر ہو کر آرام سے سو جاتا ہے حتّٰی کہ کسی دوسرے اہل خانہ کے کپڑے میں خواہ مخواہ ہاتھ ڈال کر اُس کو پریشان نہیں کرتا۔ وہ لڑائی بھڑائی اور گالی گلوچ جیسے قبیح کام نہیں کرتا، بلکہ خود بھی سکون سے رہتا ہے اور دوسروں کے معاملات میں بھی دخل اندازی نہیں کرتا۔

غرضیکہ جیسا کہ مَیں نے بتلایا کہ اس عورت کے بیان سے مدح اور قدح کے دونوں پہلوؤں کا اظہار ہوتا ہے۔

حدیث ۔ ۲۰(۶)

قَالَتِ السَّابِعَةُ زَوْجِي عَيَايَاءُ اَوْغَيَايَاءُ طَبَاقَاءُ كُلُّ دَاءٍ لَهُ دَاءٌ شَجَّكِ اَوْفَلَّكِ اَوْجَمَعَ كُلًّا لَكِ ۔

(ترمذی مع شمائل صـ۵۸۷)

ترجمہ: "ساتویں عورت نے کہا کہ میرا شوہر درماندہ ہے یا گمراہ ہے اس کا کوئی کام بھی درست نہیں ۔ ہر بیماری اس میں کامل ہے (جب ناراض ہو جائے) تو سر پھوڑ دے یا ہاتھ ٹانگ توڑ دے یا دونوں کام کر گزرے ۔"

ساتویں عورت کا بیان

ساتویں عورت نے اپنے شوہر کی سخت مذمت کی ہے ۔ کہنے لگی، میرا خاوند عَيَايَاءُ اَوْغَيَايَاءُ ہے ۔ عَيَايَاءُ باب عَلِمَ يَعْلَمُ سے ہے ۔ اور اس کا معنیٰ درماندہ یا لاچار ہوتا ہے ۔ ہو سکتا ہے کہ وہ گونگا ہو اور کلام کرنے سے بھی عاری ہو یا بالکل گونگا تو نہیں مگر اس قدر بے عقل ہے کہ اپنا مافی الضمیر بھی بیان نہیں کر سکتا ۔ عیایاءُ کا ایک معنیٰ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ نامرد ہے اور عورت کی خواہش پوری کرنے کے قابل بھی نہیں ہے ۔

دوسرا لفظ غَيَايَاءُ ہے یہ غَيٌّ کے مادہ سے ہے جو گمراہ کا معنیٰ دیتا ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ میرا خاوند اس قدر گمراہ اور ناکام ہے کہ کسی کام کی سوجھ بوجھ ہی نہیں رکھتا ۔ بہر حال اس عورت نے کہا کہ میرا شوہر ایسا ایسا ہے ۔

اس نے اپنے خاوند کا دوسرا تاریک پہلو یہ بیان کیا کہ وہ طَبَاقَاءُ ہے شارحین اس کا ایک معنیٰ تو یہ کرتے ہیں ۔ مُطْبَقٌ عَلَيْهِ الْاُمُوْرُ (یا) اَلْاُمُوْرُ مُطْبَقَةٌ عَلَيْهِ یعنی اس کے سارے ہی کام بند ہیں ۔ گویا کہ وہ کوئی کام بھی ٹھیک طریقے سے نہیں کر سکتا ۔ اس کے علاوہ طَبَاقَاءُ اس آدمی کو بھی کہتے ہیں جو مباشرت کے وقت اپنا سارا جسم عورت پر ڈال دیتا ہے ۔ ظاہر ہے کہ یہ بھی ناپسندیدہ خصلت ہے

غرضیکہ میرے خاوند کی مثال اس غلام کی ہے جو اپنے مالک پر بوجھ بنا ہوا ہے۔ اَیْنَمَا یُوَجِّهْهُ لَا یَأْتِ بِخَیْرٍ ۔ (النحل: ۷۶) مالک اسے جس طرف بھی بھیجتا ہے وہ کوئی اچھی خبر نہیں لاتا۔ ایسا نکما آدمی ہے۔

اس عورت نے اپنے خاوند کی یہ بُری خصلت بھی بیان کی۔ کُلُّ دَاءٍ لَهُ دَاءٌ ہر بیماری اس کی کامل بیماری ہے۔ علاوہ ازیں وہ بات بات پر مشتعل ہو جاتا ہے ذرا ناراض ہو جائے تو شَجَّكِ تیرا سر پھوڑ دے۔ اَوْ فَلَّكِ یا کوئی ہاتھ پاؤں ہی توڑ ڈالے ایسا ظالم آدمی ہے کہ زخمی کیے بغیر نہیں چھوڑتا، سر پھوڑ دیا، کوئی بازو توڑ دیا یا ٹانگیں توڑ دیں اَوْ جَمَعَ كُلًّا لَكِ یا یہ دونوں کام کر دیے۔ غرضیکہ وہ اس قدر غصے والا اور لڑاکا آدمی ہے۔

درس - ۳۸ حدیث - ۲ (۸)

قَالَتِ الثَّامِنَةُ زَوْجِي الْمَسُّ مَسُّ اَرْنَبٍ وَالرِّيحُ رِيحُ ذَرْنَبٍ - (ترمذی مع شمائل صـ۵۸۷)

ترجمہ: "آٹھویں عورت نے کہا کہ میرے خاوند کو ہاتھ لگانا گویا خرگوش کو ہاتھ لگانا ہے اور اس کی خوشبو گویا زعفران کی خوشبو ہے۔"

آٹھویں عورت کا بیان

اس عورت نے اپنے شوہر کی مکمل تعریف کی ہے کہتی ہے زَوْجِي الْمَسُّ مَسُّ اَرْنَبٍ کہ میرے شوہر کا جسم اس قدر نرم و نازک اور ملائم ہے جیسے خرگوش کا جسم ہوتا ہے میرے خاوند کو ہاتھ لگا کر چھو لینا ایسا ہی ہے جیسے خرگوش کے نرم و نازک بدن پر ہاتھ پھیر دیا ہو۔ ظاہر ہے کہ خرگوش کے جسم کے بال نہایت ہی ملائم ہوتے ہیں اور اس عورت نے اپنے خاوند کی نزاکت و نرمی کی مثال خرگوش کے ساتھ دی ہے۔

اس عورت نے اپنے شوہر کی دوسری صفت یہ بیان کی۔ وَالرِّيحُ رِيحُ ذَرْنَبٍ اور اس کے جسم سے ایسی خوشبو آتی ہے جیسے زعفران کی خوشبو ہو۔ ذرنب زعفران یا اس جیسی کسی دوسری پاکیزہ بوٹی (تیز پات) کو کہتے ہیں۔ بہر حال اس عورت نے اپنے خاوند کو نہایت ہی نرم و ملائم اور زعفران جیسی پاکیزہ خوشبو کا حامل بتایا۔

درس - ۳۸　　　　حدیث - ۲ (۹)

قَالَتِ التَّاسِعَةُ زَوْجِي رَفِيعُ الْعِمَادِ عَظِيمُ الرَّمَادِ طَوِيلُ النِّجَادِ قَرِيبُ الْبَيْتِ مِنَ النَّادِ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۸۸)

ترجمہ: "نویں عورت نے کہا کہ میرا خاوند بلند ستونوں والا، بڑی راکھ والا لمبے قد والا اور مجلس کے قریب گھر والا ہے۔"

نویں عورت کا بیان

اس عورت نے بھی اپنے شوہر کی خوب تعریف کی ہے اور اس کی چار خصلتیں بیان کی ہیں زَوْجِي رَفِيعُ الْعِمَادِ۔ پہلی صفت تو یہ ہے کہ وہ لمبے ستونوں والا ہے۔ عماد جمع ہے عمد کی۔ جس کا معنی ستون یا بانس ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس عمارت کے ستون بڑے ہوں گے یا جس خیمے کو کھڑا کرنے والے بانس لمبے ہوں گے، وہ عمارت یا خیمہ بھی بلند و بالا اور وسیع ہوگا، جو کسی کی آسودہ حالی کی علامت ہوتی ہے۔ نویں عورت کی مراد یہ ہے کہ اُس کا شوہر امیر کبیر آدمی ہے جو بڑی بڑی کوٹھیوں کا مالک ہے۔

اس عورت نے اپنے خاوند کی دوسری صفت یہ بیان کی کہ وہ عَظِيمُ الرَّمَادِ ہے رماد کا لغوی معنیٰ تو راکھ ہوتا ہے اور عظیم الرماد کا مطلب یہ ہوا کہ میرا شوہر زیادہ راکھ کا مالک ہے۔ مگر اس مقام پر یہ سخی ہونے سے کنایہ ہے۔

ظاہر ہے کہ جس گھر میں راکھ زیادہ ہوگی، وہاں آگ زیادہ جلتی ہوگی اور زیادہ آگ جلنے کا مطلب یہ ہے کہ وہاں کھانا زیادہ پکتا ہے جو اس بات کی طرف دلالت کرتا ہے کہ وہاں مہمان کثرت سے آتے ہیں اسی بنا پر عظیم الرماد سے مراد یہ ہے کہ میرا خاوند صاحبِ حیثیت آدمی ہے جسکے ہاں کثرت سے مہمان آتے ہیں اور وہ ان کی خاطر مدارت میں کوئی کسر نہیں چھوڑتا، مہمانوں کی مہمان نوازی کے لیے اکثر چولہا گرم رہتا ہے اور کھانا پکتا رہتا ہے عظیم الرماد کا لغوی معنیٰ کوئلہ بنانے والا ہوتا ہے جو یہاں مراد نہیں۔

اس نے خاوند کی تیسری صفت کے طور پر کہا کہ وہ طَوِيلُ النِّجَادِ ہے یعنی اس کی

تلوار کا تسمہ لمبا ہے جس کے ساتھ وہ تلوار کو لٹکایا کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس تلوار کا تسمہ لمبا ہوگا وہ تلوار بھی زیادہ لمبی ہوگی جو آدمی کے طویل القامت ہونے سے کنایہ ہے۔

اس کی چوتھی صفت یہ ہے کہ وہ قَرِیْبُ الْبَیْتِ مِنَ النَّادِ ہے یعنی اس کا گھر اجلاس منعقد ہونے کے مقام کے قریب ہے۔ آبادی میں کوئی مرکزی جگہ مقرر ہوگی جہاں لوگوں کے مشترکہ مفادات کے معاملات طے کرنے کے لیے وقتاً فوقتاً اجتماع یا اجلاس منعقد ہوتے ہیں۔ اس قسم کے انتظامات ہر علاقے اور ہر زمانے میں موجود رہے ہیں جن کی ترقی یافتہ صورت آج کل ٹاؤن ہال، اسمبلی ہال، لیبر ہال اور دیہات میں تکیہ وغیرہ کے نام سے موسوم ہیں اس زمانے میں عام لوگ ایسے مرکز کے قریب رہائش اختیار کرنا پسند نہیں کرتے تھے کیونکہ یہاں پر اکثر لوگ آتے جاتے رہتے تھے اور قریبی لوگوں کو ان کے لیے کسی نہ کسی صورت تگ و دو کرنی پڑتی تھی۔ اس کے برخلاف یہ نویں عورت کہتی ہے کہ میرا خاوند آسودہ حال اور جذبۂ خدمت سے سرشار ہے، اس لیے اس نے اپنا گھر مجلس خانہ سے قریب بنا رکھا ہے۔ تاکہ وہاں پر آنے والے مہمانوں کے کھانے، مشروب یا ان کے رہنے کے لیے چارپائی اور بستر وغیرہ کا انتظام کر سکے۔ جو لوگ مہمان نوازی سے کتراتے تھے کسی شاعر نے ان کی مذمت بیان کی ہے جو سب سے بڑی مذمت کہلاتی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ جب ان کے ہاں کوئی مہمان آنے کی خبر ملتی ہے تو اپنی ماں کو کہتے ہیں کہ جلدی سے چولھے پر پیشاب کر کے آگ بجھا دو تاکہ کوئی مہمان نہ پلّے پڑ جائے۔ یہ تو کنجوس لوگوں کا حال ہے مگر اس عورت نے اپنے خاوند کی مہمان نوازی کی تعریف کی ہے۔ الغرض: اس کے بیان کے مطابق اس کا شوہر طویل قد، مہمان نواز، بڑے بڑے محلّات کا مالک اور صاحب حیثیت آدمی ہے۔

درس - ۳۸　　　　حدیث ۲ (۱۰)

قَالَتِ الْعَاشِرَةُ زَوْجِيْ مَالِكٌ وَمَا مَالِكٌ مَالِكٌ خَيْرٌ مِّنْ ذٰلِكَ لَهٗ اِبِلٌ كَثِيْرَاتُ الْمَبَارِكِ قَلِيْلَاتُ الْمَسَارِحِ اِذَا سَمِعْنَ صَوْتَ الْمِزْهَرِ اَيْقَنَّ اَنَّهُنَّ هَوَالِكُ ۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۸۷)

ترجمہ: "دسویں عورت نے کہا کہ میرے خاوند کا نام مالک ہے اور میں کیا بتاؤں کہ مالک کیا ہے؟ مالک تو اُن سب خاوندوں سے بہتر ہے جن کی تعریف اُن کی بیویوں نے کی ہے اس کے اونٹوں کے بیٹھنے کا زمانہ زیادہ ہے اور باہر جاکر چرنے کا زمانہ کم ہوتا ہے۔ جب وہ اونٹ باجے کی آواز سنتے ہیں تو سمجھ جاتے ہیں کہ اُنکی ہلاکت کا وقت آگیا ہے۔"

دسویں عورت کا بیان

دسویں عورت نے کہا زَوْجِيْ مَالِكٌ میرے شوہر کا نام مالک ہے وَمَا مَالِكٌ اور میں کیا بتاؤں کہ مالک کیا ہے؟ جیسے ہم اپنے الفاظ میں کہتے ہیں کہ مالک کے کیا کہنے، وہ تو بڑی خوبیوں کا مالک ہے اس قسم کے الفاظ قرآنِ پاک میں بھی آئے ہیں۔ مثلاً قیامت کے متعلق فرمایا اَلْقَارِعَةُ ○ مَا الْقَارِعَةُ ○ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ○ اور تم کیا جانو کہ کھڑکھڑانے والی (قیامت) کیا ہے؟ تو یہاں بھی دسویں عورت نے اپنے خاوند کی خوبیوں اور اس کی اہمیت کو جتلانے کے لیے کہا کہ مالک کے کیا کہنے، مَالِكٌ خَيْرٌ مِّنْ ذٰلِكَ مالک تو ان سب سے بہتر ہے، یعنی اب تک جتنی عورتوں نے اپنے شوہروں کی خوبیاں بیان کی ہیں، میرا خاوند ان سب سے بہتر ہے۔

کہنے لگی، لَهٗ اِبِلٌ كَثِيْرَاتُ الْمَبَارِكِ اس کے اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ زیادہ ہے۔ مبارک، مبرک کی جمع ہے جو کہ مصدر میمی بھی بن سکتا ہے۔ اگر یہ

ظرفِ مکان ہے تو اس کا معنی بیٹھنے کی جگہ ہو گا اور اگر ظرفِ زمان ہو تو بیٹھنے کا زمانہ معنی ہو گا۔ اس زمانے میں اونٹوں کا زیادہ وقت چراگاہ میں گزرتا تھا اور وہ تھوڑے عرصہ کے لیے گھر لائے جاتے تھے البتہ جس مالدار کے ہاں مہمانوں کی اکثر آمد و رفت رہتی تھی وہ اپنے اونٹوں کو زیادہ تر اپنے گھر کے قریب ہی بٹھاتے تھے تاکہ جب بھی مہمانوں کی خاطر مدارت کے لیے ضرورت پڑے، جانور فوراً حاصل کر لیے جائیں کیونکہ چراگاہ سے جانور لانے میں دیر لگ جاتی تھی اور اس طرح مہمان نوازی بھی مؤخر ہو جاتی تھی اسی پس منظر میں اس عورت نے اپنے خاوند کی مدح میں کہا کہ اس کے اونٹ زیادہ تر گھر کے قریب ہی رکھے جاتے ہیں لہٰذا ان کے بٹھانے کے لیے اس کے پاس جگہ بھی زیادہ ہے یا اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ میرے خاوند کے اونٹوں کا زیادہ تر وقت گھر کے قریب بیٹھنے میں گزرتا ہے تاکہ جس وقت بھی ان کو ذبح کرنا مطلوب ہو فوراً حاصل کر لیے جائیں۔ اس بات کی مزید وضاحت اُس عورت نے یوں کی کہ وہ اونٹ قَلِیْلَاتُ الْمَسَارِحِ باہر چرنے کے لیے بہت تھوڑا عرصہ جاتے ہیں۔ یا یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ میرے خاوند کے اونٹوں کے باہر چرنے کی جگہ بہت کم ہے۔ یعنی وہ اکثر گھر کے قریب ہی رہتے ہیں۔ الغرض! دونوں صورتوں میں اُس نے اپنے خاوند کی تعریف کی ہے کہ وہ بڑا مہمان نواز ہے جو مہمانوں کی خدمت تواضع کے لیے اپنے اونٹوں کو ہمیشہ قریب ہی رکھتا ہے۔

پھر کہنے لگی کہ اونٹ بھی مہمانوں کی بکثرت آمد سے واقف ہو چکے ہیں۔ اِذَا سَمِعْنَ صَوْتَ الْمِزْهَرِ جونہی وہ باجے کی آواز سنتے ہیں، اَیْقَنَّ اَنَّهُنَّ هَوَالِكُ تو انھیں یقین ہو جاتا ہے کہ اب ان کی ہلاکت کا وقت قریب آگیا ہے۔ عربوں کی مہمان نوازی تو دُنیا بھر میں مشہور تھی۔ وہ لوگ مہمانوں کی آمد پر خوشی مناتے تھے اور ان کی خاطر تواضع میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ جب کسی مالدار آدمی کے ہاں مہمان آتے تو وہ اُن کا استقبال باجے گاجے اور گانے بجانے سے کرتے، جس سے لوگوں کو پتہ چل جاتا کہ فلاں سردار کے ہاں مہمان آئے ہیں اس معاملہ میں ان کے اونٹ بھی بے بہرہ نہیں رہتے تھے بلکہ ڈھول ڈھمکے کی آواز سُن کر وہ بھی سمجھ جاتے کہ یہاں مہمانوں کی آمد ہے، اب ان کی تواضع کے لیے صاحبِ خانہ اونٹ ذبح کرے گا، لہٰذا انھیں یقین ہو جاتا کہ اب ہماری ہلاکت یعنی ذبح ہونے

میں تھوڑی ہی دیر باقی ہے۔

اس روایت میں آمدہ لفظ مَسَارِح باب سَرَحَ یَسْرَحُ سے ہے جس کا معنی جانوروں کا چراگاہ میں چرنا چگنا ہوتا ہے۔ ان معانی میں یہ لفظ قرآنِ پاک میں بھی آیا ہے۔ وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ○ (النحل: ٦) جانوروں کے شام کو گھر آنے اور صبح کو چرنے کے لیے لے جانے میں تمھاری عزّت افزائی ہے۔

دوسرا لفظ صَوْتَ الْمِزْهَرِ آیا ہے جس کی جمع مَزَاہِر آتی ہے اور اس کا معنیٰ باجا ہے جو شادی بیاہ یا دیگر خوشی کے موقع پر بجایا جاتا ہے۔

دسویں عورت نے بھی اپنے خاوند کی بھرپور تعریف کی ہے۔

درس - ۳۹ — حدیث ۲۰۰ (۱۱)

قَالَتِ الْحَادِيَةَ عَشْرَةَ زَوْجِي أَبُو زَرْعٍ وَمَا أَبُو زَرْعٍ أَنَاسَ
مِنْ حُلِيٍّ أُذُنَيَّ وَمَلَأَ مِنْ شَحْمٍ عَضُدَيَّ وَبَجَّحَنِي
فَبَجِحَتْ إِلَيَّ نَفْسِي وَجَدَنِي فِي أَهْلِ غُنَيْمَةٍ بِشِقٍّ
فَجَعَلَنِي فِي أَهْلِ صَهِيلٍ وَأَطِيطٍ وَدَائِسٍ وَمُنَقٍّ
فَعِنْدَهُ أَقُولُ فَلَا أُقَبَّحُ وَأَرْقُدُ فَأَتَصَبَّحُ وَأَشْرَبُ
فَأَتَقَمَّحُ أُمُّ أَبِي زَرْعٍ فَمَا أُمُّ أَبِي زَرْعٍ عُكُومُهَا
رَدَاحٌ وَبَيْتُهَا فَسَاحٌ. ابْنُ أَبِي زَرْعٍ فَمَا ابْنُ
أَبِي زَرْعٍ مَضْجَعُهُ كَمَسَلِّ شَطْبَةٍ وَتُشْبِعُهُ ذِرَاعُ
الْجَفْرَةِ. بِنْتُ أَبِي زَرْعٍ فَمَا بِنْتُ أَبِي زَرْعٍ
طَوْعُ أَبِيهَا وَطَوْعُ أُمِّهَا وَمِلْءُ كِسَائِهَا وَغَيْظُ جَارَتِهَا
جَارِيَةُ أَبِي زَرْعٍ فَمَا جَارِيَةُ أَبِي زَرْعٍ لَا تَبُثُّ
حَدِيثَنَا تَبْثِيثًا وَلَا تُنَقِّثُ مِيرَتَنَا تَنْقِيثًا وَلَا تَمْلَأُ
بَيْتَنَا تَعْشِيشًا. قَالَتْ خَرَجَ أَبُو زَرْعٍ وَالْأَوْطَابُ
تُمْخَضُ فَلَقِيَ امْرَأَةً مَعَهَا وَلَدَانِ لَهَا كَالْفَهْدَيْنِ
يَلْعَبَانِ مِنْ تَحْتِ خَصْرِهَا بِرُمَّانَتَيْنِ فَطَلَّقَنِي فَنَكَحَهَا
فَنَكَحْتُ بَعْدَهُ رَجُلًا سَرِيًّا رَكِبَ شَرِيًّا وَأَخَذَ
خَطِّيًّا وَأَرَاحَ عَلَيَّ نَعَمًا ثَرِيًّا وَأَعْطَانِي مِنْ كُلِّ رَائِحَةٍ
زَوْجًا وَقَالَ كُلِي أُمَّ زَرْعٍ وَمِيرِي أَهْلَكِ. فَلَوْ
جَمَعْتُ كُلَّ شَيْءٍ أَعْطَانِيهِ مَا بَلَغَ أَصْغَرَ آنِيَةِ
أَبِي زَرْعٍ قَالَتْ عَائِشَةُ فَقَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُنْتُ لَكِ كَأَبِي زَرْعٍ لِأُمِّ زَرْعٍ.

(ترمذی مع شمائل ص۵۸۶)

ترجمہ: "گیارھویں عورت نے کہا کہ میرا خاوند ابو زرع تھا۔ اور ابوزرع کے کیا کہنے اس نے میرے کانوں کو زیورات سے بوجھل کر دیا۔ اور میرے بازوؤں کو چربی سے بھر دیا۔ اس نے مجھے اتنا خوش کر دیا کہ میرے اپنے نزدیک بھی میرا نفس خوش ہو گیا۔ اس نے مجھے چند بکریوں والے گھر میں پایا تھا جو بڑی مشقت میں تھا۔ پھر وہ مجھے ایسے لوگوں میں لے آیا جو گھوڑوں والے اور اونٹوں والے تھے، جہاں اناج کو گاہتے اور اس کو صاف کرتے تھے جب میں اپنے خاوند کے پاس کوئی بات کرتی تو مجھے قبیح نہیں سمجھا جاتا تھا۔ جب میں سو جاتی تو صبح کر دیتی۔ جب میں پیتی تو خوب سیراب ہو کر پیتی۔

امّ ابی زرع، اور امّ ابی زرع کے کیا کہنے۔ اس کے بڑے بڑے برتن تھے۔ اس کا گھر بڑا وسیع تھا۔ ابو زرع کا بیٹا، اور ابو زرع کے بیٹے کے کیا کہنے، اس کے سونے کی جگہ چھانٹی ہوئی شاخ یا میان سے نکالی ہوئی تلوار کی طرح تھی اور بکری کے بچے کا ایک پایہ اس کا پیٹ بھر دیتا تھا۔ ابو زرع کی بیٹی، اور ابو زرع کی بیٹی کے کیا کہنے، وہ باپ کی بھی فرمانبردار اور ماں کی بھی اطاعت گزار تھی۔ وہ بھاری جسم والی تھی اور اپنی پڑوسنوں کو غصہ دلانے والی۔ ابو زرع کی لونڈی، اور ابو زرع کی لونڈی کے کیا کہنے، وہ گھر کی بات کبھی باہر نہ پھیلاتی تھی، اور نہ اناج کو بکھیرتی تھی۔ وہ ہمارے گھر میں کوڑا کرکٹ بھی نہیں رہنے دیتی تھی۔

(امّ زرع نے بات کو جاری رکھتے ہوئے کہا) ابو زرع ایک روز صبح دودھ بلونے کے وقت گھر سے نکلا۔ پھر وہ ایک

عورت سے ملا جس کے ساتھ اس کے دو بچے تھے جو اس کی کمر کے نیچے دو اناروں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ پھر ابوزرع نے مجھے طلاق دے کر اس عورت کے ساتھ نکاح کر لیا۔ اس کے بعد میں نے بھی ایک سردار کے ساتھ نکاح کر لیا، جو عمدہ گھوڑے پر سوار ہو کر خطی نیزہ پکڑتا تھا۔ اس نے مجھے بیشمار نعمتیں دیں اور ہر چرنے والے جانور کا جوڑا جوڑا دیا اور کہا کہ اے امّ زرع، خوب کھاؤ اور اپنے گھر والوں کو بھی پہنچاؤ۔ (امّ زرع کہتی ہے) اگر میں اس (دوسرے خاوند) کی عطا کردہ تمام چیزوں کو جمع کر لوں تو ابوزرع کے ایک چھوٹے سے برتن کی قیمت کو بھی نہیں پہنچتیں۔

راوی حدیث امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں کہ اسکے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ میں تمھارے حق میں ایسا ہی ہوں جیسے ابوزرع امّ زرع کے حق میں تھا۔"

گیارھویں عورت امّ زرع کی آپ بیتی

اس گیارھویں عورت کا نام احادیث میں امّ زرع آیا ہے اور اسی کے نام پر یہ پوری حدیث موسوم ہے بعض محدثین نے یہ پوری حدیث کتابچہ کی صورت میں الگ بھی نقل کی ہے۔ اس عورت کے بیان میں کافی مشکل الفاظ بھی آئے ہیں، لہٰذا ان کی وضاحت بھی ضروری ہے۔

اس عورت نے اپنی کہانی اس طرح بیان کی۔ زَوْجِیْ اَبُوْ زَرْعٍ میرے خاوند کا نام ابوزرع تھا۔ اس زرع کے لفظ میں ایک خاص لطافت پائی جاتی ہے۔ زرع کھیتی کو کہتے ہیں جس کو کاشت کرنے اور اس کی نگہداشت کرنے سے وہ خوب پھلتی پھولتی اور نفع بخش ثابت ہوتی ہے تو یہ شخص ابوزرع صاحبِ اولاد تھا اور بڑا امیر آدمی تھا، جس کے پاس باغات اور کھیتیاں تھیں اور اس کی ملکیت میں گھوڑے، اونٹ، بھیڑ بکریاں تھیں، رہنے کے لیے عالی شان مکانات تھے جن میں زندگی کی ہر قسم کی سہولتیں

موجود تھیں تو امّ زرع نے کہا کہ میرا شوہر ابوزرع تھا۔ وَمَا اَبُوْ زَرْعٍ اور ابوزرع کے کیا کہنے؟ میں اس کی کیا تعریف کروں کہ وہ کتنا اچھا آدمی تھا اور میری ضروریات کا کس قدر خیال رکھتا ہے۔ جب کسی چیز کی بہت زیادہ اہمیت جتلانا مقصود ہو تو اس قسم کا کلام کیا جاتا ہے۔ قرآن پاک میں لیلۃ القدر کے بارے میں بھی آتا ہے کہ ہم نے اس آخری کتاب کو لیلۃ القدر میں نازل کیا۔ وَمَآ اَدْرٰکَ مَا لَیْلَۃُ الْقَدْرِ ○ اور تمھیں کیا پتہ کہ لیلۃ القدر کیا چیز ہے؟ بہرحال اس عورت نے اپنے خاوند کی تعریف کچھ اس انداز میں کی۔ کہنے لگی اَنَاسَ مِنْ حُلِیٍّ اُذُنَیَّ اُس نے میرے کانوں کو سونے چاندی کے زیورات سے بوجھل کر دیا۔ سونا چاندی پرانے زمانے سے قیمتی دھات کے طور پر مستعمل ہے۔ تمام سابقہ اور موجودہ لوگوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سونا اور چاندی نقدی کے حکم میں آتے ہیں۔ پرانے زمانے میں تو ہر ملک کے سکّے انھی دو دھاتوں کے بنائے جاتے تھے۔ چنانچہ پونڈ، دینار اور ڈالر وغیرہ سونے کے سکّے ہیں اور درہم، روپیہ، تمن وغیرہ چاندی کے سکّے ہیں۔ اگرچہ اب ہر ملک کی کرنسی کاغذی نوٹوں کی شکل میں مستعمل ہے مگر ہر کرنسی نوٹ پر یہ وعدہ کیا گیا ہے کہ حکومت عندالطلب حاملِ نوٹ کو اصل سکّہ ادا کرنے کی پابند ہے جو کہ سرکاری خزانہ میں محفوظ رکھا جاتا ہے۔ اب تو سونے سے بھی مہنگی دھات پلاٹینم دریافت ہو چکی ہے مگر یہ مصنوعی دھات ہے جب کہ اصلی دھاتیں سونا اور چاندی ہی ہیں جو کہ پوری دنیا میں زرمبادلہ کا واحد ذریعہ ہیں۔

بہرحال زیورات قدیم زمانہ سے عورت کی زینت کا ذریعہ رہے ہیں اور آج بھی عورت کی پسندیدہ ترین چیز زیورات ہی ہیں خواہ وہ بچی ہو، جوان ہو یا بڑھاپے کی عمر کو پہنچ چکی ہو۔ تو امّ زرع کہنے لگی کہ میرے خاوند نے مجھے اتنا زیور پہنایا کہ جس سے میرے کان بوجھل ہو گئے یا ہل گئے۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ زرد رنگ کی دو چیزوں نے عورت کو برباد کیا ہے ان میں سے ایک سونا ہے اور دوسری زعفران ہے جس طرح زیورات پہننے کے لیے عورتیں کانوں اور ناک میں سوراخ تک کروا لینا برداشت کرتی ہیں، اسی طرح رنگوں کے انتخاب اور خوشبو کے

استعمال میں بھی دنیا بھر کی عورتیں یکساں جذبات و احساسات رکھتی ہیں ۔ یہ ایک معروف مقولہ بھی ہے کہ زیب و زینت عورت کی فطرت میں داخل ہے ۔ اسی لیے امّ زرع نے بھی جب اپنے خاوند کی تعریف کی تو سب سے پہلے زیورات کا ذکر کیا جو اس نے اُسے پہنائے تھے ۔

پھر امّ زرع نے اپنے شوہر سے حاصل ہونے والی دوسری نعمت کا ذکر اس طرح کیا ۔ مَلَأَ مِنْ شَحْمٍ عَضُدَيَّ اس نے میرے بازوؤں کو چربی سے بھر دیا ۔ عربوں میں خوراک کے طور پر چربی کو بہت زیادہ اہمیت حاصل تھی ۔ چربی کھانے سے ہی جسم میں حرارت پیدا ہو کر قوت آتی ہے اور انسان کو موٹاپا آتا ہے ۔ امّ زرع کا کہنا ہے کہ اس کا شوہر اسے عمدہ غذا کھلاتا تھا جس میں چربی والا گوشت بھی ہوتا تھا ۔ جس کی وجہ سے میرے بازو بھر گئے یعنی میرا جسم فربہ ہو گیا ۔ سکندر مرزا بھی پاکستان کا گورنر جنرل بن کر مغرور ہو گیا تھا ۔ کہا کرتا تھا میرے بازوؤں میں شراب بھری ہوئی ہے ان بنیاد پرست مولویوں کو چاندی کی کشتی میں بٹھا کر سمندر سے پار کر دوں گا ۔ مگر اس گستاخی پر اللہ نے اسے اس قدر ذلیل کیا کہ اسے پاکستان میں قبر کے لیے بھی جگہ نصیب نہ ہوئی تاہم مولوی اپنی سرزمین پر موجود رہے اور انشاء اللہ اپنے مشن پر کام کرتے رہیں گے البتہ ان کو اپنی کمزوریوں اور کوتاہیوں پر غور کر کے انھیں دُور کرنا چاہیے ۔

امّ زرع نے اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے کہا وَبَجَّحَنِيْ اس نے مجھے اس قدر خوش کر دیا کہ فَبَجَحَتْ إِلَيَّ نَفْسِيْ کہ میں خود بھی اپنے نزدیک پسندیدہ شخصیت بن گئی بَجَحَ کا لفظ عَلِمَ يَعْلَمُ اور فَتَحَ يَفْتَحُ دونوں ابواب سے آتا ہے جس کا معنیٰ خوش ہونا یا خوش کر دینا ہوتا ہے تو اس عورت کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ میرے شوہر نے مجھے ہر قسم کی سہولتیں مہیا کر کے خوش کر دیا حتیٰ کہ میں اپنے نفس کے ہاں خود بھی خوش ہو گئی مجھے یہ خیال پیدا ہونے لگا کہ آخر میں بھی کوئی قابلِ قدر ذات ہوں جس کی وجہ سے میری ناز برداریاں کی جا رہی ہیں ۔

پھر اس نے کہا وَجَدَنِيْ فِيْ أَهْلِ غُنَيْمَةٍ میرے شوہر نے مجھے ایسے

خاندان میں پایا جس کی گزران چند بکریوں پر تھی۔ غنم بکریوں کے ریوڑ کو کہتے ہیں جس سے غُنَیم بطور تصغیر لایا گیا ہے مطلب یہ ہے کہ میرے خاندان کے لوگ غریب تھے جن کے پاس تھوڑی سی بکریاں تھیں جن پر ان کا گزارہ تھا اور وہ بھی بِشِقٍّ بڑی مشقت سے یعنی میرے میکے والے بڑی مشکل سے گزر اوقات کرتے تھے۔ فَجَعَلَنِیْ فِیْ اَھْلِ صَھِیْلٍ پھر میرا خاوند مجھے گھوڑوں والے لوگوں میں لے آیا۔ صہل دراصل گھوڑے کے ہنہنانے کو کہتے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ میرے سسرال والوں کے بہت سے گھوڑے تھے جن سے اکثر ہنہنانے کی آوازیں آتی رہتی تھیں۔ وَ اَطِیْطٍ اور میرے سسرال والے اونٹوں کے مالک بھی تھے۔ گویا اس گھر میں بھیڑ بکریاں، گھوڑے اور اونٹ ہر قسم کے جانور بافراط تھے۔ (اَطِیط کجاووں کی آوازیں)۔

پھر کہنے لگی کہ میرے سسرال والے وَدَآئِسٍ اناج کو روندنے والے یا گاہنے والے تھے۔ اب تو مشینی دور میں اناج کی پیداوار کے لیے بڑی سہولتیں میسّر آگئی ہیں اور عام طور پر ہر فصل کے لیے زمین مشینوں کے ذریعے تیار کی جاتی ہے اور مشینوں سے بوئی جاتی ہے۔ نہر یا ٹیوب ویل کا پانی بغیر مشقت کے میسّر آجاتا ہے پھر جب فصل پک جاتی ہے تو مشینوں ہی سے کاٹی اور گاہی جاتی ہے۔ البتہ پرانے زمانے میں کھیتی باڑی کا کام بڑا مشقّت طلب ہوتا تھا جب کہ ہر کام کے لیے کاشت کاروں کو خود محنت کرنا پڑتی تھی یا پھر اس مقصد کے لیے جانوروں سے کام لیا جاتا تھا۔ تو امّ زرع کا مطلب یہ ہے کہ میرے سسرال والوں کی قابلِ کاشت زمین بھی کافی تھی جس پر فصل کاشت کی جاتی تھی۔ پھر اُسے گاہا جاتا تھا۔ وَ مُنَقٍّ اور فصل کو کاٹ کر گاہنے کے بعد وہ اسے صاف کرنے والے بھی تھے تاکہ اناج کو قابلِ استعمال بنا سکیں مطلب یہ ہے کہ ابوزرع کا خاندان بڑا زمیندار خاندان تھا۔ جہاں اشیائے خورد و نوش کی کوئی کمی نہ تھی اور ہر قسم کے جانور دودھ، سواری اور گوشت کے لیے ہمیشہ موجود ہوتے تھے۔

پھر کہتی ہے فَعِنْدَہٗ اَقُوْلُ فَلَا اُقَبَّحُ کہ جب مَیں ابوزرع کے سامنے

لے یا ایک جگہ کا نام بھی ہے کہ وہاں سے مجھے بیاہ کر لایا تھا۔ (فیاض)

کوئی بات کرتی تو اُسے قبیح نہیں سمجھا جاتا تھا۔ میری ہر بات کی قدر و منزلت ہوتی اور کسی بات پر میری ڈانٹ ڈپٹ نہیں ہوتی تھی جیسا کہ عام گھروں میں بہوؤں کے ساتھ کوئی اچھا سلوک نہیں کیا جاتا۔ مطلب یہ ہے کہ سسرال میں رہ کر میں ہر بات آزادی کے ساتھ کر سکتی تھی اور وہ لوگ میری کسی بات کا بُرا نہیں مانتے تھے اور پھر میری آرام طلبی کا یہ عالم تھا وَاَرْقُدُ فَاَتَصَبَّحُ کہ جب میں سو جاتی تو اسی حالت میں صبح کر دیتی۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ میرے ذمے گھر کا کوئی کام کاج نہیں تھا۔ لہٰذا میں اپنی مرضی سے سوتی اور اپنی مرضی سے بیدار ہوتی تھی۔ مجھے کوئی پوچھنے والا نہیں تھا۔ بس رات کو سوئی اور سوتے سوتے صبح ہو گئی۔ تَصَبَّحَ باب تَفَعُّلْ سے ہے جس کا مطلب خوب دن چڑھ آنا ہوتا ہے۔

اس نے مزید بیان کیا وَاَشْرَبُ فَاَتَقَمَّحُ اور جب میں کوئی مشروب از قسم ٹھنڈا پانی، دودھ، شہد، نبیذ وغیرہ پیتی تو خوب سیر ہو کر پیتی، مجھے کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں تھا۔ کھانے کا ذکر تو پہلے آ چکا ہے کہ میرے خاوند نے میرے بازو چربی سے بھر دیئے یعنی خوب عمدہ اور با افراط کھانا میسّر آتا ہے۔ اب خاوند کے گھر میں رہ کر مشروبات کی بات بھی ہو گئی۔

ابوزرع کے اہلِ خانہ اُمّ زرع نے اپنے خاوند کی صفات بیان کرنے کے بعد اس کے دیگر اہلِ خانہ کی بعض صفات بھی بیان کیں۔ کہنے لگی

اُمُّ اَبِیْ زَرْعٍ فَمَا اُمُّ اَبِیْ زَرْعٍ ابوزرع کی ماں یعنی میری ساس کے کیا کہنے؟ میں اس کی کیا تعریف کروں، عُکُوْمُهَا رَدَاحٌ اس کے برتن بڑے بڑے تھے۔ پرانے زمانے میں لوگ ضروریاتِ زندگی از قسم گندم، جَو، چاول، گڑ وغیرہ برتنوں میں ہی ذخیرہ کرتے تھے۔ جس گھر کی ضروریات جتنی زیادہ ہوتی تھیں اُنکے لیے برتن بھی اتنے ہی بڑے ہوتے تھے۔ امّ ابوزرع کا گھر چونکہ کھاتا پیتا صاحبِ حیثیت گھرانہ تھا، اس لیے امّ زرع کے بیان کے مطابق ان کے برتن بھی بڑے تھے وَبَیْتُهَا فَسَاحٌ اور اس کا گھر بھی بڑا وسیع تھا جس میں ہر قسم کی سہولت موجود تھی مطلب

ہوئے کہ ام ابی زرع یعنی اس کی ساس کا خاندان ایک آسودہ حال خاندان تھا۔

پھر وہ اپنے خاوند کے بیٹے کا ذکر کرتی ہے جو غالباً اس کی پہلی بیوی سے ہوگا اس کے متعلق کہتی ہے اِبْنُ اَبِیْ زَرْعٍ اور ابو زرع کا بیٹا وَمَا ابْنُ اَبِیْ زَرْعٍ اور ابو زرع کے بیٹے کے کیا کہنے وہ بھی قابلِ تعریف شخصیت تھی مَضْجَعُهٗ کَمَسَلِّ شَطْبَةٍ اس کے لیٹنے کی جگہ بالکل مختصر تھی جو اس کے چھریرے بدن پر دلالت کرتی ہے۔ مِسَلِّ کا معنیٰ صاف کیا ہوا ہوتا ہے اور شَطْبَةٍ کے دو معنے آتے ہیں ایک تراشی ہوئی شاخ جو بالکل پتلی سی نظر آتی ہے اور اس کا دوسرا معنیٰ میان سے نکالی ہوئی تلوار ہوتی ہے۔ وہ صاف شدہ ہو تو وہ چمکدار اور پتلی نظر آتی ہے جو کم جگہ گھیرتی ہے اُمّ زرع کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ابو زرع کا بیٹا لمبے اور پتلے جسم یعنی چھریرے بدن کا نوجوان تھا جو کہ عربوں کے ہاں قابلِ تعریف جسم ہے۔ پھر وہ ابن ابی زرع کی خوراک کے متعلق کہتی ہے وَتُشْبِعُهٗ ذِرَاعُ الْجَفْرَةِ اس کا پیٹ بھرنے کے لیے بکری کے چھوٹے بچے[1] کا ایک پایا ہی کافی ہے۔ یعنی وہ بہت کم کھانا کھاتا تھا معمول سے زیادہ کھانا معیوب اور بھوک رکھ کر کھانا چھوڑ دینا ایک اچھی عادت ہے جو کہ طبی لحاظ سے بھی بہت سی بیماریوں سے دفاع کا باعث ہے۔ آپ حماسہ وغیرہ میں پڑھتے ہوں گے کہ پرانے زمانے میں مجاہدین جنگ کے موقع پر پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاتے تھے کیونکہ ایسی صورت میں ایک تو آدمی پر سستی چھا جاتی ہے اور پوری توجہ کے ساتھ دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور دوسرا جنگ میں زخمی ہو جانے کی صورت میں جسم سے گندگی خارج ہونے لگتی ہے جس کو سخت معیوب سمجھا جاتا تھا تو بہرحال اُمّ زرع کہتی ہے کہ ابنِ ابی زرع کی خوراک بھی بالکل مختصر ہوتی تھی۔

پھر وہ گیارھویں عورت کہتی ہے، بِنْتُ اَبِیْ زَرْعٍ گویا ابو زرع کی بیٹی کا حال اور اس کی تعریف بیان کرتی ہے۔ فَمَا بِنْتُ اَبِیْ زَرْعٍ اور ابو زرع کی بیٹی کی کیا بات ہے یعنی اس کے عادات و خصائل بھی نہایت عمدہ تھے۔ طَوْعُ اَبِیْهَا

---

[1] جس کی عمر چار ماہ ہو۔ (فیاض)

وَطَوعُ اُمِّهَا وہ اپنے باپ اور ماں دونوں کی اطاعت گزار تھی۔ لفظ طوع مصدر مبنی للفاعل کے معنی میں آیا ہے یعنی وہ لڑکی اپنے والدین کی فرمانبردار تھی۔ ماں نے جونہی کوئی کام کہا، فوراً تعمیل کی۔ جب کسی گھر میں بیٹی ہو جس کی ابھی شادی نہیں ہوئی تو والدین کی فرمانبرداری ہی اس کا کمال ہے جو کہ اس زمانے میں بالکل مفقود ہو چکا ہے ہمارے جاننے والے ایک صاحب حیدر آباد میں جج تھے۔ کہنے لگے بچی کو تعلیم دلوا کر عذاب میں مبتلا ہو گیا ہوں۔ اب اُس نے میٹرک پاس کر لیا ہے۔ جب اس کی ماں اُسے کوئی کام کرنے کے لیے کہتی ہے تو وہ جواب دیتی ہے کہ میں تو اب میٹریکولیٹ ہو گئی ہوں۔ اب میں کام کیسے کروں؟ ماں کہتی ہے کہ اچھا بیٹی تم لیٹ جاؤ کیونکہ تم میٹرک کر کے میٹریکولیٹ ہو گئی ہو، کام میں خود کر لوں گی۔

اس کے بعد وہ بنتِ ابی زرع کی یہ خوبی بھی بیان کرتی ہے وَمِلْأُ كِسَائِهَا وہ چادر کو بھرنے والی ہے۔ کِسَاءِ کا لغوی معنیٰ کمبل ہوتا ہے، تاہم مُراد عورتوں کے پہننے کی بڑی چادر ہے۔ جب وہ چادر اوڑھتی ہے تو اُس کا جسم چادر کو پُر کر دیتا ہے یہ اس بات سے کنایہ ہے کہ بنتِ ابی زرع گداز جسم کی حامل ہے۔ عربوں کے نزدیک عورت کا بھاری جسم والا ہونا بھی قابلِ تعریف سمجھا جاتا تھا۔

امّ زرع نے مزید بتلایا کہ بنت ابی زرع کی ایک خوبی یہ بھی تھی وَغَيظُ جَارَتِهَا وہ اپنی ہمسایوں کو غصّہ دلانے والی لڑکی تھی۔ مطلب یہ ہے کہ وہ اتنی حسین، متوازی جسم اور اچھی عادات و خصائل رکھتی ہے کہ اس کی پڑوسنیں اُسے دیکھ کر حسد میں مبتلا ہو جاتی تھیں جس کی وجہ سے انھیں اس کی حالت پر غصہ آتا تھا۔ ہمسایوں کو غصّہ دلانے کا یہی مطلب ہے۔ مسلم شریف (صفحہ ۲۸۸ ج ۲) من الزيادة برواية الحسن بن علی الحلوانی) کی روایت میں اس مقام پر کچھ زائد لفظ بھی آئے ہیں۔ اس روایت میں بنتِ ابی زرع کی تعریف اس طرح کی گئی ہے صِفْرُ رِدَائِهَا وَخَيْرُ نِسَاءِهَا وَعَقْرُ جَارَتِهَا یعنی وہ خالی چادر والی یعنی پتلی کمر والی ہے، عورتوں میں بہتر عورت ہے اور پڑوسنوں کو زخمی کرنے والی ہے جو کہ حسد کی وجہ سے جلتی رہتی ہیں کیونکہ ابوزرع کی بیٹی حسین و جمیل، گداز جسم اور اچھے اخلاق و اطوار والی تھی۔

پھر امِّ زرع نے اپنے سسرال کی لونڈی کا ذکر کیا۔ کہنے لگی جَارِیَۃُ اَبِیْ زَرْعٍ ابوزرع کی لونڈی کا حال بھی سن لیں۔ فَمَا جَارِیَۃُ اَبِیْ زَرْعٍ اور ابوزرع کی لونڈی کے کیا کہنے، اس کی عادات بھی بڑی اچھی تھیں۔ عام طور پر نوکرانیوں کا کام ہوتا ہے کہ اس گھر سے کوئی بات سُنی تو اُدھر دوسرے گھر جا کی، اور دوسرے گھر کی بات اپنے گھر میں کر دی۔ یہ ایک معیوب عادت ہے مگر ابوزرع کی لونڈی ایسی تھی لَا تَبُثُّ حَدِیْثَنَا تَبْثِیْثًا جو ہمارے گھر کی باتوں کو دوسروں کے سامنے بیان نہیں کرتی تھی بلکہ گھر کا راز گھر تک ہی محدود رکھتی تھی جس کی وجہ سے ہمارا گھر فتنہ و فساد سے محفوظ رہتا تھا۔ مطلب یہ کہ لونڈی کو لگائی بجھائی کی قطعاً عادت نہیں تھی۔ وَلَا تُنَقِّثُ مِیْرَتَنَا تَنْقِیْثًا اور وہ لونڈی ہمارے اناج کو بکھیرتی بھی نہیں تھی۔ پرانے زمانے میں زیادہ تر اناج کے ذریعے ہی دوسری اشیاء کا تبادلہ ہوتا تھا۔ ہمارے ہاں کچھ عرصہ پہلے تک بھی دیہات میں یہی سلسلہ چلتا تھا۔ گھر سے دانے لیے اور دکان پر دے کر نمک، مرچ، چینی وغیرہ ضرورت کی چیزیں لے لیں پھر اس سلسلہ میں بعض بچے اور عورتیں ڈنڈی بھی مارتے تھے کہ گھر والوں کی بے خبری میں دانے لیے اور اپنی پسند کی چیز دکان سے لے لی تو امِّ زرع کہتی ہے کہ ابوزرع کی لونڈی ایسی نہیں جو اناج کو بلاوجہ ضائع کرتی ہو۔ وَلَا تَمْلَأُ بَیْتَنَا تَعْشِیْشًا اور وہ لونڈی ہمارے گھر کو گھونسلے کی طرح پُر نہیں رکھتی۔ پرندوں کے گھونسلے عام طور پر چھوٹے بڑے تنکوں سے بنائے جاتے تھے اور گھر کو تنکوں سے محفوظ رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ گھر میں کوڑا کرکٹ اور تنکے وغیرہ نہیں رہنے دیتی تھی بلکہ اسے ہمیشہ صاف ستھرا رکھتی تھی یہ بھی لونڈی کی اچھی خصلت ہے جو اپنے کام کی انجام دہی میں غفلت نہیں کرتی۔

یہاں تک امِّ زرع نے اپنے خاوند ابوزرع کے خاندان کے حالات اور ان کے خصائل بیان کرنے کے بعد اپنی آپ بیتی کا بقیہ حصہ اس طرح بیان کیا۔ قَالَتْ کہنے لگی پھر ایک دن ایسا واقعہ ہوا۔ خَرَجَ اَبُوْ زَرْعٍ کہ ابوزرع گھر سے باہر نکلا وَالْاَوْطَابُ تُمْخَضُ ایسے وقت میں جب کہ مشکیزوں کو بلویا جاتا ہے۔ اوطاب، وطب کی جمع ہے

تَعْشِیْشًا ہو تو معنی گھونسلا اور تَغْشِیْشًا ہو تو معنی کھوٹ۔ (فیاض)

جس کا لفظی معنیٰ مشکیزہ ہے اور مخض کا معنیٰ دودھ کو بلو کر مکھن نکالنا ہوتا ہے ۔ اس زمانے میں عورتیں عام طور پر دودھ مشکیزوں میں ذخیرہ کرتی تھیں اور پھر صبح کے وقت دودھ سے مکھن نکالتی تھیں تو اس کا ایک معنیٰ تو یہ ہے کہ ابوزرع صبح کے وقت گھر سے نکلا اور مشکیزوں کے دودھ سے بھرپور ہونے کا یہ معنیٰ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ موسم بہار کا واقعہ ہے جب کہ گھاس وغیرہ عام ہوتا ہے، جانور سیر ہو کر چارہ کھاتے ہیں اور پھر دودھ بھی کثرت سے دیتے ہیں جس سے مشکیزے بھر جاتے ہیں ۔

بہرحال ام زرع کہتی ہے کہ ابوزرع ایک روز صبح کے وقت یا موسم بہار میں گھر سے نکلا ۔ ہو سکتا ہے کہ یہاں پر دونوں معنے صادق آتے ہوں یعنی ابوزرع موسم بہار میں ایک روز علی الصبح گھر سے نکلا فَلَقِيَ امْرَاَةً مَعَهَا وَلَدَانِ لَهَا اور ایک ایسی عورت سے ملاقات ہو گئی جس کے ساتھ اسکے دو بچے بھی تھے ۔ كَالْفَهْدَيْنِ وہ دو بچے دو چیتوں کی طرح چست و چالاک نظر آرہے تھے ۔ يَلْعَبَانِ مِنْ تَحْتِ خَصْرِهَا جس وقت اس عورت سے ابوزرع کی ملاقات ہوئی اس کے دونوں بچے اس کی کمر کے نیچے کھیل رہے تھے ۔ یعنی اس کی گودی میں بِرُمَّانَتَيْنِ دو اناروں کے ساتھ کھیل میں مشغول تھے ۔ ہو سکتا ہے کہ دو اناروں سے حقیقی انار مراد ہوں جن کے ساتھ بچے کھیل رہے تھے یا عورت کے پستانوں کو اناروں کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ وہ اپنی ماں کے پستانوں سے کھیل رہے تھے یعنی اس کا دودھ پی رہے تھے ۔

امِّ زرع کہتی ہے کہ ابوزرع نے جب یہ خوب صورت منظر دیکھا تو اس عورت کو دل دے بیٹھا ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا فَطَلَّقَنِي کہ اس نے مجھے طلاق دے دی فَنَكَحَهَا اور اُس عورت سے نکاح کر لیا ۔ ظاہر ہے کہ دونوں عورتوں کو اکٹھا رکھنے میں اسے کسی ممکنہ گڑبڑ کا خطرہ تھا لہٰذا اُس نے بہتری اسی میں سمجھی کہ مجھے طلاق دے دی اور دوسری عورت سے نکاح کر لیا ۔

پھر وہ کہتی ہے کہ جب ابوزرع کے گھر میں میرے لیے کوئی جگہ نہ رہی فَنَكَحْتُ بَعْدَهُ تو اس کے بعد میں نے بھی نکاح کر لیا ۔ رَجُلًا سَرِيًّا ایک شریف آدمی کے ساتھ جو کہ

اپنی قوم کا سردار بھی تھا۔ وہ بڑی آسودہ حال اور دولت مند آدمی تھا۔ رَکِبَ شَرِیًّا جو عمدہ گھوڑوں پر سواری کرتا تھا۔ وَاَخَذَ خَطِّیًّا اور وہ خطی نیزے استعمال کرتا تھا۔ دراصل خط یمن کے علاقے میں ایک جگہ کا نام تھا جہاں جنگ میں کام آنے والے نیزے بڑے عمدہ قسم کے تیار ہوتے تھے لہٰذا خطی نیزہ اعلیٰ قسم کا ہتھیار تسلیم ہوتا ہے مطلب یہی ہے کہ امِ زرع کا دوسرا خاوند بھی آسودہ حال شخص تھا جس کے پاس عمدہ قسم کے جانوروں کی کثرت تھی وہ دوسری اشیاء بھی اعلیٰ قسم کی ہی رکھتا تھا جن میں سے یہاں پر نیزے کا خاص طور پر ذکر ہے۔

پھر وہ اپنے ساتھ دوسرے خاوند کے حسنِ سلوک کے متعلق کہتی ہے وَاَرَاحَ عَلَیَّ نِعَمًا ثَرِیًّا اس نے مجھے بہت سی نعمتیں[1] عطا کیں۔ ثریا کا معنی بکثرت زیادہ تعداد میں۔ اَرَاحَ سے مراد چرنے چگنے والے جانور بھی ہوسکتا ہے جیسے اللہ نے فرمایا ہے کہ میں نے انسانوں کے لیے قیمتی متاع کے طور پر جانور پیدا کیے حِیْنَ تُرِیْحُوْنَ وَحِیْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝ (النحل: ٦) جو شام کو چر چگ کر گھر واپس آتے ہیں اور صبح کے وقت تم پھر انھیں چرنے کے لیے چراگاہ میں لے جاتے ہو۔ بہرحال امّ زرع کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ میرے نئے خاوند نے میری خوب دل جوئی کی اور مجھے بہت سے انعامات یا جانور دیئے۔ وَاَعْطَانِیْ مِنْ کُلِّ رَائِحَۃٍ زَوْجًا اور اس نے مجھے ہر ایک جانور کا جوڑا جوڑا دیا یعنی اگر گھوڑا دیا ہے تو ساتھ گھوڑی بھی دی، اونٹ عطا کیا ہے تو اسکے ساتھ مادہ بھی دی۔ اسی طرح بھیڑ بکریوں کے نر اور مادہ جوڑے جوڑے دیئے تاکہ تم ان کا دودھ پیو، ان کا گوشت کھاؤ اور نسل کشی کے ذریعے ان میں اضافہ بھی کرلو۔ وَقَالَ کُلِیْ اُمَّ زَرْعٍ پھر اس خاوند نے مجھے یہ بھی کہا کہ اے امّ زرع! یہ سب کچھ تمھارے ہیں، خوب کھاؤ پیو، وَمِیْرِیْ اَھْلَكِ اور تمھیں عام اجازت ہے کہ اپنی ضروریات پوری کرنے کے علاوہ اپنے گھر والوں یعنی میکے والوں کی ضروریات بھی پوری کرو۔ اس مال میں سے جتنا چاہو، ان کی خدمت بھی کرو۔

پھر امّ زرع نے دونوں شوہروں کے حالات و خصائل بیان کرنے کے بعد ان دونوں کا موازنہ کیا ہے کہنے لگی کہ دونوں گھروں میں خوب خوشحالی کی زندگی بسر کرنے کے بعد میرا

[1] اَرَاحَ کا معنی زوال کے بعد آنا بھی ہے۔ (فیاض)

حتمی تاثر یہ ہے فَلَوْ جَمَعْتُ كُلَّ شَيْءٍ أَعْطَانِيهِ اگر میں اُن تمام اشیاء کو جمع کر لوں جو اس دوسرے خاوند نے مجھے عطا کیں مَا بَلَغَ أَصْغَرَ آنِيَةِ أَبِي زَرْعٍ تو وہ سب چیزیں مل کر بھی ابوزرع کے عطا کردہ ایک چھوٹے سے برتن کی مالیت کو بھی نہیں پہنچ سکتیں گویا کہ ابوزرع کے انعامات اور اس کے احسانات مجھ پر بہت زیادہ تھے۔ اس طرح اُمّ زرع نے اپنے پہلے خاوند ابوزرع کو بہت زیادہ اہمیت دی اور اس کو دوسرے خاوند پر ترجیح دی۔

جب اُمّ زرع کا مذکورہ بالا بیان ختم ہوگیا قَالَتْ عَائِشَةُ تو پھر حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اپنی طرف سے فرمایا کہ یہ پورا واقعہ سننے کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا۔ كُنْتُ لَكِ كَأَبِي زَرْعٍ لِأُمِّ زَرْعٍ میں تمہارے حق میں ایسا ہی ہوں جیسا ابوزرع اپنی بیوی اُمّ زرع کے حق میں تھا۔ طبرانی شریف کی روایت میں ان الفاظ کے علاوہ آخر میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں اے عائشہؓ! میں تیرے لیے ایسا ہی ہوں جیسا ابوزرع اپنی زوجہ اُمّ زرع کے لیے تھا غَيْرَ أَنِّي لَا أُطَلِّقُكِ سوائے اس کے کہ میں تجھے طلاق نہیں دوں گا، مطلب یہ ہے کہ میں تمہارے ساتھ ابوزرع کے سلوک سے بڑھ کر حسنِ سلوک کرنے والا ہوں مگر اس کی اس بات کو عملی جامہ پہنانے کے لیے تیار نہیں کہ اس قدر اچھا برتاؤ کرنے کے بعد پھر اپنی زوجہ کو طلاق دے دوں۔

اصولِ حدیث کی رُو سے یہ حدیث مرفوع ہے کیونکہ اس کی سند حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے۔ البتہ اس امر کی متنِ حدیث میں وضاحت نہیں ہے کہ گیارہ عورتوں کی یہ کہانی خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی زبانِ مبارک سے سنائی یا ان کی موجودگی میں کسی دوسرے شخص نے بیان کی۔ اگر حدیث اُمّ زرع کے راوی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام خود ہیں تو پھر تو یہ حدیث بذاتہٖ مرفوع ہے اور اگر یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں بیان کی گئی ہے تو بھی یہ حکماً مرفوع حدیث ہے۔ جسے امام ترمذیؒ کے علاوہ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے بھی اپنی کتبِ حدیث میں نقل کیا ہے۔

اب رہ گیا غیبت کا مسئلہ کہ ان عورتوں نے اپنے خاوندوں کی غیر موجودگی میں ان کے عیوب ظاہر کیے جو خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی بیان کیے یا آپ کے سامنے

بیان کیے گئے مگر آپ نے اس کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔ اللہ کا فرمان تو یہ ہے کہ لَا یَغْتَبْ بَعْضُکُمْ بَعْضًا (الحجرات: ۱۲) تم میں سے کوئی ایک دوسرے کی غیبت نہ کرے کیونکہ ایسا کرنا مُردہ بھائی کے گوشت کھانے کے مترادف ہے۔ اس اشکال کے متعلق شارحین نے کئی جوابات دیے ہیں جو اس کتاب کے حواشی میں بھی موجود ہیں ذرا سی توجہ سے یہ مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔

حدیثِ امّ زرع ایک لمبی حدیث ہے جس کے مطالعہ سے کئی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

(۱) اس قصہ سے حُسْنُ مُعَاشَرَۃٍ مَعَ الْاَھْلِ بِالْاَھْلِ کے اصول پر عملدرآمد ہوتا ہے یعنی انسان اپنے اہل خانہ کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آتا ہے۔ یاد رہے کہ حسنِ معاشرت میں دیگر ضروریات زندگی کے علاوہ دلجوئی اور دل لگی بذریعہ بات چیت اور قصہ کہانی وغیرہ بھی آتی ہے جبکہ اس میں خلافِ شرع کوئی چیز نہ ہو۔

(۲) اس روایت کے آخری الفاظ سے امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ کی فضیلت کا اظہار ہوتا ہے۔

(۳) سابقہ لوگوں کے حالات قصّہ گوئی کے ذریعے بیان کرنے کا جواز نکلتا ہے۔

(۴) مشبّہ کا ہر چیز میں مشبّہ بہ کے ساتھ مساوی ہونا ضروری نہیں بلکہ بعض جزئیات میں اختلاف بھی ہو سکتا ہے حضور علیہ السلام نے اپنی اور امّ المؤمنین کو ابوزرع اور امّ زرع کے مشابہ قرار دیا حالانکہ طلاق کے معاملہ میں آپ ابوزرع کے مشابہ نہیں ہیں اور اس بات کی وضاحت حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے طبرانی شریف کی روایت میں کر دی ہے۔

(۵) جب تک کوئی شخص زبان سے بول کر اپنی بیوی کو طلاق نہیں دیتا، طلاق واقع نہیں ہو گی محض دل سے کہہ دے اور زبان سے نہ کہے تو یہ طلاق نہیں ہو گی۔ طلاق اُسی وقت واقع ہو گی جب وہ آدمی زبان سے کہے گا کہ میں تم کو طلاق دیتا ہوں۔ محض طلاق دینے کی نیت کرنے سے بھی طلاق نہیں ہوتی۔

(۶) غیبت کے متعلق شارحین نے یہ اصول بیان فرمایا ہے وَاِنَّ ذِکْرَ الْاِنْسَانِ بِسُوْءٍ مِنْ غَیْرِ تَعْیِیْنٍ لَیْسَ بِغِیْبَۃٍ یعنی بغیر تعیینِ شخصیت (کسی آدمی کا نام لیے بغیر) کسی کی برائی بیان کرنا غیبت میں داخل نہیں ہے۔ غیبت اس وقت ہو گی جب دوسروں کے سامنے کسی متعین شخص کی خرابیاں بیان کی جائیں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے بعض مردوں کی مکروہ باتوں کے تذکرہ سے بھی منع فرمایا ہے بشرطیکہ اس میں کسی کا تعین ہو۔ بہر حال یہ سارے مسائل اس لمبی حدیث سے نکلتے ہیں۔

(۳۹) بَابُ مَا جَآءَ فِی صِفَةِ نَوْمِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

ترجمہ: "باب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سونے کے بیان میں"

اس باب میں امام ترمذیؒ نے چھ احادیث جمع کی ہیں، جن میں اس بات کی وضاحت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سونے کا طریقہ کیا تھا اور آپ سوتے وقت اور نیند سے بیدار ہو کر کون سی دعائیں پڑھتے تھے۔ خورد ونوش، بول و براز، موت وحیات صحت، تھکاوٹ اور بیماری، رونا اور ہنسا وغیرہ انسان کے امور طبعیہ میں سے ہیں اور اللہ کے پاک انبیاء بھی ان اُمور سے مستثنیٰ نہیں تھے بلکہ ان پر بھی یہ تمام حالات وارد ہوتے تھے۔ حضور خاتم النبیّین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں سونے اور اُٹھنے کا جو طریقہ اختیار کیا، اور ان مواقع پر جو جو کلمات ادا فرمائے، وہ پوری اُمّت کے لیے قابلِ تقلید نمونہ ہیں آپ کے ہر اُمّتی پر لازم ہے کہ وہ حتی الامکان آپ کا اسوۂ حسنہ اختیار کرے۔

شمائل ترمذی — باب ۔ ۳۹

درس ۔ ۴۰ — حدیث ۔ ۱

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی اَنْبَأَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ اَنْبَأَنَا اِسْرَآئِيْلُ عَنْ اَبِيْ اِسْحٰقَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ يَزِيْدَ عَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اَخَذَ مَضْجَعَهٗ وَضَعَ كَفَّهٗ تَحْتَ خَدِّهِ الْاَيْمَنِ وَقَالَ رَبِّ قِنِيْ عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی اَنْبَأَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ

اَنْبَأَنَا اِسْرَآئِيْلُ عَنْ اَبِي اِسْحٰقَ عَنْ اَبِي عُبَيْدَةَ عَنْ عَبْدِ اللهِ مِثْلَهٗ وَقَالَ يَوْمَ تَجْمَعُ عِبَادَكَ۔ (ترمذی مع شمائل صفحہ ۵۸۷)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث محمد بن مثنیٰ نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اس کی خبر عبدالرحمٰن بن مہدی نے دی۔ اُن کے پاس یہ روایت اسرائیل نے ابی اسحٰق کے واسطہ سے بیان کی۔ انھوں نے یہ حدیث عبداللہ بن یزید سے روایت کی اور انھوں نے اسے صحابی رسول حضرت براء بن عازب سے روایت کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آرام کرنے کے لیے اپنے بستر پر تشریف لے جاتے تو اپنا (دایاں) ہاتھ دائیں رخسار کے نیچے رکھ لیتے، اور یہ دُعا پڑھتے۔ اے پروردگار! مجھے اپنے عذاب سے بچا لینا جس دن تو اپنے بندوں کو اُٹھائے گا۔"

(دوسری سند) امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث محمد بن مثنیٰ نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی خبر عبدالرحمٰن نے اسرائیل کے واسطہ سے دی۔ انھوں نے یہ روایت ابی اسحٰق سے ابی عبیدہ کے واسطہ سے روایت کی اور انھوں نے یہ روایت عبداللہ سے پہلی روایت کی مثل نقل کی۔ البتہ اس روایت میں دُعا کے الفاظ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ کی بجائے يَوْمَ تَجْمَعُ عِبَادَكَ آیا ہے۔ حدیث کے باقی الفاظ پہلی روایت جیسے ہی ہیں۔"

آرام کرنے کا طریقہ اس حدیث میں حضرت براء بن عازبؓ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آرام فرمانے (سونے) کے طریقہ کی وضاحت کی ہے کہتے ہیں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سونے کے لیے بستر پر تشریف لے جاتے تو وَضَعَ كَفَّهُ تَحْتَ خَدِّهِ الْاَيْمَنِ اپنا (دایاں) ہاتھ مبارک اپنے دائیں رخسار کے

نیچے رکھ لیتے گویا کہ آپ دائیں کروٹ پر لیٹ جاتے۔ یہ آپ کی عادت مبارک تھی کہ ہر پاکیزہ کام کا آغاز دائیں طرف سے کرتے۔ چنانچہ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام یہ عمل بالعموم فِیْ طُهُوْرِهٖ وَتَرَجُّلِهٖ وَتَنَعُّلِهٖ وضو کرتے وقت، کنگھی کرتے وقت، کھانا کھاتے وقت، مسجد میں داخل ہوتے وقت بھی اختیار کرتے اور علیٰ ھٰذا القیاس۔ یہ عمل فرض، واجب یا سنّت مؤکدہ تو نہیں ہے تاہم امّت کے لیے مستحب ضرور ہے۔ سوتے وقت حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا طریقہ اختیار کرنا سننِ ہدیٰ اور سننِ زوائد میں سے ہے۔ چنانچہ ہمیں چاہیے کہ سوتے وقت دائیں کروٹ پر لیٹیں، اپنا دایاں ہاتھ دائیں رخسار کے نیچے رکھ لیں۔ آغاز میں تو ایسا ہی کریں، البتہ بعد میں اگر ضرورت محسوس کریں تو کروٹ بدل سکتے ہیں۔ اس طرح سنت کا ثواب ضرور حاصل ہو جائے گا۔ یونہی ٹانگیں اور بازو پھیلا کر سونا یا چت لیٹنا یا اُلٹا لیٹ جانا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔

سوتے وقت ـــــ پڑھنے کی کئی دُعائیں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے منقول ہیں۔ اس روایت میں بھی ایک دُعا آئی ہے جو آپ مذکورہ طریقے سے لیٹ کر اپنی زبان مبارک سے ادا فرماتے تھے۔ رَبِّ قِنِیْ عَذَابَکَ یَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَکَ پروردگار! جس دن تو اپنے بندوں کو اُٹھائے گا یعنی قیامت والے دن مجھے اپنی گرفت سے بچانا۔ دوسری روایت میں تَبْعَثُ کی جگہ تَجْمَعُ کا لفظ آیا ہے یعنی جس دن تو اپنے بندوں کو جمع کرے گا۔ بہر حال مراد قیامت کا دن ہی ہے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اس دن کی کسی بھی تکلیف سے اللہ کی پناہ مانگی ہے۔

آپ یہ دُعا یا کوئی دوسری مسنون دُعا لیٹتے وقت پڑھ سکتے ہیں جس سے دعا کا مقصد حاصل ہو جائے گا۔ اگر کسی بھائی کو کوئی مسنون دُعا یاد نہ ہو تو قرآنِ پاک کی سورۃ مثلاً سورۃ فاتحہ سورۃ اخلاص، سورۃ کافرون یا معوّذتین ہی پڑھ لے تو فائدے سے خالی نہیں رہے گا۔ مقصد یہ ہے کہ سوتے وقت بھی اللہ کا ذکر کرنا چاہیے اور بیدار ہوتے وقت بھی اللہ کا ذکر کرنا چاہیے۔ بیدار ہوتے وقت کی دُعا بھی آگے آرہی ہے۔

حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كَانَ نَوْمُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَوٰى إِلٰى فِرَاشِهٖ قَالَ اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ أَمُوْتُ وَأَحْيٰى وَإِذَا اسْتَيْقَظَ قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُوْرُ۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۸۷)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت محمود بن غیلان نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے عبدالرزاق نے بیان کیا۔ ان کے پاس خبر دی سفیان نے عبدالملک بن عمیر کے واسطہ سے۔ انھوں نے یہ روایت ربعی بن[1] حراش سے اور انھوں نے اسے صحابی رسول حضرت حذیفہؓ سے روایت کی۔ وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت سونے کے لیے اپنے بستر کی طرف رجوع کرتے (یعنی لیٹتے تو) کہتے۔ اے اللہ میں تیرے نام کے ساتھ ہی مرتا ہوں اور زندہ رہتا ہوں پھر جب آپ نیند سے بیدار ہوتے، تو یہ دُعا پڑھتے، اللہ تعالی کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے ہمیں مارنے کے بعد زندہ کیا ہے اور ہم نے اُسی کی طرف اکٹھا ہونا ہے۔"

إِذَا أَوٰى إِلٰى فِرَاشِهٖ میں اوٰی کا لغوی معنیٰ پناہ پکڑنا ہوتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ جب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اپنے بستر کی طرف رجوع کرتے یا اس پر

[1] المتوفی ۱۰۱ھ (فیاض)

دراز ہو جاتے تو مذکورہ دُعا پڑھتے ۔ دُعا میں اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا کے الفاظ بھی توجہ طلب ہیں یعنی اس ذات کا شکر ہے جس نے ہمیں موت دینے کے بعد دوبارہ زندہ کیا۔ نیند کے دوران اگرچہ آدمی پر موت طاری نہیں ہوتی ، تاہم نیند کو اخت الموت یعنی موت کی بہن قرار دیا گیا ہے کیونکہ نیند کے دوران بھی انسان کے حواس معطل ہو جاتے ہیں۔ دن بھر کام کاج کر کے جب انسان تھک جاتے ہیں تو ان کے قوای کی بحالی کے لیے آرام ضروری ہو جاتا ہے جو نیند کے ذریعے حاصل ہوتا ہے اور انسان پھر سے تازہ دم ہو جاتا ہے۔ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۝ (النبا ۔ ۹) ہم نے نیند کو تمہارے آرام کا ذریعہ بنایا ہے۔ البتہ فرشتوں کو نیند کی ضرورت نہیں ہے ان کی توانائی اور نورانیت ہمہ وقت قائم رہتی ہے کیونکہ انسانوں کے برعکس فرشتوں میں مادیّت نہیں پائی جاتی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جسے آرام کی ضرورت نہیں ۔ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ (البقرۃ : ۲۵۵) اُسے نہ اُونگھ آتی ہے اور نہ نیند۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں ہلکی سی غفلت کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ تو ہر عیب اور کمزوری سے پاک ذات ہے ۔

درس ۴۰۰　　　　حدیث - ۳

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا الْمُفَضَّلُ بْنُ فُضَالَةَ عَنْ عُقَيْلٍ أُرَاهُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَوٰى إِلٰى فِرَاشِهٖ كُلَّ لَيْلَةٍ جَمَعَ كَفَّيْهِ فَنَفَثَ فِيهِمَا وَقَرَأَ فِيهِمَا قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ ○ وَقُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ○ وَقُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ○ ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا مَا اسْتَطَاعَ مِنْ جَسَدِهٖ يَبْدَأُ بِهِمَا رَأْسَهٗ وَوَجْهَهٗ وَمَا أَقْبَلَ مِنْ جَسَدِهٖ يَصْنَعُ ذٰلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۸۶)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث قتیبہ بن سعید نے بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے مفضل بن فضالہ نے بیان کیا۔ انھوں نے یہ روایت عقیل[1] سے سماعت کی ، اور ان کا خیال ہے کہ عقیل نے زہری سے یہ حدیث سنی ۔ انھوں نے عروۃ سے اور انھوں نے اسے امّ المؤمنین عائشہؓ سے روایت کیا ہے ۔ وہ کہتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات جب اپنے بستر پر تشریف لاتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو (دعا مانگنے کے طریقہ پر) اکٹھا کرتے ۔ پھر اُن میں دم کرتے اور اُن میں سورۃ قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ ○ قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ○ اور قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ○ پڑھتے ۔ پھر آپ حسبِ استطاعت دونوں ہاتھ اپنے جسم مبارک پر پھیرتے (اس

---

[1] ابن خالد الدیلی ، المتوفی ۱۴۱ھ (فیاض)

عمل کی) ابتداء آپ سر مبارک سے کرتے۔ پھر منہ پر پھیرتے اور
اور جسم کے اگلے حصّے پر پھیرتے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام یہ عمل
تین دفعہ کرتے ؎"

محدثینِ کرام اور دیگر بزرگانِ دین کہتے ہیں کہ ان سورتوں کو پڑھ کر دم کرنے سے جادو کا اثر کم ہو جاتا ہے۔ یا اگر انسان کو مختلف قِسم کے وسوسے آتے ہوں تو وہ بھی کم ہو جاتے ہیں۔ اس طرح حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا یہ عمل ایک قسم کا علاج بھی ہے۔

البتہ اس روایت میں ایک اشکال بھی ہے۔ اس روایت میں اس سارے عمل کی ترتیب یہ بیان کی گئی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جَمَعَ كَفَّيْهِ فَنَفَثَ فِيهِمَا وَقَرَأَ فِيهِمَا یعنی سب سے پہلے آپ دونوں ہاتھوں کو دعا مانگنے کی طرز پر اکٹھا کرتے، پھر اُن میں پھونک مارتے اور پھر ان میں مذکورہ سورتیں پڑھتے۔ اس قسم کے کام کی صحیح ترتیب تو یہ ہونی چاہیے اور یہی ترتیب ہمارے روزمرّہ مشاہدہ میں بھی ہے کہ دونوں ہاتھ کھڑے اور جمع کرنے کے بعد کوئی چیز پڑھی جاتی ہے پھر ہاتھوں پر پھونک مار کر ان کو جسم کے مطلوبہ حصّہ پر پھیر لیا جاتا ہے مگر اس روایت میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ہر رات آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم سونے سے پہلے ہاتھ اُٹھاتے پھر اُن میں پھونکتے اور متعلقہ سُورتیں پڑھتے۔ ان دونوں جملوں میں سے پہلے جملے کا آغاز فَ سے اور دوسرے کا آغاز وَ سے ہوا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ لغت کے اعتبار سے فَ قدرے تاخیر کے لیے اور وَ معاً جمع کے لیے آتا ہے۔ اس اصُول کے تحت وَ پہلے اور فَ بعد والے جملے کے ساتھ آنی چاہیے تھی جس کا مطلب یہ ہوتا کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے جَمَعَ كَفَّيْهِ اپنے دونوں ہاتھ جمع کیے وَقَرَأَ فِيهِمَا اور اس کے معاً بعد مذکورہ سورتیں پڑھیں۔ فَنَفَثَ فِيهِمَا پھر تینوں سورتیں پڑھنے تک کے توقف کے بعد پھونک ماری۔

دراصل اس حدیث کے الفاظ میں مذکورہ ترتیب یا تقدیم و تاخیر کو اہمیت دیے بغیر پورے عمل کو جمع کر دیا ہے۔ عمل کی ترتیب تو بلا شبہ یہی ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے پہلے پڑھا اور پھر پھونک ماری۔ بعض محدثین فرماتے ہیں کہ بعض اوقات فَ کو وَ کے

طور پر بھی استعمال کر لیا جاتا ہے جیسے فرمایا وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَأْسُنَا (اعراف: ۴) کتنی ہی بستیاں تھیں جن کو ہم نے ہلاک کیا، پھر اس کی طرف ہمارا عذاب آیا۔
اس مقام پر بھی آپ یہی توجیہہ کر سکتے ہیں یہاں عملی ترتیب کو ملحوظ رکھے بغیر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے پورے عمل کو جمع کر دیا گیا ہے۔ یا فؔ بطور وؔ استعمال ہوئی ہے اور معنیٰ یہی ہے کہ حضور نبی کریمؐ نے دعا مانگنے کی طرز پر ہاتھ اُٹھائے، پھر قرآن پاک کی آخری تین سورتیں تلاوت فرمائیں، پھر پھونک ماری اور اس کے بعد دونوں ہاتھوں کو جسم پر پھیر لیا۔

شمائل ترمذی
باب - ۳۹

درس - ۴۰
حدیث - ۴۰

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ عَنْ كُرَيْبٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَامَ حَتّٰى نَفَخَ وَكَانَ إِذَا نَامَ نَفَخَ فَأَتَاهُ بِلَالٌ فَآذَنَهُ بِالصَّلٰوةِ فَقَامَ وَصَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ وَفِي الْحَدِيْثِ قِصَّةٌ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۸۸)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث محمد بن بشار نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے عبدالرحمٰن بن مہدی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت سفیان نے سلمۃ بن کہیل کے واسطہ سے بیان کی۔ انھوں نے یہ روایت کریب سے روایت کی اور انھوں نے اسے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے سُنا۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ (ایک موقع پر) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سوئے اور آپ خراٹے لینے لگے اور آپ کی یہ عادت مبارک تھی کہ جب بھی نیند فرماتے تو خراٹے مارتے (ایسے ہی ایک موقع پر) حضرت بلالؓ آئے اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو نماز کا وقت ہو جانے کی اطلاع دی۔ آپ اُٹھے اور نماز پڑھی مگر آپ نے وضو نہیں کیا۔"

نیند میں خراٹے لینا اس حدیث میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے خراٹے لینے کا ذکر ہے کہ آپ سوتے وقت اکثر خراٹے مارا کرتے تھے مگر اس بات کو ذہن میں رکھیں کہ آپ ہمیشہ اعتدال کے ساتھ خراٹے مارا کرتے تھے نہ کہ بعض لوگوں کی مانند بہت زور زور سے۔ بہرحال آپ کے خراٹے لینے سے پتہ چل جاتا تھا کہ آپ آرام فرما رہے ہیں۔ ہمارے

مولانا شعیب مرحوم حضرت لاہوریؒ کے خلیفہ اور بڑے نیک آدمی تھے۔ اُن کی عادت تھی کہ سوتے ہیں زور زور سے خراٹے مارا کرتے تھے، ان کا لڑکا بھی ہمارے یہاں تعلیم حاصل کر رہا ہے۔

یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نَامَ حَتّٰی نَفَخَ ایک دفعہ سو رہے تھے یہاں تک کہ آپ خراٹے لینے لگے کیونکہ نیند میں خراٹے لینا آپ کی عادت مبارک تھی۔ اس دوران میں مؤذنِ رسول حضرت بلالؓ آئے فَاٰذَنَہٗ بِالصَّلٰوۃِ اور آپ کو نماز کا وقت ہو جانے کی اطلاع دی کہ حضور نماز کا وقت ہو گیا ہے تشریف لائیے حضرت بلالؓ کہتے ہیں فَقَامَ وَصَلّٰی پھر آپ اُٹھ کھڑے ہوئے اور نماز ادا فرمائی وَلَمْ یَتَوَضَّأْ مگر تازہ وضو نہیں کیا۔ اس میں خصوصی توجہ طلب امر یہ ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے مکمل نیند کرنے کے بعد نماز کے لیے دوبارہ وضو کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی حالانکہ ایک عام مسلمان کے لیے یہی حکم ہے کہ اگر کوئی شخص لیٹ کر یا کسی چیز کے ساتھ ٹیک لگا کر سو جاتا ہے تو اس کا وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ البتہ اگر کوئی آدمی دوران نماز قعدہ، قیام، جلسہ، رکوع یا سجدہ کی حالت میں سو جاتا ہے تو اس کا وضو نہیں ٹوٹتا۔

البتہ یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں داخل ہے کہ مکمل نیند کے باوجود آپ کا وضو نہیں ٹوٹتا تھا۔ امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ کی دوسری روایت میں آتا ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ کیا حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا وضو نیند کے دوران نہیں ٹوٹتا تھا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا تَنَامُ عَیْنِیْ وَلَا تَنَامُ قَلْبِیْ یعنی نیند کے دوران بھی میری آنکھ تو سوتی ہے مگر دل بیدار رہتا ہے لہٰذا میرا وضو نہیں ٹوٹتا۔ بخاری شریف و مسلم میں سفیان ثوریؒ کی روایت میں یہ تصریح بھی موجود ہے: نَوْمُ الْاَنْبِیَآءِ غَیْرُ نَاقِضٍ لِلْوُضُوْءِ یعنی انبیاء علیہم السّلام کا وضو محض سو جانے کی وجہ سے نہیں ٹوٹتا۔ بہرحال اس حدیث سے دو چیزوں کے متعلق تعلیم حاصل ہوتی ہے۔ ایک یہ

لہ موارد الظمان صد ۵۲۲ (فیاض)

کہ آپ نیند کے دوران اعتدال کے ساتھ خراٹے مارتے تھے اور دوسری یہ کہ سونے کی وجہ سے آپ کا وضو نہیں ٹوٹتا تھا۔

وَفِی الْحَدِیْثِ قِصَّۃٌ اس حدیث میں ایک لمبا قصّہ بھی مذکور ہے جس کا کچھ حصّہ باب ۲۶ (حدیث : ۱۵) میں بیان ہو چکا ہے کہ کسی موقع پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو نماز کی اطلاع دی تو آپ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا تھا۔

حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ حَدَّثَنَا عَفَّانُ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اَوٰى اِلٰى فِرَاشِهٖ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَكَفَانَا وَاٰوَانَا فَكَمْ مِمَّنْ لَا كَافِىَ لَهٗ وَلَا مُؤْوِىَ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۸۸)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت اسحٰق بن منصور نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے عفان نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت حماد بن سلمہ نے ثابت کے واسطہ سے بیان کی، اور انھوں نے یہ حدیث صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے سُنی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے بستر پر تشریف لاتے تو کہتے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَكَفَانَا وَاٰوَانَا فَكَمْ مِمَّنْ لَا كَافِىَ لَهٗ وَلَا مُؤْوِىَ"

سوتے وقت کی دُعا حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی سوتے وقت کی دعائیں اس باب کی پہلی تین روایات میں بھی بیان ہو چکی ہیں۔ اس پانچویں حدیث میں بھی آپ کی یہ دُعا ذکر کی گئی ہے جو آپ بستر پر آرام کرنے کے لیے آنے پر پڑھتے تھے۔

یہ روایت حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ جس وقت نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام آرام فرمانے کے لیے اپنے بستر پر تشریف لاتے تو یہ دعا مانگتے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ اَطْعَمَنَا	اللہ تعالیٰ کی ذات کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے
وَسَقَانَا وَكَفَانَا وَاٰوَانَا	ہمیں کھلایا اور پلایا اور ہماری کفایت کی، اور ہمیں ٹھکانا
فَكَمْ مِمَّنْ لَا كَافِىَ لَهٗ	عطا کیا۔ کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جن کا کوئی کفایت کرنیوالا
وَلَا مُؤْوِىَ	نہیں ہے اور نہ ہی کوئی اُنکو ٹھکانا مہیّا کرنیوالا ہے۔

ہم روزمرّہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ اللہ کی کتنی مخلوق ایسی ہے جن کو دو وقت پیٹ بھر کر روٹی بھی نصیب نہیں اور نہ ہی اُنکے پاس سَر چُھپانے اور گرمی سردی سے بچنے کے لیے سایہ ہے۔ لوگ سڑکوں پر رات کو پڑے رہتے ہیں اور ان کی موت واقع ہوجاتی ہے۔ لہٰذا ہمارے لیے لازم ہے کہ سوتے وقت حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے اسوۂ حسنہ کے مطابق آپکی تعلیم کردہ کوئی نہ کوئی دُعا ضرور پڑھ لیا کریں۔

درس - ۴۰　　حدیث - ٦

حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْجُرَيْرِيُّ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْمُزَنِيِّ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ رَبَاحٍ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا عَرَّسَ بِلَيْلٍ اضْطَجَعَ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ وَإِذَا عَرَّسَ قُبَيْلَ الصُّبْحِ نَصَبَ ذِرَاعَهُ وَوَضَعَ رَأْسَهُ عَلَى كَفِّهِ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۸۸)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث حسین بن محمد الجریری نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے سلیمان[1] بن حرب نے بیان کیا۔ انھوں نے یہ روایت حمید سے اور انھوں نے بکر بن عبداللہ مزنی سے روایت کی۔ انھوں نے اسے عبداللہ[2] ابن رباح سے اور انھوں نے یہ حدیث ابوقتادہ[3] سے سنی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دورانِ سفر جب کسی مقام پر رات کے وقت قیام کرتے تھے اور اگر رات کا باقی حصہ قدرے دراز ہوتا تو آپ دائیں کروٹ پر لیٹ کر اپنا دایاں ہاتھ دائیں رخسار کے نیچے رکھ لیتے۔ اور اگر بقیہ حصہ رات کا کم ہوتا یعنی صبح قریب ہوتی تو آپ اپنا دایاں ہاتھ کھڑا کرکے اپنا سر مبارک اپنے

---

[1] المتولد ۱۴۰ھ والمتوفی ۲۲۴ھ، [2] المتوفی ۱۲۵ھ، [3] اسمہ حرث بن ربعی او نعمان بن ربعی او نعمان بن عمرو الانصاری الخزرجی المدنی بدر کے علاوہ تمام جنگوں میں شریک ہوئے۔ اکابر صحابہ میں سے ہیں اس کنیت کا اور کوئی صحابی نہیں ہے ستر سال کی عمر میں ۳۸ھ یا ۵۴ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ (فیاض)

ہاتھ مبارک پر رکھ دیتے۔

دورانِ سفر آرام کا طریقہ

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے قیام کی حالت میں سونے کا طریقہ اس باب کی پہلی حدیث میں بیان ہو چکا ہے کہ آپ دائیں کروٹ پر لیٹ کر اپنا دایاں ہاتھ مبارک اپنی دائیں رخسار کے نیچے رکھ لیتے۔ اب اس حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دورانِ سفر آرام کرنے کے طریقے کا ذکر ہے۔ ابو قتادہؓ بیان کرتے ہیں کہ دورانِ سفر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی جگہ راستے میں رات بسر کرنے کے لیے پڑاؤ کرتے تو اُس وقت سونے کے لیے آپ دو مختلف طریقے اختیار کرتے۔ اگر ایسے وقت میں بستر پر پہنچتے کہ رات کا ابھی معقول حصہ باقی ہوتا اور آپ کو دو تین گھنٹے آرام کا موقع ملنے کی توقع ہوتی تو پھر آپ حسبِ معمول دائیں کروٹ پر اپنا دایاں ہاتھ دائیں رخسار کے نیچے رکھ کر استراحت فرماتے اور اگر رات کا کم حصّہ باقی ہوتا تو پھر مکمل نیند نہ کرتے کیونکہ صبح کی نماز کے فوت ہو جانے کا خطرہ ہوتا، لہٰذا حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام دائیں کروٹ پر لیٹ جاتے اور اپنا دایاں ہاتھ دائیں رخسار کے نیچے بچھانے کی بجائے اُسے کھڑا کر لیتے اور اپنا سر مبارک ہاتھ کے اوپر رکھ لیتے۔ اس طریقے سے مکمل غفلت کا احتمال بھی نہیں ہوتا تھا اور آپ کو تھوڑا سا آرام کا وقت مل جاتا تھا جس سے دن بھر کے سفر کی تھکاوٹ قدرے دور ہو جاتی تھی۔

---

(۴۰) بَابُ مَاجَآءَ فِیْ عِبَادَةِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

ترجمہ: "باب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عبادت کے بیان میں"

ہر اہلِ ایمان پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا فرض ہے جس کی مختلف صورتیں قولی، فعلی، بدنی، مالی وغیرہ آپ ابواب الایمان کی ابتدائی احادیث میں پڑھ چکے ہیں۔ فرض اور واجب عبادات تو اپنی اپنی جگہ پر مسلم ہیں اور یہ عبادات تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہرحال ادا فرماتے تھے۔ تاہم اس باب میں آپ کی جس عبادت کا ذکر ہو رہا ہے اس سے نفلی عبادت مراد ہے۔ اللہ کے پاک انبیاء چونکہ اس کے مقربین ہوتے ہیں، اس لیے عبادت بھی حقیقت میں انہی پاک نفوس کی ہوتی ہے جس کا معیار حدیثِ جبریل (بخاری ص۱۲ ج۱) میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احسان کی تعریف میں فرمایا، اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ۔ یعنی تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طریقے سے کرے گویا کہ تو اپنے خالق و مالک کو دیکھ رہا ہے۔ اور اگر یہ کیفیت پیدا نہ ہو سکے، یعنی تو اُسے اگر نہیں دیکھ رہا ہے تو وہ تو تجھیں ہر حال میں دیکھ رہا ہے۔ حقیقی معنوں میں عبادت گزار تو اللہ کے نبی ہی ہوتے ہیں جیسا کہ اس کا اپنا ارشاد ہے کہ کَانُوْا لَنَا عٰبِدِیْنَ ○ (الانبیاء: ۷۳) اس کے سارے نبی اس کے عبادت گزار ہیں۔ ان کی عبادت اور خشوع وخضوع حدِ کمال تک پہنچا ہوتا ہے۔ البتہ عام لوگوں کی عبادت اُنکے اخلاص اور استحضار کے مطابق درجہ بدرجہ ہوتی ہے عام انسان خواہ کتنا بھی مقرب ہو، اُس میں وہ کمال نہیں پایا جاتا جو نبیوں کی عبادت میں پایا جاتا ہے۔

جہاں تک فرائض اور واجبات کا تعلق ہے وہ بھی انبیاء علیہم السلام پورے طریقے سے ادا کرتے ہیں۔ بعض چیزیں نبیوں کی خصوصیت میں داخل ہیں جن کے علاوہ باقی تمام احکامِ الٰہی کی تعمیل اللہ کے نبی بھی اُسی طرح کرتے ہیں جس طرح ایک عام مسلمان انکی تعمیل

کا پابند ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی حکمت میں عبادت کا مبدا چار چیزیں ہوتی ہیں۔
پہلی چیز ان کا وہ مبدا، ہے جو ازل سے ابد تک قائم و برقرار رہتا ہے اس سے ہماری مراد وہ جہت ہے جسکے ظہور کی ابتدا، کمال کی نوعیت کے مطابق رب سے ہوتی رہتی ہے۔ ازل سے ابد تک کمالِ جہت رب تعالیٰ سے ہوتی ہے اور اگر اس میں ذرا بھی غیریت کا مفہوم آجائے تو آدمی شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

عبادت کا دوسرا مبدا نشاۃِ دنیا میں دعوتِ تامہ ہے جو پوری بنی نوع انسان کے لیے ہے جیسے فرمایا یَا اَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمْ (البقرہ : ۲۱) اے دُنیا جہان کے لوگو! اپنے پروردگار کی عبادت کرو۔

عبادت کا تیسرا جز و جزا ہوتا ہے۔ اور یہ امر مسلم ہے کہ عبادت میں جس قدر خلوص ہوگا اُسی قدر اس کی جزا بھی بہتر ہوگی۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ عبادت کا چوتھا نقطہ مصلحتِ عامہ ہوتی ہے۔ یعنی عبادت کرنے سے فوائد کیا حاصل ہوتے ہیں؟ تو عبادت کا سب سے پہلا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ عبادت کرنے والے آدمی کا نفس مہذب، شائستہ یا کلچرڈ ہو جاتا ہے۔ گویا عبادت کا پہلا فائدہ تہذیبِ نفس ہے۔ بھائی! کلچرڈ کا مفہوم صرف شائستگی نہ سمجھیں کہ داڑھی منڈوائی، کوٹ پتلون پہنا، ٹائی لگائی اور ہر قسم کی اخلاقی حدود کو پھلانگ گیا۔ نہیں بھائی! اس قسم کے خود ساختہ مہذب لوگ حقیقت میں انسانیت کے دائرہ سے ہی نکل جاتے ہیں۔ قرآن کی زبان میں ایسے لوگ اِنْ ھُمْ اِلَّا کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ سَبِیْلًا ○ (الفرقان : ۴۴) جانوروں کی طرح ہیں بلکہ اُن سے بھی گئے گزرے ہیں۔ ان لوگوں کا جسمانی ڈھانچہ تو آدمیوں والا ہوتا ہے مگر اندر کچھ نہیں ہوتا، اور یہ لوگ "نیستند آدم غلافِ آدم اند" کی مد میں آتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ حقیقی عزت تو ایمان، توحید اور احترامِ شریعت سے حاصل ہوتی ہے مگر نام نہاد کلچرڈ لوگ انہی چیزوں سے خالی ہوتے ہیں، لہٰذا وہ مہذب کہلانے کے حق دار نہیں ہوتے۔

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ عبادت کا دوسرا فائدہ تدبیرِ منزل کی اصلاح ہے۔ ایک عبادت گزار آدمی کے تمام معاملات اس کے عبادت کرنے کی وجہ سے ٹھیک ٹھاک

رہتے ہیں، لوگوں میں اتحاد و وحدت پیدا ہوتی ہے اور معاشرہ میں امن و سکون کا دَور دورہ ہوتا ہے۔ شاہ صاحبؒ کی حکمت کے مطابق عبادت کا تیسرا فائدہ اصلاح تمدن ہے جس کی وجہ سے لوگوں سے غفلت کے پردے چھٹ جاتے ہیں اور وہ ایک دوسرے کے حقوق کما حقہ ادا کرنے لگتے ہیں اور ظلم و جَور سے دُور رہتے ہیں۔ غرضیکہ عبادت بہت بڑی حقیقت ہے اور اس سلسلے میں مَیں نے شاہ صاحب کا نقطہ نظر بھی آپ کے سامنے عرض کر دیا ہے۔

بھائی، عبادات کو فضول چیز نہ سمجھنا، ان کو لایعنی سمجھنے والے خود بیوقوف لوگ ہیں جو ان کی اہمیّت کو ہی نہیں سمجھتے۔ عبادت کا صحیح لطف وہی شخص اُٹھاتا ہے جس کا عقیدہ درست، نیّت خالص اور پوری شرائط کے ساتھ اس کو انجام دیا ہو۔ تاہم جیسا کہ مَیں نے عرض کیا حقیقی عبادت تو انبیاء علیہم السّلام کی ہوتی ہے جو اللہ کے منتخب بندے ہوتے ہیں۔ فرائض بھی وہی سب سے بہتر ادا کرتے ہیں اور نوافل کی ادائیگی میں بھی اللہ کے نبی باقی مخلوق سے بہت آگے ہوتے ہیں۔ پھر یہ بھی یاد رکھیں کہ انبیاء علیہم السّلام پر اللہ تعالٰی کے جس قدر انعامات کی کثرت ہوتی ہے اُسی قدر ان کی ڈیوٹی اور اس پر نگرانی بھی سخت ہوتی ہے۔ ایک آدمی سے فرائض سے غفلت پر بھی وہ باز پرس نہیں ہوتی جو ایک نبی سے معمولی سی لغزش پر بھی ہو جاتی ہے۔ آئیے خود خاتم النبیّین صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اس سلسلہ میں خداوند قدوس کا فرمان سن لیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔ اے اللہ کے رسول! جو آپ کی طرف آپ کے پروردگار نے نازل کیا ہے۔ اُسے آگے مخلوقِ خُدا تک پہنچا دیں۔ یہ چیز آپ کے فرائض منصبی میں شامل ہے۔ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ ط (المائدۃ: ٦٧) اور اگر آپ نے اس فریضہ کی ادائیگی میں ذرا بھی غفلت کا اظہار کیا تو اس کا مطلب یہ سمجھا جائے گا کہ آپ نے رسالت کا حق ہی ادا نہیں کیا۔ وہاں تو رائی کے دانے کے برابر بھی کوتاہی برداشت نہیں ہوتی۔ کیونکہ اللہ کے نبی حدِّ کمال تک پہنچے ہوئے ہوتے ہیں تو مَیں نے عرض کیا کہ اس باب میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی جس عبادت کا ذکر ہو رہا ہے اُس سے مُراد فرضی نہیں بلکہ نفلی عبادت ہے کہ

آپ نفلی عبادت کا حق بھی کس طریقے سے ادا فرماتے ہیں اور آپ کو اس کی کس قدر فکر ہوتی تھی؟
جب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فریضۂ نبوت ادا کرتے ہوئے مکہ کے کافروں کے سامنے توحید کا درس پیش کیا تو انھوں نے اسے دیوانے کی بڑ (نعوذ باللہ) کہہ کر ٹھکرا دیا۔ کہنے لگے کہ یہ شخص تو پاگلوں والی باتیں کرتا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے خود مشرکین کو جواب دیا، مَآ اَنۡتَ بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ بِمَجۡنُوۡنٍ ۝ وَاِنَّ لَكَ لَاَجۡرًا غَيۡرَ مَمۡنُوۡنٍ ۝ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيۡمٍ ۝ (القلم: ۲ تا ۴) اللہ تعالیٰ نے قلم کی قسم اُٹھا کر فرمایا کہ اے نبی، آپ مجنون نہیں ہیں، اللہ نے آپ کے لیے نہ ختم ہونے والا اجر تیار کر رکھا ہے اور آپ اخلاق کی انتہائی بلندیوں پر فائز ہیں۔ پھر آپ کی ظاہر کوتاہیوں اور لغزشوں کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک کی متعدد آیات کے ذریعے ان کی معافی کا پیشگی اعلان فرما دیا ہے۔ اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا ۝ لِّيَغۡفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ۔ (الفتح: ۱، ۲) اے پیغمبر! ہم نے آپ کو (صلح حدیبیہ کی صورت میں) واضح فتح عطا کی ہے تاکہ (آپ اللہ کا شکر ادا کریں) وہ آپ کے [illegible] اگلے پچھلے سارے گناہ معاف کر دے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے کسی نبی سے کوئی صغیرہ یا کبیرہ گناہ سرزد ہوتا ہی نہیں۔ البتہ بعض اوقات گناہ کی ظاہری شکل وصورت میں کوئی خلافِ اولیٰ بات ہو جاتی ہے تو اُس پر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت آجاتی ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ کے کسی نبی سے معمولی لغزش بھی برداشت نہیں کی جاتی کیونکہ وہ نبوت ورسالت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوتے ہیں اور ان کی تربیت براہِ راست وحیِ الٰہی کے ذریعے ہوتی ہے۔
آدم علیہ السّلام کے واقعہ میں بھی دیکھ لیں۔ اللہ نے ان کو بتلا دیا تھا کہ ابلیس تمھارا دشمن ہے، کہیں یہ تمھیں اور تمھاری بیوی کو جنت سے نہ نکلوا دے۔ مگر فرمایا: فَنَسِيَ وَلَمۡ نَجِدۡ لَهٗ عَزۡمًا ۝ (طٰہٰ: ۱۱۵) آدم علیہ السّلام بھول گئے ورنہ انھوں نے بالقصد اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف نہیں کیا تھا۔ اللہ نے فرمایا کہ ابلیس کے بہکاوے میں آکر وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ۝ (طٰہٰ: ۱۲۱) اپنے پروردگار کے حکم کے خلاف کیا، لہٰذا بے راہ ہو گئے۔ اگرچہ یہ لغزش آدم علیہ السّلام نے بھول کر کی تھی پھر

بھی اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی کو جنت سے نکال دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے جلیل القدر صاحبِ کتاب نبی ہیں۔ انھوں نے ایک مظلوم کی حمایت میں ظالم کو ایک مُکّہ رسید کیا تو وہ شخص موقع پر ہی مر گیا۔ آپ نے قصداً قتل نہیں کیا تھا اس لیے یہ نہ تو صغیرہ گناہ تھا اور نہ کبیرہ، بلکہ گناہ کی شکل و صورت ضرور تھی۔ اس کوتاہی پر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت آ گئی۔ موسیٰ علیہ السّلام کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو فوراً بول اُٹھے: هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ۝ (القصص: ۱۵) یہ کام تو شیطان کے بہکانے سے ہوا ہے ورگرنہ میرا ارادہ اس شخص کو قتل کرنے کا ہرگز نہ تھا۔ پھر آپ نے اس لغزش پر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی: قَالَ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ (القصص: ۱۶) کہنے لگے پروردگار، میں نے خود پر ظلم کیا ہے، مجھے معاف فرما دے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپکی یہ لغزش معاف فرما دی۔ بہرحال کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے نبیوں سے اگر ذرا سی بھی کوتاہی ہو جائے تو اس پر گرفت آ جاتی ہے اور وہ آزمائش میں بھی پڑ جاتے ہیں کیونکہ ان کا درجہ بہت بلند ہوتا ہے اور انھیں اُمّت کے لیے نمونہ پیش کرنا ہوتا ہے۔

تو اس باب میں آمدہ احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اگرچہ حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کو کمال درجے کی فضیلت اور بے انداز اجر عطا فرمایا تھا، نیز آپ کی اگلی پچھلی تمام لغزشیں بھی معاف فرما دی تھیں، پھر بھی آپ نفلی عبادات عام اُمّتیوں سے کہیں زیادہ کرتے تھے جیسا کہ آمدہ احادیث سے ظاہر ہوتا ہے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَبِشْرُ بْنُ مَعَاذٍ قَالَا اَخْبَرَنَا اَبُوعَوَانَةَ عَنْ زِيَادِ بْنِ عِلَاقَةَ عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى انْتَفَخَتْ قَدَمَاهُ فَقِيْلَ لَهٗ اَتَتَكَلَّفُ هٰذَا وَقَدْ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ قَالَ اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا ۔ (ترمذی مع شمائل ص ۵۸۸)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث قتیبۃ بن سعید و بشر[1] بن معاذ نے بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس خبر دی ابو عوانہ نے زیاد[2] بن علاقہ کے حوالہ سے ، انھوں نے یہ روایت صحابی رسول حضرت مغیرۃ بن شعبہؓ سے روایت کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (لمبی نفل) نماز پڑھی ، یہاں تک کہ آپ کے پاؤں مبارک پھول گئے۔ آپ سے عرض کیا گیا ، حضور ! آپ اس قدر تکلّف فرماتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اگلی اور پچھلی ساری لغزشیں معاف کر دی ہیں ۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا ، تو (جب اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اتنا انعام فرمایا ہے) تو کیا میں اس کا شکر گزار بندہ نہ بن جاؤں ۔"

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی مشقّت طلب عبادات

اس حدیث میں حضرت مغیرۃ بن شعبہؓ نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی مشقّت طلب نفلی عبادات کا ذکر کیا ہے ۔ کہتے ہیں کہ اللہ کے نبی رات کو اتنی لمبی نماز ادا فرماتے

[1] البصری الضریر المتوفی بعد الاربعین ۔ [2] ھو ابو سہیل الحرانی العقیلی (فیاض)

تھے حَتّٰی اِنْتَفَخَتْ قَدَمَاہُ یہاں تک کہ آپ کے قدم مبارکوں میں ورم آگیا۔ یعنی لمبی دیر تک کھڑا رہنے کی وجہ سے پاؤں مبارک سُوجھ گئے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی عادت مبارک تھی کہ رات کو تہجّد کی نماز میں لمبا قیام کرتے تھے اور مسلسل کھڑا رہنے کی وجہ سے پاؤں مبارکوں پر بوجھ پڑتا تھا جس کی وجہ سے اُن پر ورم آگیا تھا۔ آپ کے اسی مشقّت طلب ذوق وشوق کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: یٰاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ ○ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا ○ اے کپڑا اوڑھنے والے پیغمبر! آپ اپنے آپ کو زیادہ مشقّت میں نہ ڈالا کریں اور ساری ساری رات قیام کرنے کی بجائے نصف رات یا اس سے کچھ کم وبیش قیام کر لیا کریں۔

راوی بیان کرتا ہے کہ حضور نبی کریم رؤف الرحیم کی خدمت میں عرض کیا گیا، اَتَتَکَلَّفُ ھٰذَا حضور! آپ اس قدر مشقّت برداشت کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اگلی پچھلی ساری خطاؤں کو معاف فرما دیا ہے۔ لفظ تکلّف دو مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کا ایک معنیٰ تو تصنع اور بناوٹ ہوتا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے سورۃ ص آیت ۸۶ کے ذریعے اپنے نبی کو یہ کہنے کا حکم دیا ہے۔ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَکَلِّفِیْنَ○ میں تکلّف کرنے والے لوگوں میں سے نہیں ہوں کیونکہ بناوٹ کوئی اچھی عادت نہیں ہے تاہم یہاں پر تکلّف سے دوسرا معنیٰ تحمل ہے۔ صحابہؓ کا عرض کرنے کا مطلب یہ تھا کہ آپ کس قدر تحمل کے ساتھ طویل قیام کی مشقّت برداشت کرتے ہیں حالانکہ آپ کے ذمّے تو گناہ یا لغزش ہے ہی نہیں۔ صحابہ کرامؓ نے آپ کی تکلیف کے پیشِ نظر عرض کیا تھا کہ جب آپ اللہ تعالیٰ کے ہاں معصوم ہیں تو پھر آپ کو اتنی لمبی اور مشقّت طلب عبادت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

اللہ کے شکر گزار بندے

صحابہؓ کے اس سوال کے جواب میں حضور خاتم النبیّین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، میرے صحابہ! جب میرے پروردگار نے مجھ پر اس قدر انعامات کیے ہیں کہ مجھے نبوت ورسالت کے لیے منتخب فرمایا اور میری اگلی پچھلی تمام کوتاہیاں اور لغزشیں بھی اپنی رحمت سے معاف فرما دی ہیں

تو اللہ تعالیٰ کی اس خاص عنایت پر اَفَلَا اَکُوْنُ عَبْدًا شَکُوْرًا کیا میں اس مالک الملک کا شکر گزار بندہ نہ بن جاؤں؟ حضور کا مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے بے شمار انعامات کے بدلے میں مَیں اس کا شکر ادا کرنے کے لیے زیادہ عبادت کرتا ہوں۔

اللہ کے سارے ہی نبی اس کے شکر گزار بندے تھے۔ جب بھی انھوں نے اپنی اپنی اقوام کو اللہ کی توحید کا درس دیا تو لوگ مخالفت پر اُتر آئے اور انبیاء علیہم السّلام کو بڑی بڑی تکلیفیں اُٹھانا پڑیں، مگر اللہ کے ہر نبی نے ہر حالت میں اللہ کا شکر ہی ادا کیا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السّلام کے متعلق فرمایا: اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ○ (بنی اسرائیل : ۳) یعنی وہ اللہ کے شکر گزار بندے تھے۔ اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے متعلق فرمایا: شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ (النحل : ۱۲۱) آپ اللہ تعالیٰ کے انعامات کے شکر گزار تھے، لہٰذا اللہ نے اُن کو برگزیدہ بنایا اور سیدھی راہ پر چلایا تھا۔

الغرض اللہ کا کوئی بندہ جس قدر اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام یافتہ ہوتا ہے وہ اسی قدر اس کا زیادہ شکریہ ادا کرتا ہے تو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے بھی صحابہ کے سوال کے جواب میں یہی فرمایا کہ جس خداوند قدوس نے مجھے نسلِ انسانی پر فضیلت بخشی ہے، ان کی سیادت نصیب فرمائی، شفاعتِ کبریٰ کا مقام عطا فرمایا ہے تو میرے لیے بھی لازم ہے کہ مَیں اس کا شکر گزار بندہ بن کر رہوں۔ اُس کا اپنا فرمان بھی ہے۔ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ○ (ابراھیم : ۷) اگر شکر کرو گے تو مزید عطا کروں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو میرا عذاب بھی سخت ہے۔

باب - ۴۰

درس - ۴۱

حدیث - ۲

حَدَّثَنَا اَبُوْ عَمَّارِنِ الْحُسَيْنُ بْنُ حُرَيْثٍ اَخْبَرَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوْسٰى عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ حَتّٰى تَرِمَ قَدَمَاهُ قَالَ فَقِيْلَ لَهٗ تَفْعَلُ هٰذَا وَقَدْ جَآءَكَ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ غَفَرَ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ قَالَ اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۸۸)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت ابو عمار حسین بن حریث نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس خبر دی فضل بن موسیٰ نے محمد بن عمرو کی وساطت سے، انھوں نے یہ روایت ابی سلمۃؒ[1] سے اور انھوں نے ابو ہریرۃؓ سے روایت کی۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اتنی لمبی نماز پڑھتے تھے یہاں تک کہ آپ کے قدموں مبارکوں پر ورم آجاتا تھا۔ راوی بیان کرتا ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ حضور! آپ اس قدر مشقت برداشت کرتے ہیں حالانکہ آپ کے اگلے پچھلے سارے گناہ معاف ہو چکے ہیں۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے جواباً فرمایا، کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بن جاؤں؟"

تشریح یہ دوسری روایت بھی پہلی روایت کے ہم معنی ہی ہے۔ پہلی روایت میں اِنْتَفَخَتْ قَدَمَاهُ کے الفاظ تھے جبکہ اس روایت میں تَرِمَ قَدَمَاهُ آیا ہے بعض نسخوں میں تو تَرَّمُ قَدَمَاهُ بھی آیا ہے۔ وَرِمَ یَرِمُ کا معنیٰ سُوج جانا یا ورم آجانا ہوتا ہے۔

[1] العامری المدنی مات بعد العشرین۔ (فیاض)

اس روایت کے راوی حضرت ابوہریرہؓ ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو تہجد کی نماز ادا فرماتے تو طویل قیام کی وجہ سے تَرِمَ قَدَمَاہُ آپ کے قدموں مبارکوں پر ورم آجاتا۔ ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ آپ کی اس حالت کو دیکھ کر بعض صحابہ نے عرض کیا کہ حضور اَتَفْعَلُ ھٰذَا آپ اس قدر مشقّت اُٹھاتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی چھوٹی موٹی لغزشوں کی پیشگی معافی کا اعلان کر رکھا ہے مطلب یہ تھا کہ آپ کو اتنی زیادہ محنت نہیں کرنی چاہیے۔ آپ نے اس کے جواب میں یہی فرمایا اَفَلَا اَکُوْنُ عَبْدًا شَکُوْرًا کیا میں اس اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بن جاؤں جس کی مہربانی کی وجہ سے میری اگلی پچھلی ساری خطائیں معاف ہو چکی ہیں۔ جیساکہ میں نے عرض کیا، کوئی بندہ جس قدر مقربِ الٰہی ہوتا ہے، وہ اسی قدر اللہ کا شکر گزار بندہ بن جاتا ہے۔

حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ عُثْمَانَ بْنِ عِيسَى بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الرَّمْلِيُّ حَدَّثَنَا عَمِّي يَحْيَى بْنُ عِيسَى الرَّمْلِيُّ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُومُ يُصَلِّي حَتّٰى يَنْتَفِخَ قَدَمَاهُ فَيُقَالُ لَهٗ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَتَفْعَلُ هٰذَا وَقَدْ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ قَالَ أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۸۸)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث عیسیٰ بن عثمان بن عیسیٰ بن عبدالرحمٰن رملیؒ[1] نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے سامنے یہ روایت میرے چچا یحییٰ بن عیسیٰ رملی نے بیان کی۔ انھوں نے یہ روایت اعمش سے نقل کی اور انھوں نے اسے ابی صالح سے روایت کیا۔ ابوصالح حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو نماز کے لیے کھڑے ہوتے یہاں تک کہ آپ کے پاؤں مبارک پھول جاتے۔ پھر آپ سے کہا جاتا کہ اے اللہ کے رسول، آپ اتنی مشقت اٹھاتے ہیں؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اگلی پچھلی ساری خطائیں معاف کر دی ہیں (تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جواباً فرماتے) کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بن جاؤں؟

تشریح: اس تیسری حدیث کا مضمون بھی پہلی دو احادیث کے ساتھ ہی ملتا جلتا ہے۔ حضور خاتم النبیینؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کا حال بیان ہو رہا ہے کہ آپ

[1] الفهمي الفاخوري الكوفي۔ (فیاض)

رات کے وقت نماز تہجد میں اس قدر لمبا قیام فرماتے کہ آپ کے قدم مبارک مسلسل بوجھ پڑنے کی وجہ سے متورم ہو جاتے۔ گزشتہ روایت میں تَرِمَ کا لفظ آیا تھا جبکہ پہلی اور دوسری روایت کے راویانِ حدیث نے انتفاخ کا لفظ استعمال کیا ہے تاہم معنی ایک ہی ہے کہ کثرتِ قیام کی وجہ سے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے قدم مبارکوں میں ورم آجاتا تھا مگر آپ کی شکر گزاری کا معیار یہ تھا کہ سخت تکلیف اٹھانے کے باوجود اپنے عمل کو جاری رکھتے تھے اور صحابہ کے توجّہ دلانے پر یہی جواب دیتے تھے۔ اَفَلَا اَکُوْنُ عَبْدًا شَکُوْرًا کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بن جاؤں؟ مطلب یہ تھا کہ اللہ کے عطا کردہ انعامات کا جس قدر بھی شکر ادا کروں کم ہے۔ لہٰذا میری خواہش یہی ہے کہ اپنے پروردگار کے سامنے نماز پڑھ کر اور مناجات کر کے اس کی عنایات کا زیادہ سے زیادہ شکر ادا کروں۔

سخت سردی کے موسم میں بعض اوقات ٹھنڈے پانی سے وضو کر کے لمبا قیام کرنے کی وجہ سے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے پاؤں مبارک پھٹ جایا کرتے تھے مگر آپ اپنے معمول میں کمی نہیں فرماتے تھے۔ یہ تو اللہ کے خاص بندوں کی باتیں ہیں ورنہ آج کل بے شمار سہولتوں کے باوجود ہمارا عمل کچھ بھی نہیں ہے۔ ہمارے ایک ڈاکٹر دوست مری میں رہتے تھے، اب فوت ہو چکے ہیں۔ مَیں نے اُن سے پوچھا کہ آپ اس شدید سردی میں نماز کے لیے وضو کس طرح کرتے ہیں؟ کہنے لگے، وضو کے لیے پانی گرم کرنا پڑتا ہے مگر وضو کرنے کے بعد اعضائے وضو کو تولیے سے فوراً خشک کر لیتا ہوں کیونکہ اگر ذرا سا توقف ہو جائے تو یہاں کی ٹھنڈی ہوا لگنے سے چہرے پر لگا ہوا پانی فوراً جم جاتا ہے اور ایسی صورت میں اسے داڑھی سے صاف کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

ہماری بڑی ہمشیرہ صاحبہ اللہ کے فضل سے ابھی تک حیات ہیں وہ سنایا کرتی ہیں کہ ہمارے دادا کے ایک بھائی بڑے صحت مند تھے، سفر کرنے کے عادی تھے بحمد اللہ نمازی بھی پکّے تھے اور ٹھنڈے پانی سے وضو کرتے تھے۔ ہماری ہمشیرہ بتاتی ہیں کہ ہمارے اس بزرگ کے پاؤں ٹھنڈے پانی سے بار بار وضو کرنے کی وجہ سے

پھٹ جاتے۔ پھر وہ اُن دراڑوں کو سُوئی دھاگہ کے ساتھ سی لیتے تھے تاکہ مزید بڑھ کر زیادہ نقصان نہ پہنچائیں۔ اس زمانے میں کریم وغیرہ تو نہیں ہوتی تھی، البتہ بابا جی پاؤں کو نرم کرنے کے لیے کبھی اُن پر صابن لگا لیتے تھے۔ جب بچے اُن سے پُوچھتے کہ بابا جی! آپ کے پاؤں کیسے پھٹ جاتے ہیں؟ تو جواب دیتے، بیٹا! نماز پڑھنے کے لیے وضو کرنا ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس شدید سردی میں پاؤں پھٹ جاتے ہیں۔ بچے کہتے کہ اچھّا اگر آپ کو وضو کرنے سے اتنی تکلیف ہوتی ہے تو نماز ہی نہ پڑھا کرو تاکہ وضو ہی نہ کرنا پڑے۔ اس پر بابا جی ایک لمبی آہ بھر کر کہتے، بیٹا! مَیں نے بڑے لمبے سفر پر جانا ہے وہ کس طرح طے ہو گا؟ مجھے نہ نماز چھوڑنی چاہیے اور نہ اس کے لیے وضو کا کوئی متبادل تلاش کرنا چاہیے۔

حضرت علیؓ کے بارے میں بھی منقول ہے کہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو پانچ سو رکعت پڑھنے کے بعد آہ کھینچ کر کہتے کہ بڑا لمبا سفر ہے، وہ کیسے طے ہو گا؟ ہمارے شیخ حضرت مدنیؒ بھی بعض اوقات دو نفل ادا کرتے تھے اور رونا شروع کر دیتے تھے جب ذرا ہوش آتا پھر نماز میں مشغول ہو جاتے۔ آپ بھی آخرت کے طویل سفر کو یاد کر کے آبدیدہ ہو جاتے تھے۔ بہر حال ان تین روایات میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی نماز کی کیفیت بیان ہوئی ہے جس میں کھڑے کھڑے آپ کے قدم مبارک سوج جاتے تھے اور بعض اوقات سردی کے موسم میں پھٹ جاتے تھے مگر آپ کے نماز کے شوق میں کمی نہیں آتی تھی۔

درس - ۱۴۱
حدیث - ۴

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ اَبِیْ اِسْحٰقَ عَنِ الْاَسْوَدِ بْنِ یَزِیْدَ قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّیْلِ فَقَالَتْ کَانَ یَنَامُ اَوَّلَ اللَّیْلِ ثُمَّ یَقُوْمُ فَاِذَا کَانَ مِنَ السَّحَرِ اَوْتَرَ ثُمَّ اَتٰی فِرَاشَهٗ فَاِنْ کَانَتْ لَهٗ حَاجَةٌ اَلَمَّ بِاَهْلِهٖ فَاِذَا سَمِعَ الْاَذَانَ وَثَبَ فَاِنْ کَانَ جُنُبًا اَفَاضَ عَلَیْهِ مِنَ الْمَآءِ وَاِلَّا تَوَضَّأَ وَخَرَجَ اِلَی الصَّلٰوةِ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۸۸)

ترجمہ:۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث محمد بن بشار نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی محمد بن جعفر نے، وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت شعبہ نے ابی اسحاق کی وساطت سے بیان کی۔ انھوں نے یہ روایت اسود بن یزید سے روایت کی۔ وہ کہتے ہیں میں نے امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی رات کی نماز کے متعلق دریافت کیا تو امّ المؤمنینؓ نے بتایا کہ آپ رات کے پہلے حصّے میں سو جاتے پھر آپ قیام فرماتے۔ اس کے بعد جب سحری کا وقت ہوتا تو آپ وتر ادا کرتے۔ پھر آپ اپنے بستر پر تشریف لے آتے۔ پھر اگر آپ کو رغبت ہوتی تو اپنی اہلیہ کے ساتھ مباشرت کرتے پھر جب اذان کی آواز سُنتے تو آپ تیزی سے اُٹھتے۔ اگر آپ جنبی ہوتے تو اپنے اُوپر پانی ڈال لیتے ورنہ وضو کر کے نماز کےلیے

چل پڑتے ۔"

تشریح اس حدیث میں امّ المؤمنین نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی رات کی نماز یعنی تہجد ادا کرنے کا معمول بتلایا ہے۔ اس حدیث کے راوی اسود بن یزیدؒ ہیں جنھوں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی تہجد کی نماز کے متعلق دریافت کیا۔ امّ المؤمنین کہتی ہیں کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا معمول یہ تھا یَنَامُ اَوَّلَ اللَّیْلِ کہ آپ پہلی رات آرام فرماتے یعنی عشاء کے بعد لیٹ جاتے۔ پھر آپ پچھلی رات بیدار ہوتے اور نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے آپ نماز تہجد ادا فرماتے جس کی تفصیل اگلی روایات میں آرہی ہے۔ پھر اِذَا کَانَ مِنَ السَّحَرِ اَوْتَرَ جب سحری کا وقت ہو جاتا تو آپ وتر ادا فرماتے۔ اس کے بعد آپ اپنے بستر پر تشریف لے آتے۔ امّ المؤمنین فرماتی ہیں کہ فَاِنْ کَانَتْ لَہٗ حَاجَۃٌ اگر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام خواہش فرماتے اَلَمَّ بِاَھْلِہٖ تو اپنی بیوی کے ساتھ مباشرت کرتے۔ مختلف ایام میں قدرے مختلف حالات بھی پیش آجاتے تھے۔ اگلی روایت میں آئے گا کہ اس کے بعد آپ جلدی سے غسل کرتے، فجر کی سُنتیں ادا کرتے اور نماز کے لیے مسجد میں تشریف لے جاتے تاہم اس روایت میں ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اپنی اہلیہ سے فارغ ہوتے، فَاِذَا سَمِعَ الْاَذَانَ پھر جب نماز فجر کی اذان سُنتے وَثَبَ تیزی کے ساتھ اُٹھ کھڑے ہوتے۔ فَاِنْ کَانَ جُنُبًا اَفَاضَ عَلَیْہِ مِنَ الْمَآءِ اگر آپ اُس وقت جنبی حالت میں ہوتے یعنی بیوی سے استفادہ حاصل کر چکے ہوتے تو اپنے اُوپر پانی ڈال لیتے یعنی غسل کر لیتے۔ وَاِلَّا تَوَضَّاَ اور اگر غسل کی حاجت نہ ہوتی تو صرف وضو کر لیتے وَخَرَجَ اِلَی الصَّلٰوۃِ اور نماز فجر کے لیے نکل کھڑے ہوتے۔

یاد رہے کہ اس حدیث کے راوی اسود بن یزید تابعین میں سے ہیں ان کی خواہش ہوگی کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے رات کے معمولات کو بھی اختیار کریں، لہٰذا انھوں نے امّ المؤمنین سے دریافت کیا جنھوں نے یہ تفصیل بیان کی۔

درس - ۴۱ باب - ۴۰

حدیث - ۵

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ اَنَسٍ (ح) وَحَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مُوْسَى الْاَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا مَعْنٌ عَنْ مَالِكٍ عَنْ مَخْرَمَةَ بْنِ سُلَيْمٰنَ عَنْ كُرَيْبٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ اَخْبَرَهٗ اَنَّهٗ بَاتَ عِنْدَ مَيْمُوْنَةَ وَهِيَ خَالَتُهٗ قَالَ فَاضْطَجَعْتُ فِيْ عَرْضِ الْوِسَادَةِ وَاضْطَجَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ طُوْلِهَا فَنَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى اِذَا انْتَصَفَ اللَّيْلُ اَوْ قَبْلَهٗ بِقَلِيْلٍ اَوْ بَعْدَهٗ بِقَلِيْلٍ. فَاسْتَيْقَظَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ يَمْسَحُ النَّوْمَ عَنْ وَجْهِهٖ وَقَرَاَ الْعَشْرَ الْاٰيٰتِ الْخَوَاتِيْمَ مِنْ سُوْرَةِ اٰلِ عِمْرَانَ ثُمَّ قَامَ اِلٰى شَنٍّ مُّعَلَّقٍ فَتَوَضَّاَ مِنْهُ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ ثُمَّ قَامَ يُصَلِّيْ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبَّاسٍ فَقُمْتُ اِلٰى جَنْبِهٖ فَوَضَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى رَاْسِيْ ثُمَّ اَخَذَ بِاُذُنِي الْيُمْنٰى فَفَتَلَهَا فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ قَالَ مَعْنٌ سِتَّ مَرَّاتٍ ثُمَّ اَوْتَرَ ثُمَّ اضْطَجَعَ حَتّٰى جَآءَ الْمُؤَذِّنُ فَقَامَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى الصُّبْحَ۔

(ترمذی مع شمائل ص ۵۸۸)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث قتیبہ بن سعید نے مالک بن انس کے واسطہ سے بیان کی (ح) ہمارے پاس یہ

حدیث اسحٰق بن موسیٰ انصاری نے بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے معن نے مالک کے حوالہ سے بیان کیا ۔ انھوں نے اسے مخرمہ بن سلیمان سے نقل کیا ۔ انھوں نے یہ روایت کریب سے اور انھوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی ۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے ایک رات اپنی خالہ اُمّ المؤمنین حضرت میمونہؓ کے ہاں بسر کی ۔ کہتے ہیں کہ مَیں گدّے کے عرض میں لیٹ گیا ، جبکہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم (بمعہ اپنی اہلیہ) گدّے کے طول میں دراز ہوگئے ۔ پھر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سوگئے یہاں تک کہ جب آدھی رات ہوگئی ، یا اس سے کچھ دیر پہلے یا کچھ دیر بعد ، تو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم بیدار ہوئے اور اپنے چہرے پر ہاتھ پھیر کر نیند کے آثار کو دُور فرمانے لگے ۔ آپ نے سورۃ آلِ عمران کی آخری دس آیات (آخری رکوع) تلاوت فرمائیں ۔ پھر آپ (پانی کے) لٹکتے ہوئے مشکیزہ کی طرف تشریف لے گئے اور اس سے وضو کیا اور اچھی طرح وضو کیا ۔ پھر آپ نماز کے لیے کھڑے ہوگئے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ مَیں بھی آپ کی (بائیں) جانب کھڑا ہوگیا ۔ پھر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنا دایاں ہاتھ میرے سر پر رکھا ، پھر میرا دایاں کان مروڑا (اور مجھے اپنی دائیں جانب کھینچ لیا) پھر آپ نے دو رکعتیں پڑھیں ، پھر دو رکعتیں پڑھیں ، پھر دو رکعتیں پڑھیں ، پھر دو رکعتیں پڑھیں ، پھر دو رکعتیں پڑھیں ، پھر دو رکعتیں پڑھیں ۔ راوی حدیث معن کہتے ہیں کہ آپ نے چھ مرتبہ (دو دو رکعتیں ادا فرمائیں) پھر وتر کیا ۔ پھر آپ لیٹ گئے یہاں تک کہ مؤذن آگیا ۔ پھر آپ نے کھڑے ہو کر دو ہلکی رکعتیں ادا فرمائیں ، اور پھر صبح کی نماز کے لیے نکل کھڑے ہوئے ۔"

تشریح اس حدیث میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے چچازاد بھائی اور خورد سالہ صحابی حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے آپ کی نماز تہجد کے متعلق اپنا ذاتی مشاہدہ بیان کیا ہے نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی ایک زوجہ محترمہ حضرت میمونہؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی خالہ ہوتی تھیں۔ یاد رہے کہ حضرت میمونہؓ حضرت ابنِ عباسؓ کے علاوہ حضرت خالد بن ولیدؓ اور حضرت زید بن اصمؓ کی بھی خالہ تھیں۔ حضرت عبداللہ عباسؓ اگرچہ کم عمر صحابی رسول ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑی سمجھ اور فقاہت عطا فرمائی تھی۔ خود حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے بھی ان کے ذوق و شوق کو دیکھ کر ان کے حق میں دُعا کی تھی اَللّٰھُمَّ فَقِّھْهُ فِی الدِّیْنِ (مسلم ص۲۹۸ ج۲) اے اللہ! اس بچے کو دین کی سمجھ عطا فرما۔ آپ کی دُعا درجۂ قبولیت کو پہنچی اور حضرت عبداللہؓ سیّد المفسّرین کہلائے۔

تو یہ صحابی رسول بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا رات کا عمل دیکھنے کے لیے انھوں نے ایک شب اپنی خالہ اُمّ المؤمنین میمونہؓ کے ہاں بسر کی کہتے ہیں کہ میں بستر کے طور پر بچھائے گئے گدّے کے عرض میں لیٹ گیا، اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (اور اُمّ المؤمنینؓ) گدّے کے طول کی طرف دراز ہو گئے۔ پھر کچھ دیر بعد حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سو گئے۔ حَتّٰی اِذَا انْتَصَفَ اللَّیْلُ یہاں تک کہ جب نصف رات کا وقت ہُوا، یا اس سے کچھ دیر پہلے یا کچھ دیر بعد تو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم بیدار ہو گئے۔ راوی نے اندازے کے ساتھ ہی بیان کیا کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نصف رات کے قریب نیند سے بیدار ہوئے، اس زمانے میں موجودہ طرز کی گھڑیاں تو نہیں ہوتی تھیں جن سے وقت کا صحیح صحیح تعین ہو سکتا، لوگ سارے کام وقت کے اندازے سے انجام دیتے تھے۔ پھر پانی والی گھڑیاں اور ریت والی گھڑیاں ایجاد ہوئیں۔ تاہم اب شب و روز کا وقت بتانے کے لیے جدید ترین گھڑیاں ایجاد ہو چکی ہیں جو گھنٹوں، منٹوں اور سیکنڈوں کا صحیح صحیح تعین کرتی ہیں۔ اب تو کوارز گھڑیاں پوری دُنیا میں لوگوں کو وقت سے آگاہ کر رہی ہیں، جن کو چابی دینے کی بھی ضرورت نہیں اور وہ ایک سیکنڈ کو بھی کئی حصّوں میں تقسیم کر کے دکھا دیتی ہیں۔

بہرحال حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نصف رات کے قریب بیدار ہوئے۔ فَجَعَلَ یَمْسَحُ النَّوْمَ عَنْ وَجْھِہٖ آپ نے اپنے چہرہ مبارک پر ہاتھ پھیر کر نیند کے آثار کو دُور فرمایا۔ نیند کی وجہ سے انسان میں قدرے سستی آ جاتی ہے اور بعض اوقات آنکھیں بھی چپک جاتی ہیں تو نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے چہرہ اور آنکھوں مبارک پر ہاتھ پھیرا۔ پھر آپ نے اسی حالت میں قَرَأَ الْعَشْرَ الْاٰیٰتِ الْخَوَاتِیْمَ مِنْ سُوْرَۃِ اٰلِ عِمْرَانَ سورۃ آل عمران کی آخری دس آیات تلاوت فرمائیں یعنی سورۃ کا آخری رکوع اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے لے کر آخر سورۃ تک۔

صحابی بیان کرتا ہے ثُمَّ قَامَ اِلٰی شَنٍّ مُّعَلَّقٍ کہ اسکے بعد آپ گھر میں لٹکے ہوئے پانی کے مشکیزے کی طرف تشریف لے گئے۔ اس زمانے میں پانی کی سخت قلت تھی۔ عرب کی سنگلاخ سرزمین میں پانی کا حصول بہت بڑا مسئلہ تھا۔ تاہم مدینہ طیبہ میں چند کنوئیں موجود تھے مگر اُن کا پانی بھی کھاری تھا۔ میٹھا پانی بہت ہی کم مقدار میں ملتا تھا۔ لوگ استعمال کے لیے پانی دُور دُور سے لاتے تھے اور پھر اُسے چمڑے کے بنے ہوئے مشکیزوں میں ذخیرہ کر لیتے تھے تاکہ وقتاً فوقتاً پانی کی ضروریات پوری کرتے رہیں۔ پانی کے مشکیزوں کا منہ اچھی طرح بند کر کے کسی دیوار وغیرہ کے ساتھ لٹکا دیا جاتا تھا اور بوقتِ ضرورت مشکیزے کا منہ کھول کر حسبِ ضرورت پانی حاصل کر لیا جاتا تھا اور مشکیزے کا مُنہ پھر کس کر باندھ دیا جاتا تھا۔ اس طرح پانی محفوظ بھی رہتا تھا اور ہوا لگنے سے قدرے ٹھنڈا بھی ہو جاتا تھا۔ الغرض حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام ایسے ہی مشکیزے کی طرف گئے پانی لیا، فَتَوَضَّأَ مِنْہُ اور اس سے وضو فرمایا۔ ثُمَّ قَامَ یُصَلِّیْ پھر آپ نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔

راوی بیان کرتا ہے کہ جب میں نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو نماز کے لیے کھڑا دیکھا تو میں بھی آپ کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا اور آپ کی اقتداء میں نماز کی نیت کر لی۔ کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اپنا دایاں ہاتھ مبارک میرے سر کی طرف بڑھایا اور میرا دایاں کان مروڑ کر مجھے اپنی بائیں طرف سے کھینچ کر دائیں جانب کر لیا۔ ظاہر ہے کہ

جب ایک امام اور ایک مقتدی نماز میں کھڑے ہوں تو مقتدی کو امام کی دائیں جانب کھڑا ہونا چاہیے اور اگر مقتدی دو یا دو سے زیادہ ہوں تو پھر وہ امام کے پیچھے صف بنائیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابنِ عباسؓ کا کان مروڑا جو کہ کسی تعزیر کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ آپ نے پیار کے ساتھ اس طریقے سے صحابی کو اپنی دائیں طرف کر لیا۔

فَصَلّٰی رَکْعَتَیْنِ پھر آپ نے دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ آپ نے چھ مرتبہ دو دو رکعتیں پڑھیں اور اس طرح کل بارہ رکعت نماز آپ نے ادا فرمائی۔ ثُمَّ اَوْتَرَ پھر آپ نے وتر کیا یعنی ایک وتر پڑھا اور اس طرح آپ نے کل تیرہ رکعت نماز ادا کی۔ آپ کا عام معمول یہی تھا تاہم بعض اوقات آپ کم و بیش رکعتیں بھی پڑھتے تھے۔ تیرہ رکعت نماز ادا کرنے کے بعد ثُمَّ اضْطَجَعَ حَتّٰی جَآءَہُ الْمُؤَذِّنُ آپ لیٹ گئے یہاں تک کہ مؤذن رسول حضرت بلالؓ نے آپ کو فجر کی نماز کا وقت ہو جانے کی اطلاع دی۔ آپ نے کھڑے ہو کر فَصَلّٰی رَکْعَتَیْنِ خَفِیْفَتَیْنِ دو ہلکی رکعتیں ادا کیں۔ یہ نماز فجر کی سُنتیں تھیں۔ پھر آپ گھر سے چل دیے اور مسجد میں جا کر فَصَلَّی الصُّبْحَ لوگوں کو صبح کی نماز پڑھائی۔

وتروں کی تعداد کا مسئلہ

آگے امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت میں آ رہا ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ رات کی نماز نہیں پڑھتے تھے۔ اس میں تہجّد کے آٹھ نفل اور تین وتر ہوتے تھے مگر اس روایت میں تیرہ رکعت کا ذکر کیا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے پہلے دو رکعت تحیّۃ الوضوء کے نفل ادا کیے، پھر آٹھ نفل تہجد کے اور پھر تین وتر ادا فرمائے۔ اس کے بعد دو رکعت بیٹھ کر پڑھنے کا ذکر بھی دوسری روایات میں موجود ہے۔ بہر حال وتروں کی ادائیگی کے مختلف طریقے روایات میں موجود ہیں چنانچہ اس روایت میں ایک وتر کا ذکر ہے جب کہ بخاری شریف کی روایات میں اَوْتَرَ بِثَلَاثٍ، اَوْتَرَ بِخَمْسٍ، اَوْتَرَ بِتِسْعٍ، اَوْتَرَ بِاِحْدٰی عَشَرَ، اَوْتَرَ بِثَلٰثَ عَشَرَ کے الفاظ بھی آتے ہیں۔ یعنی آپ نے رات کی نماز کو ایک رکعت کے ساتھ وتر بنایا، تین، پانچ، نو، گیارہ اور تیرہ کے الفاظ بھی آئے ہیں۔

وتروں کی ادائیگی کے سلسلہ میں احناف کا مسلک یہ ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام وتروں کی تین رکعت بِسَلَامٍ وَاحِدٍ یعنی ایک سلام کے ساتھ ادا فرماتے تھے جیسا کہ مسلم شریف (ص۲۵۶ ج۱) اور نسائی شریف (ص۲۴۸ ج۱) کی روایات سے متبادر ہے[1]۔ امام شافعیؒ دو سلاموں کے ساتھ تین وتروں کی ادائیگی کے قائل ہیں، جبکہ امام مالکؒ کے نزدیک دونوں طریقوں سے اجازت ہے، خواہ کوئی ایک سلام کے ساتھ پڑھے یا دو سلاموں کے ساتھ۔ مگر اہلِ حدیث حضرات اَوْتِرْ بِوَاحِدٍ کے الفاظ کے مطابق تہجد کی پوری نماز کو وتر بناتے ہیں مگر آخر میں صرف ایک رکعت وتر پڑھتے ہیں۔ احناف کے نزدیک ان الفاظ کا مطلب یہ نہیں کہ آپ صرف ایک رکعت وتر پڑھتے تھے بلکہ دوسری روایت میں صاف موجود ہے کہ یہ ایک رکعت تُوْتِرُ مَا قَدْ صَلّٰی ماقبل نماز کو وتر بنا دیتی ہے۔ ٹھیک ہے بھائی، ہم جھگڑا نہیں کرتے کیونکہ یہ بھی ائمہ کا مسلک ہے اور جس مسئلہ میں ائمہ کی رائے شامل ہو وہاں جھگڑا نہیں ہونا چاہیے مگر راجح اور مرجوح کا ضرور لحاظ کرنا ہوگا۔ اس مسئلہ میں قوی دلیل امام ابوحنیفہؒ کی ہے کہ دو دو رکعتیں پڑھتے جاؤ۔ اِذَا خَشِیْتَ الصُّبْحَ اَوْتِرْ بِوَاحِدٍ جب صبح ہو جانے کا خطرہ ہو تو ایک رکعت پڑھ کر وتر بنالو۔ بہرحال وتروں کی تعداد تین ہی ہوگی اور وہ بھی ایک سلام کے ساتھ۔ صحیح احادیث کے مطابق حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی رات کی نماز کی رکعتوں کی کل تعداد سترہ بنتی ہے اور وہ اس طرح کہ:

نفل تحیۃ الوضو	نفل تہجّد	وتر	بیٹھ کر نفل	سننِ فجر	کل رکعت
۲	۸	۳	۲	۲	۱۷

[1] مسند اسحاق بن راھویہ ص۷ / ۳۷۰ (فیاض)

درس - ۴۱
حدیث - ۲

حَدَّثَنَا اَبُوْ کُرَیْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا وَکِیْعٌ عَنْ شُعْبَۃَ عَنْ اَبِیْ جَمْرَۃَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ مِنَ اللَّیْلِ ثَلَاثَ عَشَرَ رَکْعَۃً۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۸۸)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث ابو کریب محمد بن علاء نے بیان کی۔ انھوں نے یہ روایت وکیع سے سُنی، انھوں نے شعبہ سے اور انھوں نے ابی جمرہ[1] سے روایت کی۔ اُنھوں نے یہ حدیث عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کی نماز تہجّد تیرہ رکعت پڑھا کرتے تھے۔"

تشریح جیسا کہ پچھلی روایت میں بیان ہو چکا ہے تیرہ رکعت سے مُراد یہ ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے دو رکعت تحیۃ الوضو، آٹھ رکعت تہجد اور تین وتر ادا فرمائے۔ اس طرح کل تیرہ رکعتیں ہوگئیں۔

---

[1] اسمہٗ نصر بن عمران الضبی البصری المتوفی ۱۲۷ھ (فیاض)

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا اَبُوْعَوَانَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ زُرَارَةَ بْنِ اَوْفٰى عَنْ سَعْدِ بْنِ هِشَامٍ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا لَمْ يُصَلِّ بِاللَّيْلِ مَنَعَهُ مِنْ ذٰلِكَ النَّوْمُ اَوْغَلَبَتْهُ عَيْنَاهُ صَلّٰى مِنَ النَّهَارِ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً۔ (ترمذی مع شمائل صـ۵۸۸)

ترجمہ:- امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث قتیبہ بن سعید نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے ابوعوانہ نے بیان کیا۔ اُن کے پاس یہ روایت قتادہ نے زرارۃ بن اوفیٰ[1] سے سُن کر بیان کی۔ انھوں نے یہ روایت سعدؒ[2] بن ہشام سے اور انھوں نے امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے روایت کی۔ وہ فرماتی ہیں کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام جب کبھی نیند کے غلبہ یا کسی اور عارضہ کی وجہ سے رات کی نماز تہجد ادا نہ فرما سکتے تو آپ دن کے وقت بارہ رکعت پڑھ لیتے "۔

تشریح | مطلب یہ ہے کہ رات کے وقت تو آپ بالعموم آٹھ رکعت تہجّد پڑھتے تھے اور اگر کسی روز آپ رات کو کسی وجہ سے تہجد ادا نہ کر پاتے تو پھر دن کے وقت آٹھ کی بجائے بارہ رکعت ادا فرماتے۔ اگرچہ یہ نماز فرض، واجب یا سنّت مؤکدہ تو نہیں تاہم خدا پرست لوگ اس کا خصوصی اہتمام کرتے ہیں۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ جو شخص اپنا معمول رات کو پورا نہ کر سکے اُسے چاہیے کہ وہ اسے طلوعِ شمس کے بعد دوپہر تک کے عرصہ میں پورا کرلے۔ یہ ایسا ہی ہے گویا کہ اُس نے رات کو ہی پورا کیا۔

---

[1] له صحبة ابوحاجب الجرمي البصري قاضي البصرة ثقة عابد خرج له سنة قرأ المدثر في الصلاة فلما بلغ فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ خرميتا۔ [2] الانصاري المدني ثقة من الطبقة الثالثة اُسْتُشْهِدَ بمكران۔ (فیاض)

درس ۔ ۴۱　　حدیث ۔ ۸

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ اَخْبَرَنَا اَبُوْ اُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ يَعْنِي ابْنَ حَسَّانٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيْرِيْنَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا قَامَ اَحَدُكُمْ مِنَ اللَّيْلِ فَلْيَفْتَحْ صَلَاتَهٗ بِرَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ ۔

(ترمذی مع شمائل صـ ۵۸۹)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت محمد بن علاء نے بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی ابو اُسامہ نے ہشام یعنی ابن حسان کے واسطہ سے ۔ اُنھوں نے یہ روایت محمد بن سیرین سے روایت کی اور انھوں نے ابوہریرہؓ سے نقل کیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں کوئی شخص رات کی نماز (تہجد) کے لیے کھڑا ہو تو اسے چاہیے کہ آغاز میں دو ہلکی رکعتیں پڑھ لے ۔"

تشریح اس سے مُراد تحیۃ الوضو کی دو رکعتیں ہیں جن کی ادائیگی سے نیند کا غلبہ دُور ہو کر بدن میں چُستی آجائے گی ۔ پھر اس کے بعد معمول کے مطابق تہجد کی نماز چار، آٹھ یا بارہ رکعات حسبِ توفیق ادا کرے ۔

درس - ۴۲　　　　حدیث - ۹

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ اَنَسٍ (ح) وَحَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مُوسٰى حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِي بَكْرَةَ عَنْ اَبِيهِ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ قَيْسِ بْنِ مَخْرَمَةَ اَخْبَرَهُ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ اَنَّهُ قَالَ لَاَرْمُقَنَّ صَلٰوةَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَوَسَّدْتُ عَتَبَتَهُ اَوْ فُسْطَاطَهُ فَصَلّٰى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ طَوِيلَتَيْنِ طَوِيلَتَيْنِ طَوِيلَتَيْنِ ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُونَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُونَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُونَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُونَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا ثُمَّ اَوْتَرَ فَذٰلِكَ ثَلٰثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً ۔　(ترمذی مع شمائل ص۵۸۹)

ترجمہ:۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث قتیبہ بن سعید نے مالک بن انس کے واسطہ سے بیان کی (ح) ہمارے پاس اسے اسحٰق بن موسٰی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت معن نے بیان کی۔ اُن کے پاس یہ روایت مالک نے عبداللہ بن[1] ابی بکرہ کے واسطہ سے بیان کی، اور انھوں نے اپنے باپ[2] سے نقل کی کہ عبداللہ[3] بن قیس بن مخرمہ

---

[1] الانصاری المدنی المتوفی ۱۳۵ھ کنیتہ ابوبکر وابو محمد، [2] ابی بکرۃ بن عمر بن حزم المعروف بابن حزم، [3] المطلبی یقال لہ رؤیۃ تابعی کبیر ۔ (فیاض)

نے اُن کو زید[1] بن خالد جہنی کے حوالہ سے خبر دی کہ انھوں نے کہا کہ آج رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو ضرور دیکھوں گا پس میں نے آپ کے گھر کی چوکھٹ یا خیمہ کے سامنے تکیہ لگا دیا۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے پہلے دو مختصر رکعتیں پڑھیں، پھر دو رکعتیں لمبی لمبی پڑھیں۔ پھر آپ نے اُن سے مختصر دو رکعتیں پڑھیں، پھر اُن سے بھی مختصر دو رکعتیں پڑھیں اور پھر اُن سے مختصر دو رکعتیں پڑھیں پھر وتر ادا فرمائے۔ یہ ساری تیرہ رکعات ہوئیں۔

تشریح اس حدیث کے راوی زید بن خالد جہنیؓ صحابی رسول ہیں۔ اُن کو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے رات کے معمولات کا مشاہدہ کرنے کا بہت شوق تھا تاکہ وہ بھی آپ کا اتباع کر سکیں تو صحابی کہتا ہے کہ میں نے ارادہ کیا کہ آج رات میں ضرور دیکھوں گا کہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام رات کی نماز کس طرح ادا فرماتے ہیں۔ حدیث کے الفاظ ہیں لَاَرْمُقَنَّ صَلٰوۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَمَقَ یَرْمُقُ رَمْقًا کا معنی غور سے دیکھنا ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس مقصد کے لیے فَتَوَسَّدْتُ میں نے تکیہ لگا دیا۔ وسادہ تکیہ کو کہتے ہیں جس پر سر رکھ کر سوتے ہیں وہ تکیہ کہاں لگایا عَتَبَتَہٗ اَوْ فُسْطَاطَہٗ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے گھر کی چوکھٹ پر یا خیمے کی دہلیز پر۔ نچلے راوی کو شک ہے کہ صحابی رسول نے عتبہ کہا تھا یا فسطاط کا لفظ استعمال کیا تھا۔ عتبہ مکان کی چوکھٹ کو کہتے ہیں اور فسطاط خیمے کو۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ واقعہ اقامت کے دوران پیش آیا تو صحابی نے گھر کی چوکھٹ پر ڈیرہ ڈال دیا اور اگر یہ سفر کے دوران کا واقعہ ہے تو جہاں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے پڑاؤ کرنے کے لیے خیمہ لگوایا ہو گا، اسکے دروازے کے سامنے صحابی نے تکیہ لگا دیا یعنی رات کو وہیں دروازے پر سر رکھ کر لیٹ گیا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ رات کے وقت جب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام

---

[1] المدنی صحابی مشہور وھو ابو عبد الرحمٰن او ابو طلحۃ وابو زرعۃ سکن المدینۃ وشھد الحدیبیۃ وتوفی ۷۸ھ۔ (فیاض)

نماز پڑھنے کے لیے بیدار ہوں گے تو اسے پتہ چل جائے گا اور وہ آپ کی رات کی نماز کا مشاہدہ کر سکے گا۔

زید بن خالد جہنیؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھے فَصَلّٰی رَکْعَتَیْنِ خَفِیْفَتَیْنِ اور آپ نے دو ہلکی رکعات پڑھیں۔ ثُمَّ صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ طَوِیْلَتَیْنِ طَوِیْلَتَیْنِ طَوِیْلَتَیْنِ پھر آپ نے دو لمبی، لمبی رکعتیں ادا فرمائیں۔ طویلتین کا لفظ راوی نے تین دفعہ دُہرایا ثُمَّ صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ وَھُمَا دُوْنَ الَّتَیْنِ قَبْلَھُمَا پھر آپ نے دو رکعتیں پڑھیں جو پہلی دو رکعتوں سے مختصر تھیں۔ یہ جملہ راوی نے چار دفعہ دُہرایا ثُمَّ اَوْتَرَ پھر آپ نے وتر ادا کیے۔ فَذٰلِکَ ثَلٰثَ عَشَرَۃَ رَکْعَۃً اس طرح یہ کُل تیرہ رکعت نماز ہو گئی۔

راوی کے بیان کے مطابق حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے سب سے پہلے دو ہلکی رکعتیں ادا کیں۔ پھر دو دو کر کے چھ لمبی لمبی رکعتیں ادا کیں اور پھر دو دو کر کے آٹھ رکعتیں مختصر طور پر پڑھیں۔ اس حساب سے تو رکعات کی کل تعداد سترہ بنتی ہے۔ مگر راوی کا اپنا بیان ہے کہ اس طرح کل تیرہ رکعت نماز آپ نے پڑھی۔ محدثین نے اس کی کئی ایک ترجیہات ذکر کی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ رَکْعَتَیْنِ خَفِیْفَتَیْنِ کے بعد جو رَکْعَتَیْنِ طَوِیْلَتَیْنِ آیا ہے اس سے مُراد تین دفعہ دو دو رکعات نہیں بلکہ طویلتین سے مراد صرف دو ہی لمبی رکعتوں کی بہت زیادہ طوالت کو ظاہر کرنا مراد ہے اس طرح حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے گویا دو رکعت بہت لمبی اور آٹھ رکعت مختصراً پڑھیں اور پھر ایک وتر ادا کیا تو یہ کل ۱۱ رکعات ہو گئیں اور اگر اولین مختصر دو رکعات کو بھی شامل کر لیں تو ۱۳ ہو جائیں گی۔ بعض نسخوں میں رَکْعَتَیْنِ وَھُمَا دُوْنَ الَّتَیْنِ قَبْلَھُمَا کے الفاظ چار کی بجائے تین دفعہ آئے ہیں۔ اس طرح اگر لمبی رکعتوں کو بھی چھ ہی تسلیم کر لیں، اور اُن سے مختصر رکعات بھی چھ مان لیں تو ایک وتر ملا کر تیرہ بن جائینگی یہ بھی ممکن ہے اور اگر اوّلین دو بالکل ہلکی رکعتوں کو بھی شامل کر لیں تو پھر پندرہ ہو جائینگی اس صورت میں پہلی دو رکعتوں کو یا تو تحیۃ الوضو سمجھ کر چھوڑنا پڑے گا اور اگر اُن کو بھی رات کی نماز میں ہی شامل کریں تو پھر وتر ایک کی بجائے تین سمجھے جائیں گے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔

درس - ۴۲
حدیث ۱۰۰

حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مُوْسٰی حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِيْ سَعِيْدِ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّهُ اَخْبَرَهُ اَنَّهُ سَاَلَ عَائِشَةَ كَيْفَ كَانَ صَلٰوةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ رَمَضَانَ فَقَالَتْ مَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَزِيْدُ فِيْ رَمَضَانَ وَلَا فِيْ غَيْرِهٖ عَلٰى اِحْدٰى عَشَرَةَ رَكْعَةً يُصَلِّيْ اَرْبَعًا لَا تَسْاَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُوْلِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّيْ لَا تَسْئَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُوْلِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّيْ ثَلَاثًا قَالَتْ عَائِشَةُ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَتَنَامُ قَبْلَ اَنْ تُوْتِرَ قَالَ يَا عَائِشَةُ اِنَّ عَيْنَيَّ تَنَامَانِ وَلَا يَنَامُ قَلْبِيْ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۸۹)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث اسحٰق بن موسیٰ نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے معن نے بیان کیا۔ ان کے پاس یہ حدیث مالک نے بیان کی۔ انھوں نے یہ روایت سعید بن ابی سعید مقبری سے نقل کی جنھوں نے اسے ابی سلمۃ بن عبدالرحمٰن سے روایت کیا۔ انھوں نے امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے ماہ رمضان میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی (رات کی) نماز کے متعلق دریافت کیا کہ وہ کیسی ہوتی تھی؟ امّ المؤمنینؓ نے جواب دیا کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم رمضان یا غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ پہلے آپ چار رکعت ادا فرماتے جن کی عمدگی اور طوالت کے متعلق کچھ نہ پوچھ اس کے بعد آپ پھر چار رکعت پڑھتے۔ ان کی عمدگی اور طوالت کے متعلق

بھی کچھ نہ پوچھ۔ پھر آپ تین وتر ادا کرتے۔ امّ المؤمنینؓ کہتی ہیں کہ
میں نے عرض کیا، اللہ کے رسول! کیا آپ وتر ادا کرنے سے
پہلے سو جاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا، عائشہؓ! میری دونوں آنکھیں
تو بے شک سو جاتی ہیں مگر میرا دل نہیں سوتا۔"

نمازِ تراویح کی رکعات

اس حدیث کے ایک راوی سعید بن سعید مقبری ہیں یہ خاندان مقبرے یعنی قبرستان والے محلّے میں رہائش پذیر تھا۔ اس لیے یہ دونوں باپ بیٹا مقبری مشہور ہو گئے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ صاحب اکثر قبرستان جایا کرتے تھے تاکہ فوت شدگان کے لیے مغفرت کی دعا اور اپنے لیے عبرت کا سامان پیدا کر سکیں ممکن ہے اسی وجہ سے یہ دونوں مقبری کے لقب سے ملقب ہو گئے ہوں۔

اس حدیث کے راوی ابو سلمۃ بن عبدالرحمٰن نے امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی (رات کی) نماز کے متعلق دریافت کیا کہ رمضان میں یہ نماز آپ کس طرح اور کتنی مقدار میں ادا فرمایا کرتے تھے۔ اس سوال کا ایک پہلو تو بالکل واضح ہے کہ یہ سوال فرض نمازوں کے متعلق نہیں تھا کیونکہ فرائض تو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام مسجد میں جماعت المسلمین کے ساتھ ہی ادا کرتے تھے۔ البتہ اس کا تعلق رمضان میں ادا کی جانے والی نمازِ تراویح کے متعلق ہو سکتا ہے البتہ بعض محدثین کا خیال ہے کہ اس ماہ مبارک میں تراویح کبھی معمول کا عمل تھا لہٰذا یہ سوال فرائض اور تراویح کے علاوہ کسی اور نماز کے متعلق تھا تو امّ المؤمنین نے اس کا جواب یہ دیا مَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزِيْدُ فِيْ رَمَضَانَ وَلَا فِيْ غَيْرِهٖ عَلٰى اِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً ۔ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ماہ رمضان یا کسی دوسرے ماہ میں یہ نماز گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے صحیحین کی یہ اوّل درجہ کی روایت ہے جس سے بعض حضرات ماہِ رمضان میں آٹھ تراویح کا استدلال پیش کرتے ہیں۔ بظاہر مَا كَانَ يَزِيْدُ کے الفاظ فعل ماضی استمراری ہے یعنی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام رمضان یا غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھا کرتے تھے مگر حقیقت میں آپ کا یہ عمل استمراری نہیں ہے کیونکہ امّ المؤمنینؓ ہی کی

مؤطا کی روایت میں تیرہ رکعت کا ذکر بھی آتا ہے۔ بعض اوقات نفی، اثبات میں بھی استمرار کا صیغہ استعمال کر لیا جاتا ہے مگر درحقیقت اس میں استمرار یعنی ہمیشگی نہیں پائی جاتی۔ اس روایت میں ایسا ہی معاملہ پیش آیا ہے۔ چنانچہ ہم اس حدیث کا مفہوم یہ لیں گے کہ غالب احوال میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی رات کی نماز آٹھ رکعت ہی ہوتی تھی مگر بعض اوقات اس سے کم و بیش بھی ہوتی تھی۔ چنانچہ تیرہ اور پندرہ رکعت کا ذکر بھی آتا ہے۔ ایسی تمام روایات کو جمع کرنے سے ہم اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کبھی دو نفل جمع تین وتر، کبھی چار نفل جمع تین وتر، کبھی چھ نفل جمع تین وتر، کبھی آٹھ نفل جمع تین وتر، اور کبھی دس نفل جمع تین وتر ادا فرمایا کرتے تھے۔ اس طرح آپ کی یہ نماز پانچ سے لے کر تیرہ رکعت تک ادا ہوتی تھی۔

احناف کے نزدیک اس روایت سے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی نماز تہجد ہے جو آپ سارا سال ادا فرمایا کرتے تھے اور اس کی رکعتیں بھی مختلف اوقات میں مختلف رہی ہیں، مگر ہمارے اہل حدیث دوست اس روایت کو صرف رمضان میں ادا کی جانے والی نماز تراویح پر محمول کرتے ہیں جو بقول اُن کے غیر رمضان میں تہجد اور رمضان میں تراویح کے نام سے ادا ہوتی تھی۔ وہ کہتے ہیں کہ ماہ رمضان میں اس نماز کے علاوہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے کوئی اور نماز ثابت نہیں ہے حالانکہ کتاب الصّوم میں اس کے علاوہ بھی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے نماز تراویح ثابت ہے مگر روایت زیر مطالعہ چونکہ صحیحین کی درجہ اوّل کی روایت ہے لہٰذا اس کو دوسری روایات پر ترجیح دی جاتی ہے۔ مگر احناف اس سے نماز تراویح کی نفی کرتے ہیں اور اس بات کا قرینہ خود متنِ حدیث میں موجود ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ ظاہر ہے کہ نماز تراویح تو صرف رمضان کے ماہ مبارک میں ہوتی ہے دوسرے گیارہ مہینوں میں نہیں ہوتی۔ لہٰذا اس روایت سے نماز تراویح مراد نہیں لی جا سکتی کیونکہ پورا سال پڑھی جانے والی نماز تراویح نہیں بلکہ نماز تہجّد ہے۔ چنانچہ ائمہ حدیث نے تہجّد اور تراویح کے لیے الگ الگ باب باندھے ہیں۔ خود امام بخاری، مسلم اور ترمذی نے بھی ان

دونوں نمازوں کی روایات کو الگ الگ ابواب میں جمع کیا ہے۔ لہٰذا احناف کا استدلال ہے کہ اس روایت سے نماز تراویح مراد نہیں ہے جس کو آٹھ رکعت تسلیم کر لیا جائے۔

اس مؤقف کو ایک دوسرے طریقہ سے بھی جانچا جا سکتا ہے اور وہ اس طرح کہ اگر حدیث زیرِ مطالعہ کو بالفرض تراویح پر ہی محمول کر لیا جائے تو پھر بھی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی سنّت پر مکمل طور پر عمل نہیں ہوتا۔ وجہ یہ ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے تو نماز تراویح کے امّت پر فرض ہو جانے کے خدشہ کے پیشِ نظر پوری زندگی میں صرف ایک ماہِ رمضان میں صرف تین شب اس نماز کو جماعت کے ساتھ ادا کیا ہے۔ صحابہ کے اصرار پر آپ نے فرمایا کہ اپنے اپنے گھر جا کر یہ نماز پڑھو مگر اس حدیث سے نماز تراویح مراد لینے والے حضرات خلافِ سنّت پورا مہینہ با جماعت نماز ادا کرتے ہیں جب کہ یہ طریقہ حضرت عمر فاروق رضؓ کے زمانہ خلافت میں جاری ہوا اور انھوں نے لوگوں کو بیس تراویح پر جمع کیا۔ لہٰذا اگر پورا ماہ نماز تراویح با جماعت ہی پڑھنا ہے تو پھر حضرت عمرؓ کے اجتہاد پر پورا پورا عمل کرتے ہوئے، بیس رکعت پڑھنی چاہئیں اور اگر اس روایت سے اخذ کردہ مفہوم کے مطابق تراویح آٹھ رکعت ہی پڑھنا ہے تو پھر ہمیشہ با جماعت نہ پڑھو۔ اس روایت میں دو دو رکعتوں کی بجائے چار چار رکعت نماز پڑھنے کا ذکر ہے لہٰذا ہمارے آٹھ پڑھنے والے دوست بھی چار چار رکعت کی نیت کیا کریں۔ نیز اس روایت میں امّ المؤمنین کے یہ الفاظ بھی موجود ہیں۔ لَا تَسْئَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُوْلِهِنَّ یعنی ان چار چار رکعتوں کی عمدگی اور طوالت کے متعلق کچھ نہ پوچھو۔ لہٰذا اس حصّہ حدیث پر عمل کرتے ہوئے نماز تراویح نہایت ہی خشوع و خضوع اور عمدگی کے ساتھ بہت لمبی قرأت کے ساتھ ادا کرنی چاہیے مگر اس طریقہ پر بھی کما حقہ عمل نہیں ہو رہا ہے۔ حضور نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا ارشادِ مبارک ہے عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ (ابن ماجہ ص۵ و دارالنعمان ص۵) یعنی میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنّت کو لازم پکڑو۔ لہٰذا ہمارے لیے قابلِ عمل صورت یہی ہے کہ حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہؓ کے طریقے پر عمل کرتے ہوئے بیس تراویح با جماعت ادا کریں۔

سونے سے پہلے نمازِ وتر کی ادائیگی

اس روایت میں پیش آنے والا دوسرا مسئلہ نمازِ وتر کا ہے ام المؤمنین نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے عرض کیا۔ أَتَنَامُ قَبْلَ أَنْ تُوْتِرَ کیا آپ وتر ادا کرنے سے پہلے سو جاتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا اِنَّ عَيْنَيَّ تَنَامَانِ وَلَا يَنَامُ قَلْبِيْ میری آنکھیں تو ضرور سو جاتی ہیں مگر دل نہیں سوتا، وہ بیدار ہی رہتا ہے۔ یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیات میں داخل ہے۔ بعض اوقات سوتے میں نماز کا وقت بھی گزر جاتا ہے مگر آپ کے دل میں غفلت نہیں آتی تھی۔ چنانچہ سفر میں یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ آپ بمع صحابہ سو گئے حتیٰ کہ دن چڑھ گیا اور نمازِ فجر کا وقت گزر گیا۔ آپ بیدار ہوئے، صحابہ کو اُٹھایا، پھر سب نے صبح کی سُنتیں ادا کیں اور اس کے بعد آپ نے فجر کی نماز باجماعت ادا کی۔ حضور کا یہ ارشاد بھی ہے اُنَسّٰى لِاَسُنَّ بعض دفعہ مجھے دانستہ بُھلا دیا جاتا ہے تاکہ میں اُمت کے لیے دستور العمل قائم کر دوں کہ ایسے حالات میں لوگوں کو کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔

باب - ۴۰

شمائل ترمذی

حدیث - ۱۱

درس ۴۲۰

حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مُوْسٰی حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ اِحْدٰی عَشْرَةَ رَكْعَةً يُوْتِرُ مِنْهَا بِوَاحِدَةٍ فَاِذَا فَرَغَ مِنْهَا اِضْطَجَعَ عَلٰی شِقِّهِ الْاَيْمَنِ ۔

حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِيْ عُمَرَ اَخْبَرَنَا مَعْنٌ عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ نَحْوَهٗ (ح) وَحَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ نَحْوَهٗ ۔ (ترمذی مع شمائل صفحہ ۵۸۹)

ترجمہ: " امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث اسحٰق بن موسیٰ نے بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے معن نے بیان کیا انھوں نے یہ حدیث مالک سے ابن شہاب کے واسطہ سے روایت کی ۔ اُنھوں نے اسے عروہ سے نقل کیا اور عروہ نے امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے نقل کیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو گیارہ رکعت نماز پڑھتے اور اُن میں سے ایک رکعت کے ساتھ وتر بنا تے ۔ جب اس کام سے فارغ ہوجاتے تو اپنی داہنی کروٹ پر لیٹ جاتے ۔

امام ترمذیؒ کہتے ہیں یہ روایت ہمارے پاس ابنِ ابی عمر نے بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں ہمیں خبر دی معن نے مالک کے حوالے سے ۔ انھوں نے یہ روایت انھی معانی میں ابن شہاب سے روایت کی (ح) ہمارے پاس یہ حدیث انھی معانی میں قتیبہ نے بیان کی ۔ انھوں نے یہ روایت مالک سے اور انھوں نے ابنِ شہاب سے نقل کی ۔"

تشریح گزشتہ روایت میں بھی یہی مضمون امّ المؤمنین رضی اللہ عنہا کی طرف سے بیان ہوا ہے کہ آپ رات کی نماز گیارہ رکعت ادا فرماتے تھے جن میں ایک وتر ہوتا تھا جو آپ آخر میں ادا فرماتے۔ اُن میں سے ایک رکعت کے ساتھ وتر بنانے کا یہی مطلب ہے گویا حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام آٹھ رکعت نوافل پڑھتے پھر دو وتر پڑھ کر سلام پھیر دیتے اور آخر میں ایک وتر ادا فرماتے۔ گویا آپ تین وتر دو سلاموں کے ساتھ پڑھتے۔ تاہم دوسری صحیح روایات میں بِسَلَامٍ وَاحِدٍ کے الفاظ بھی موجود ہیں۔ یعنی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام تین وتر ایک سلام کے ساتھ ادا فرماتے۔ احناف کا یہی مسلک ہے، تاہم دیگر ائمہ کرام دو سلام کے ساتھ تین وتر پڑھنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ چونکہ یہ اجتہاد اور پھر ترجیح کا مسئلہ ہے، اس لیے ہم دیگر ائمہ کو بھی اس کی گنجائش دیتے ہیں اور کسی کے ساتھ جھگڑا نہیں کرتے تاہم راجح ایک سلام کے ساتھ ہی ہے۔

درس ۔ ۴۲

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا اَبُو الْاَحْوَصِ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ تِسْعَ رَكَعَاتٍ ۔

حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ اٰدَمَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ عَنِ الْاَعْمَشِ نَحْوَهٗ ۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۸۹)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث ھناد نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے ابو الاحوص نے اعمش کے حوالہ سے بیان کی، اُنھوں نے یہ حدیث ابراہیمؒ[1] سے اسودؒ[2] کی وساطت سے نقل کی، اور اُنھوں نے اسے امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے روایت کیا۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت نو رکعت نماز ادا فرماتے تھے۔

(دوسری سند) امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث محمود بن غیلان نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے یحییٰ بن آدم نے بیان کیا، انکے پاس یہ روایت سفیان ثوری نے اعمش کے حوالہ سے بیان کی، جسکا مضمون پہلی روایت کے موافق ہے۔"

تشریح گزشتہ روایت میں امّ المؤمنین سے گیارہ رکعت بمع تین وتر منقول ہوئی ہیں۔ اس روایت میں نو رکعت کا ذکر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام رات کو بعض اوقات چھ نفل اور تین وتر بھی ادا فرماتے تھے۔

---

[1] ابن یزید النخعی [2] ابن یزید خال ابراہیم (فیاض)

باب - ۴۰

درس - ۴۲ حدیث - ۱۲

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ اَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ اَبِيْ حَمْزَةَ رَجُلٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ عَنْ رَجُلٍ مِّنْ بَنِيْ عَبْسٍ عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ اَنَّهٗ صَلّٰى مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ اللَّيْلِ قَالَ فَلَمَّا دَخَلَ فِى الصَّلٰوةِ قَالَ اللّٰهُ اَكْبَرُ ذُو الْمَلَكُوْتِ وَالْجَبَرُوْتِ وَالْكِبْرِيَآءِ وَالْعَظَمَةِ قَالَ ثُمَّ قَرَأَ الْبَقَرَةَ ثُمَّ رَكَعَ فَكَانَ رُكُوْعُهٗ نَحْوًا مِّنْ قِيَامِهٖ وَكَانَ يَقُوْلُ سُبْحَانَ رَبِّىَ الْعَظِيْمِ سُبْحَانَ رَبِّىَ الْعَظِيْمِ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهٗ وَكَانَ قِيَامُهٗ نَحْوًا مِّنْ رُكُوْعِهٖ وَكَانَ يَقُوْلُ لِرَبِّىَ الْحَمْدُ لِرَبِّىَ الْحَمْدُ ثُمَّ سَجَدَ فَكَانَ سُجُوْدُهٗ نَحْوًا مِّنْ قِيَامِهٖ وَكَانَ يَقُوْلُ سُبْحَانَ رَبِّىَ الْاَعْلٰى سُبْحَانَ رَبِّىَ الْاَعْلٰى ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهٗ فَكَانَ مَا بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ نَحْوًا مِّنَ السُّجُوْدِ وَكَانَ يَقُوْلُ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ حَتّٰى قَرَأَ الْبَقَرَةَ وَاٰلَ عِمْرَانَ وَالنِّسَآءَ وَالْمَآئِدَةَ اَوِ الْاَنْعَامَ شُعْبَةُ الَّذِيْ شَكَّ فِى الْمَآئِدَةِ وَالْاَنْعَامِ. وَاَبُوْ حَمْزَةَ اِسْمُهٗ طَلْحَةُ بْنُ زَيْدٍ وَاَبُوْ حَمْزَةَ الضُّبَعِيُّ اِسْمُهٗ نَصْرُ بْنُ عِمْرَانَ۔

(ترمذی مع شمائل صـ۵۸۹)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث محمد بن مثنیٰ نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے محمد بن جعفر نے بیان

کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی شعبہ نے ابن عمرو بن مرّۃ کے حوالے سے۔ انھوں نے یہ روایت انصار کے ایک شخص ابو حمزہ سے سنی اور انھوں نے اسے بنی عبس کے ایک شخص[1] سے نقل کیا۔

انھوں نے یہ روایت صحابی رسول حضرت حذیفہ بن یمانؓ سے روایت کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک موقع پر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ساتھ رات کی نماز پڑھی۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نماز میں داخل ہوئے تو یوں کہا، اَللّٰہُ اَکْبَرُ ذُوالْمَلَکُوْتِ وَالْجَبَرُوْتِ وَالْکِبْرِیَآءِ وَالْعَظَمَۃِ راوی کہتا ہے کہ پھر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے سورۃ البقرہ تلاوت فرمائی۔ پھر آپ نے رکوع کیا اور آپ کا رکوع بھی قیام کے برابر ہی تھا جس میں آپ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ کہتے رہے۔ پھر آپ نے اپنا سر مبارک (رکوع سے) اُٹھایا، اور (اس مرتبہ) آپ کا قیام رکوع کے برابر ہی تھا، جس میں آپ لِرَبِّیَ الْحَمْدُ لِرَبِّیَ الْحَمْدُ کہتے رہے۔ پھر آپ نے سجدہ کیا، اور آپ کا سجدہ بھی آپکے قیام کے برابر ہی تھا جس میں آپ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کہتے رہے۔ پھر آپ نے اپنا سر مبارک اُٹھایا اور آپ دو سجدوں کے درمیان کی حالت میں سجدہ کے برابر ٹھہرے اور کہتے رہے رَبِّ اغْفِرْ لِیْ، رَبِّ اغْفِرْ لِیْ یہاں تک کہ آپ نے سورۃ بقرہ، سورۃ آل عمران، سورۃ نسآء اور سورۃ مائدہ یا سورۃ انعام تلاوت فرمائی۔ راوی شعبہ کو شک ہے کہ اوپر والے راوی نے سورۃ مائدہ کا نام لیا یا سورۃ انعام کا۔

[1] اسمہ صلۃ بن زفر العبسی الکوفی۔ (فیاض)

(امام ترمذیؒ وضاحت کرتے ہیں کہ) اس حدیث کے ایک راوی ابو حمزہ کا نام طلحہ بن زید ہے جبکہ ابو حمزہ ضبعی کا نام نصر بن عمران ہے "

تشریح اس حدیث کے راوی حذیفہ بن یمانؓ ہیں جنھوں نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ساتھ رات کی نماز ادا کی اور خود اپنا مشاہدہ بیان کیا۔ اس روایت میں لمبے لمبے قیام، رکوع، جلسہ اور سجود کا ذکر ہے اور ان ارکان کے دوران آپ کی تلاوت اور تسبیحات کا ذکر بھی ہے مثلاً راوی بیان کرتا ہے کہ جب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے نماز شروع کی تو کہا اَللّٰہُ اَکْبَرُ ذُوالْمَلَکُوْتِ وَالْجَبَرُوْتِ وَالْکِبْرِیَآءِ وَالْعَظَمَۃِ اللہ تعالیٰ بہت بڑا ہے جو تمام ملکوں کا مالک ہے (اور علیہ الا ہے) یا عالمِ ملکوت اور جبروت کا مالک ہے، خداوند قدوس کبریائی اور عظمت کا مالک ہے۔ کبریائی (بڑائی) سے ذات کا کمال اور عظمت سے صفات کا کمال مُراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کمالِ ذات وصفات کا مالک بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے گویا کہ ہر چیز پر اُسی کا تسلّط ہے۔

اس روایت میں قیام، رکوع، جلسہ اور سجدہ کو طوالت کے لحاظ سے برابر برابر بتایا گیا ہے۔ یہ اندازہ ہی ہو سکتا ہے، ورنہ بالکل برابر تو نہیں کہا جا سکتا۔ بہر حال حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ہر ہر رکن بہت طویل ادا کیا۔

راوی بیان کرتا ہے کہ افتتاحیہ کلمات کے بعد حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے سورۃ البقرۃ کی تلاوت فرمائی۔ ظاہر ہے کہ ثناء کے بعد سورۃ فاتحہ اور اس کے بعد سورۃ البقرۃ کی تلاوت کی۔ پھر آپ نے رکوع کیا تو اس میں دیر تک سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ کہتے رہے۔ پھر رکوع سے اُٹھ کر لِرَبِّیَ الْحَمْدُ کا ورد کرتے رہے۔ پھر سجدہ کیا اور اس میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی والی تسبیح دیر تک پڑھی پھر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے دو سجدوں کے درمیان رَبِّ اغْفِرْلِیْ کا دیر تک ورد کیا۔ آگے روایت کے الفاظ ہیں حَتّٰی قَرَاَ الْبَقَرَۃَ وَاٰلَ عِمْرَانَ وَالنِّسَآءَ وَالْمَآئِدَۃَ اَوِالْاَنْعَامَ

یہاں تک کہ آپ نے سورۃ بقرہ ، آل عمران ، نساء ، اور مائدہ یا انعام تلاوت فرمائی۔

اس روایت میں صحابی رسول نے نماز کی مکمل تفصیلات بیان نہیں کیں بلکہ چند تسبیحات اور قرارت کی جانے والی سورتوں کا ذکر کیا ہے۔ اس میں یہ بھی واضح نہیں کہ کیا چاروں سورتیں صرف پہلی رکعت میں تلاوت کی گئیں یا ہر رکعت میں دو دو یا ایک ایک سورۃ پڑھی گئی۔ یہ بھی واضح نہیں کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے یہ نماز دو رکعت پڑھی یا چار رکعت۔ بہرحال اس روایت میں طوالتِ ارکان کا خصوصی ذکر ہے۔

باب - ۴۰

درس - ۴۲

حدیث - ۱۴

حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ نَافِعٍ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ بْنُ عَبْدِ الْوَارِثِ عَنْ اِسْمٰعِيْلَ بْنِ مُسْلِمٍ الْعَبْدِيِّ عَنْ اَبِي الْمُتَوَكِّلِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاٰيَةٍ مِّنَ الْقُرْاٰنِ لَيْلَةً ۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۸۹)

ترجمہ:" امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث ابوبکر محمد بن نافع بصری نے بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے عبدالصمد[1] بن عبدالوارث نے بیان کیا ۔ انھوں نے یہ روایت اسمٰعیل[2] بن مسلم عبدی سے نقل کی اور انھوں نے ابو متوکل[3] سے روایت کی ۔ انھوں نے امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک رات حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم تہجّد کی نماز میں ایک ہی آیت بار بار تلاوت فرماتے رہے ۔"

تشریح اس روایت میں تو مذکورہ آیت کا ذکر نہیں ہے تاہم دوسری روایات میں اس آیت کی تصریح موجود ہے کہ وہ سورۃ المائدہ کی (آیت ۔ ۱۱۸) ہے ۔ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ "اگر تو اُن کو سزا دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انھیں معاف کر دے تو بے شک تو غالب حکمت والا ہے ۔"

سورۃ المائدہ کے اس آخری رکوع میں اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کے عقیدہ کی

---

[1] التنوری ابو سہل حافظ حجۃ المتوفی ۲۰۷ھ ، [2] البصری القاضی ، [3] اسمہ علی بن داؤد او علی بن داؤد الناجی ۔ (فیاض)

تردید کی ہے جنھوں نے حضرت مسیح علیہ السّلام کو اپنا معبود بنالیا ہے۔ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السّلام سے پوچھے گا کہ کیا آپ نے ان کو کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو اللہ کے علاوہ الٰہ بنالو۔ مسیح علیہ السّلام اس بات کا انکار کریں گے، اور بارگاہِ رب العزّت میں عرض کریں گے کہ مولا کریم! میں نے تو زندگی میں تیرے حکم سے سرِ مُو انحراف نہیں کیا تھا۔ جب تک میں دُنیا میں موجود رہا ان کی حرکات سے واقف رہا، پھر جب میں دُنیا سے آگیا تو تُو ہی اس قوم کا نگہبان تھا۔ اب اگر تو ان کو ان کے جُرم کی سزا دے تو تُو مالک ہے اور یہ تیرے بندے ہیں اور اگر ان کو معاف ہی کر دے تو با اختیار ہے۔

واضح رہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام پوری رات تو قیام نہیں فرماتے تھے بلکہ بالعموم پچھلی رات اُٹھ کر نماز ادا فرماتے تھے لہٰذا یہاں بھی پوری رات سے پچھلی رات ہی مراد ہے۔ آپ نے قیام کے دوران لمبی سورتوں کی بجائے صرف ایک آیت بتکرار پڑھنے پر اکتفا کیا۔ ایسی چیزیں ہمیشہ تو نہیں ہوتیں بلکہ خاص حالات کے تحت بعض اوقات عام معمولات سے ہٹ کر بھی عمل کر لیا جاتا تھا۔

کہتے ہیں کہ ایک موقع پر امام ابوحنیفہؒ (المتوفی ۱۵۰ھ) نے بھی ایک ہی آیت تلاوت کرتے کرتے ساری رات گزار دی تھی وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ ○ (یٰسٓ : ۵۹)

حدیث - ۱۵

حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِيْ وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ صَلَّيْتُ لَيْلَةً مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَزَلْ قَائِمًا حَتّٰى هَمَمْتُ بِأَمْرِ سُوْءٍ قِيْلَ لَهٗ وَمَا هَمَمْتَ بِهٖ قَالَ هَمَمْتُ أَنْ أَقْعُدَ وَأَدَعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -

حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيْعٍ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ نَحْوَهٗ - (ترمذی مع شمائل ص ۵۸۹)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت محمود بن غیلان نے بیان کی - وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت سلیمان بن حرب نے بیان کی - ان کے پاس یہ روایت شعبہ نے بیان کی - انھوں نے یہ روایت اعمش سے ابو وائل[1] کے حوالہ سے روایت کی اور انھوں نے اسے عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کیا - وہ کہتے ہیں کہ ایک رات میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ نماز پڑھی - آپ نے اتنا لمبا قیام فرمایا حتیٰ کہ میں نے ایک بُری بات کا ارادہ کر لیا - آپ سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے کون سی بُری بات کا ارادہ کیا تھا تو فرمایا کہ وہ یہ بات تھی کہ میں بیٹھ جاؤں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اسی حالت میں چھوڑ دوں -

دوسری ہم معنی روایت کی سند سفیان بن وکیع، جریر اور اعمش

[1] الاسدی المتوفی ۸۳ھ - (فیاض)

سے بیان ہوئی ہے۔"

تشریح ایسا موقع بھی کبھی کبھار خاص حالات کے تحت ہی آتا ہے ورنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رات کے معمولات مختلف روایات میں مختلف طریقوں سے منقول ہیں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بڑے ذوق وشوق کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز شروع کی، مگر اتفاق سے آپ نے بہت لمبا قیام فرمایا جس کی وجہ سے صحابی رسول تھک گئے اور انھوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قیام کی حالت میں ہی چھوڑ کر خود بیٹھ جانے کا ارادہ کر لیا۔ اس ارادہ کو بُری بات سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ ابن مسعودؓ جس جوش وجذبہ کے ساتھ نماز میں شریک ہوئے تھے اس کو قائم نہ رکھ سکے جو کہ کوئی اچھی بات نہیں تھی۔ اگرچہ صحابی کا یہ فعل قانونی لحاظ سے تو معیوب نہیں تھا مگر اخلاقی لحاظ سے ضرور معیوب تھا۔

شمائل ترمذی — باب ۔ ۴۰ — حدیث ۔ ۱۲ — درس ۔ ۴۲

حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مُوْسَى الْاَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ اَبِي النَّضْرِ عَنْ اَبِي سَلَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي جَالِسًا فَيَقْرَأُ وَهُوَ جَالِسٌ فَاِذَا بَقِيَ مِنْ قِرَاءَتِهِ قَدْرُ مَا يَكُوْنُ ثَلَاثِيْنَ اَوْ اَرْبَعِيْنَ اٰيَةً قَامَ فَقَرَأَ وَهُوَ قَائِمٌ ثُمَّ رَكَعَ وَسَجَدَ ثُمَّ صَنَعَ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِثْلَ ذٰلِكَ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۸۹)

ترجمہ: " امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث اسحٰق بن موسیٰ انصاری نے بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت معن نے بیان کی ۔ اُن کے پاس یہ روایت مالک نے ابونضر سے ابوسلمہ کے حوالہ سے بیان کی اور ابوسلمہ نے امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے نقل کی ۔ وہ کہتی ہیں کہ بعض اوقات اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر (رات کی) نماز ادا کرتے تھے ، اور بیٹھے بیٹھے ہی قرارت بھی کرتے تھے پھر جب آپ کی تلاوت میں سے تیس یا چالیس آیات کے برابر باقی ہوتا تو آپ کھڑے ہوجاتے اور اسی حالت میں تلاوت فرماتے ۔ پھر آپ رکوع کرتے ، پھر سجدہ کرتے ، اور پھر یہی عمل دوسری رکعت میں بھی انجام دیتے "

تشریح: نوافل کے دوران حضور خاتم النبیّین صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کھڑے ہوکر اور کبھی بیٹھ کر بھی تلاوت کر لیا کرتے تھے جو کہ روا ہے خاص طور پر اگر آدمی تھک جائے تو لمبے قیام کے دوران بیٹھ بھی سکتا ہے تاہم حضور علیہ الصلوٰۃ

والسّلام کا اُسوہ اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ تلاوت کا کچھ حصّہ باقی رکھتے ہوئے آپ اُٹھ کھڑے ہوتے اور پھر تلاوت مکمل کر کے قیام کی حالت سے رکوع اور پھر سجدہ میں جاتے۔ اس روایت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے نہ صرف پہلی رکعت میں ایسا کیا بلکہ دوسری رکعت میں بھی یہی عمل دُہرایا۔

درس - ۴۲

حدیث - ۱۷۰

حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيْعٍ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ اَخْبَرَنَا خَالِدٌ الْحَذَّاءُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَقِيْقٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ تَطَوُّعِهٖ فَقَالَتْ كَانَ يُصَلِّيْ لَيْلًا طَوِيْلًا قَائِمًا وَلَيْلًا طَوِيْلًا قَاعِدًا فَاِذَا قَرَأَ وَهُوَ قَائِمٌ رَكَعَ وَسَجَدَ وَهُوَ قَائِمٌ وَاِذَا قَرَأَ وَهُوَ جَالِسٌ رَكَعَ وَسَجَدَ وَهُوَ جَالِسٌ - (ترمذی مع شمائل ص ۵۸۶)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت احمد بن منیع نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے ہشیم نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی خالد حذاء نے عبداللہ بن شقیق کے واسطہ سے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی نفل نماز کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے بتایا کہ آپ رات کے طویل حصہ میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے اور طویل حصّہ میں بیٹھ کر نماز ادا فرماتے تھے۔ جب آپ قیام کی حالت میں تلاوت کرتے تو رکوع وسجود کے لیے بھی قیام کی حالت سے ہی جاتے اور اگر آپ بیٹھ کر تلاوت کرتے تو رکوع وسجود بھی اسی حالت سے کرتے۔"

تشریح پچھلی روایت میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اگر نماز نفل بیٹھ کر پڑھتے تو تلاوت بھی بیٹھ کر ہی کرتے۔ پھر جب تلاوت کا کچھ حصّہ باقی رہ جاتا تو پھر کھڑے ہو جاتے، بقیہ تلاوت مکمل کرتے اور پھر قیام کی حالت سے

لہ العقیلی قال احمد ثقۃ ناصبی۔ (فیاض)

ہی رکوع و سجود میں جاتے۔ اس روایت میں قدرے مختلف طریقہ بتایا گیا ہے، اور وہ یہ کہ اگر آپ نے کھڑے کھڑے تلاوت مکمل کر لی ہے تو اسی حالت سے رکوع میں اور پھر سجدہ میں چلے جاتے۔ البتہ اگر آپ بیٹھ کر نوافل ادا کر رہے ہیں تو پوری تلاوت کرنے کے بعد آپ اسی حالت سے رکوع و سجود میں چلے جاتے۔

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اپنے عمل سے اُمّت کے لیے بہت سی آسانیاں پیدا کر دی ہیں۔ نماز کے لیے طاقت سے زیادہ مشقت برداشت کرنے کی ضرورت نہیں اگر بڑھاپے یا کسی عارضہ کی وجہ سے آدمی زیادہ دیر کھڑا نہیں ہو سکتا تو وہ بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے اور پھر بیٹھے بیٹھے ہی رکوع و سجود بھی کر سکتا ہے۔ مختلف حالات کے تحت ایسی چیزیں جائز ہیں۔

حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مُوْسَى الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ عَنِ الْمُطَّلِبِ بْنِ أَبِيْ وَدَاعَةَ السَّهْمِيِّ عَنْ حَفْصَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ فِيْ سُبْحَتِهٖ قَاعِدًا وَيَقْرَأُ بِالسُّوْرَةِ وَيُرَتِّلُهَا حَتّٰى تَكُوْنَ أَطْوَلَ مِنْ أَطْوَلَ مِنْهَا۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۹۰)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث اسحٰق بن موسیٰ انصاری نے بیان کی۔ ان کے پاس یہ روایت معن نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت مالک نے ابن شہاب کے واسطہ سے بیان کی۔ انھوں نے یہ حدیث سائب بن یزید سے مطّلب بن ابی وداعہ[1] سہمی کی وساطت سے سنی جنھوں نے اسے امّ المومنین حفصہ[2] رضؓ سے نقل کیا۔ وہ کہتی ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نفل نماز بیٹھے بیٹھے پڑھ لیا کرتے تھے اور آپ کوئی سورۃ اس قدر ترتیل سے پڑھتے کہ وہ سورۃ اپنے سے لمبی سورۃ کی نسبت بھی زیادہ لمبی معلوم ہوتی تھی۔"

---

[1] السہمی اسلم یوم الفتح ونزل بالمدینۃ وبہا مات۔ [2] بنتِ عمر بن الخطاب والدہ کا نام زینب بنت مظعون ہے پہلے انکا نکاح خنیس بن حذافہ السہمی سے ہوا جنھوں نے حبشہ اور مدینہ بھی ہجرت کی تھی جنگ احد میں زخمی ہوا اور پھر مدینہ میں فوت ہوا پھر ان کا نکاح حضورؐ سے ۳ھ میں ہوا اسوقت حضورؐ کی عمر ۵۵ سال ۶ ماہ تھی جبکہ ان کی عمر ۲۲ برس تھی یہ آٹھ سال آپ کی خدمت میں رہیں۔ ان کی ولادت بعثت سے پانچ سال قبل ہوئی اور ۴۵ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ (فیاض)

تشریح امّ المؤمنین حضرت حفصہؓ کی اس روایت میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے دورانِ نماز قرآن پاک کی تلاوت ترتیل کے ساتھ کرنے کا ذکر ہے۔ ترتیل کا معنیٰ واضح واضح اور سنوار سنوار کر پڑھنا ہوتا ہے۔ سورۃ مزمل میں بھی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے پیغمبرؐ! آپ رات کو قیام کریں مگر کم حصہ، نصف شب یا اس سے کچھ کم یا اس سے کچھ زائد۔ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ○ (آیت: ۴) اور قرآنِ پاک کی تلاوت ٹھہر ٹھہر کر نہایت اچھی ادائیگی کے ساتھ کریں۔ ظاہر ہے کہ اگر کوئی چیز آرام آرام سے پڑھی جائے گی تو اس میں نشاط بھی زیادہ آئے گا اور وقت بھی زیادہ لگے گا۔ اسی لیے امّ المؤمنینؓ بیان کرتی ہیں کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اپنی رات کی نماز میں اس قدر ترتیل کے ساتھ تلاوت فرماتے تھے کہ اگر آپ چھوٹی سورۃ بھی تلاوت کرتے تو وہ عام طریقے سے پڑھی جانے والی بڑی سورۃ سے بھی زیادہ معلوم ہوتی۔ گویا آپ اس قدر حُسنِ قرارت کے ساتھ تلاوت فرماتے تھے۔

اس روایت میں یُصَلِّیْ فِیْ سُبْحَتِہٖ کے الفاظ ہیں۔ سبح سے مراد نفل نماز ہے چونکہ نوافل میں تسبیحات زیادہ پڑھی جاتی ہیں اس لیے اس نماز کو سُبْحَتِہٖ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

درس - ۴۲
حدیث - ۱۹

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّدِ الزَّعْفَرَانِيُّ حَدَّثَنَا الْحَجَّاجُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عُثْمَانُ بْنُ أَبِي سُلَيْمَانَ أَنَّ أَبَا سَلَمَةَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَخْبَرَهُ أَنَّ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَمُتْ حَتّٰى كَانَ أَكْثَرُ صَلَاتِهِ وَهُوَ جَالِسٌ ۔ (ترمذی مع شمائل صفحہ ۵۹)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت حسن بن محمد زعفرانی نے بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے حجاج بن محمد نے ابن جریج کے واسطہ سے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ مجھے اس حدیث کی خبر عثمان بن[1] ابی سلیمان نے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن کے ذریعہ سے دی کہ ان کو امّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضؓ نے بتلایا کہ حضور نبی کریم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام وفات سے پہلے اکثر نمازیں بیٹھ کر ادا فرمایا کرتے تھے ۔"

تشریح: یہ سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ایک یا دو سال پہلے شروع ہوا تھا جب بدن میں کافی ضعف آگیا تھا جو آخر دم تک قائم رہا ۔ کمزوری کی وجہ سے آپ زیادہ دیر تک کھڑا نہیں ہو سکتے تھے لہٰذا اکثر نفلی نمازیں بیٹھ کر ہی ادا فرماتے تھے ۔ اگرچہ عام اُمتیوں کو بیٹھ کر نماز پڑھنے کا آدھا ثواب ملتا ہے مگر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اس قاعدہ سے مستثنیٰ تھے اور آپ کو بیٹھ کر بھی پورا ثواب حاصل ہوتا تھا ۔

---

[1] ابن ابی مطعم القرشی النوفلی المکی قاضی مکہ ۔ (فیاض)

درس - ۴۲   حدیث - ۲۰

حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيْعٍ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ اَيُّوْبَ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ فِيْ بَيْتِهٖ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَآءِ فِيْ بَيْتِهٖ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۹)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث احمد بن منیع نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے اسمٰعیل بن ابراہیم نے ایوب کے واسطہ سے بیان کیا۔ انھوں نے یہ روایت نافع سے سُنی جنھوں نے اسے عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ مَیں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں ان کے ساتھ ظہر سے پہلے دو رکعتیں اور دو ظہر کے بعد پڑھیں۔ مغرب کے بعد آپ کے گھر میں دو رکعتیں ادا کیں، اور عشاء کے بعد بھی دو رکعتیں آپ کے گھر میں ادا کیں۔"

تشریح | یہ ان نمازوں کی سنتوں کا بیان ہے جن کا ذکر اگلی روایات میں بھی آرہا ہے اس روایت میں ظہر کے فرائض کے بعد دو رکعت، مغرب اور عشاء کے بعد بھی دو دو رکعت سنتوں کا ذکر ہے جو کہ مؤکدہ ہیں۔ البتہ ظہر سے پہلے کی دو سُنتیں محلِ نظر ہیں کیونکہ احناف کے نزدیک چار سنّت مؤکدہ ہیں جن کا بیان اس باب کی آخری روایت میں آرہا ہے۔

درس - ۴۲ حدیث - ۲۱

حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِیْعٍ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِیْلُ بْنُ اِبْرَاهِیْمَ حَدَّثَنَا اَیُّوْبُ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ ابْنُ عُمَرَ حَدَّثَتْنِیْ حَفْصَةُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یُصَلِّیْ رَکْعَتَیْنِ حِیْنَ یَطْلُعُ الْفَجْرُ وَیُنَادِی الْمُنَادِیْ قَالَ اَیُّوْبُ اُرَاهُ قَالَ خَفِیْفَتَیْنِ۔

(ترمذی مع شمائل صفہ ۵۹)

ترجمہ:" امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث احمد بن منیع نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے اسمٰعیل بن ابراہیم نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت ایوب نے نافع کے حوالہ سے بیان کی۔ انھوں نے یہ روایت عبداللہ بن عمرؓ سے نقل کی۔ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ مجھے امّ المؤمنین حفصہؓ نے بتلایا کہ جس وقت فجر طلوع ہوتی اور مؤذن اذان کہتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعتیں ادا فرماتے۔ راوی ایوب کہتا ہے کہ میں خیال کرتا ہوں کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام صبح کی یہ دو سنتیں مختصر پڑھا کرتے تھے۔"

تشریح یہ صبح کی سنتوں کا بیان ہے جن کی ادائیگی کے متعلق دوسرے مقام پر بہت تاکید آئی ہے۔ امّ المؤمنین حضرت حفصہؓ نے اپنے ذاتی مشاہدہ کی بنا پر بیان کیا ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام فجر کی اذان کے بعد دو رکعتیں گھر میں پڑھتے اور پھر فجر کے فرائض مسجد میں جاکر باجماعت ادا فرماتے۔ اس روایت میں دو رکعتیں ہلکی پڑھنے کا ذکر بھی ہے۔ اگرچہ دوسری روایات میں بعض آیات اور سورتوں کی تلاوت کی تصریح بھی موجود ہے۔ اس موقع پر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے ان آیات اور

سورتوں کی تلاوت کا ثبوت بھی موجود ہے :

۱. قُوْلُوْآ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ــــــــــــ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (البقرہ ۱۳۶ تا ۱۴۱)

۲. قُلْ يٰاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ ــــــــــــ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ (آل عمران ۶۴ تا ۷۱)

۳. قُلْ يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ○ ــــــــــــ وَلِيَ دِيْنِ ○ (مکمل سورۃ الکافرون)

۴. قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ○ ــــــــــــ كُفُوًا اَحَدٌ ○ (مکمل سورۃ اخلاص)

آپ اس قسم کی سورتیں بالعموم پڑھا کرتے تھے۔ آگے مزید تفصیل بھی آرہی ہے۔

درس ۔ ۴۲ حدیث ۔ ۲۲

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ الْفَزَارِيُّ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ بُرْقَانَ عَنْ مَيْمُونِ بْنِ مِهْرَانَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ حَفِظْتُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ قَالَ ابْنُ عُمَرَ وَحَدَّثَتْنِي حَفْصَةُ رض بِرَكْعَتَيِ الْغَدَاةِ وَلَمْ أَكُنْ أَرَاهُمَا مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۹)

ترجمہ "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث قتیبۃ بن سعید نے بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے مروان بن معاویہ فزاری نے جعفر بن برقان کے حوالہ سے بیان کی ۔ انھوں نے یہ روایت میمونؒ بن مہران سے روایت کی جنھوں نے اسے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے نقل کیا ۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے آٹھ رکعت (سنّت مؤکدہ) یاد کی ہیں یعنی ظہر سے قبل اور بعد دو دو رکعتیں ، مغرب کے بعد دو رکعتیں اور عشاء کے بعد دو رکعتیں ۔ راوی حدیث کہتے ہیں کہ میری بہن اور ام المؤمنین حفصہ رض نے مجھے صبح کی دو رکعتوں کے متعلق بھی بتلایا مگر میں نے وہ خود حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو ادا کرتے ہوئے نہیں دیکھا "

تشریح حضرت عبداللہ بن عمر رض نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو صبح کی دو سُنّتیں پڑھتے ہوئے خود نہیں دیکھا ۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ آپ یہ سُنّتیں

لہ الجزری الوایوب ولدعام ارلعین المتوفی ۱۱۷ھ ۔ (فیاض)

گھر میں ادا فرماتے تھے۔ امّ المؤمنین حضرت حفصہؓ نے چونکہ آپ کو یہ دو سُنتیں پڑھتے ہُوئے بارہا دیکھا تھا لہٰذا ابنِ عمرؓ کہتے ہیں کہ اِن کے متعلق مجھے میری بہن حفصہؓ نے بتایا۔

درس - ۴۲
حدیث - ۲۳

حَدَّثَنَا اَبُوْسَلَمَةَ يَحْيَى بْنُ خَلَفٍ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَقِيْقٍ قَالَ سَاَلْتُ عَآئِشَةَ عَنْ صَلٰوةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ كَانَ يُصَلِّيْ قَبْلَ الظُّهْرِ رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَ الْمَغْرِبِ رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَ الْعِشَآءِ رَكْعَتَيْنِ وَقَبْلَ الْفَجْرِ ثِنْتَيْنِ۔ (ترمذی مع شمائل صنـ۵۹)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت ابوسلمہ یحییٰ بن خلف نے بیان کی وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے بشر بن مفضل نے خالد حذاء کے واسطہ سے بیان کیا۔ انھوں نے یہ روایت عبداللہ بن شقیق سے نقل کی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے بتلایا کہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام ظہر سے قبل اور بعد دو دو رکعات ادا فرماتے تھے۔ مغرب کے بعد بھی اور عشاء کے بعد بھی دو دو رکعات (سُنّتِ مؤکدہ) ادا کرتے اور فجر سے پہلے دو رکعت نماز ادا فرماتے تھے۔"

تشریح اس سے بھی مختلف نمازوں کے ساتھ ادا کی جانے والی سننِ مؤکدہ مُراد ہیں۔ اُمّ المؤمنین نے بتلایا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

سلہ الباہلی البصری الجُوبادی المتوفی ۲۴۲ھ (فیاض)

ظہر سے پہلے اور بعد ، مغرب اور عشاء کے بعد اور فجر سے قبل دو دو رکعت ادا فرمایا کرتے تھے۔ اس طرح سنتِ مؤکدہ کی کل تعداد دس بنتی ہے جس کو امام شافعیؒ نے اختیار کیا ہے۔ البتہ احناف کے نزدیک ظہر سے قبل بھی چار رکعت ہیں اور اس طرح کل تعداد بارہ بنتی ہے جیسا کہ دوسری روایات سے ثابت ہے۔ تاہم ہر مجتہد نے اپنی اپنی تحقیق کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔ ہم کسی مجتہد کو طعن نہیں کر سکتے۔ بلکہ اپنے مسلک کو دلیل کے ساتھ راجح قرار دیتے ہیں۔

درس - ۴۲
حدیث - ۲۴

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ اَبِيْ اِسْحٰقَ قَالَ سَمِعْتُ عَاصِمَ بْنَ ضَمْرَةَ يَقُوْلُ سَاَلْنَا عَلِيًّا عَنْ صَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ النَّهَارِ قَالَ فَقَالَ اِنَّكُمْ لَا تُطِيْقُوْنَ ذٰلِكَ قَالَ قُلْنَا مَنْ اَطَاقَ مِنَّا ذٰلِكَ صَلّٰى فَقَالَ كَانَ اِذَا كَانَتِ الشَّمْسُ مِنْ هٰهُنَا كَهَيْئَتِهَا مِنْ هٰهُنَا عِنْدَ الْعَصْرِ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَاِذَا كَانَتِ الشَّمْسُ مِنْ هٰهُنَا كَهَيْئَتِهَا مِنْ هٰهُنَا عِنْدَ الظُّهْرِ صَلّٰى اَرْبَعًا وَيُصَلِّيْ قَبْلَ الظُّهْرِ اَرْبَعًا وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ وَقَبْلَ الْعَصْرِ اَرْبَعًا يَفْصِلُ بَيْنَ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ بِالتَّسْلِيْمِ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ وَالنَّبِيّٖنَ وَمَنْ تَبِعَهُمْ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ۔ (ترمذی مع شمائل ص۲۹)

ترجمہ:- امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت محمد بن مثنیٰ نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے محمد بن جعفر نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت شعبہ نے ابو اسحٰق کی وساطت سے بیان کی، وہ کہتے ہیں کہ میں نے عاصمؒ[1] بن ضمرة کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ ہم نے حضرت

---

[1] السلولی المتوفی ۷۴ھ (فیاض)

علیؓ سے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی دن کی نماز کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے کہا کہ تم میں سے کون طاقت رکھتا ہے کہ ویسی ہی نماز ادا کرے؟ راوی کہتا ہے کہ ہم نے کہا (آپ بتلادیں) جو ہم میں سے استطاعت رکھے گا (ویسی نماز پڑھ لے گا) چنانچہ حضرت علیؓ نے بتلایا کہ جس وقت سورج صبح کو مشرق کی جانب اس قدر اونچا ہوتا جس قدر عصر کے وقت مغرب کی جانب ہوتا ہے تو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام دو رکعت نماز (اشراق) ادا فرماتے۔ اور جب سورج مشرق کی جانب اتنا بلند ہوتا جتنا ظہر کے وقت ہوتا ہے تو آپ چار رکعت (صلوٰۃ الضحیٰ) ادا کرتے۔ پھر آپ ظہر سے پہلے چار رکعت (سُنّتِ مؤکدہ) پڑھتے اور ظہر کے بعد دو رکعتیں (سُنّت مؤکدہ) پھر آپ عصر سے پہلے چار رکعت (سُنّتِ غیر مؤکدہ) ادا کرتے اور ان میں سے ہر دو رکعت کے بعد فصل کرتے اور ملائکہ مقربین، انبیاء علیہم السّلام اور ان کے متبعین مؤمنین اور مسلمین پر سلام کرتے تھے"۔

تشریح اس روایت میں بیان کردہ پہلی رکعات سے مُراد نماز اشراق ہے جو سورج نکلنے کے بعد سب سے پہلی نماز ہے۔ دوسری روایات میں تصریح موجود ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام یہ دوگانہ اس وقت ادا فرماتے جب سورج ایک نیزہ یا سوا نیزہ کے برابر چڑھ کر اوپر آجاتا۔

اس کے بعد بیان کی گئی چار رکعت سے مُراد چاشت کی نماز ہے جس کی تفصیل اگلے باب میں آرہی ہے۔ یہ نماز اُس وقت پڑھی جاتی ہے جب سورج نکلنے کے بعد ایک پہر گزر جائے۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ جب اونٹ کے بچوں کے پاؤں ریت میں جلنے لگیں۔ ہمارے ہاں یہ نو دس

بجے کا وقت ہوتا ہے۔

اس کے بعد بیان کردہ چار رکعت کا تعلق ظہر سے قبل والی سُنّت مؤکدہ کے ساتھ ہے اور پھر دو رکعت سنتِ مؤکدہ ظہر کے بعد بھی ہیں۔

اس کے بعد راوی نے عصر سے پہلے چار رکعت کا ذکر کیا ہے جو کہ سُننِ غیر مؤکدہ ہیں۔ البتہ ان دو رکعت کے بعد سلام کا ذکر ہے۔ حقیقت میں یہ سلام فصل نہیں کہ دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا جائے اور پھر دو رکعت علیحدہ پڑھی جائیں، بلکہ اس سے مُراد درمیان والا تشہّد ہے کیونکہ اس میں بھی ملائکہ، انبیاء اور مؤمنین پر سلام بھیجا جاتا ہے اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ۔ یہ سلام ایک لحاظ سے دو دو رکعتوں کے درمیان فاصل ہے کیونکہ درمیان میں تشہّد پڑھ کر دو رکعت مزید پڑھی جاتی ہیں اور ایک لحاظ سے فاصل نہیں کیونکہ دو رکعت کے بعد سلام نہیں پھیرا جاتا بلکہ ایک ہی سلام کے ساتھ چار رکعتیں پڑھی جاتی ہیں۔

---

(۴۱) بَابُ صَلٰوۃِ الضُّحٰی

ترجمہ: "نمازِ چاشت کا باب"

اس باب میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز چاشت کا بیان ہے۔ امام ترمذیؒ نے یہ باب صلٰوۃ الضحٰی کے نام سے باندھا ہے۔ جبکہ مسلم شریف میں اس نماز کو صلٰوۃ الاوّابین کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ یہ دراصل تین نمازیں ہیں جو طلوعِ شمس کے بعد ظہر کی نماز تک ادا کی جاتی ہیں۔ حضور علیہ الصّلٰوۃ والسّلام نے یہ نمازیں خود بھی ادا کی ہیں اور امّت کو بھی ان کی ترغیب دی ہے غرضیکہ صلٰوۃ الضحٰی سے مُراد نماز چاشت ہے۔

طلوعِ فجر کے بعد فجر کی نماز کا وقت شروع ہو کر طلوعِ شمس تک رہتا ہے۔ جب سورج نکل آتا ہے تو صبح کی نماز کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔ پھر جب سورج کی زردی افق سے غائب ہو جاتی ہے اور سورج تقریباً سوا نیزہ تک بلند ہو جاتا ہے تو نمازِ اشراق کا وقت شروع ہو جاتا ہے ہمارے حساب سے اشراق کا وقت سورج نکلنے کے بارہ تا پندرہ منٹ بعد شروع ہوتا ہے۔ طلوعِ شمس کے بعد اتنا عرصہ نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ بعض نے اس کو بھی ضحٰی کا نام دیا ہے۔ مگر تمام بزرگانِ دین نے اس کو اشراق کی نماز ہی کہا ہے۔

اشراق کا وقت دو تین گھنٹے تک رہتا ہے۔ اس کے بعد جب سُورج خوب اوپر آجاتا ہے اور اُونٹ کے بچوں کے پاؤں ریت میں گرم ہو جانے کی وجہ سے تپنے لگتے ہیں تو چاشت کا وقت شروع ہو جاتا ہے، جسے صلٰوۃ الاوابین بھی کہتے ہیں۔ بعض لوگ نماز مغرب کے بعد چھ نوافل صلٰوۃ الاوابین کے نام سے پڑھتے ہیں۔ اوابین کا معنی اللہ کی طرف رجوع کرنے والے ہے۔ یعنی یہ نماز اللہ کی طرف رجوع رکھنے والے لوگ پڑھتے ہیں۔ ابنِ ماجہ شریف کی روایت میں آتا ہے کہ جو لوگ ایمان اور اخلاص کے ساتھ مغرب کے بعد چھ نوافل ادا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو بارہ سال کی نماز کا ثواب عطا فرماتا ہے۔ مگر یہ سب مستحب ہیں، لازمی نہیں ہیں۔ تاہم صحیح روایات کے مطابق صلٰوۃ الاوّابین چاشت یا ضحٰی کی نماز کا ہی دوسرا نام ہے۔ اس باب میں امام ترمذیؒ

نے آٹھ احادیث جمع کی ہیں۔

دو نمازیں تو اشراق اور چاشت ہو گئیں اور اس سے متصل تیسری نماز وہ ہے جو زوال کے بعد چار رکعتیں پڑھی جاتی ہیں۔

درس - ۴۳　　　　حدیث - ۱

حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا اَبُوْدَاوٗدَ الطَّيَالِسِيُّ اَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ يَزِيْدَ الرِّشْكِ قَالَ سَمِعْتُ مُعَاذَةَ قَالَتْ قُلْتُ لِعَآئِشَةَ اَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الضُّحٰى قَالَتْ نَعَمْ اَرْبَعَ رَكْعَاتٍ وَيَزِيْدُ مَا شَآءَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ ۔ (ترمذی مع شمائل صفہ ۵۹)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت محمود بن غیلان نے بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے ابو داؤد طیالسی نے بیان کیا ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی شعبہ نے یزید[1] رشک کے واسطہ سے ۔ یزید کہتے ہیں کہ میں نے معاذہ[2]رض کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ انھوں نے امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ سے دریافت کیا ، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کی نماز پڑھتے تھے ؟ انھوں نے جواب دیا ، ہاں آپ چاشت کی چار رکعت نماز ادا فرمایا کرتے تھے ، اور کبھی آپ اس سے زیادہ بھی پڑھ لیتے تھے جیسا کہ اللہ کو منظور ہوتا ۔

راوی یزید رشک

اس روایت کے ایک راوی یزید رِشک یا رُشک کے لقب سے ملقب تھے ۔ رِشک فارسی زبان کا لفظ ہے اور اردو زبان میں بھی مستعمل ہے اور اس کا معنی کسی دوسرے بھائی کے اچھے فعل یا اس کو ملنے والی کسی نعمت کی اللہ تعالیٰ سے خواہش کرنا ہوتا ہے ۔ رِشک کا لغوی معنی غیرت ہوتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ شخص یزید بڑا باغیرت آدمی ہے ۔ البتہ بصرے والوں کی لُغت میں رِشک مال و جائیداد تقسیم کرنے والے کو کہتے ہیں یہ شخص نہایت دیانتدار آدمی تھا اور بیت المال کا مال تقسیم کرنے پر مامور تھا ۔ اس لیے یہ شخص رِشک یعنی قسام کے لقب سے مشہور ہو گیا ۔

---

[1] المتوفی ۱۳۰ھ ، [2] معاذۃ بنت عبداللہ العدویہ ام الصہباء البصریہ ۔ (فیاض)

رِشک کا تیسرا معنیٰ بچھو بھی ہوتا ہے۔ (ابو الفرج) ابنِ جوزی کہتے ہیں کہ اس اللہ کے بندے کی داڑھی بہت گھنی تھی۔ اتفاق سے کسی موقع پر کوئی بچھو اس کی داڑھی میں گھس گیا مگر داڑھی سخت گھنی ہونے کی وجہ سے وہیں پھنس کر رہ گیا اور بالآخر اندر ہی ہلاک ہو گیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ بچھو اندر نہیں مرا تھا بلکہ بڑی تگ و دو کے بعد تین دن کے بعد داڑھی سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس وجہ سے بھی اس راوی کا نام رِشک مشہور ہو گیا تھا۔

نمازِ چاشت کی رکعات یہ روایت امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے۔ صحابیہ رسول حضرت معاذہؓ کا بیان ہے کہ انھوں نے امّ المؤمنین سے دریافت کیا، اَکَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّی الضُّحٰی کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ضحیٰ یعنی چاشت کی نماز پڑھا کرتے تھے۔ امّ المؤمنین نے جواب دیا نَعَمْ، اَرْبَعَ رَکَعَاتٍ وَیَزِیْدُ مَاشَاءَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ۔ ہاں، اللہ کے رسول چاشت کی نماز چار رکعت پڑھا کرتے تھے اور اگر اللہ کو منظور ہوتا تو آپ حسبِ استطاعت اس میں اضافہ بھی کر لیا کرتے تھے چاشت کی نماز کم از کم دو رکعت ہے اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعات کی روایات ملتی ہیں۔

فضائل چاشت ایک دوسری روایت میں اس نماز کی فضیلت اس طرح بیان کی گئی ہے کہ جو شخص رات گزار کر دن کرتا ہے یعنی اس کی رات کی گھڑیاں بخیریت گزر گئی ہیں اس کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے بدن کے ہر ہر جوڑ کے بدلے صدقہ ادا کرے۔ ایک انسانی جسم کے جوڑوں کی کل تعداد تین سو ساٹھ ہے۔ اگر کوئی شخص ہر صبح ہر جوڑ کے بدلے ایک چونّی بھی بطور صدقہ ادا کرنا چاہے تو اُسے ہر روز نوّے روپے صرف جوڑوں کے صدقے کے لیے درکار ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ ہر شخص اس کی استطاعت نہیں رکھتا حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا، میرے صحابہ! اس مقصد کے لیے اناج، پھل یا روپیہ پیسہ خرچ کرنے کی ضرورت نہیں ہے ہر آدمی کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی تحمید و تکبیر اور تسبیح، نیز اس کا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینا اس کی طرف سے خود بخود صدقہ بنتا چلا جاتا ہے اگر زیادہ عمل نہ بھی ہو سکے تو بھر دو رکعت نمازِ چاشت ہی ادا کر لو یہی تمہارے تین سو ساٹھ جوڑوں کا صدقہ بن جائیگا۔ بہرحال اس نماز کی رکعات کی تعداد مختلف روایات میں مختلف ہے جو بارہ تک چلتی ہے تاہم حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام زیادہ سے زیادہ آٹھ رکعت یا کبھی اس میں اضافہ بھی فرما لیتے تھے نفلی نمازوں میں ایسی چیزیں روا ہوتی ہیں، للہٰذا ایسے اختلافات سے بددل نہیں ہونا چاہیے۔

باب - ۴۱

درس - ۴۳

حدیث - ۲

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی حَدَّثَنِیْ حَکِیْمُ بْنُ مُعَاوِیَةَ الزِّیَادِیُّ حَدَّثَنَا زِیَادُ بْنُ عُبَیْدِ اللّٰہِ بْنِ الرَّبِیْعِ الزِّیَادِیُّ عَنْ حُمَیْدِ الطَّوِیْلِ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُصَلِّی الضُّحٰی سِتَّ رَکَعَاتٍ ۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۹)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث محمد بن مثنیٰ نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے پاس اسے حکیم بن معاویہؒ زیادی نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت زیاد بن عبیداللہ بن ربیع زیادی نے حمید طویل کے حوالہ سے بیان کی اور انھوں نے اسے صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام چاشت کی نماز چھ رکعات ادا فرماتے تھے۔"

تشریح: جیسا کہ میں نے عرض کیا نمازِ چاشت کیلیے رکعات کی تعداد بالکل مقرر نہیں تھی بلکہ یہ نماز آپ نے دو رکعت سے لے کر بارہ رکعات تک ادا فرمائی ہے۔ پہلی روایت میں گزر چکا ہے کہ آپ چار رکعت ادا فرماتے تھے۔ وَیَزِیْدُ مَا شَآءَ اللّٰہُ اور اس میں بعض اوقات اضافہ بھی فرمالیتے تھے۔ چنانچہ بارہ رکعات تک کی روایات ملتی ہیں۔ البتہ اگر تہجد کی نماز رات کے وقت کسی وجہ سے کوئی آدمی نہ پڑھ سکے تو دن کے وقت بارہ رکعات پڑھے تاکہ اس کی عادت قائم رہے۔

لہ البصری (فیاض)

درس - ۴۳　　　　　　　　　　　　　　　　　　حدیث - ۳

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ اَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ لَیْلٰی قَالَ مَا اَخْبَرَنِیْ اَحَدٌ اَنَّهٗ رَأَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُصَلِّی الضُّحٰی اِلَّا اُمُّ هَانِیٍٔ فَاِنَّهَا حَدَّثَتْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ بَیْتَهَا یَوْمَ فَتْحِ مَکَّةَ فَاغْتَسَلَ فَسَبَّحَ ثَمَانِیَ رَکَعَاتٍ مَا رَأَیْتُهٗ صَلّٰی صَلٰوةً قَطُّ اَخَفَّ مِنْهَا غَیْرَ اَنَّهٗ کَانَ یُتِمُّ الرُّکُوْعَ وَالسُّجُوْدَ ۔

(ترمذی مع شمائل صفہ ۵۹)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث محمد بن مثنیٰ نے بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے محمد بن جعفر نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی خبر دی شعبہ نے عمرو بن مرہ سے اور انھوں نے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کے حوالہ سے روایت کی یہ عبدالرحمٰن[1] (تابعی) کہتے ہیں کہ مجھے امّ ہانی رضؓ کے سوا کسی نے نہیں بتلایا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کی نماز پڑھتے تھے ۔ امّ ہانی رضؓ نے بیان کیا کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام فتح مکہ کے دن اُس کے گھر میں تشریف لائے تو آپ نے غسل کیا اور آٹھ رکعات نماز چاشت ادا کی۔ امّ ہانی رضؓ کہتی ہیں کہ مَیں نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی ان آٹھ رکعات سے زیادہ ہلکی کوئی نماز نہیں دیکھی سوائے اسکے کہ آپ رکوع و سجود

---

[1] الانصاری المدنی الکوفی تابعی جلیل کان اصحابه یعظمون کانه امیر اسمه یسار وقیل بلال وقیل داؤد بن بلال ۔ المتوفی ۸۳ھ ۔ (فیاض)

پورے طریقے سے کر رہے تھے۔"

اُمِّ ہانیؓ حضرت علیؓ کی بڑی بہن تھیں جو مکّہ میں ہی مقیم رہیں۔ اِن کا گھر بیت اللہ شریف کے قریب تھا۔ اس لیے آپ اکثر ان کے گھر میں آیا جایا کرتے تھے۔ چنانچہ جس رات آپ کو معراج پر لے جایا گیا اُس رات بھی آپ اُمِّ ہانیؓ کے گھر میں محوِ خواب تھے جہاں سے فرشتوں نے آپ کو کمرے کی چھت پھاڑ کر نکالا اور معراج کے سفر پر لے گئے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اُمِّ ہانیؓ سے نکاح کرنا چاہتے تھے مگر اللہ نے سورۃ احزاب کی آیت ۵۰ کے ذریعے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو اپنی چچا زاد، پھوپھی زاد، ماموں زاد اور خالہ زاد کے ساتھ نکاح کی صرف اس صورت میں اجازت دی جب کہ وہ آپ کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ جائیں۔ چونکہ اُمِّ ہانیؓ نے ہجرت نہیں کی تھی۔ اس لیے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اُس سے نکاح تو نہ کر سکے۔ مگر مکّی زندگی میں آپ اُن کے ہاں اکثر جایا کرتے تھے۔ پھر فتح مکّہ کے دن بھی آپ نے اپنی اسی چچا زاد کے ہاں قیام کیا، آٹھ رکعات نماز ادا کی جو کہ فتح مکّہ کے شکرانے کے طور پر تھی۔

اس روز آپ کو بھوک بھی لگ رہی تھی۔ آپ نے اُمِّ ہانیؓ سے پوچھا کہ گھر میں کھانے کے لیے کچھ ہے؟ انھوں نے بتلایا کہ روٹی کے چند خشک ٹکڑے حاضر ہیں۔ آپ نے وہی ٹکڑے پانی میں بھگو کر نرم کیے ان پر نمک اور سرکہ ڈالا اور یہی کھانا کھا کر اللہ کا شکر ادا کیا۔

یہ اللہ کے آخری نبی ہیں جنھوں نے فتح مکہ کا جشن سوکھی روٹی کھا کر منایا۔ کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کی، کسی کا مال نہیں لوٹا بلکہ عام معافی کا اعلان کر دیا۔ اب ذرا آج کل کی فاتح قوموں کا حال بھی دیکھ لیں، جب امریکہ نے جاپان پر ایٹم بم مار کر اس کو فتح کیا تھا تو ان دنوں اخبارات میں آیا تھا کہ امریکی سپاہیوں نے جاپانی عورتوں کے ساتھ اس قدر زیادتی کی تھی کم و بیش سوا لاکھ عورتیں امریکی فتح کے موقع پر حاملہ ہوگئیں۔ یہ تعداد تو معلوم ہوگئی لیکن جن کا علم نہیں ہو سکا، وہ اس کے علاوہ تھیں۔ اس کے علاوہ امریکی افسروں اور سپاہیوں نے خوب عیش و عشرت کی، ناچ گانے کی محفلیں منعقد ہوئیں، شراب و کباب چلے اور اس طرح امریکیوں نے فتح کا جشن منایا۔

حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ عُمَرَ حَدَّثَنَا کَهْمَسُ بْنُ الْحَسَنِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَقِیْقٍ قَالَ قُلْتُ لِعَائِشَۃَ اَکَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُصَلِّی الضُّحٰی قَالَتْ لَا اِلَّا اَنْ یَّجِیْءَ مِنْ مَغِیْبِہٖ - (ترمذی مع شمائل صفہ ۵۹)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث ابنِ ابی عمر نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے وکیع نے بیان کیا۔ اُن کے پاس یہ حدیث کہمس بن حسن نے عبداللہ بن شقیق کے حوالہ سے نقل کی۔ وہ کہتے ہیں کہ مَیں نے امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے پوچھا، کیا نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام چاشت کی نماز ادا کیا کرتے تھے؟ انھوں نے بتایا کہ نہیں، سوائے اس کے کہ آپ کسی سفر سے واپس تشریف لاتے۔"

تشریح | یہ حدیث بھی امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے جس میں انھوں نے حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی چاشت کی نماز کے متعلق بتلایا ہے کہ آپ یہ نماز نہیں پڑھا کرتے تھے۔ ہاں جب کسی روز کسی سفر سے واپس مدینہ پہنچتے تو اُس روز یہ نماز ادا فرما لیتے۔ امّ المؤمنین کا یہ بیان محلِ نظر ہے کیونکہ اس باب کی پہلی حدیث میں انھی امّ المؤمنین نے پوچھنے پر بتلایا ہے کہ اللہ کے نبی چار رکعت نمازِ چاشت ادا کیا کرتے تھے اور اگر آپ کا دل چاہتا تو کبھی چار رکعت سے زیادہ بھی پڑھ لیتے۔ چنانچہ مختلف روایات میں دو رکعت سے لے کر بارہ رکعت تک کی نمازِ چاشت حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے۔ بعض منکرین حدیث ایسی ہی بظاہر متعارض احادیث کو بنیاد بنا کر پورے ذخیرۂ حدیث کا ہی انکار کر دیتے ہیں اور اس طرح سادہ لوح اہلِ ایمان کے اذہان کو خراب کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

دراصل اس حدیث میں بھی کوئی تعارض نہیں ہے، صرف سمجھنے کی بات ہے۔
معاملہ صاف ہو جاتا ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ مبارکہ میں وسائل رسل ورسائل
کی قلت کی وجہ سے سفر بڑا تکلیف دہ ثابت ہوتا تھا اور آج جو سفر ہم گھنٹوں میں طے کر
لیتے ہیں وہ مہینوں میں طے ہوتا تھا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب
بھی ہفتہ، دو ہفتے، مہینہ، دو مہینے کے سفر سے واپس آتے تو گھر تشریف لانے سے
پہلے مسجد نبوی میں جاتے۔ چونکہ عام طور پر آپ چاشت کے وقت شہر میں داخل ہوتے
تھے۔ اس لیے آپ مسجد میں پہنچ کر سب سے پہلے نماز چاشت ادا کرتے، پھر ملاقاتیوں
سے ملاقات کرتے اور اس کے بعد گھر تشریف لاتے۔ امّ المؤمنین کی اس روایت کا مطلب
دراصل یہ ہے کہ اللہ کے رسول مسجد میں نماز چاشت نہیں ادا کرتے تھے کیونکہ اقامت
کی صورت میں تو آپ یہ نماز گھر پر ہی پڑھتے۔ اسی لیے امّ المؤمنین کا بیان ہے کہ جب
کبھی آپ سفر سے واپس آتے تو صرف اس دن چاشت کی نماز مسجد میں ادا کرتے اس
کے علاوہ نہیں۔ اگر حدیث کا یہ پس منظر ذہن میں رکھ لیا جائے تو کوئی اشکال پیدا نہیں
ہوگا اور نہ ہی کسی کو حدیث کے خلاف پروپیگنڈا کرنے کا موقع مل سکے گا۔

درس - ۴۳　　　　حدیث - ۵

حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ اَيُّوْبَ الْبَغْدَادِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَبِيْعَةَ عَنْ فُضَيْلِ بْنِ مَرْزُوْقٍ عَنْ عَطِيَّةَ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الضُّحٰى حَتّٰى نَقُوْلَ لَا يَدَعُهَا وَيَدَعُهَا حَتّٰى نَقُوْلَ لَا يُصَلِّيْهَا ـ (ترمذی مع شمائل صفہ ۵۹)

ترجمہ :" امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث زیاد بن ایوب بغدادی نے بیان کی ، وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے محمد بن[1] ربیعہ نے فضیل بن[2] مرزوق کے حوالہ سے بیان کیا ۔ انھوں نے یہ روایت عطیہ[3] سے سُنی اور انھوں نے صحابی رسول حضرت ابوسعید خدریؓ سے نقل کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ چاشت کبھی اس قدر باقاعدگی کے ساتھ پڑھتے کہ ہم لوگ گمان کرتے تھے کہ آپ یہ نماز کبھی نہیں چھوڑیں گے اور کبھی آپ یہ نماز ایسی ترک کر دیتے تھے کہ ہم خیال کرنے لگتے کہ اب یہ نماز آپ کبھی نہیں پڑھیں گے۔"

تشریح اس قسم کی نفلی نمازوں کی ادائیگی کے متعلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معمول یہی ہوتا تھا کہ کبھی پڑھ لی اور کبھی نہ پڑھی کبھی کم مقدار میں اور کبھی زیادہ مقدار میں پڑھی ۔ اس میں مصلحت یہ کارفرما ہوتی تھی کہ اگر مسلسل پڑھی تو لوگوں کے شوق کے پیشِ نظر اللہ اسے فرض ہی نہ قرار دے دے اور اگر بالکل بے اعتنائی اختیار کی تو لوگ اس کی برکات سے محروم ہی نہ رہ جائیں ۔

---

[1] محمد بن ربیعہ الکلابی الکوفی ابوعمر وثقہ ابوداؤد ۔

[2] الاغر الرقاشی الکوفی ابوعبدالرحمٰن ۔ [3] عطیۃ المازنی لہ حجۃ ۔ (فیاض)

باب - ۴۱

شمائل ترمذی

حدیث - ۶

درس - ۴۳

حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ عَنْ هُشَيْمٍ اَخْبَرَنَا عُبَيْدَةُ عَنْ اِبْرَاهِيمَ عَنْ سَهْمِ بْنِ مِنْجَابٍ عَنْ قَرْثَعٍ الضَّبِّيِّ اَوْعَنْ قَزْعَةَ عَنْ قَرْثَعٍ عَنْ اَبِيْ اَيُّوْبَ الْاَنْصَارِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُدْمِنُ اَرْبَعَ رَكْعَاتٍ عِنْدَ زَوَالِ الشَّمْسِ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّكَ تُدْمِنُ هٰذِهِ الْاَرْبَعَ الرَّكْعَاتِ عِنْدَ زَوَالِ الشَّمْسِ فَقَالَ اِنَّ اَبْوَابَ السَّمَاءِ تُفْتَحُ عِنْدَ زَوَالِ الشَّمْسِ فَلَا تُرْتَجُ حَتّٰى تُصَلَّى الظُّهْرُ فَاُحِبُّ اَنْ يَصْعَدَ لِيْ فِيْ تِلْكَ السَّاعَةِ خَيْرٌ قُلْتُ اَفِيْ كُلِّهِنَّ قِرَاءَةٌ قَالَ نَعَمْ قُلْتُ هَلْ فِيْهِنَّ تَسْلِيْمٌ فَاصِلٌ قَالَ لَا ۔ (ترمذی مع شمائل صـ۵۹)

حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا اَبُوْ مُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا عُبَيْدَةُ عَنْ اِبْرَاهِيمَ عَنْ سَهْمِ بْنِ مِنْجَابٍ عَنْ قَزْعَةَ عَنِ الْقَرْثَعِ عَنْ اَبِيْ اَيُّوْبَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهٗ ۔

(ترمذی مع شمائل صـ۵۹)

ترجمہ:۔ امام ترمذیؒ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث احمد بن منیع نے بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے ہشیم نے نقل کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی عبیدۃ[1] نے ابراہیم کے واسطہ سے، اُن کے پاس یہ حدیث ابراہیم نے سہم[2] بن منجاب سے سُن کر

---

[1] هو ابن معتب الضبی ۔ [2] ابن راشد الضبی الکوفی ۔ (فیاض)

نقل کی۔ اُنھوں نے یہ روایت قرثع ضبی یا قزعہ[1] سے سماعت کی انھوں نے یہ روایت قرثع سے ابو ایّوب انصاریؓ کے واسطے سُنکر نقل کی۔ وہ کہتے ہیں کہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام زوالِ شمس کے وقت ان چار رکعات کا بڑا اہتمام کرتے تھے۔ مَیں نے عرض کیا، حضور! آپ زوالِ شمس کے وقت ان چار رکعات کا بڑا اہتمام کرتے ہیں (یعنی ان کو باقاعدگی سے ادا کرتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟) حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا کہ زوالِ شمس کے وقت آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور وہ بند نہیں کیے جاتے یہاں تک کہ ظہر کی نماز ادا کر لی جائے اور میری خواہش ہوتی ہے کہ اس مبارک وقت میں میرا کوئی کارِ خیر آسمان پر پہنچ جائے۔ (اس لیے مَیں یہ نماز باقاعدگی سے ادا کرتا ہوں) صحابیِ رسول حضرت ابو ایوب انصاریؓ کہتے ہیں کہ مَیں نے پھر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں عرض کیا، کیا اس نماز کی ہر رکعت میں قرأت ہے؟ آپ نے فرمایا، ہاں۔ مَیں نے مزید عرض کیا، کیا ان چار رکعتوں کے درمیان سلام فاصل بھی ہے؟ آپ نے جواب دیا نہیں۔

(دوسری سند) امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث احمد بن منیع نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے ابو معاویہ نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت عبیدہ نے ابراہیم سے سُن کر نقل کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے یہ حدیث سہم بن منجاب سے قزعہ کے حوالے سے جنھوں نے قرثع سے سُنی اور انھوں نے اسے ابو ایوب انصاریؓ سے نقل

---

[1] وھو ابن سوید بن حجر الباھلی۔ (فیاض)

کیا جنھوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم معنی روایت بیان کی "۔

تشریح اس روایت میں ان چار رکعت کا ذکر ہے جو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام زوالِ شمس کے معاً بعد اور نمازِ ظہر سے قبل باقاعدگی کے ساتھ ادا کرتے تھے۔ میں نے اس باب کے تعارف میں بھی عرض کیا ہے کہ یہ دراصل تین نمازیں ہیں جن کو آپ کوئی بھی نام دے لیں یہ طلوعِ شمس کے بعد سے لے کر زوالِ شمس تک کے عرصہ میں ادا کی جاتی ہیں۔ چونکہ یہ تینوں نفلی نمازیں نمازِ فجر اور نمازِ ظہر کے درمیان آتی ہیں اس لیے عام طور پر ان کو ایک ہی باب میں ذکر کر دیا جاتا ہے۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ نے اس بارے میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے تین سوالات کیے:

(۱) زوالِ شمس کے بعد ان چار رکعات پر مداومت کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ ایسا متبرک وقت ہوتا ہے جب آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور میری خواہش ہوتی ہے کہ میرا کوئی نیک عمل اس دوران میں آسمان پر کھلے دروازوں چڑھ جائے لہٰذا میں اس نماز کے لیے خاص اہتمام کرتا ہوں۔

احادیثِ نبوی میں بعض دوسرے اوقات مثلاً غروبِ شمس کا وقت، پچھلی رات کی گھڑیاں، زوال کا وقت، اور فجر اور عصر کی نمازوں کا وقت افضل اوقات میں شمار ہوتے ہیں، جن میں نیک اعمال کی قبولیت زیادہ ہوتی ہے اور اللہ کی رحمت کے خاص دروازے کھول دیے جاتے ہیں، لہٰذا حضور نے ظہر سے قبل ان چار رکعت پر ہمیشگی اختیار کرنے کی یہ وجہ بیان فرمائی۔

یاد رکھنا چاہیے کہ نوافل پر مداومت اختیار کرنا درست ہے بشرطیکہ ان کو فرض و واجب کا درجہ نہ دے دیا جائے۔ نیک لوگ ایسے اعمال کو سوچ سمجھ کر باقاعدگی سے انجام دیتے ہیں۔ البتہ کم فہم لوگوں کو سمجھا دینا چاہیے کہ وہ ایسے عمل کو واجب یا سُنتِ مؤکدہ نہ سمجھ لیں کیونکہ ایسا کرنے سے آدمی لُزُوْمُ مَا لَا یَلْزَمُ کی زد میں آ کر گنہگار ہو جائے گا۔ ایسا سمجھ

لینے سے یہ کارِ خیر بھی بدعت میں شمار ہونے لگے گا۔ ایسے نوافل کو اگر محض اللہ کی رضا کے لیے ثواب حاصل کرنے کی غرض سے خواہ ہمیشہ ادا کیا جائے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اصل میں عقیدہ اور سمجھ کی اصلاح ہونی چاہیے۔ بعض لوگ مستحب اُمور کو ضروری سمجھ لیتے ہیں اور اگر کوئی دوسرا شخص اس پر مداومت اختیار نہیں کرتا تو اس کو ملامت کرنے لگتے ہیں، یہ نہیں ہونا چاہیے۔ ہر عمل کو اپنے اپنے درجہ میں انجام دینا چاہیے اور بلا وجہ کسی پر معترض نہیں ہونا چاہیے۔

(۲) حضرت ابو ایوب انصاریؓ کا دوسرا سوال یہ تھا کہ کیا ان چار رکعتوں میں قرأت بھی کی جائے؟ آپ نے اثبات میں جواب دیا کہ دیگر نفلوں کی طرح ان چاروں نفلوں میں بھی قرأت کی جائے۔

(۳) راوی کا تیسرا سوال یہ تھا کہ کیا یہ چار رکعات دو دو کر کے پڑھی جائیں یا اکٹھی، اگر دو رکعت کے بعد سلام فاصل ہو تو یہ چار نفل دو سلاموں کے ساتھ ادا ہونگے اور چار رکعت اکٹھی ادا کی جائیں تو ایک ہی سلام سے چاروں رکعات ادا ہو جائیں گی۔ حضور نبی کریم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے جواب دیا کہ زوالِ شمس کے بعد یہ چاروں رکعات ایک سلام کے ساتھ ادا کی جائیں، ان میں سلام فاصل نہیں ہے۔

یہ مسئلہ گزشتہ باب کی آخری روایت میں بھی بیان ہو چکا ہے۔ جس میں چار چار رکعتوں کی ادائیگی کا ذکر ہے اور ساتھ یہ بھی وضاحت ہے۔ یَفْصِلُ بَیْنَ کُلِّ رَکْعَتَیْنِ بِالتَّسْلِیْمِ عَلَی الْمُقَرَّبِیْنَ وَالنَّبِیِّیْنَ وَمَنْ تَبِعَهُمْ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُسْلِمِیْنَ یعنی دو رکعتوں کے بعد سلام کے ساتھ فاصلہ کرتے تھے حقیقت میں یہ سلام فصل نہیں کہ دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا جائے اور پھر دو رکعت علیحدہ پڑھی جائیں بلکہ اس سے مراد درمیان والا تشہد ہے کیونکہ اس میں بھی ملائکہ، انبیاء اور مؤمنین پر سلام بھیجا جاتا ہے۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ ... الخ۔ یہ سلام ایک لحاظ سے دو رکعتوں کے درمیان فاصل ہے کیونکہ درمیان میں تشہد پڑھ کر دو رکعت مزید پڑھی جاتی ہیں اور ایک لحاظ سے فاصل نہیں ہے کیونکہ دو رکعت کے بعد سلام نہیں پھیرا جاتا بلکہ ایک ہی سلام سے چار رکعتیں پڑھی جاتی ہیں۔

باب - ۴۱

درس - ۴۳ حدیث - ۷

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی اَخْبَرَنَا اَبُوْدَاوُدَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُسْلِمِ بْنِ اَبِی الْوَضَّاحِ عَنْ عَبْدِ الْکَرِیْمِ الْجَزَرِیِّ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ السَّائِبِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یُصَلِّی اَرْبَعًا بَعْدَ اَنْ تَزُوْلَ الشَّمْسُ قَبْلَ الظُّهْرِ وَقَالَ اِنَّهَا سَاعَةٌ تُفْتَحُ فِیْهَا اَبْوَابُ السَّمَآءِ فَاُحِبُّ اَنْ یَّصْعَدَ لِیْ فِیْهَا عَمَلٌ صَالِحٌ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۹۱)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث محمد بن مثنیٰ نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی ابوداؤد نے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت محمد[1] بن مسلم ابن ابی الوضاح نے بیان کی ان کے پاس یہ روایت عبدالکریم[2] جزری نے مجاہد سے روایت کی اور انھوں نے اسے عبداللہ[3] بن سائب سے روایت کیا کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام زوالِ شمس کے بعد اور ظہر سے قبل چار رکعت ادا فرماتے تھے۔ نیز فرماتے تھے کہ اس گھڑی میں آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، اور میں چاہتا ہوں کہ میرے نیک اعمال بھی اس دوران میں آسمان پر چڑھ جائیں۔

تشریح: اس روایت کا مضمون بھی گزشتہ روایت کے مطابق ہے جس کی تشریح کی جا چکی ہے اور مزید کوئی خاص بات قابلِ وضاحت نہیں ہے۔

---

[1] القطاع الجزری ابوسعید المؤدب المشہور، [2] بن مالک الجزری ابوسعید المتوفی ۱۲۷ھ، [3] ابن عایذ بن عبداللہ المخزومی المکی الکوفی ولابیہ صحبۃ (نیا) ص

درس - ۴۳ حدیث - ۸

حَدَّثَنَا اَبُوْسَلَمَةَ يَحْيَى بْنُ خَلَفٍ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ عَلِيٍّ الْمُقَدَّمِيُّ عَنْ مِسْعَرِ بْنِ كِدَامٍ عَنْ اَبِيْ اِسْحٰقَ عَنْ عَاصِمِ بْنِ ضَمْرَةَ عَنْ عَلِيٍّ اَنَّهُ كَانَ يُصَلِّيْ قَبْلَ الظُّهْرِ اَرْبَعًا وَذَكَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْهَا عِنْدَ الزَّوَالِ وَيَمُدُّ فِيْهَا۔

(ترمذی مع شمائل صا۵۹)

ترجمہ:" امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث ابو سلمۃ یحییٰ بن خلف نے بیان کی وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے عمر بن علی مقدمی نے مسعر بن کدام کے حوالہ بیان کیا۔ انھوں نے یہ روایت ابو اسحٰق سے روایت کی جنھوں نے اسے عاصم بن ضمرۃ کے واسطہ سے نقل کیا۔ انھوں نے حضرت علیؓ کے متعلق کہا کہ آپ ظہر سے قبل چار رکعت نماز پڑھتے تھے، اور فرمایا کرتے تھے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہ چار رکعت زوال کے وقت ادا فرمایا کرتے تھے اور ان میں لمبی قرأت کیا کرتے تھے۔"

تشریح یہ بھی گزشتہ روایت کے ہم معنی حدیث ہے۔ البتہ اس میں حضرت علیؓ نے اپنا مشاہدہ بیان کیا ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام ظہر سے پہلے چار رکعت نماز پڑھا کرتے تھے جن میں آپ لمبی قرأت فرماتے۔ حضرت علیؓ نے بھی حضور کے اتباع میں اس نماز کو اپنا معمول بنا لیا تھا۔

(۴۲) بَابُ صَلٰوةِ التَّطَوُّعِ فِى الْبَيْتِ

ترجمہ: "باب نفل نماز گھر میں پڑھنے کے بیان میں"

شمائل ترمذی

باب - ۴۲

درس - ۴۳

حدیث - ۱

حَدَّثَنَا عَبَّاسُ الْعَنْبَرِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ مُّعَاوِيَةَ بْنِ صَالِحٍ عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ الْحٰرِثِ عَنْ حِرَامِ بْنِ مُعَاوِيَةَ عَنْ عَمِّهٖ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الصَّلٰوةِ فِىْ بَيْتِىْ وَالصَّلٰوةِ فِى الْمَسْجِدِ قَالَ قَدْ تَرٰى مَا اَقْرَبَ بَيْتِىْ مِنَ الْمَسْجِدِ فَلَاَنْ اُصَلِّىَ فِىْ بَيْتِىْ اَحَبُّ اِلَىَّ مِنْ اَنْ اُصَلِّىَ فِى الْمَسْجِدِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ صَلٰوةً مَكْتُوْبَةً۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۹۱)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت عباس عنبری[1] نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت عبدالرحمٰن بن مہدی نے معاویہؒ[2] بن صالح کے واسطہ سے بیان کی۔ انھوں نے یہ روایت علاءؒ[3] بن حارث سے حرامؒ[4] بن معاویہؒ کے حوالہ سے

---

[1] ابن عبد العظیم الفضل العنبری عنبر حی من تمیم المتوفی سنہ ۲۴۶ھ

[2] الحضرمی ابو عبد الرحمٰن قاضی الاندلس، المتوفی سنہ ۱۵۸ھ۔

[3] ابن عبد الوارث الحضرمی ابو وھیب الدمشقی۔ [4] ابن کلیم بن خالد بن سعد الانصاری (فیاض)

بیان کی ۔ اُنھوں نے یہ روایت اپنے چچا عبداللہ بن سعدؓ سے نقل کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا ، کیا میری نفل نماز میرے لیے گھر میں پڑھنا بہتر ہے یا مسجد میں ؟ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے جواب دیا کہ تم دیکھتے ہو کہ میرا گھر مسجد سے کتنا قریب ہے ، پھر بھی مَیں یہی پسند کرتا ہوں کہ نفل نماز گھر میں ادا کروں سوائے فرض نماز کے ۔"

نفل نماز گھر میں پڑھنا اس باب میں یہ ایک ہی روایت بیان کی گئی ہے جو مختصر بھی ہے ۔اس موضوع سے متعلق اور بھی بہت سی روایات کتبِ احادیث میں موجود ہیں ۔حضرت عبداللہ بن سعدؓ نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے دریافت کیا کہ کیا میرے لیے نفل نماز گھر میں پڑھنا بہتر ہے یا مسجد میں آکر ادا کرنا ؟ حضور نبی کریم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے جواباً فرمایا کہ میرے صحابی ! تم دیکھتے ہو کہ میرا گھر مسجد سے کتنا قریب ہے جس کا دروازہ بھی مسجد کے صحن میں کھلتا ہے ۔اس کے باوجود مَیں نفل نماز گھر میں پڑھنا پسند کرتا ہوں ۔ البتہ فرائض کی ادائگی مسجد میں ہی ضروری ہے اور یہی شریعتِ مطہّرہ کا بنیادی قانون بھی ہے ۔

اللہ نے اس اصول میں بہت سی مصلحتیں رکھّی ہیں ۔ فرمایا ، لوگو ! اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ کہ وہاں نماز ہی نہ پڑھو بلکہ نماز کا کچھ حصّہ سنن ، نوافل وغیرہ گھر میں بھی پڑھا کرو تاکہ گھر والوں کو بھی نماز پڑھنے کی ترغیب ہو ، البتہ فرض نماز مسجد میں باجماعت ادا کرنا ضروری ہے ۔اس میں یہ قانون بھی کارفرما ہے کہ جن نمازوں میں اخفا مناسب ہے ، اس کا گھر میں پڑھنا بہتر ہے اور جن نمازوں میں اخفا مناسب نہیں جیسے فرائض ، نماز تراویح ، دوگانہ واجب الطواف ، کسوف ، استسقیٰ اور عیدین کی نمازیں مسجد میں یا کھُلے میدان میں پڑھنا افضل ہے ۔ البتہ بعض علمائے کرام

ؔ الانصاری الحزامی وقیل القرشی العموی ۔ (فیاض)

کہتے ہیں کہ سُنن مؤکدہ اور واجبات مسجد میں ادا کرنے چاہئیں تاکہ عام لوگوں میں یہ دستور ہی نہ بن جائے کہ وہ مسجد میں فرائض ادا کرنے کے بعد باقی حصّہ نماز کو چھوڑ دیں۔ اگر کسی مقام پر اس قسم کا خطرہ ہو کہ لوگ فرض ادا کرنے کے بعد سنن اور نوافل وغیرہ کے معاملہ میں لاپرواہی اختیار کرنے لگیں گے تو وہاں کے لوگوں کو سُنن اور واجبات بھی مسجد میں ہی ادا کرنے چاہئیں تاکہ باقی لوگوں کو بھی ان کی اہمیت کا اندازہ ہو سکے۔ تاہم نوافل گھر ہی میں پڑھنے میں زیادہ ثواب ہے مگر جواز ہر جگہ موجود ہے۔ آدمی کہیں بھی نفل نماز ادا کر سکتا ہے۔

---

(۴۳) بَابُ مَا جَاءَ فِيْ صَوْمِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ترجمہ: "باب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روزوں کے بیان میں"

اس باب میں مذکور روزوں سے مراد فرضی روزے نہیں بلکہ ان روزوں کا ذکر ہے جو نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام بطور نفل رکھا کرتے تھے۔ فرض روزوں کے ابواب محدثین کرام نے باب الصیام کے نام سے علیحدہ باندھے ہیں جن میں ان روزوں سے متعلقہ احادیث جمع کی ہیں۔ اس باب میں امام ترمذیؒ نے سولہ احادیث جمع کی ہیں۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ اَيُّوْبَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَقِيْقٍ قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صِيَامِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ كَانَ يَصُوْمُ حَتّٰى نَقُوْلَ قَدْ صَامَ وَيُفْطِرُ حَتّٰى نَقُوْلَ قَدْ اَفْطَرَ قَالَتْ وَمَا صَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهْرًا كَامِلًا مُنْذُ قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ اِلَّا رَمَضَانَ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۹۱)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث قتیبہ بن سعید نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے حماد بن زید[ل] نے ایوب کی وساطت سے بیان کیا۔ انھوں نے یہ روایت

[ل] وفی نسخۃ حماد بن سلمۃ۔ (فیاض)

عبداللہ بن شقیق سے نقل کی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نفلی روزوں کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے بتایا کہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کبھی اتنے روزے رکھتے کہ ہم گمان کرتے کہ اب آپ کبھی نہیں چھوڑیں گے اور کبھی آپ روزے رکھنا ترک کر دیتے تو ہم خیال کرتے کہ اب آپ کبھی روزہ نہیں رکھیں گے۔ اُمّ المؤمنین نے مزید بیان کیا کہ مدینہ طیبہ ہجرت کرکے آنے کے بعد حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے رمضان کے علاوہ کسی ماہ کے مکمل روزے نہیں رکھّے۔"

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے نفلی روزے

ماہِ رمضان کے فرض روزوں کے علاوہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے کبھی مسلسل روزے نہیں رکھّے بلکہ کبھی رکھ لیتے اور کبھی چھوڑ دیتے، اور یہی آپ کی عادتِ مبارکہ تھی۔ نفلی روزے رکھتے تو کبھی مہینہ کے آغاز میں، کبھی وسط میں اور کبھی آخر میں۔ آپ ہر ماہ دو تین روزے رکھتے تھے مگر تواریخ بدل بدل کر۔ آگے روایت میں یہ بھی آرہا ہے کہ رمضان کے علاوہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام شعبان کے مہینہ میں دیگر مہینوں کی نسبت زیادہ روزے رکھتے تھے۔

حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِیْلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ حُمَیْدٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ اَنَّهٗ سُئِلَ عَنْ صَوْمِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ کَانَ یَصُوْمُ مِنَ الشَّهْرِ حَتّٰی نَرٰی اَنْ لَّا یُرِیْدَ اَنْ یُّفْطِرَ مِنْهُ وَ یُفْطِرُ حَتّٰی نَرٰی اَنْ لَا یُرِیْدَ اَنْ یَّصُوْمَ مِنْهُ شَیْئًا وَکُنْتَ لَا تَشَآءُ اَنْ تَرَاهُ مِنَ اللَّیْلِ مُصَلِّیًا اِلَّا اَنْ رَاَیْتَهٗ مُصَلِّیًا وَلَا نَآئِمًا اِلَّا رَاَیْتَهٗ نَآئِمًا۔

(ترمذی مع شمائل صا۵۹)

ترجمہ:- امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث علی بن حجر نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے اسمٰعیل[1] بن جعفر نے حمید سے روایت بیان کی۔ انھوں نے یہ روایت حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کی کہ کسی نے اُن سے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے نفلی روزوں کے متعلق پوچھا تو اُنھوں نے بتایا کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کسی مہینہ میں، اتنی کثرت سے روزے رکھتے کہ ہم سمجھتے کہ اب آپ چھوڑیں گے نہیں. اور کبھی روزے نہ رکھتے جس سے ہم خیال کرتے کہ آپ اس ماہ میں کوئی روزہ نہیں رکھیں گے۔ اور اگر تم خیال کرتے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام رات کو سوئے ہوئے ہیں، حالانکہ آپ نماز پڑھ رہے ہوتے۔ اور اگر تم خیال کرتے آپ نماز پڑھ رہے ہیں حالانکہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سوئے ہوئے ہوتے۔

[1] المدنی الزرقی نسبۃ لبنی زریق بطن من الانصار ثقۃ مات سنہ۱۸۰ھ (فیاض)

تشریح روزے رکھنے اور چھوڑنے سے متعلق آپ کی عادتِ مبارکہ کا تذکرہ گزشتہ روایت میں بھی ہو چکا ہے کہ کسی ماہ میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کثرت سے روزے رکھتے اور کسی ماہ میں بہت کم نفلی روزے رکھتے۔ اس حدیث میں آپ کی رات کی نفلی نماز کا اضافی ذکر بھی موجود ہے۔ اس سلسلہ میں بھی خادمِ رسول حضرت انس بن مالکؓ کا یہی مشاہدہ ہے کہ کسی رات آپ دیر تک نماز پڑھتے رہتے جبکہ ایک آدمی کا خیال ہوتا کہ شاید آپ سو رہے ہیں اور پھر کسی رات کوئی شخص سمجھتا کہ شاید آپ نماز پڑھ رہے ہیں جبکہ حقیقت میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام آرام کر رہے ہوتے مطلب یہی ہے کہ نفلی عبادات میں آپ تسلسل اختیار نہیں کرتے تھے بلکہ آپ کی عادتِ مبارکہ یہ تھی کہ مختلف اوقات اور مختلف زمان میں کبھی کم اور کبھی زیادہ عبادت کرتے۔ آپ کا خیال تھا کہ مسلسل ایک ہی طریقے سے نفلی نماز پڑھنے یا نفلی روزے رکھنے سے لوگ نفلی نماز یا روزوں کو کہیں فرض، واجب نہ جان لیں اور پھر مشقّت میں نہ پڑ جائیں۔

درس - ۴۴　　　　حدیث - ۳

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا اَبُوْدَاؤُدَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ اَبِي بِشْرٍ قَالَ سَمِعْتُ سَعِيْدَ بْنَ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ حَتّٰى نَقُوْلَ مَا يُرِيْدُ اَنْ يُّفْطِرَ مِنْهُ وَيُفْطِرُ حَتّٰى نَقُوْلَ مَا يُرِيْدُ اَنْ يَّصُوْمَ مِنْهُ وَمَا صَامَ شَهْرًا كَامِلًا مُنْذُ قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ اِلَّا رَمَضَانَ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۹۱)

ترجمہ :" امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث محمود بن غیلان نے بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے ابوداؤد نے بیان کیا ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت شعبۃ نے ابی بشر[1] کے حوالہ سے بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ روایت سعید بن جبیر سے صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے حوالہ سے سُنی ۔ حضرت ابنِ عباسؓ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی ماہ میں اس قدر کثرت سے نفلی روزے رکھتے کہ ہم کہتے کہ اب آپ کا روزے ترک کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ۔ نیز آپ کسی ماہ میں روزے ترک کر دیتے حتیٰ کہ ہم کہتے کہ اب آپ کا روزہ رکھنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے اور جب سے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام مدینہ منورہ تشریف لے آئے آپ نے ماہ رمضان کے سوا کسی ماہ کے مکمل روزے نہیں رکھے "

تشریح | یہ آپ کی عادتِ مبارکہ تھی اور اس میں بعض مصلحتیں بھی تھیں جیسا کہ اس باب کی پہلی روایت میں بیان ہو چکا ہے

---

[1] اسمه جعفر بن ابی وحشیۃ ۔ (فیاض)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ اَبِي الْجَعْدِ عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ مَا رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ اِلَّا شَعْبَانَ وَرَمَضَانَ۔

قَالَ اَبُوْ عِيْسٰى هٰذَا اِسْنَادٌ صَحِيْحٌ وَهٰكَذَا قَالَ عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ وَرَوٰى هٰذَا الْحَدِيْثَ غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَحْتَمِلُ اَنْ يَّكُوْنَ اَبُوْ سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَدْ رَوٰى هٰذَا الْحَدِيْثَ عَنْ عَائِشَةَ وَ اُمِّ سَلَمَةَ جَمِيْعًا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

(ترمذی مع شمائل ص۱۵۹)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث محمد بن بشار نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے عبدالرحمٰن بن مہدی نے سفیان سے سُن کر بیان کی۔ انھوں نے یہ روایت منصور (الثقفی) سے سنی جنھوں نے اسے سالم بن[1] ابی جعد سے نقل کیا۔ انھوں نے یہ روایت ابوسلمۃ[2] سے امِّ سلمۃ[3] رضی اللہ عنہا کے حوالہ

---

[1] رافع الغطفانی الاشجعی [2] ای ابن عبدالرحمٰن بن عوف احد العشرۃ المبشرۃ [3] ان کا نام ہندہ بنت امیہ ہے پہلے ان کا نکاح ابوسلمۃؓ سے ہوا ان کی وفات کے بعد ۴ یا ۵ھ میں حضورؐ کے ساتھ نکاح ہوا انھوں نے ۸۴ سال کی عمر میں ۵۹ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ (فیاض)

سے سُنی ۔ امّ سلمہؓ کہتی ہیں مَیں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ
وسلم کو شعبان اور رمضان کے سوا کسی ماہ کے مسلسل روزے
رکھتے ہوئے نہیں دیکھا ۔
امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ اس روایت کی اسناد صحیح ہے یعنی
ابوسلمۃ امّ سلمۃ سے روایت کرتے ہیں ۔ اور متعدد لوگوں نے
اس حدیث کو ابوسلمۃ سے حضرت عائشہؓ سے بھی نقل کیا ہے ۔
جنھوں نے حضور نبی کریم سے روایت بیان کی ہے اور ممکن ہے
کہ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے یہ حدیث امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ
اور امّ سلمہؓ دونوں سے نقل کی ہو ۔"

تشریح در اصل امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور امّ المؤمنین حضرت امّ سلمہؓ کی روایات میں بظاہر اضطراب پایا جاتا ہے ۔ امّ سلمہؓ کی روایت میں ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام ماہِ شعبان اور ماہِ رمضان کے مکمل روزے رکھتے تھے عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے کہ آپ رمضان کے علاوہ کسی دوسرے مہینہ کے مکمل روزے نہیں رکھتے تھے اس سے اگلی روایت بھی امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام ماہِ شعبان کے اکثر دنوں کے، گویا قریب قریب پورے مہینہ کے روزے رکھتے تھے ۔ صحیح بات یہی ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام رمضان کے فرضی روزے تو پورے کے پورے رکھتے تھے، البتہ دیگر مہینوں میں کم و بیش روزے رکھنے کا معمول تھا اور پھر ان میں سے بھی آپ رمضان سے متصلاً پہلے آنے والے مہینہ شعبان میں سب سے زیادہ نفلی روزے رکھتے تھے ۔ اس ضمن میں امّ المؤمنین امّ سلمہؓ کا یہ بیان کہ انھوں نے شعبان اور رمضان کے علاوہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو مسلسل پورے ماہ کے روزے رکھتے نہیں دیکھا محض اکثریت پر محمول کیا جاسکتا ہے جیسا کہ دوسری روایات سے صریحاً متبادر ہے ۔ رمضان کے روزے تو فرض ہیں، لہٰذا ان میں سے تو بلا عذر کمی نہیں کی جاسکتی، البتہ شعبان کے روزوں کے متعلق امّ سلمہؓ

کے بیان کا یہی مطلب لیا جاسکتا ہے کہ نوافل روزوں کا آپ سب سے زیادہ ماہ شعبان میں اہتمام فرماتے تھے بعض اوقات اکثریت کو مکمل پر بھی محمول کر لیا جاتا ہے۔ لہٰذا امّ سلمہؓ کی روایت کا یہی مطلب لیا جاسکتا ہے اور اس طرح دونوں روایات میں اضطراب ختم ہو جاتا ہے۔

باب - ۴۳

درس - ۴۴

حدیث - ۵

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو حَدَّثَنَا اَبُوْسَلَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمْ اَرَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ فِىْ شَهْرٍ اَكْثَرَ مِنْ صِيَامِهٖ فِىْ شَعْبَانَ كَانَ يَصُوْمُ شَعْبَانَ اِلَّا قَلِيْلًا بَلْ كَانَ يَصُوْمُ كُلَّهٗ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۹۱)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث ھناد نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے عبدۃ[1] نے محمد بن عمرو سے سن کر بیان کیا۔ انھوں نے ابوسلمہ سے اور انھوں نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے نقل کیا۔ وہ کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ماہِ شعبان سے زیادہ کسی دوسرے مہینہ میں نفلی روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ آپ شعبان کے اکثر حصّہ کے روزے رکھتے تھے بلکہ قریب قریب پورے مہینہ کے روزے رکھتے تھے۔"

تشریح میں نے پچھلی روایت کی تشریح کے موقع پر عرض کر دیا تھا کہ ام المؤمنین عائشہؓ اور ام المؤمنین ام سلمہؓ کی روایات میں درحقیقت کوئی تعارض نہیں ہے۔ ام سلمہؓ نے اکثریت کی بنا پر کہہ دیا ہے کہ آپ رمضان کی طرح پورے شعبان کے بھی روزے رکھتے تھے، وگرنہ حقیقت یہی ہے کہ دوسرے مہینوں کی نسبت شعبان میں آپ کثرت سے روزے رکھتے تھے۔ ام سلمہؓ نے محض کثرت کو مکمل پر محمول کیا ہے۔

---

[1] ابن عبداللہ الخزاعی۔ (فیاض)

درس - ۴۴ حدیث - ۶

حَدَّثَنَا الْقَاسِمُ بْنُ دِينَارٍ الْكُوفِيُّ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسٰى وَطَلْقُ بْنُ غَنَّامٍ عَنْ شَيْبَانَ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ زِرٍّ عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُومُ مِنْ غُرَّةِ كُلِّ شَهْرٍ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ وَقَلَّ مَا كَانَ يُفْطِرُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ - (ترمذی مع شمائل ص۱۵۹)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت قاسم بن دینار کوفی نے بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے عبداللہ بن موسیٰ اور طلق بن غنام (الکوفی مات سالاھ) نے بیان کیا۔ انھوں نے یہ روایت شیبان سے اور انھوں نے عاصم سے سُنی انھوں نے یہ روایت زرؓ[1] سے نقل کی اور انھوں نے صحابی رسول حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر ماہ کی ابتداء میں تین دن کے روزے رکھا کرتے تھے اور بہت کم ایسا موقع آتا تھا کہ آپ نے جمعہ کے دن کا روزہ نہ رکھا ہو۔"

تشریح: غُرّہ کا معنیٰ ابتدائی حصّہ ہوتا ہے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا معمول تھا کہ ہر ماہ کے شروع میں تین روزے رکھتے تھے بعض روایات میں مہینے کے وسط اور آخر کا ذکر بھی آتا ہے۔ آپ نفلی عبادت میں عام طور پر کمی بیشی اور آگے پیچھے بھی کرتے رہتے تھے کیونکہ کوئی نفلی عبادت مستقل طور پر کرنے سے اُمّت کے لیے دشواریاں پیدا ہو سکتی تھیں۔

---

[1] ابو مریم الاسدی، المتوفی ۸۲ھ عاش مائۃ وعشرین سنۃ ۔ (فیاض)

درس - ۴۴　　　　حدیث - ۷

حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا اَبُوْدَاوُدَ اَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ يَزِيْدَ الرِّشْكِ قَالَ سَمِعْتُ مُعَاذَةَ قَالَتْ قُلْتُ لِعَائِشَةَ اَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ مِّنْ كُلِّ شَهْرٍ قَالَتْ نَعَمْ قُلْتُ مِنْ اَيِّهٖ كَانَ يَصُوْمُ قَالَتْ كَانَ لَا يُبَالِيْ مِنْ اَيِّهٖ صَامَ ـــــ قَالَ اَبُوْعِيْسٰى وَيَزِيْدُ الرِّشْكُ هُوَ يَزِيْدُ الضُّبَعِيُّ الْبَصْرِيُّ وَهُوَ ثِقَةٌ رَوٰى عَنْهُ شُعْبَةُ وَعَبْدُ الْوَارِثِ بْنُ سَعِيْدٍ وَحَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ وَاِسْمٰعِيْلُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ وَغَيْرُ وَاحِدٍ مِّنَ الْاَئِمَّةِ وَهُوَ يَزِيْدُ الْقَاسِمُ وَيُقَالُ الْقَسَّامُ وَالرِّشْكُ بِلُغَةِ اَهْلِ الْبَصْرَةِ هُوَ الْقَسَّامُ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۹۱)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت محمود بن غیلان نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے ابوداؤد نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس خبر دی شعبہ نے یزید رشک کے واسطہ سے۔ وہ کہتے ہیں کہ مَیں نے معاذۃ کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ مَیں نے امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے پوچھا، کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر ماہ تین نفلی روزے رکھا کرتے تھے؟ انھوں نے جواب دیا، ہاں۔ مَیں نے پھر عرض کیا کہ نبی علیہ السّلام یہ ہر ماہ کے کس حصّے میں روزے رکھتے تھے؟ فرمایا حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اس بات کی پرواہ نہیں کرتے تھے کہ مہینے کے کون سے حصّے میں روزے رکھے جائیں۔

امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ اور یزید رشک وہی یزید ضبعی بصری ہے جو کہ ثقہ راوی ہے۔ اس سے شعبہؒ، عبدالوارث بن سعید، حماد بن یزید اسمٰعیل بن ابراہیم اور بہت سے دوسرے ائمہ نے بھی روایات نقل کی ہیں۔ اسی کو یزید قاسم اور قسام بھی کہا جاتا ہے۔ اہلِ بصرۃ کی لغت میں رشک سے مراد قسام ہے۔"

تشریح اس روایت میں بھی امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ نے معاذہؒ کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام ہر ماہ تین روزے (یا کم وبیش) رکھتے تھے مگر ان کے لیے کوئی خاص ایام مقرر نہیں تھے۔ لہٰذا آپ اپنی سہولت کے مطابق کبھی مہینہ کے پہلے حصے میں، کبھی درمیانہ حصے میں اور کبھی آخری حصہ میں روزے رکھتے۔ دوسری روایات میں مختلف دنوں کے روزے رکھنے کا ذکر بھی ہو چکا ہے غرضیکہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نفلی عبادات مختلف ایام اور مختلف اوقات میں بدل بدل کر کیا کرتے تھے جس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ نفلی عبادت اُمّت پر بوجھ نہ بن جائے۔

امام ترمذیؒ نے اس روایت کے ایک راوی یزید رشک کا مختصر تعارف بھی کرایا ہے کہ اس کو رشک کیوں کہا جاتا تھا۔ اس کا مفصّل تعارف میں نے اس سے منقول باب کی پہلی حدیث میں کرا دیا تھا کہ یہ شخص ثقہ راوی تھا۔ بڑا باغیرت آدمی تھا۔ رشک کا ایک معنیٰ تقسیم کرنے والا بھی ہوتا ہے چونکہ یہ بیت المال کا مال تقسیم کرنے پر مامور تھا، اس لیے اس کو رشک کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس کی گھنی داڑھی میں بچھو کے گھس جانے کا واقعہ بھی پیش آیا، اس وجہ سے بھی یہ رشک کے نام سے مشہور ہو گیا تھا۔

حَدَّثَنَا اَبُوحَفْصٍ عَمْرُوبْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دَاوٗدَ عَنْ ثَوْرِبْنِ يَزِيْدَ عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ عَنْ رَبِيْعَةَ الْجُرَشِيِّ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَحَرّٰى صَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيْسِ ۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۹۲)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث ابوحفص عمرو بن علی نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے عبداللہ بن داؤد نے ثور بن یزید سے روایت کرکے بیان کیا۔ انھوں نے یہ روایت خالد بن معدان سے اور انھوں نے ربیعہ جرشیؒ[1] سے روایت کی۔ وہ امّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیر اور جمعرات کے روزے کا خصوصی اہتمام فرمایا کرتے تھے۔"

تشریح مختلف روایات میں مختلف ایام اور مختلف مہینوں میں روزے رکھنے کا ذکر آیا ہے تاہم حتمی بات یہی ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام جان بوجھ کر کسی نفلی عبادت پر بالکل مداومت اور یکسانیت اختیار نہیں فرمایا کرتے تھے بلکہ ایسے اعمال میں بالعموم تھوڑی بہت تبدیلی کرلیا کرتے تھے۔ گزشتہ روایت میں جمعہ کے روزہ کی ترجیح کا بیان آیا ہے تو اس روایت میں جمعرات اور پیر کے روزے کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔

---

[1] جرشں یمن میں ایک جگہ کا نام ہے۔ (فیاض)

درس ۴۴ - حدیث - ۹

حَدَّثَنَا اَبُوْ مُصْعَبٍ الْمَدِيْنِيُّ عَنْ مَالِكِ بْنِ اَنَسٍ عَنْ اَبِي النَّضْرِ عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ فِيْ شَهْرٍ اَكْثَرَ مِنْ صِيَامِهٖ فِيْ شَعْبَانَ۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۹۲)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت ابومصعب[1] مدینی نے بیان کی۔ انھوں نے یہ روایت مالک بن انس سے ابی نضر کے حوالہ سے روایت کی، انھوں نے یہ روایت ابی سلمۃ بن عبداللہ سے نقل کی اور انھوں نے امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے روایت کی وہ کہتی ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نفلی روزے شعبان سے زیادہ کسی دوسرے مہینہ میں نہیں رکھتے تھے۔"

تشریح: تقریباً یہی مضمون حدیث ۵ میں بھی گزر چکا ہے مطلب یہ ہے کہ آپ کا نفلی عبادات سے متعلق کوئی مستقل معمول تو نہیں تھا، آپ ہر ماہ کچھ دن روزے ضرور رکھتے تھے، تاہم ایک بات مسلّم ہے کہ رمضان کے مہینہ کے علاوہ آپ سب سے زیادہ روزے (نفلی) شعبان کے مہینہ میں رکھا کرتے تھے۔

---

[1] وفی نسخۃ المدنی هو عبد السلام بن حفص اللیثی او السلمی۔ (لمیاض)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى حَدَّثَنَا اَبُوْعَاصِمٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ رِفَاعَةَ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ اَبِيْ صَالِحٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تُعْرَضُ الْاَعْمَالُ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيْسِ فَاُحِبُّ اَنْ يُّعْرَضَ عَمَلِيْ وَاَنَا صَائِمٌ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۹۲)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث محمد بن یحییٰ نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے ابو عاصم نے محمد بن رفاعہ سے روایت کرکے بیان کی۔ انھوں نے یہ روایت سہیل بن ابی صالح سے ان کے باپ کے حوالہ سے بیان کی، اور انھوں نے اسے صحابی رسول ابو ہریرہؓ سے نقل کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پیر اور جمعرات کے روز اعمال بارگاہ رب العزّت میں پیش کیے جاتے ہیں اور میری خواہش ہوتی ہے کہ میرے اعمال ایسی حالت میں خدا کے ہاں پیش ہوں جب کہ میں روزے سے ہوں۔"

تشریح: گزشتہ روایت میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی طرف سے پیر اور جمعرات کے روزے کے خصوصی اہتمام کا ذکر امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ کی زبان سے ہو چکا ہے۔ اب ابو ہریرۃؓ کی اس روایت میں اس کی وجہ بھی بیان کر دی گئی ہے کہ ان ایّام میں بندوں کے اعمال اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوتے ہیں اور نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خواہش ہوتی تھی کہ آپ کے اعمال روزے کی حالت میں پیش ہوں۔ مسند احمد کی روایت میں یہ توجیہہ بھی بیان کی گئی ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا کہ میں پیر کا روزہ اس لیے رکھتا ہوں کہ ایک تو میری ولادت اسی دن ہوئی، دوسرا یہ کہ وحی بھی اسی

دن نازل ہونا شروع ہوئی۔ پھر اتفاق ایسا ہوا کہ آپ کی وفات کا دن بھی یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر کرنے کا یہ بھی ایک انداز ہے کہ جس دن اللہ تعالیٰ کا کوئی انعام ملا ہے، اس دن روزہ رکھا جائے۔ اب ہمارا بھی برتھ ڈے منانے کا اپنا طریقہ ہے کہیں کیک کاٹے جاتے ہیں اور کہیں دوسری فضولیات انجام دیتے ہیں۔ بھائی! اگر اللہ توفیق دے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی ولادت والے دن آپ کی سنّت کے مطابق روزہ ہی رکھ لو تو بہتر ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی اس عظیم نعمت پر اس کا شکر ادا کیا جا سکے مگر آپ کو تو جھنڈیاں لگانے، قمقمے جلانے، پہاڑیاں بنانے، غزلیں گانے اور خورد و نوش کا سامان کرنے سے ہی فرصت نہیں۔ اللہ کے نبی نے تو اپنی ولادت کے دن روزہ رکھنے کو ترجیح دی مگر تم عیش و عشرت کر کے مغربی اقوام کی طرح ڈے منا رہے ہو، آخر یہ کہاں کی دین داری اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے محبت کا کیسا ثبوت ہے؟

احادیث میں عرضِ اعمال کے کئی مواقع بیان کیے گئے ہیں۔ بندوں کے اعمال کی سالانہ رپورٹ پندرہ شعبان کو اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوتی ہے۔ اس روایت میں ہفتہ وار پیشی کا ذکر ہے، یہ بھی درست ہے۔ اس کے علاوہ روزانہ صبح و شام کے وقت بھی لوگوں کے اعمال فرشتے بارگاہِ ربّ العزّت میں پیش کرتے ہیں۔ رات کے فرشتے صبح کی نماز کے وقت اور دن کے فرشتے عصر کے وقت لوگوں کے اعمال لے کر اوپر جاتے ہیں[1]۔ اللہ تعالیٰ

---

[1] بظاہر ان احادیث میں تعارض معلوم ہوتا ہے جس کا جواب محدّثین کرام یہ دیتے ہیں کہ جن روایات میں صبح و شام اعمال کی پیشی کا تذکرہ ہے اس سے مراد قدرے تفصیلی رپورٹ ہے اور جن روایات میں ہفتہ وار پیشی کا ذکر ہے اس سے مراد ہفتہ وار اجمالی رپورٹ ہے اور پندرہ شعبان اور لیلۃ القدر میں پیشی سے مراد سالانہ اجمالی رپورٹ ہے اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے اعمال کو ملائکہ کے سامنے بطور تفاخر اور شرف بار بار پیش کرتے ہیں تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ انھوں نے انسان کی پیدائش کے وقت اس کی مخالفت کی تھی۔ حالانکہ ان میں نیک اعمال انجام دینے والے لوگ بھی ہیں ورنہ اللہ تعالیٰ کو تو ہر انسان کے ہر عمل کا ہر وقت بخوبی علم ہے۔ (فیاض)

نے یہ سارا نظام قائم کر دیا ہے۔ اس وقت تو ہمیں ایسی باتوں کا احساس نہیں ہوتا، ان کا علم تو جزائے عمل کے وقت ہوگا جب ہر چیز پورے طریقے سے سامنے آئے گی۔ اب تو انسانوں نے غفلت کا کلوروفارم سونگھ رکھا ہے، جونہی یہ نشہ اُترے گا، ہر چیز عیاں ہو جائے گی اور اُس وقت انسان کفِ افسوس مَلے گا مگر اُس وقت کا افسوس کرنا کسی کام نہ آئے گا۔

باب ۔ ۴۳

درس ۔ ۴۴

حدیث ۔ ۱۱

حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا اَبُوْ اَحْمَدَ وَ مُعَاوِيَةُ بْنُ هِشَامٍ قَالَا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ خَيْثَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ مِنَ الشَّهْرِ السَّبْتَ وَالْاَحَدَ وَالْاِثْنَيْنِ وَمِنَ الشَّهْرِ الْاٰخَرِ الثَّلَاثَاءَ وَالْاَرْبِعَاءَ وَالْخَمِيْسَ ۔

(ترمذی مع شمائل صـ۵۹۲)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث محمود بن غیلان نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے ابو احمد اور معاویہ بن ہشام نے بیان کی وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت سفیان نے بحوالہ منصور بیان کی۔ انھوں نے یہ روایت خیثمہ سے روایت کی۔ اور انھوں نے امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے نقل کی۔ وہ کہتی ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی ماہ میں ہفتہ، اتوار اور پیر کا روزہ رکھتے، اور پھر دوسرے ماہ میں منگل، بدھ اور جمعرات کا روزہ رکھتے "

تشریح: حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا یہ عمل بھی اُسی اُصول کے تحت ہے کہ نفلی عبادات میں تواتر اور یکسانیت سے بچنا چاہیے کیونکہ اُمّت کی مصلحت اسی میں ہے۔ چنانچہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی عادتِ مبارکہ تھی کہ اگر کسی مہینہ میں ہفتہ، اتوار اور پیر کا روزہ رکھا ہے تو اگلے ماہ منگل، بدھ، جمعرات کا روزہ رکھ لیتے۔ اسی طرح عمل میں تھوڑی بہت تبدیلی آتی رہتی۔

درس ۔ ۴۴　　　　حدیث ۔ ۱۲

حَدَّثَنَا هَارُوْنُ بْنُ إِسْحٰقَ الْهَمْدَانِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ عَاشُوْرَاءُ يَوْمًا يَصُوْمُهُ قُرَيْشٌ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُهُ فَلَمَّا قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ صَامَهُ وَأَمَرَ بِصِيَامِهِ فَلَمَّا افْتُرِضَ رَمَضَانُ كَانَ رَمَضَانُ هُوَ الْفَرِيْضَةُ وَتُرِكَ عَاشُوْرَاءُ فَمَنْ شَاءَ صَامَهُ وَمَنْ شَاءَ تَرَكَهُ ۔　　(ترمذی مع شمائل صفحہ ۵۹۲)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت ہارون بن اسحٰق ہمدانی نے بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت عبدۃ بن سلیمان نے ہشام بن عروۃ کے واسطہ سے بیان کی۔ انھوں نے یہ روایت اپنے باپ سے اور انھوں نے امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے نقل کی ۔ وہ کہتی ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں قریش عاشورہ (دسویں محرم) کا روزہ رکھا کرتے تھے اور خود حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام بھی اس دن کا روزہ رکھتے تھے ۔ پھر جب آپ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آ گئے تو وہاں بھی یہ روزہ رکھا، اور لوگوں کو بھی اس کے رکھنے کا حکم دیا۔ پھر جب ماہِ رمضان کے روزے فرض ہو گئے تو عاشورہ کے روزہ کی فرضیت ختم کر دی گئی ۔ اب جس کا جی چاہے عاشورہ کا روزہ رکھے اور جس کا جی چاہے نہ رکھے ۔"

عاشورہ کا روزہ اور اس دن پیش آمدہ واقعات

اب صورتحال یہ ہے کہ عاشورہ کے روزہ کی فرضیت تو باقی نہیں رہی لہٰذا حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا کہ اس روزہ کی حیثیت نفلی ہے۔ لہٰذا جو آدمی رکھّے گا ثواب کا مستحق ہوگا اور جو نہ رکھنا چاہے اس پر کوئی گناہ نہیں۔

دسویں محرم[1] کی فضیلت میں بہت سی روایات آئی ہیں۔ اس دن بڑے بڑے تاریخی واقعات پیش آئے۔ چنانچہ مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ عاشورہ کا روزہ رکھنے سے اللہ تعالیٰ ایک سال کے گناہ معاف فرما دیتا ہے چنانچہ اس دن کی فضیلت کی وجہ سے قریش مکّہ اس دن کا روزہ رکھتے تھے جب آپ مدینہ طیبہ آگئے تو دیکھا کہ یہودی بھی یہ روزہ رکھتے ہیں۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ تم یہ روزہ کیوں رکھتے ہو ؟ تو کہنے لگے کہ اس روز اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السّلام کو فرعون سے نجات دلائی تھی، لہٰذا ہم شکر ادا کرنے کے طور پر یہ روزہ رکھتے ہیں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السّلام کے اتباع کے تم سے زیادہ ہم مستحق ہیں، لہٰذا اہلِ ایمان رمضان کے روزوں کی فرضیت (۲ھ میں) نازل ہونے تک عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے۔ پھر آپ نے آخر زمانہ میں فرمایا کہ اس معاملہ میں یہود کی مخالفت بھی ضروری ہے لہٰذا اب صرف دسویں محرم کی بجائے نویں، دسویں یا دسویں، گیارھویں محرم کا روزہ رکھا کرو۔

---

[1] اس دن حضرت نوحؑ کی کشتی جودی پہاڑ پر ٹکی اور نوحؑ نے شکرانے کا روزہ رکھا۔ موسیٰؑ کے لاٹھی مارنے سے بحر قلزم پھٹ گیا اور فرعون غرق ہوا اور موسیٰؑ کو اس سے نجات مل گئی۔ یونسؑ مچھلی کے پیٹ سے باہر نکلے اور آدمؑ کی دعا قبول ہوئی۔ یوسفؑ کنویں سے باہر نکالے گئے اور عیسیٰؑ اس دن پیدا ہوئے اور اسی دن آسمان پر اٹھائے گئے۔ داؤدؑ کی دعا قبول ہوئی۔ ابراہیمؑ پیدا ہوئے یعقوبؑ کی بینائی لوٹی، ایوبؑ کو صحت نصیب ہوئی، سلیمانؑ کو ملک عطا ہوا، یونسؑ کی قوم کو معافی ملی اور خاتم النبیینؐ کی اوّل و آخر تمام لغزشیں معاف کر دی گئیں۔ (فیض)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَةَ اَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخُصُّ مِنَ الْاَيَّامِ شَيْئًا قَالَتْ كَانَ عَمَلُهٗ دِيْمَةً وَاَيُّكُمْ يُطِيْقُ مَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُطِيْقُ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۹۲)

ترجمہ :۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث محمد بن بشار نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے عبدالرحمٰن بن مھدی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت سفیان نے منصور کے ذریعہ سے بیان کی۔ انھوں نے یہ روایت ابراہیم سے روایت کی جنھوں نے اسے علقمۃ سے نقل کیا۔ علقمہ کہتے ہیں کہ میں نے امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے پوچھا، کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادات کے لیے بعض ایام کو مخصوص کر رکھا تھا؟ انھوں نے جواب دیا کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے اعمال دائمی یعنی مسلسل ہوتے تھے (مخصوص نہیں ہوتے تھے) اور تم میں سے کون طاقت رکھتا ہے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال کے مطابق اعمال انجام دے سکے؟"

تشریح | پہلی احادیث میں بھی بیان ہو چکا ہے کہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام بالعموم نفلی عبادات مخصوص ایام یا مخصوص اوقات میں مخصوص مقدار کے ساتھ ادا نہیں کیا کرتے تھے بلکہ آپ کی خواہش یہ ہوتی تھی کہ ایسی عبادت کے لیے کوئی شخص اپنے آپ کو مشقت میں نہ ڈالے بلکہ حسبِ استطاعت جس قدر عبادت کسی کو میسّر ہو

کر لیا کرے۔ اس روایت میں بھی امّ المؤمنین رضؓ نے یہی وضاحت کی ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی نفلی عبادات بعض ایام کے لیے مخصوص نہیں تھیں۔ بلکہ آپ ان کی ادائیگی کے لیے ایام اور اوقات میں تبدیلی کرتے رہتے تھے۔ البتہ اس روایت میں امّ المؤمنین نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی نفلی عبادت کی کثرت کی طرف اشارہ کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ آپ ہی کا حصہ تھا کہ آپ لمبا قیام کرتے تھے اور بہت زیادہ روزے رکھتے تھے مگر امّت کے لوگوں میں اتنی طاقت کہاں ہے کہ وہ اس معاملہ میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا مکمل اتباع کر سکیں۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ۔

حَدَّثَنَا هَارُوْنُ بْنُ اِسْحٰقَ اَخْبَرَنَا عَبْدَةُ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعِنْدِيْ اِمْرَأَةٌ فَقَالَ مَنْ هٰذِهٖ قُلْتُ فُلَانَةُ لَا تَنَامُ اللَّيْلَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْاَعْمَالِ مَا تُطِيْقُوْنَ فَوَاللّٰهِ لَا يَمَلُّ حَتّٰى تَمَلُّوْا وَكَانَ اَحَبُّ ذٰلِكَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِيْ يَدُوْمُ عَلَيْهِ صَاحِبُهٗ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۹۲)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت ہارون بن اسحٰق نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس خبر دی عبدۃ نے ہشام بن عروۃ سے جنھوں نے اسے اپنے باپ سے نقل کیا۔ انھوں نے یہ روایت امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے روایت کی۔ امّ المؤمنین فرماتی ہیں کہ ایک روز حضور نبی کریم میرے پاس تشریف لائے جب کہ میرے پاس ایک عورت[1] بیٹھی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ یہ کون عورت ہے؟ میں نے عرض کیا، یہ فلاں عورت ہے جو رات بھر (قیام کرتی ہے اور) سوتی نہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، صرف انھی اعمال کو لازم پکڑو جن کی انجام دہی کی تم استطاعت رکھتے

---

[1] ان کا نام حولاءؓ بنت تویت تھا۔ (فیاض)

ہو۔ اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ ثواب عطا کرنے میں دلگیر نہیں ہوتا
یہاں تک کہ تم اعمالِ صالحہ انجام دینے میں دلگیر ہو جاؤ۔
امّ المؤمنین نے مزید فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وہی
عمل زیادہ پسند تھا جس کو کوئی شخص نباہ سکے۔"

تشریح اس حدیث میں کسی ایسی عبادت کو پسند نہیں کیا گیا جو کوئی شخص طاقت سے زیادہ مشقت برداشت کر کے انجام دے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا فرمان ہے کہ آدمی کی خلوص کے ساتھ ادا کی گئی تھوڑی عبادت بھی اللہ کے ہاں قبولیت کا درجہ پاتی ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے کسی عمل کا اجر و ثواب عطا کرنے سے تنگ دل نہیں ہوتا جب تک کہ خود بندہ عمل کرنے سے تنگ دل نہ ہو جائے۔ ایسا نہ ہو کہ آغاز میں تو کوئی شخص بہت زیادہ عبادت کرنا شروع کر دے مگر پھر تھک ہار کر بالکل ہی چھوڑ دے۔ ہر کام میں اعتدال اور مداومت کا عنصر غالب ہونا چاہیے تاکہ تم عبادت کے ساتھ ساتھ اُمور دنیا بھی احسن طریقے سے انجام دے سکو۔

حَدَّثَنَا اَبُوْ هِشَامٍ مُحَمَّدُ بْنُ يَزِيْدَ الرِّفَاعِيُّ
حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَبِيْ صَالِحٍ
قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَةَ وَاُمَّ سَلَمَةَ اَيُّ الْعَمَلِ كَانَ
اَحَبُّ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
قَالَتَا مَا دِيْمَ عَلَيْهِ وَاِنْ قَلَّ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۹۲)

ترجمہ :" امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث ہمارے پاس ابو ہشام محمد بن یزید رفاعی نے بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے ابنِ فضیل نے اعمش کے حوالہ سے بیان کیا انھوں نے یہ روایت ابو صالح سے نقل کی جو کہتے ہیں کہ مَیں نے امہاتُ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ اور اُمِّ سلمہؓ سے دریافت کیا کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو کون سا عمل زیادہ محبوب تھا ، تو اُن دونوں نے بتلایا کہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام ایسے عمل کو پسند فرماتے تھے جس پر مداومت اختیار کی جائے ، اگرچہ وہ کم ہی کیوں نہ ہو "

تشریح جیسا کہ گزشتہ روایت کی تشریح میں مَیں نے عرض کیا ، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم ہمیشہ ایسے نیک عمل کو پسند فرماتے تھے جس پر حتی الامکان ہمیشگی اختیار کی جائے خواہ اس عمل کی مقدار کم ہی کیوں نہ ہو ۔ کچھ وقت کے لیے کوئی عمل بہت زیادہ مقدار میں انجام دے دیا اور پھر وہ بالکل ہی رہ جائے ، یہ درست نہیں ہے ۔ ساری رات نفل تو پڑھ لے مگر صبح کی نماز ہی رہ گئی تو ان نوافل کا کیا فائدہ ؟ اسی طرح سال بھر میں نفلی روزے تو زیادہ سے زیادہ رکھے مگر رمضان کے فرض روزے چھوٹ گئے تو کچھ فائدہ نہ ہوا ۔

باب - ۴۳

درس - ۴۴

حدیث - ۱۲

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اِسْمٰعِیْلَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنِیْ مُعَاوِیَةُ بْنُ صَالِحٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ قَیْسٍ اَنَّهٗ سَمِعَ عَاصِمَ بْنَ حُمَیْدٍ قَالَ سَمِعْتُ عَوْفَ بْنَ مَالِكٍ یَقُوْلُ كُنْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَیْلَةً فَاسْتَاكَ ثُمَّ تَوَضَّأَ ثُمَّ قَامَ یُصَلِّیْ فَقُمْتُ مَعَهٗ فَبَدَأَ فَاسْتَفْتَحَ الْبَقَرَةَ فَلَا یَمُرُّ بِاٰیَةِ رَحْمَةٍ اِلَّا وَقَفَ فَسَأَلَ وَلَا یَمُرُّ بِاٰیَةِ عَذَابٍ اِلَّا وَقَفَ فَتَعَوَّذَ ثُمَّ رَكَعَ فَمَكَثَ رَاكِعًا بِقَدْرِ قِیَامِهٖ وَیَقُوْلُ فِیْ رُكُوْعِهٖ سُبْحَانَ ذِی الْجَبَرُوْتِ وَالْمَلَكُوْتِ وَالْكِبْرِیَاءِ وَالْعَظَمَةِ ثُمَّ سَجَدَ بِقَدْرِ رُكُوْعِهٖ وَیَقُوْلُ فِیْ سُجُوْدِهٖ سُبْحَانَ ذِی الْجَبَرُوْتِ وَالْمَلَكُوْتِ وَالْكِبْرِیَاءِ وَالْعَظَمَةِ ثُمَّ قَرَأَ اٰلَ عِمْرَانَ ثُمَّ سُوْرَةً سُوْرَةً یَفْعَلُ مِثْلَ ذٰلِكَ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۹۲)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث محمد بن اسمٰعیل نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے عبداللہ[۱] بن صالح نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے سامنے یہ روایت معاویہ بن صالح نے عمرو بن قیس کے حوالہ سے بیان کی وہ کہتے ہیں کہ میں نے عاصم بن حمید (السکونی الحمصی) سے سُنا کہ انھوں نے کہا کہ میں نے عوف[۲] بن مالکؓ کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ رات میں حضور

---

۱ ابن محمد بن مسلم الجہنی ابوصالح المصری المتوفی ۲۲۳ھ عمرہ ۸۶ سنۃ۔

۲ الاشجعی [illegible] (فاضل)

صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ آپ نے مسواک کیا، پھر وضو فرمایا، پھر آپ نماز کے لیے کھڑے ہوگئے۔ پس میں بھی آپ کے ساتھ کھڑا ہوگیا۔ آپ نے نماز کا آغاز کیا اور سورۃ البقرۃ تلاوت فرمائی۔ آپ جس آیتِ رحمت پر گزرتے وقفہ فرماتے اور اللہ تعالیٰ سے رحمت کا سوال کرتے اور جس آیتِ عذاب پر گزرتے، وقفہ فرماتے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے پناہ مانگتے۔ پھر آپ نے رکوع فرمایا، اور اپنے قیام کے بقدر رکوع فرمایا آپ رکوع میں کہتے رہے، سُبْحَانَ ذِی الْجَبَرُوْتِ وَالْمَلَكُوْتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ پھر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے رکوع کے برابر سجدہ کیا، اور سجدے میں کہتے رہے سُبْحَانَ ذِی الْجَبَرُوْتِ وَالْمَلَكُوْتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ پھر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے سورۃ آل عمران تلاوت فرمائی، اور پھر (ہر رکعت میں) ایسی ہی ایک ایک سورت تلاوت فرماتے رہے۔"

تشریح اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کتنی لمبی نفل نماز پڑھتے تھے۔ اسی لیے تو امّ المؤمنینؓ کا بیان ہے کہ آپ کے پاؤں متورم ہوجاتے تھے۔ دورانِ تلاوت جب اللہ کے نبی، اللہ کی رحمت والی کوئی آیت پڑھتے تو رُک کر اللہ سے رحمت کا سوال کرتے اور جب کوئی عذاب والی آیت تلاوت فرماتے تو رُک کر عذابِ الٰہی سے پناہ مانگتے اور پھر آگے تلاوت شروع کردیتے۔

(بظاہر اس حدیث کو ترجمۃ الباب سے کوئی مناسبت نہیں ہے محدثین کرام فرماتے ہیں کہ بعض نسخوں میں چونکہ تطوع، صوم وغیرہ کا مستقل باب نہیں باندھا گیا بلکہ یہ تمام روایتیں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی عبادت کے ذیل میں امام ترمذیؒ لائے ہیں اس لیے کوئی اشکال والی بات نہیں ہے۔ فیاض)

(۴۴) بَابُ مَا جَاءَ فِي قِرَاءَةِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

ترجمہ: "باب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی قرارت کے بیان میں"

اس باب میں امام ترمذیؒ نے وہ احادیث جمع کی ہیں جن سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرارت یعنی تلاوتِ قرآنِ حکیم کے متعلق معلومات حاصل ہوتی ہیں کہ آپ قرآن خوانی کیسے کرتے تھے۔ کیا آپ ترتیل و تجوید کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے تھے۔ مد و جزم کا لحاظ رکھتے تھے یا تیز تیز تلاوت فرماتے تھے۔

یاد رہے کہ قرآن مجید کی تلاوت سے متعلق صحیح تلفّظ، قرارت ہے مگر عام طور پر لوگ قرات کہتے ہیں جو کہ درست نہیں ہے لہٰذا اس کو ہمیشہ قرارت کہنا چاہیے۔

اس باب میں امام ترمذیؒ نے آٹھ احادیث جمع کی ہیں۔

شمائل ترمذی

باب - ۴۴

درس - ۴۵

حدیث - ۱

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ بْنُ شِهَابٍ عَنِ ابْنِ اَبِیْ مُلَيْكَةَ عَنْ يُعْلَى بْنِ مَمْلَكٍ اَنَّهٗ سَاَلَ اُمَّ سَلَمَةَ عَنْ قِرَاءَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا هِيَ تَنْعَتُ قِرَاءَةً مُفَسَّرَةً حَرْفًا حَرْفًا۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۹۲)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث قتیبہ بن سعید نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس لیث بن شہاب نے ابن ابی ملیکہ سے سن کر بیان کی۔ انھوں نے یہ روایت

یعلیٰ بن مملک سے نقل کی کہ انھوں نے امّ المؤمنین امّ سلمہؓ سے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی قرارت سے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے بیان کیا کہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی قرارت بڑی واضح ہوتی تھی جس کا ایک ایک حرف الگ الگ اور واضح ہوتا تھا۔"

تشریح حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی قرارت بالکل واضح ہوتی تھی جس کا ایک ایک حرف اور ایک ایک لفظ، اور ایک ایک جملہ صاف طور پر سمجھ میں آتا تھا۔ اس کو آپ تجوید کے ساتھ قرارت بھی کہہ سکتے ہیں۔ مطلب یہ کہ آپ تیز تیز نہیں پڑھتے تھے بلکہ ترتیل کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر تلاوت فرماتے تھے جس سے سننے والا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ آگے مزید تفصیلات بھی آرہی ہیں۔

درس - ۴۵
حدیث - ۲

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيْرِ
بْنِ حَازِمٍ حَدَّثَنَا اَبِیْ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ قُلْتُ لِاَنَسِ بْنِ
مَالِكٍ كَيْفَ كَانَ قِرَاءَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ قَالَ مَدًّا ۔ (ترمذی مع شمائل صـ۵۹۲)

ترجمہ:" امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت محمد بن بشار نے بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے وہب بن جریر بن حازم نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت میرے باپ نے قتادہ کے حوالہ سے بیان کی ۔ حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ میں نے صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرارت کیسی ہوتی تھی تو انھوں نے بتایا کہ آپ قرارت لمبی کرکے پڑھتے تھے ۔"

تشریح: مدّ یعنی کھینچ کر یا لمبا کرکے پڑھنے کا یہ مطلب نہیں کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام ہر لفظ یا جملہ لمبا کرکے پڑھتے تھے بلکہ فنِ تجوید کے مطابق جہاں کھینچ کر پڑھنے کی ضرورت ہو جیسے حرفِ مدا کو یا وقف کرتے وقت آپ حروف کو کھینچ کر پڑھتے تھے جیسے مَآبٍ یا یَعْلَمُوْنَ ○ وغیرہ ۔ بہرحال قانونِ تجوید کے مطابق آپ کسی حرف کو لمبا، کسی کو تخفیف کے ساتھ، اور کوئی حرف جہر سے اور کوئی اخفا کے ساتھ ادا فرماتے۔

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الْأُمَوِيُّ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَطِّعُ قِرَاءَتَهُ يَقُولُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ ثُمَّ يَقِفُ ثُمَّ يَقُوْلُ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ ثُمَّ يَقِفُ وَكَانَ يَقْرَأُ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ○ (ترمذی مع شمائل ص۵۹۲)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت علی بن حجر نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے یحییٰ بن سعید اموی نے ابن جریج کے حوالہ سے بیان کیا۔ انھوں نے یہ روایت ابن ابی ملیکہ سے امّ المؤمنین امِّ سلمہؓ سے نقل کی۔ امّ المؤمنین کہتی ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تقطیع کے ساتھ تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ آپ پڑھتے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ○ پھر آپ وقفہ کرتے اور پھر پڑھتے اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام پھر وقفہ کرتے اور کہتے مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ○"

تشریح تقطیع کا مطلب یہ ہے کہ ہر آیت یا مقام وقف پر ٹھہرتے۔ اور پھر اگلی آیت تلاوت فرماتے جس سے ہر ہر لفظ اور آیت بالکل جدا جدا اور واضح واضح نظر آتی۔ روادوی میں پڑھنا بھی درست ہے مگر حضورؐ کا طریقہ تلاوت بہترین تھا۔ ہمارے شیخ مدنیؒ بھی اگرچہ قاری تو نہیں تھے مگر بالعموم عربی لہجے میں تلاوت کرتے اور نماز میں سورۃ الفاتحہ اس روایت میں مذکور طریقہ کے مطابق ہی ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ صَالِحٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَيْسٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ قِرَاءَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكَانَ يُسِرُّ بِالْقِرَاءَةِ أَمْ يَجْهَرُ قَالَتْ كُلُّ ذٰلِكَ قَدْ كَانَ يَفْعَلُ رُبَّمَا أَسَرَّ وَرُبَّمَا جَهَرَ قُلْتُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي جَعَلَ فِي الْأَمْرِ سَعَةً۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۹۲)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث قتیبہ بن سعید نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے لیث نے معاویہ بن صالح کے حوالہ سے بیان کیا۔ انھوں نے یہ روایت عبداللہ بن قیس سے نقل کی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے دریافت کیا کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام دورانِ نماز آہستہ آواز سے قرأت کرتے تھے یا بلند آواز سے۔ انھوں نے جواب دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دونوں طریقوں سے تلاوت فرماتے تھے۔ کبھی آپ اخفا یعنی آہستہ آواز سے اور کبھی جہر یعنی بلند آواز سے قرارت فرماتے۔ عبداللہ بن ابی قیس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے اس معاملہ میں وسعت رکھی ہے۔"

تشریح اس روایت میں جس قرارت کے متعلق پوچھا گیا، وہ رات کی نماز یعنی نماز تہجد ہے کہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام جب اکیلے نماز پڑھتے تھے تو آپ کی قرارت آہستہ ہوتی تھی یا بلند آواز کے ساتھ۔ تو امّ المؤمنین نے جواب دیا کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام موقع کی مناسبت سے بعض اوقات آہستہ آواز سے تلاوت

کرتے تھے اور بعض اوقات بلند آواز سے قرارت کرتے تھے۔ گویا اکیلے نماز پڑھنے والے کے لیے دونوں طرح جائز ہے، جس طرح چاہے وہ اپنے نشاط کے مطابق سری یا جہری قرارت کر سکتا ہے۔ البتہ یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ جہری قرارت کی وجہ سے کسی دوسرے آدمی کی عبادت میں خلل نہ آئے اور نہ ہی کوئی بیمار یا طالب علم اس سے متاثر ہو کر دقّت محسوس کرے۔

راوی حدیث نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ اس وسعت پر اس کا شکر ادا کیا۔ اگر کسی ایک قسم کی قرارت ہی لازمی ہوتی تو ممکن ہے اس میں نماز پڑھنے والے کو کوئی دقّت پیش آتی مگر اس کو کسی ایک طریقہ پر ضروری نہیں ٹھہرایا گیا۔ اگر نمازی کا دل چاہے کہ جہری تلاوت اس کے لیے مزید سرور کا باعث ہے تو بلند آواز سے پڑھ لے، اور اگر ایسا کرنا کسی کے لیے تکلیف کا باعث بن سکتا ہو، یا وہ خود بوجوہ بلند آواز سے قرارت کرنے میں دقّت محسوس کرے تو آہستہ آواز سے بھی پڑھ سکتا ہے۔

حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ عَنْ أَبِي الْعَلَاءِ الْعَبْدِيِّ عَنْ يَحْيَى بْنِ جَعْدَةَ عَنْ أُمِّ هَانِئٍ قَالَتْ كُنْتُ أَسْمَعُ قِرَاءَةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا عَلَى عَرِيْشِي۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۹۲)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس بیان کیا محمود بن غیلان نے، وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت وکیع نے اور ان کے پاس مسعر نے بیان کی۔ انھوں نے یہ روایت ابو العلاء عبدی[1] سے یحییٰ بن جعدة[2] سے نقل کی۔ اور انھوں نے امّ ہانیؓ سے روایت کی۔ وہ کہتی ہیں کہ مَیں حضور نبی کریم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی قرارت سُنتی تھی جب کہ مَیں اپنے مکان کی چھت پر ہوتی تھی"۔

تشریح امّ ہانیؓ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی چچا زاد بہن تھیں جن کا گھر خانہ کعبہ سے قریب تھا جب بیت اللہ شریف کے ارد گرد وسیع عمارت تعمیر کی گئی تو اسی گھر والی جگہ پر باب امّ ہانی بھی تعمیر کیا گیا۔ بعض اوقات نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام امّ ہانیؓ کے گھر میں ہی آرام کر لیا کرتے تھے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام رات کو بیت اللہ شریف میں بلند آواز سے قرارت کر کے نماز ادا فرماتے تھے تو امّ ہانیؓ آپ کی قرارت کی آواز اپنے گھر کی چھت پر سماعت کر یا کرتی تھیں، گویا آپ اس قدر جہر کے ساتھ قرارت فرماتے تھے۔ یہ بھی آپ کی تلاوتِ قرآن کا ایک انداز تھا۔

---

[1] اسمہ حلال بن الخباب، [2] ابن ھبیرہ بن ابی وھب المخزومی۔ (نیائی)

درس-۴۵　　　　حدیث - ۲

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا اَبُوْدَاؤُدَ اَنْبَانَا شُعْبَةُ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مُغَفَّلٍ يَقُوْلُ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى نَاقَتِهٖ يَوْمَ الْفَتْحِ وَهُوَ يَقْرَاُ : اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ - قَالَ فَقَرَاَ وَرَجَّعَ قَالَ وَقَالَ مُعَاوِيَةُ بْنُ قُرَّةَ لَوْلَا اَنْ يَّجْتَمِعَ النَّاسُ عَلَيَّ لَاَخَذْتُ لَكُمْ فِيْ ذٰلِكَ الصَّوْتِ اَوْقَالَ اللَّحْنِ -

(ترمذی مع شمائل ص۵۹۳)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث محمود بن غیلان نے بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے ابوداؤد نے بیان کیا اور ان کے پاس شعبۃ نے خبر دی معاویۃ بن قرۃ سے معاویۃ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن مغفلؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح مکہ کے دن اپنی اونٹنی پر سوار سورۃ الفتح کی آیات اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ پڑھتے ہوئے دیکھا ۔ راوی کہتا ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام یہ آیات ترجیع کے ساتھ تلاوت فرما رہے تھے ۔ معاویۃ بن قرۃ نے مزید کہا کہ اگر مجھے لوگوں کے جمع ہو جانے کا ڈر نہ ہو تو میں تمھیں اسی آواز یا کہا اسی لہجہ میں پڑھ کر سنا دیتا ۔"

تشریح جس دن مسلمانوں کا لشکر شہر مکہ میں فاتحانہ انداز میں داخل ہوا تو ان کی خوشی طبعی امر تھا کیونکہ جس شہر سے کافروں نے اہلِ ایمان کو ہجرت کر جانے پر مجبور کر دیا تھا، اسی شہر کو اللہ نے دار الاسلام بنا دیا اور کفار و مشرکین مغلوب ہو گئے۔ اس موقع پر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اپنی اونٹنی پر سوار سورۃ الفتح کی ابتدائی آیات ترجیع کے ساتھ تلاوت فرما رہے تھے۔ ترجیع کا معنیٰ کسی چیز کو لوٹا لوٹا کر پڑھنا ہے۔ چنانچہ آپ ہر آیت ایک دفعہ پڑھنے کے بعد اُسے دُہراتے اور پھر اگلی آیت پڑھتے۔ اس طرح گویا آپ فرطِ مسرت سے خوب مزے لے لے کر یہ آیات تلاوت فرما رہے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ حقیقی ترجیع نہیں تھی بلکہ جب آپ کی اونٹنی حرکت کرتی تھی تو یہ خود بخود ترجیع بن جاتی تھی۔

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ بعض روایات میں لَا یُرَجِّعُ کے الفاظ بھی آتے ہیں یعنی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام تلاوت کرتے وقت ترجیع نہیں فرماتے تھے مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ گانے کی طرز پر کسی جملے کو بار بار نہیں دہراتے تھے جیسا کہ قوالوں کا یا بعض دوسرے گویّوں کا طریقہ ہے بلکہ آپ قرارت کے طریقہ سے ترجیع فرماتے تھے نہ کہ گانے کی کسی طرز پر۔

اس روایت کے راوی معاویۃ بن قرہ کو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی تلاوت کا لہجہ خوب یاد تھا اور وہ خود اس طریقے سے تلاوت کر سکتے تھے ہم آج بھی دیکھتے ہیں کہ بعض لوگوں کو تقریر و تلاوت کی نقل کرنے میں بڑی مہارت حاصل ہوتی ہے چنانچہ راوی بھی حضور کے لہجے میں تلاوت کر سکتا تھا۔ اس نے کہا کہ اگر میں نے اس طریقے سے تلاوت شروع کر دی تو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا لہجہ سُن کر لوگ جمع ہو جائیں گے لہٰذا انھوں نے روایت بیان کرنے پر ہی اکتفا کیا۔

درس - ۴۵　　　　حدیث - ۷

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا نُوحُ بْنُ قَيْسٍ الْحُدَّانِيُّ عَنْ حُسَامِ بْنِ مِصَكٍّ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ مَا بَعَثَ اللّٰهُ نَبِيًّا إِلَّا حَسَنَ الْوَجْهِ حَسَنَ الصَّوْتِ وَكَانَ نَبِيُّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَسَنَ الْوَجْهِ وَحَسَنَ الصَّوْتِ وَكَانَ لَا يُرَجِّعُ ۔ (ترمذی مع شمائل صـ۵۹۳)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت قتیبہ ابن سعید نے بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے نوح بن قیس حدانی نے حسام[1] بن مصک کے حوالہ سے بیان کی ۔ اور انھوں نے یہ روایت حضرت قتادہؓ سے نقل کی کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو حسین صورت اور حسین آواز دے کر مبعوث فرمایا ہے اور تمھارے نبی آخر الزمان بھی حسین صورت اور حسین آواز والے ہی تھے ، اور آپ ترجیع نہیں فرماتے تھے ۔"

تشریح | اللہ کے سچّے نبی ہمیشہ خوبصورت چہرے اور رعب و دبدبہ والے ہی ہوئے ۔ اس کے برخلاف جھوٹے نبی میں یہ چیز نہیں پائی جاتی ۔ برصغیر میں مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا جو ہر لحاظ سے جھوٹا ثابت ہوا ۔ اس حدیث میں مذکورہ معیار پر بھی پورا نہیں ہوتا تھا کیونکہ ایک آنکھ سے کانا اور بدشکل تھا ۔ ہم نے مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کی ربع صدی تک تقاریر سُنی ہیں ، اُن کے بڑے بڑے جلسوں میں شرکت کی ہے وہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ بھیڑی بوتھی والا (بدشکل) آدمی نبوّت کا دعویٰ کیسے کرسکتا ہے ؟

اس روایت میں تمام انبیاء علیہم السّلام کی دوسری صفت یہ بیان کی گئی ہے

---

[1] الاسدی ابوسہل البصری ضعیف متروک ۔ (فیاض)

کہ وہ خوش الحان ہوتے ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السّلام کی خوش الحانی کا ذکر تو خود قرآن میں موجود ہے کہ جب آپ زبور کی تلاوت کرتے تھے تو ہواؤں میں اڑنے والے جانور اور پہاڑ بھی وجد میں آجاتے تھے۔ ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی آواز سب سے اچھی تھی حالانکہ آپ گانا نہیں گاتے تھے بلکہ قرآن پاک کی تلاوت کرتے تھے، اور ہم نے ایسی حسین آواز کسی اور کی نہیں سُنی۔

وَكَانَ لَا يُرَجِّعُ کا مطلب یہی ہے کہ آپ گانے والی ترجیع نہیں کرتے تھے کہ ایک مصرعہ کو بار بار پڑھتے ہیں بلکہ آپ کی تلاوت میں اس قدر شیرینی ہوتی تھی کہ بار بار سُن کر بھی دل نہیں بھرتا تھا۔ لَا يُرَجِّعُ کی ایک توجیہہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام ہمیشہ ترجیع نہیں کرتے تھے بلکہ خاص خاص مواقع پر تلاوت میں ترجیع کا عمل اختیار کرتے تھے اس کی ایک مثال گزشتہ روایت میں فتح مکہ والے دن کی بیان ہوچکی ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے سورۃ الفتح کی آیات بار بار پڑھتے تھے۔

اس ضمن میں حسنِ قرأت کی مجالس کا ذکر بھی بے محل نہ ہوگا۔ ملکی اور عالمی سطح پر حسن قرأت کے مقابلے ہوتے ہیں اور بہترین کارکردگی پر انعامات دیئے جاتے ہیں ایسی مجالس میں شریک ہونے والے قاری حضرات اکثر گانے کی طرز پر ہی تلاوت کرنے میں خاص طور پر مصری قاریوں کی "دم بخت" طرز کی قرأت پر لوگ خوب داد دیتے ہیں حالانکہ تلاوت کی ایسی طرز گانے کے مشابہ ہے جس میں ایک ہی سانس میں کئی آیات تلاوت کر ڈالیں۔ یہ تو محض لمبے سانس کو داد دینے والی بات ہے۔ قرآن کو ترتیل اور تجوید کے ساتھ پڑھنے کا کم ازکم اس طرز سے تو دُور کا بھی واسطہ نہیں ہے اس میں ایک اور قباحت یہ ہے کہ مردوں اور عورتوں کی مخلوط مجلسیں ہوتی ہیں حقیقت یہ ہے کہ قرآن کی تلاوت تو بڑی خوبی کی بات ہے مگر ہم زمانے کی رَو میں بہہ کر تلاوت قرآن کو عالمی مقابلہ حسن کی نہج پر لے آئے ہیں جس میں جج صاحبان نوجوان لڑکیوں کے مختلف اعضاء کی پیمائش کرنے کے بعد فیصلہ کرتے ہیں کہ کون سی لڑکی حسینہ عالم منتخب ہوئی ہے۔

خود مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحبؒ کی آواز نہایت خوب صورت تھی۔ آپ کی تلاوت غیر مسلم بھی سُنتے تھے۔ آپ کو اللہ نے خوش الحانی کی صفت عطا کی تھی مگر وہ گانے کی طرز نہیں تھی۔ دلّی کے ایک جلسہ میں نہرو بھی آکر سٹیج پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد کہنے لگا کہ میرے پاس وقت تو نہیں تھا مگر شاہ صاحب کی آواز سننے کے لیے حاضر ہو گیا ہوں، وہ ایمان نہیں لایا، یہ تو قسمت کی بات ہے مگر شاہ صاحب کے لب و لہجہ اور تلاوت کا انداز ہی کچھ اور تھا ان کے کہے ہوئے جملے ابھی تک ذہن میں محفوظ ہیں جن سے کمال درجے کا تاثر ملتا تھا۔

غرضیکہ راوی بیان کرتا ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام تلاوت قرآن میں ترجیع نہیں کرتے تھے جس کا یہی مطلب لیا جا سکتا ہے کہ آپ ہمیشہ کسی آیت کو دوبارہ نہیں پڑھتے تھے بلکہ موقع اور ضرورت کے تحت کبھی کبھی ترجیع بھی کر لیتے تھے جیسا کہ فتح مکّہ کے روز کی۔

باب - ۴۴

درس - ۴۵

حدیث - ۸

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَسَّانٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اَبِي الزِّنَادِ عَنْ عَمْرِو بْنِ اَبِي عَمْرٍو عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ قِرَاءَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُبَّمَا يَسْمَعُهَا مَنْ فِي الْحُجْرَةِ وَهُوَ فِي الْبَيْتِ۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۹۳)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے یحیٰیؒ بن حسان نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں ہمارے پاس یہ روایت عبدالرحمٰن بن ابی زناد نے عمرو بن ابی عمروؒ کے حوالہ سے بیان کی۔ انھوں نے یہ روایت عکرمہ سے روایت کی اور انھوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کی۔ وہ کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام بعض اوقات اپنے کمرہ کی کوٹھڑی مبارک میں تلاوت فرماتے تھے تو صحن والے آپ کی آواز کو سُن لیتے تھے۔"

تشریح حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا حجرہ مبارک وہی ہے جہاں آپکی قبر مبارک ہے اور اسی جگہ آپ اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ کے ساتھ رہائش پذیر ہوتے تھے باقی امہات المؤمنینؓ کے گھر بھی قریب قریب ہی تھے۔ چنانچہ جب آپ حجرہ عائشہؓ میں تلاوت فرماتے تو آپکی تلاوت اتنی بلند ہوتی تھی کہ صحن میں بھی سُنائی دیتی تھی۔ تلاوت بالجہر بھی روا ہے بشرطیکہ نہ تو اس میں ریا پائی جائے اور نہ یہ دوسروں کے لیئے تکلیف کا باعث ہو۔ قرآنِ پاک آہستہ اور بلند آواز سے پڑھنا دونوں طرح درست ہے اور یہ قاری کی صوابدید پر ہے کہ وہ مذکورہ شرائط کے ساتھ جس طرح چاہے تلاوت کرے۔

(۴۵) بَابُ مَا جَآءَ فِیْ بُکَآءِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

ترجمہ: "باب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گریہ زاری کے بیان میں"

زندگی اور موت، سونا اور جاگنا، رونا اور ہنسنا انسان کے امور طبعیہ میں داخل ہیں، جن کے ساتھ اس دنیا میں آنے والے ہر انسان کو واسطہ پڑتا ہے حتّٰی کہ اللہ تعالےٰ کے مقربین انسان انبیاء علیہم السّلام بھی ان اُمور سے مُستثنیٰ نہیں ہیں۔ یہ باب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے بکاء یعنی رونے اور گریہ زاری کرنے سے متعلق ہے۔ اس میں امام ترمذیؒ چھ احادیث لائے ہیں جن میں خاتم النبیّن صلی اللہ علیہ وسلم کی مختلف مواقع پر رونے کی کیفیات کا تذکرہ ہے۔

اہل لُغت کہتے ہیں کہ بکاء کا عام فہم معنیٰ تو رونا ہی ہے۔ تاہم اگر یہ لفظ بَ کی فتح کے ساتھ بَکیٰ ہوگا تو اس کا معنیٰ بالکل معمولی آواز کے ساتھ رونا ہے اور اگر یہ بُ کی ضمہ اور مدّ کے ساتھ (بُکاء) آئے گا تو اس سے قدرے زیادہ آواز کے ساتھ رونا مراد ہوگا۔

رونے کی بہت سی قسمیں ہیں جن میں سے ایک کا نام نوحہ ہے کسی عزیز کی وفات پر میّت کا نام لے کر اور اس کی خوبیوں کا تذکرہ کرکے بلند آواز سے بَین کرنا، بال نوچنا، گریبان پھاڑنا، منہ پر طمانچے مارنا وغیرہ اسی قبیل سے ہے۔ اسلام نے اسے جاہلیت کی رسم قرار دے کر نوحہ کرنے کی سخت ممانعت کی ہے۔

ایک رونا شفقت و محبت کی بناء پر ہوتا ہے کسی عزیز کی وفات پر آنسوؤں کا بہ نکلنا ایک فطری امر ہے جسے اللہ کی رحمت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ رونا شوق و محبّت کی بناء پر بھی ہوتا ہے اور فرحت و سرور کی وجہ سے بھی۔

اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال، خشیتِ الٰہی اور امّت کے حالات پر متفکر ہو کر رونا اللہ تعالیٰ کے انبیاء علیہم السّلام سے بھی ثابت ہے حضرت شعیب علیہ السّلام کے صحیفہ

میں آتا ہے کہ آپ اکثر گریہ زاری کرتے رہتے تھے۔ اللہ نے پوچھا، شعیب! کیوں روتے ہو؟ تمہاری خدمت کے لیے تو میں نے موسیٰ کلیم اللہ کو بھی مامور کر دیا ہے۔ انھوں نے عرض کیا، مولا کریم! میں کسی ذاتی تکلیف، رنج و غم یا تفکر کی وجہ سے نہیں بلکہ تیرے جلال و عظمت کی بناء پر تیرے اشتیاق میں گریہ کرتا ہوں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی میں حضرت یعقوب علیہ السلام بھی اکثر روتے رہتے تھے۔ لوگ کہتے تھے کہ آپ اس بات کو بھلا دیں ورنہ آپ تو بیٹے کی جدائی میں ہلاک ہی ہو جائیں گے مگر آپ نے فرمایا: اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ۔ (یوسف: ۸۶) میں اپنے غم و اندوہ کا اظہار اپنے پروردگار کے سامنے کرتا ہوں، نہ کہ تمہارے سامنے۔

رونے کی ایک قسم مستعار کہلاتی ہے کسی عزیز کی فوتیدگی پر اس کی کوئی عزیزہ غم واندوہ کی وجہ سے حقیقی طور پر روتی ہے تو دوسری عورت اس کے ساتھ رونے میں شریک ہو جاتی ہے یا کم از کم اسے زیادہ سے زیادہ رونے پر آمادہ کرتی ہے۔ اس قسم کا رونا قباحت میں داخل ہے۔ امام حسینؓ کے لیے ماتم کرنے اور سینہ کوبی کرنے والے اکثر لوگ بھی اسی قبیل سے ہوتے ہیں۔ حیدر آباد دکن کا سالار جنگ بھی شیعہ تھا۔ صاحبِ علم آدمی تھا، کسی زمانے میں ریاست کا وزیر اعظم بھی رہا، مگر امام حسینؓ کے لیے غم کا اظہار کرنا بھی اس کے لیے ضروری تھا۔ چنانچہ چھوٹے لوگ تو خوب سینہ کوبی کرتے تھے مگر یہ صاحب آہستہ آہستہ سینہ پر ہاتھ مار کر اس کو کارِ خیر اور کارِ ثواب سمجھ کر شامل ہو جاتے تھے۔ اسی طرح کے اور بھی بہت سے لوگ تھے جو لہو لگا کر شہیدوں میں شامل ہوتے تھے۔ ایک مزدور آدمی ماتم بھی کر رہا تھا اور ساتھ ساتھ ہنستے بھی جا رہا تھا۔ پوچھا بھائی کیا بات ہے؟ کہنے لگا کہ میں تو مزدوری کرنے کے لیے گھر سے نکلا تھا مگر انھوں نے مجھے زبردستی ماتم پر لگا دیا۔ اب مرتا کیا نہ کرتا، ڈر کے مارے ماتمی جلوس میں شامل ہوں۔

ایک رونا اُجرت پر ہوتا ہے ویسے تو نوحہ کرنے والا کوئی ملتا نہیں، چلو بعض

ضرورت مندوں کو اُجرت دے کر میّت پر نوحہ کروالو۔ اس قسم کے اُجرتی لوگوں کی ضرورت شیعوں کے ماتمی جلوسوں کے لیے بھی پڑتی ہے اور کبھی عام گھریلو نوحہ خوانی کے لیے بھی بعض اوقات اُجرتی رونے والوں کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے لوگ طبعی طور پر نہیں روتے بلکہ محض مزدوری کرتے ہیں، یہ بھی قبیح بات ہے۔

اسی طرح ایک رونا موافقت کی بنا پر بھی ہوتا ہے۔ دیکھا کہ آگے کچھ لوگ کسی حقیقی غم کی وجہ سے رو رہے ہیں تو راہ چلتے لوگوں کو بھی رونا آجاتا ہے، مگر حقیقی طور پر رونے والوں کو علم بھی نہیں ہوتا کہ یہ اجنبی آدمی کون ہے؟ اور کیوں رو رہا ہے؟

ایک رونا جھوٹا بھی ہوتا ہے۔ خود ہی کوئی جُرم کرنے کے بعد اپنی بریت کے لیے جھوٹا رونا بھی رویا جاتا ہے۔ اس قسم کا رونا یوسف علیہ السّلام کے بھائیوں نے بھی باپ کے سامنے رویا تھا۔ یوسف علیہ السّلام کو کنوئیں میں پھینک دیا، اور پھر آپ کی قمیص کو جھوٹا خون لگا کر روتے ہوئے باپ کے سامنے پیش کر دیا کہ یوسف علیہ السّلام کو بھیڑیا کھا گیا ہے۔ وَجَآءُوْٓا اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ؇ (یوسف آیت ۱۶) وہ رات کے وقت روتے ہوئے باپ کے پاس آگئے۔ یوسف علیہ السّلام کے بھائیوں کا یہ رونا حقیقی نہیں بلکہ جھوٹا تھا۔

جیسا کہ آگے روایات میں آرہا ہے خود حضور خاتم النبیّین صلی اللہ علیہ وسلم کی گریہ زاری اللہ تعالیٰ کے جلال و عظمت اور خشیّت کی وجہ سے ہوتی تھی۔ محبّت اور رافت کی بنا پر بھی آپ بعض اوقات آبدیدہ ہو جاتے تھے، کسی عزیز کی فوتیدگی بھی آپ پر اثر انداز ہوئے بغیر نہیں رہتی تھی اور اپنی امّت کا تفکّر بھی آپ کو بسا اوقات رونے پر مجبور کر دیتا تھا۔

باب - ۴۵

شمائل ترمذی

حدیث - ۱

درس - ۴۵

حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ نَصْرٍ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ مُطَرِّفٍ وَهُوَ ابْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الشِّخِّيْرِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُصَلِّيْ وَلِجَوْفِهٖ اَزِيْزٌ كَاَزِيْزِ الْمِرْجَلِ مِنَ الْبُكَاءِ - (ترمذی مع شمائل ص۵۹۳)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث سوید بن نصر نے بیان کی وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی عبداللہ بن مبارک نے حماد بن سلمہ سے، انھوں نے یہ روایت ثابت سے نقل کی، اور انھوں نے اسے مطرف بن عبداللہ بن شخیرؓ سے ان کے باپ کے حوالہ سے نقل کیا، تو عبداللہ بن شخیرؓ صحابی رسول بیان کرتے ہیں کہ مَیں حضور علیہ السّلام کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور آپ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے اور آپ کے سینہ مبارک سے رونے کی وجہ سے ایسی آواز آرہی تھی جیسے آگ پر چڑھی ہوئی ہنڈیا یا دیگ کے جوش کی آواز ہوتی ہے۔"

تشریح: حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی یہ گریہ زاری کسی دُکھ یا ذاتی تکلیف کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ خشیّتِ الٰہی کی وجہ سے تھی۔

درس - ۴۵ حدیث - ۲

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عُبَيْدَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اقْرَأْ عَلَيَّ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَقْرَأُ عَلَيْكَ وَعَلَيْكَ أُنْزِلَ قَالَ إِنِّيْ أُحِبُّ أَنْ أَسْمَعَهُ مِنْ غَيْرِيْ فَقَرَأْتُ سُوْرَةَ النِّسَآءِ حَتّٰى بَلَغْتُ وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰؤُلَآءِ شَهِيْدًا قَالَ فَرَأَيْتُ عَيْنَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ تَهْمُلَانِ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۹۳)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث محمود بن غیلان نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے معاویہ بن ہشام نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت سفیان نے اعمش کے حوالہ سے بیان کی۔ انھوں نے یہ روایت ابراہیم سے عبیدہؒ[1] کی وساطت سے نقل کی، اور انھوں نے اسے صحابی رسول حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ (ایک موقع پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ میرے سامنے قرآن پاک پڑھو۔ میں نے عرض کیا، حضور! کیا میں آپ کے سامنے تلاوت کروں حالانکہ قرآنِ پاک تو آپ پر اُتارا گیا ہے۔ آپ نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ میں قرآنِ پاک کسی دوسرے شخص سے بھی سنوں۔ چنانچہ میں نے سورۃ نساء پڑھنی شروع

[1] السلمانی التابعی (فیاض)

کر دی یہاں تک کہ مَیں اس آیت تک پہنچ گیا وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰؤُلَآءِ شَهِيْدًا ۝ راوی بیان کرتا ہے کہ پھر مَیں نے دیکھا کہ حضور علیہ السّلام کی دونوں آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے۔"

تشریح یہ مسجدِ نبوی کا واقعہ ہے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام منبر پر تشریف فرما تھے۔ اور صحابہ اردگرد بیٹھے تھے جن میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی تھے اچانک آپ نے اپنے اس صحابی سے قرآن پڑھنے کی فرمائش کی تاکہ آپ دوسروں کی زبان سے بھی قرآن پاک کی تلاوت سُن سکیں۔ ظاہر ہے کہ قرآن پاک کی تلاوت اور اس کی سماعت دونوں محمود صفات ہیں۔ شاید حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو یہ قانون بتلانا مقصود تھا کہ پڑھنے کے علاوہ قرآن کا سُننا بھی ضروری ہے۔ ابنِ مسعودؓ کہتے ہیں کہ مَیں نے سورۃ النسآء کی تلاوت شروع کر دی۔ جب میں آیت ۴۱ وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰؤُلَآءِ شَهِيْدًا ۝ پر پہنچا تو دیکھا عَيْنَىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ تَهْمُلَانِ تو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ دراصل ان آیات میں قیامت کے روز مختلف اُمّتوں کی اللہ کی بارگاہ میں پیشی کا ذکر ہے۔ جب لوگ اپنے جرائم کا انکار کریں گے اور کہیں گے کہ ہمیں تو کسی نے اللہ کا راستہ بتایا ہی نہیں تو ہر اُمّت کا نبی گواہی دے گا کہ مَیں نے ان کو صحیح راستہ بتلا دیا تھا۔ اسی طرح آخری اُمّت پر اللہ کے آخری نبی گواہی دیں گے کہ مولا کریم! مَیں نے تیرا پیغام اپنی اُمّت تک پہنچا دیا تھا۔ قیامت کے اس اندوہناک منظر کا ذکر آیا تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

درس - ۴۶　　　　حدیث - ۳

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ اِنْكَسَفَتِ الشَّمْسُ يَوْمًا عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ حَتّٰى لَمْ يَكَدْ يَرْكَعُ ثُمَّ رَكَعَ فَلَمْ يَكَدْ يَرْفَعُ رَأْسَهٗ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهٗ فَلَمْ يَكَدْ اَنْ يَّسْجُدَ ثُمَّ سَجَدَ فَلَمْ يَكَدْ اَنْ يَّرْفَعَ رَأْسَهٗ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهٗ فَلَمْ يَكَدْ اَنْ يَّسْجُدَ ثُمَّ سَجَدَ فَلَمْ يَكَدْ اَنْ يَّرْفَعَ رَأْسَهٗ فَجَعَلَ يَنْفُخُ وَيَبْكِيْ وَيَقُوْلُ رَبِّ اَلَمْ تَعِدْنِيْ اَنْ لَّا تُعَذِّبَهُمْ وَاَنَا فِيْهِمْ رَبِّ اَلَمْ تَعِدْنِيْ اَنْ لَّا تُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ وَنَحْنُ نَسْتَغْفِرُكَ فَلَمَّا صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ انْجَلَتِ الشَّمْسُ فَقَامَ فَحَمِدَ اللّٰهَ تَعَالٰى وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اٰيَتَانِ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَّلَا لِحَيَاتِهٖ فَاِذَا انْكَسَفَا فَافْزَعُوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى - (ترمذی مع شمائل ص۵۹۳)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت قتیبہ نے بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے جریر نے عطاء بن سائب کے حوالہ سے بیان کیا۔ انھوں نے یہ روایت اپنے باپ سے اور انھوں نے عبداللہ بن عمروؓ سے نقل کی، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دورِ مبارک میں

ایک روز سورج گرہن ہوا، پس آپ نماز کے لیے کھڑے ہوئے اور لمبا قیام کیا۔ گویا کہ رکوع کرنے کا ارادہ ہی نہیں۔ پھر آپ نے لمبا رکوع کیا گویا کہ رکوع سے سر اٹھانے کا ارادہ ہی نہیں۔ پھر آپ نے اپنا سر مبارک رکوع سے اُٹھایا، اور اتنی دیر کھڑے رہے گویا کہ سجدہ کرنے کا ارادہ ہی نہیں۔ پھر آپ نے لمبا سجدہ کیا، گویا کہ سجدہ سے سر اُٹھانے کا ارادہ ہی نہیں۔ پھر آپ نے سر اُٹھایا، گویا کہ دوسرا سجدہ کرنے کا ارادہ ہی نہیں۔ پھر آپ نے دوسرا سجدہ ادا فرمایا، گویا کہ آپ کا سجدہ سے سر اٹھانے کا ارادہ ہی نہیں۔ آپ شدتِ غم اور جوش کے ساتھ سانس لیتے تھے اور روتے تھے اور کہتے تھے، پروردگار! تو نے میرے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ میری موجودگی تک میری اُمّت کو عذاب نہیں دے گا۔ اور تو نے یہ وعدہ کیا تھا کہ جب تک یہ لوگ استغفار کرتے رہیں گے، ان کو عذاب نہیں دے گا۔ اور اب ہم استغفار کرتے ہیں۔ پھر جب آپ نے دو رکعت نماز پڑھ لی تو آفتاب نکل آیا تھا۔ پھر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کھڑے ہوئے، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کی۔ پھر فرمایا، بے شک سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں۔ ان کو کسی کی موت یا پیدائش کی وجہ سے گرہن نہیں ہوتا۔ لہٰذا جب ان پر گرہن آجائے تو اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف رجوع کرو۔"

تشریح | اس حدیث سے کئی ایک مسائل کی وضاحت ہوتی ہے:

(۱) حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی امّت کے تفکّر میں نماز کے دوران گریہ زاری، اور امّت کے حق میں بخشش کی دُعائیں۔

(۲) نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا یہ کہنا کہ پروردگار تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ جب تک مَیں ان میں موجُود ہوں اور جب تک یہ استغفار کرتے رہیں گے، مَیں ان کو عذاب نہیں کروں گا، یہ سورت انفال کی آیت ۳۳ کی طرف اشارہ ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کا واضح ارشاد ہے وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے دورانِ نماز اسی ارشادِ خداوندی کو یاد کرکے اُمّت کے لیے بخشش کی دعائیں کی تھیں۔

(۳) سورج گرہن کے وقت نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا لمبی نماز پڑھنا جس میں قیام، رکوع، قومہ اور سجدہ تمام ارکان لمبے تھے۔ یہ نماز اتنی لمبی تھی کہ جب آپ نے دو رکعت نماز ختم کی تو سورج گرہن دُور ہو چکا تھا۔

(۴) سورج گرہن دن کے پہلے پہر یا پچھلے پہر ہوتا ہے لہٰذا اس دوران میں اجتماعی نماز پڑھنا مستحب ہے۔ البتہ چاند گرہن چونکہ رات کے وقت ہوتا ہے۔ لہٰذا ایسے وقت میں باجماعت نماز پڑھنا مستحب نہیں ہے۔ البتہ انفرادی طور پر نماز ادا کرنی چاہیے۔

(۵) زمانہ جاہلیت میں یہ عام تاثر پایا جاتا تھا کہ سورج گرہن یا چاند گرہن کسی بڑے آدمی کی موت یا پیدائش پر واقع ہوتا ہے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے بعد از نماز کسوف خطبہ ارشاد فرمایا جس میں فرمایا کہ سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں۔ ان کو کسی شخص[۱] کی موت یا حیات کی بناء پر گرہن نہیں لگتا

---

[۱] اس میں اختلاف ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے زمانہ میں سورج گرہن ایک مرتبہ لگا یا متعدد مرتبہ، جمہور ایک مرتبہ کے قائل ہیں اور یہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے صاحبزادے ابراہیمؓ جو ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے تھے کی وفات کے دن ۲۸ یا ۲۹ شوال سنہ ۱۰ھ بمطابق ۲۷ جنوری ۶۳۲ء صبح آٹھ بج کر تیس منٹ پر لگا تھا جیسا کہ محمود پاشا فلکی نے زائچہ اور جنتری کے لحاظ سے اس کا تعین کیا ہے۔ (فتح الملہم ۲/۴۵۲) (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

لہٰذا جب ان میں سے کسی کو گرہن لگ جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف رجوع کرو، جس میں نماز کو اوّلیت حاصل ہے، دُعائیں کرو، صدقہ خیرات کرو، غلام آزاد کرو اور توبہ واستغفار کرو۔

(۶) سورج یا چاند گرہن کے وقت ان کی فوٹو لینا اور دیگر رسومات باطلہ ادا کرنا غلط لوگوں کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے۔ وہ ہر چیز کا خالق اور مالک ہے جو خداوند تعالیٰ اتنی بڑی بڑی چیزوں میں تغیّر و تبدّل پیدا کر سکتا ہے۔ اس کے لیے انسان جیسی حقیر مخلوق کو تہ و بالا کر دینا کون سا مشکل کام ہے۔

حاشیہ گزشتہ صفحہ کے آگے

لوگوں کا خیال تھا کہ یہ گرہن کسی بڑے آدمی کی وفات پر لگتا ہے جس کی تردید کی گئی ہے۔

صلوٰۃ کسوف وخسوف میں ائمہ کے مذاہب

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صلوٰۃِ کسوف میں ہر رکعت میں ایک ایک رکوع ہے۔ ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک دو دو رکوع ہیں اور بعض علماء چار چار رکوع کے بھی قائل ہیں۔ نیز ائمہ ثلاثہؒ فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ کسوف کے لیے خطبہ شرط نہیں جبکہ امام شافعیؒ کے نزدیک خطبہ بھی شرط ہے اور ائمہ ثلاثہؒ فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ کسوف میں قرات سرّاً ہے جبکہ امام احمدؒ اور صاحبینؒ کے نزدیک جہراً ہے البتہ خسوفِ قمر میں امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک جماعت نہیں ہے جبکہ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک اس میں جماعت ہے۔ (فیاض)

حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا اَبُوْ اَحْمَدَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ابْنَةً لَهُ تَقْضِيْ فَاحْتَضَنَهَا فَوَضَعَهَا بَيْنَ يَدَيْهِ فَمَاتَتْ وَهِيَ بَيْنَ يَدَيْهِ وَصَاحَتْ اُمُّ اَيْمَنَ فَقَالَ يَعْنِي النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَبْكِيْنَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ فَقَالَتْ اَلَسْتُ اَرَاكَ تَبْكِيْ قَالَ اِنِّيْ لَسْتُ اَبْكِيْ اِنَّمَا هِيَ رَحْمَةٌ اِنَّ الْمُؤْمِنَ بِكُلِّ خَيْرٍ عَلٰى كُلِّ حَالٍ اِنَّ نَفْسَهُ تُنْزَعُ مِنْ بَيْنِ جَنْبَيْهِ وَهُوَ يَحْمَدُ اللّٰهَ تَعَالٰى ۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۹۳)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث محمود بن غیلان نے بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے ابو احمد نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت سفیان نے عطار بن سائب کے حوالے سے بیان کی ۔ انھوں نے یہ روایت عکرمہ سے نقل کی اور انھوں نے اسے عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کیا ۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بیٹی دم توڑ رہی تھی کہ آپ نے اس کو گود میں اٹھایا اور اپنے سامنے رکھ لیا۔ پس وہ بیٹی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے سامنے ہی وفات پاگئی ۔ پس امّ ایمن (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آزاد کردہ لونڈی) رونے لگی ۔ آپ نے فرمایا کہ تم اللہ کے رسول کی

موجودگی میں رو رہی ہو۔ لونڈی نے عرض کیا۔ آپ بھی تو رو رہے ہیں۔ فرمایا: (یہ رونا ممنوع نہیں ہے) بلکہ یہ تو اللہ کی رحمت ہے۔ بے شک مومن ہر حال میں خیر میں ہی ہوتا ہے خواہ اس کی اپنی جان اس کے پہلوؤں سے نکالی جا رہی ہو۔ وہ ایسے وقت میں بھی اللہ تعالیٰ کی تعریف ہی بیان کرتا ہے۔"

تشریح ام ایمنؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آزاد کردہ لونڈی تھی جو آپ کو والد کی طرف سے وراثت میں ملی تھی۔ آپ اس کا بہت احترام کرتے تھے کیونکہ اس نے آپ کو گود میں کھلایا تھا حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اس لونڈی کا نکاح اپنے خادمِ خاص حضرت زیدؓ کے ساتھ کر دیا جس سے ان کے بیٹے اسامہؓ پیدا ہوئے۔ حضورؐ نے حضرت خدیجہؓ سے نکاح کے وقت ان کو آزاد کر دیا تھا)۔

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی بیٹی حضورؐ کی آنکھوں کے سامنے دم توڑ گئی۔ امّ ایمنؓ پاس تھی جو بلند آواز سے رونے لگی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے تنبیہ کے انداز میں فرمایا کہ تم اللہ کے نبی کی موجودگی میں رو رہی ہو حالانکہ میں نے تو اس طرح رونے سے سختی کے ساتھ منع کر رکھا ہے۔ اتفاق سے اُس وقت حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہو چکے تھے۔ امّ ایمنؓ نے عرض کیا حضور! آپ بھی تو اشک بار ہیں مگر آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر شفقت و محبت کی بنا پر آنکھوں سے آنسو جاری ہو جائیں تو اس قسم کا رونا ممنوع نہیں بلکہ یہ تو اللہ کی رحمت ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کسی مومن کے دل میں ڈال دیتا ہے۔ اس کے برخلاف رونا وہ ممنوع ہے جس میں چیخ و پکار کی جائے۔ آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ایک مومن آدمی جو اللہ کے احکام کی پابندی کرتا ہے اور اس کی رضا پر راضی رہتا ہے، وہ ہر حالت میں بہتری میں ہی ہوتا ہے

---

[1] ان کا نام برکہ تھا۔ ماتت بعد عمرؓ بعشرین یومًا۔ یہ جنگ اُحد میں بھی حاضر ہوئیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں، اور انھیں پانی پلاتی تھیں، جنگِ خیبر میں بھی شریک ہوئیں۔ (فیاض)

حتیٰ کہ اگر اس کی اپنی جان بھی قبض کی جارہی ہو تو اس وقت بھی وہ اللہ تعالےٰ کی حمد وثنا رہی بیان کرتا ہے اور کوئی گلہ شکوہ زبان پر نہیں لاتا۔

بہرحال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ مومن شخص کو کوئی تکلیف بھی پہنچتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہی ادا کرتا ہے۔ مومن صرف آنکھ سے روتا ہے جب کہ جاہلیت کے دوران لوگ نوحہ کرتے تھے جس میں طرح طرح کی قباحتیں پائی جاتی ہیں، ایسا رونا منع ہے۔

اس روایت میں ایک اشکال ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہ کونسی بیٹی تھی جو کم سنی میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے فوت ہوئی اور جس کا ذکر یہاں آیا ہے حقیقت یہ ہے کہ آپ کی کل چار بیٹیاں زینبؓ (المتوفاۃ ۸ھ)، ام کلثومؓ (المتوفاۃ شعبان ۹ھ) رقیہؓ (۲ھ) اور فاطمہؓ (المتوفاۃ ۳ رمضان ۱۱ھ) تھیں۔ ان میں سے اوّل الذکر تین بیٹیاں تو جوان ہوئیں، ان کی شادی ہوئی اور پھر آپ کی زندگی میں ہی فوت ہوئیں۔ البتہ آپ کی چوتھی بیٹی فاطمہؓ آپ کے بعد فوت ہوئیں مگر ان چاروں میں سے کوئی بھی کم سنی میں فوت نہیں ہوئی۔ محدثین کہتے ہیں کہ شاید راوی کو بیان کرنے میں سہو ہوا ہے کیونکہ چھوٹی عمر میں نہ تو آپ کی کوئی بیٹی فوت ہوئی ہے اور نہ ہی کوئی بیٹی کی بیٹی یعنی نواسی فوت ہوئی۔ حضرت زینبؓ کی بیٹی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نواسی امامہؓ ایک دفعہ کم سنی میں بیمار بلکہ قریب المرگ ہو گئی تھی مگر پھر وہ صحت یاب ہو گئی وہ اپنی ماں کے ساتھ ہی رہی حتیٰ کہ جوان ہو گئی اور پھر امیر المؤمنین حضرت علیؓ کے نکاح میں بھی آئی۔ لہٰذا چھوٹی عمر میں فوت ہونے والی نہ تو کوئی آپکی بیٹی ہے اور نہ نواسی۔ البتہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دو نواسے ایسے ہیں جو بچپن میں فوت ہو گئے۔ ان میں سے ایک رقیہؓ کے بطن سے عبداللہ بن عثمانؓ تھا، اور دوسرا حضرت علیؓ اور فاطمہؓ کا بیٹا محسن نامی تھا۔ ان حقائق کے پیش نظر یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس روایت کو نقل کرنے میں سہو ہوا ہے اور حدیث کے الفاظ بِنۡتٌ لَہٗ نہیں بلکہ اِبۡنُ بِنۡتٍ لَہٗ ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہو گا کہ آپ کا نواسہ عبداللہؓ یا محسنؓ بچپن میں فوت ہوا جس پر اُمِّ ایمنؓ رو پڑی اور حضور علیہ السلام کی آنکھیں بھی اشک بار ہو گئیں۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَاصِمِ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبَّلَ عُثْمَانَ بْنَ مَظْعُوْنٍ وَهُوَ مَيِّتٌ وَهُوَ يَبْكِيْ اَوْقَالَ وَعَيْنَاهُ تُهْرَقَانِ۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۹۳)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث محمد بن بشار نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے عبدالرحمٰن بن مہدی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت سفیان نے عاصم بن عبیداللہ سے نقل کی۔ انھوں نے یہ روایت قاسم بن محمد سے نقل کی اور انھوں نے اسے امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے روایت کیا۔ امّ المؤمنین کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن مظعونؓ کی پیشانی کو بوسہ دیا جب کہ وہ فوت ہو چکے تھے۔ آپ اُس وقت رو رہے تھے یا کہا کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔"

تشریح: عثمان بن مظعونؓ خاندانِ قریش میں سے قدیم الاسلام صحابی ہیں۔ ان سے پہلے صرف تیرہ آدمیوں نے اسلام قبول کیا تھا جب کہ ان کا نمبر چودھواں ہے۔ یہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے دودھ شریک بھائی بھی ہیں۔ آپ نہایت متقی، پرہیزگار اور عبادت گزار صحابی ہیں۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ساتھ مکّہ سے مدینہ ہجرت کی اور ہجرت کے بعد شعبان ۲ھ میں وفات پائی، اور

جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ مہاجرین میں سے سب سے پہلے وفات پانے والے یہی صحابی رسول ہیں۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ان کی قبر کے پاس ایک کالا پتھر بھی رکھا تاکہ اپنے رضاعی بھائی کی قبر کو شناخت کر سکیں۔ آپ کو اپنے اس بھائی کے ساتھ خصوصی تعلق تھا۔ ان کے بارے میں اور بھی بہت سی روایات منقول ہیں۔

اس روایت سے میت کو بوسہ دینا بھی ثابت ہوتا ہے اور قبر پر نشان لگانے کا جواز بھی ملتا ہے۔

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے اپنے کسی بھائی کی وفات پر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام پر رقّت طاری ہو جانا اللہ کی رحمت تھی۔

باب - ۴۵
حدیث - ٦

درس - ۴٦

حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ اَخْبَرَنَا اَبُوْ عَامِرٍ حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ وَهُوَ ابْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ هِلَالِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ شَهِدْنَا اِبْنَةً لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ عَلَى الْقَبْرِ فَرَاَيْتُ عَيْنَيْهِ تَدْمَعَانِ فَقَالَ اَفِيْكُمْ رَجُلٌ لَمْ يُقَارِفِ اللَّيْلَةَ قَالَ اَبُوْ طَلْحَةَ اَنَا قَالَ اَنْزِلْ فَنَزَلَ فِيْ قَبْرِهَا ۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۹۳)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث اسحٰق بن منصور نے بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس روایت کی خبر ابو عامر[له] نے دی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے فلیح بن سلیمان نے ہلال بن علی کے حوالے سے بیان کیا ، اور اُنھوں نے اسے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کیا ۔ وہ کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی صاحبزادی (امّ کلثومؓ) کی وفات پر آپ اس کی قبر پر تشریف فرما تھے اور مَیں نے دیکھا کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے ۔ پھر آپ نے فرمایا ، کیا تم میں کوئی ایسا آدمی ہے جس نے آج رات مجامعت نہ کی ہو؟ ابوطلحہؓ نے کہا کہ حضور! مَیں ہوں ۔ آپ نے فرمایا ، قبر میں اُترو (اور میّت کو لحد میں اُتارو) پس ابوطلحہؓ قبر میں اُترے ۔ (اور میّت کو دفن کیا ۔)

له عبدالملک بن عمرو القیسی العقدی نسبة لبنی عقدة قبیلة فی الیمن ۔ (فیاض)

تشریح اس روایت میں جس بیٹی کی وفات اور تدفین کا ذکر ہے وہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی صاحبزادی اُمّ کلثوم رضؓ ہیں جو حضرت عثمانؓ کے نکاح میں تھیں۔

پہلے نمبر پر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اپنی بیٹی رقیہ رضؓ کو حضرت عثمانؓ کے نکاح میں دیا۔ ان دونوں میاں بیوی نے حبشہ کی طرف بھی ہجرت کی تھی اور پھر جب مدینہ دارالاسلام بن گیا تو یہ مدینہ طیبہ آگئے۔ حضرت رقیہ رضؓ کی وفات ۲ھ میں جنگِ بدر کے موقع پر ہوئی جب وہ بیمار تھیں اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام حضرت عثمانؓ کو معرکہ بدر کے لیے ساتھ لے جانے کی بجائے اپنی بیٹی کی دیکھ بھال کے لیے مدینہ منورہ میں ہی چھوڑ گئے تھے آپ نے حضرت عثمانؓ کے اصرار پر فرمایا تھا کہ میں تمھارے ذمہ اتنا اہم کام لگا کر جارہا ہوں کہ جنگِ بدر میں عدمِ شرکت کے باوجود تمھیں بدری صحابہ جتنا اجر بھی عند اللہ ملے گا اور اُن کے برابر مالِ غنیمت میں سے حصّہ بھی حاصل ہوگا۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی بیٹی رقیہ رضؓ حضورؐ کی غیر حاضری میں ہی فوت ہوگئی۔ جب آپ بدر سے واپس تشریف لائے تو اُس کی قبر پر جاکر دُعا کی۔ اس کے بعد جبریل علیہ السّلام کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا پیغام آگیا اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے حضرت عثمانؓ کو بتلایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنی دوسری بیٹی اُمِّ کلثوم رضؓ کا نکاح آپ سے کردوں۔ آپ نے اس موقع پر یہ بھی فرمایا تھا کہ اگر میری سو بیٹیاں بھی ہوتیں، وہ یکے بعد دیگرے انتقال کرجاتیں تو میں ہر ایک کا نکاح حضرت عثمانؓ سے ہی کرتا۔

بہرحال جب اُمّ کلثوم رضؓ کا جنازہ پڑھا گیا اور اسے قبر کے پاس لاکر رکھا گیا تو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے جو کہ شفقت و محبت کی بنا پر تھے اس موقع پر آپ نے فرمایا اَفِيْكُمْ رَجُلٌ لَمْ يُقَارِفِ اللَّيْلَةَ کیا تم میں کوئی ایسا آدمی موجود ہے جس نے آج رات مقارفت یعنی مجامعت نہ کی ہو؟ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا مقصد یہ تھا کہ اُن کی بیٹی کو وہ شخص قبر میں اتارے جس نے آج رات مجامعت نہ کی ہو۔ اس کے جواب میں حضرت ابو طلحہ رضؓ [1] نے اپنی خدمات پیش کیں اور حضور علیہ السّلام

[1] زید بن سہل بن الاسود بن حرام الانصاری غلبت علیہ کنیتہ شہد

باقی اگلے صفحے پر

کے حکم سے انھوں نے ہی حضرت امّ کلثومؓ کو قبر میں اُتارا۔ حضرت ابوطلحہؓ انصارِ مدینہ میں سے ہیں جو کہ ام سلیمؓ کے خاوند اور حضرت انسؓ کے سوتیلے والد تھے۔

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی طرف سے اس قسم کا اعلان در اصل حضرت عثمانؓ پر ایک لطیف طنز تھی کیونکہ وہ اس رات اپنی ایک لونڈی کے ساتھ مجامعت کر چکے تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی بیمار بیٹی کی موجودگی میں یہ اچھا نہ لگا، اگرچہ یہ عند الشرع کوئی قبیح بات نہیں ہے۔ اسکے علاوہ کون جانتا تھا کہ آج رات امّ کلثومؓ کی موت ہی واقع ہو جائے گی۔ لہٰذا حضرت عثمانؓ شاید اس حد تک نہ جاتے۔ بہرحال امّ کلثومؓ کو حضرت ابوطلحہؓ نے لحد میں اُتارا جبکہ موقع پر میت کا باپ اور خاوند بھی موجود تھے معلوم ہوا کہ اس طرح کا انتظام بھی قانونِ الٰہی میں معیوب نہیں ہے اور کسی میت کو اس کے ولی کے علاوہ دوسرا شخص بھی قبر میں اُتار سکتا ہے۔

اس ضمن میں حضرت مولانا رشید احمد (المتوفی ۱۳۲۳ھ) گنگوہیؒ جیسے ثقہ محدثینؒ فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ اس موقع پر حضرت ابوطلحہؓ کی فضیلت کا اظہار مقصود ہو۔ ان کے نزدیک مقارفت سے مراد جماع نہیں بلکہ محض گناہ ہے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے یہ ارشاد فرمایا ہو کہ کون شخص ہے جس نے آج رات کوئی گناہ کی بات نہ کی ہو۔ تو اس کے جواب میں حضرت ابوطلحہؓ نے یہ جانتے ہوئے کہ ہر ایک آدمی سے کوئی نہ کوئی کوتاہی تو ہوتی رہتی ہے صرف اللہ کے بھروسہ پر اپنے آپ کو اس موقع پر پیش کر دیا۔

اس قسم کے واقعات[1] بعد کے ادوار میں بھی ملتے ہیں۔ حضرت (خواجہ قطب الدین) بختیار کاکیؒ (المتوفی ۶۳۲ھ) نے وصیّت کی تھی کہ میرا جنازہ وہ شخص پڑھائے جس

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ

المشاهد كلها مع رسول الله صلى الله عليه وسلم احد النقباء من بنی النجار بدری مشهور وليس فی الصحب احد يقال له ابو طلحة سواه وهو عم انسؓ المتوفی ۳۲، ۳۳، ۳۴ھ بعمر ۷۰ یا ۷۷۔ عند البعض یہ سمندری سفر میں فوت ہوئے اور کسی جزیرہ میں دفن ہوئے۔ قیل قتل یوم حنین حضورؐ نے فرمایا کہ ابوطلحہؓ کی آواز لشکر میں پورے لشکر کی آواز کے برابر ہے۔

حاشیہ صفحہ ہذا [1] ہندوستان کی بزم رفتہ کی سچی کہانیاں ص ۴۹ ۱/۲ (فیاض)

نے کسی اجنبی عورت کے ازار کو ہاتھ نہ لگایا ہو (یعنی زنانہ کیا ہو اور ہمیشہ نماز باجماعت میں تکبیر اولیٰ سے شریک رہا ہو اور اس نے عصر کی سُنتیں قضا نہ کی ہوں) جب جنازہ پڑھنے کا وقت آیا تو اس وصیت کے پیشِ نظر کسی شخص نے آگے بڑھنے کی جرأت نہ کی۔ آخر کار (سلطان شمس الدین التمش) بادشاہِ وقت نے آگے بڑھ کر جنازہ پڑھایا، اور ساتھ بصد حسرت کہا کہ میں یہ راز فاش نہیں کرنا چاہتا تھا مگر چونکہ یہ میرے پیر و مرشد کی وصیّت تھی لہٰذا میں نے اُن کا جنازہ پڑھانے کی جرأت کی ہے۔ یہ بادشاہ جبّار تھا مگر بعض خوبیوں کا مالک بھی تھا۔ کون جانتا ہے کہ اللہ کے ہاں کون مقبول ہے؟

(۴۶) بَابُ مَا جَاءَ فِیْ فِرَاشِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

ترجمہ: "باب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر کے بیان میں "

فراش اُس کپڑے، گدّے، چٹائی یا کسی دوسری چیز کو کہتے ہیں جو آرام کرنے کے لیے بطور بستر بچھائی جاتی ہے۔ اس باب کی دو احادیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضور خاتم النبیّین صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر کس قسم کا ہوتا تھا جس پر آپ آرام فرمایا کرتے تھے۔

شمائل ترمذی — باب - ۴۶

درس - ۴۶ — حدیث - ۱

حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ حُجْرٍ اَخْبَرَنَا عَلِیُّ بْنُ مُسْہِرٍ عَنْ ہِشَامِ بْنِ عُرْوَۃَ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ اِنَّمَا کَانَ فِرَاشُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الَّذِیْ یَنَامُ عَلَیْہِ مِنْ اَدَمٍ حَشْوُہٗ لِیْفٌ۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۹۳)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث علی بن حجر نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی خبر علی[1] بن مسہر نے دی۔ انھوں نے یہ روایت ہشام بن عروۃ سے ان کے باپ کے واسطہ سے نقل کی، اور انھوں نے اسے امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے روایت کیا۔ وہ کہتی ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر (گدّا) جس پر آپ سویا کرتے تھے، چمڑے کا بنا ہوا

---

[1] القرشی الکوفی المتوفی ۱۸۹ھ (فیاض)

تھا جس میں کھجور کے کوٹے ہوئے پتے بھرے ہوئے تھے ۔"

تشریح حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا بستر جس پر آرام فرمایا کرتے تھے، کسی اعلیٰ چیز کا بنا ہوا نہیں تھا بلکہ بالکل سادہ سا چمڑے کا بنا ہوا ایک گدّا تھا جس میں کھجور کے پتے بھرے ہوئے تھے مطلب یہ ہے کہ آجکل تو نہایت نرم اور آرام دہ بستر دستیاب ہیں مگر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی قناعت اور سادگی کا یہ عالم تھا کہ نرم بستر کی بجائے آپ نے ایک عام سا گدا ہی پسند فرمایا، اور عمر بھر اسی پر آرام فرماتے رہے۔ صحابہ کرام نے جب بھی کوئی اچھّا بستر مہیّا کرنے کی پیش کش کی۔ آپ نے ہمیشہ سادگی کو اختیار کیا، اور فرمایا کہ میری مثال تو اس مسافر کی ہے جو راستہ چلتے چلتے تھوڑی دیر آرام کرنے کے لیے کسی درخت کے سایہ میں بیٹھ گیا ہو۔ لہٰذا مجھے دنیاوی آرام و راحت سے کیا سروکار ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا بیان ہے کہ ایک موقع پر وہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں حاضر ہوئے جب کہ آپ ایک بوریا پر آرام فرما رہے تھے جس کے نشانات آپ کے جسمِ اطہر پر عیاں تھے۔ کہتے ہیں کہ یہ دیکھ کر مجھے بے اختیار رونا آگیا۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے دریافت کرنے پر میں نے عرض کیا کہ قیصر و کسریٰ کے بادشاہ تو ریشم اور مخمل کے گدّوں پر آرام کرتے ہیں جب کہ آپ اللہ کے رسُول ہو کر چٹائی پر سوتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، رونے کی بات نہیں ہے کیونکہ ان کے لیے تو صرف دُنیا ہی ہے جب کہ ہمارے لیے آخرت کی لامتناہی نعمتیں اور آرام و راحت ہے۔

درس - ۴۶　　　　حدیث - ۲

حَدَّثَنَا اَبُو الْخَطَّابِ زِيَادُ بْنُ يَحْيَى الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَيْمُوْنٍ اَخْبَرَنَا جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ سُئِلَتْ عَائِشَةُ مَا كَانَ فِرَاشُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَيْتِكِ قَالَتْ مِنْ اَدَمٍ حَشْوُهُ لِيْفٌ وَسُئِلَتْ حَفْصَةُ مَا كَانَ فِرَاشُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَيْتِكِ قَالَتْ مِسْحًا نَثْنِيْهِ ثِنْيَتَيْنِ فَيَنَامُ عَلَيْهِ فَلَمَّا كَانَ ذَاتَ لَيْلَةٍ قُلْتُ لَوْ ثَنَيْتُهُ اَرْبَعَ ثِنْيَاتٍ لَكَانَ اَوْطَأَ لَهُ فَثَنَيْنَاهُ لَهُ بِاَرْبَعِ ثِنْيَاتٍ فَلَمَّا اَصْبَحَ قَالَ مَا فَرَشْتُمُوْنِيَ اللَّيْلَةَ قَالَتْ قُلْنَا هُوَ فِرَاشُكَ اِلَّا اَنَّا ثَنَيْنَاهُ بِاَرْبَعِ ثِنْيَاتٍ قُلْنَا هُوَ اَوْطَأُ لَكَ قَالَ رُدُّوْهُ لِحَالَتِهِ الْاُوْلٰى فَاِنَّهُ مَنَعَتْنِيْ وَطَأَتُهُ صَلَاتِيَ اللَّيْلَةَ ۔　　(ترمذی مع شمائل ص۵۹۳)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث ابو الخطاب زیاد بن یحییٰ بصری نے بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے عبداللہ بن میمون نے بیان کیا ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی جعفر بن محمد نے اپنے باپ کے واسطہ سے ، وہ کہتے ہیں کہ امّ المؤمنین حضرت عائشہ رضؓ سے پوچھا گیا کہ آپ کے گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر کیسا ہوتا تھا ؟ انھوں نے جواب دیا کہ چمڑے کا جس میں کھجور کے پتے کوٹ کر بھر دیئے گئے ہوں اور امّ المؤمنین حفصہ رضؓ سے پوچھا گیا کہ

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر کیسا ہوتا تھا جب حضور تمھارے گھر میں قیام فرماتے تھے؟ انھوں نے کہا کہ ایک ٹاٹ ہوتا تھا جس کو ہم دوہرا کر لیتے تھے اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اس پر سو جاتے تھے۔ پھر ایک رات مجھے خیال آیا کہ اگر میں اس ٹاٹ کو چوہرا (چارپرت) کر لوں تو یہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے لیے زیادہ آرام دہ ثابت ہو سکتا ہے۔ پھر ہم نے اُس کو چار تہہ کر دیا۔ جب صبح ہوئی تو نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا کہ تم نے رات کو میرے لیے کیا بچھایا تھا؟ مَیں نے عرض کیا کہ آپ کا بستر تو وہی تھا مگر ہم نے اس کو چار تہیں کر دیا۔ اس خیال سے کہ وہ آپ کے لیے زیادہ نرم اور آرام دہ ثابت ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ اس کو اپنی پہلی حالت پر ہی لوٹا دو کیونکہ اس کی نرمی نے مجھے رات کی نماز ہی نہیں پڑھنے دی۔"

تشریح اس باب کی پہلی روایت امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے ہے جن کا بیان ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر چمڑے کا ہوتا تھا جس میں کھجور کے پتے کوٹ کر بھر دیے گئے تھے۔ اگرچہ یہ کوئی نرم و نازک بستر نہیں تھا مگر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام یہی موٹا چھوٹا بستر پسند فرماتے تھے۔ یہ دوسری روایت امام جعفر صادقؒ بن محمد باقرؒ سے ہے جو کہتے ہیں کہ امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ اور حفصہؓ سے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے بستر کے متعلق علیحدہ علیحدہ سوال کیا گیا۔ حضرت عائشہؓ کا جواب تو وہی ہے جو پہلی روایت میں بیان ہو چکا ہے کہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا بستر چمڑے کا بنا ہوا تھا جس میں کھجور کے پتے کوٹ کر بھر دیے گئے تھے، جب آپ اس امّ المؤمنین کے گھر میں ہوتے تو اسی گدّے پر رات کو آرام فرماتے۔

البتہ امّ المؤمنین حفصہؓ نے مذکورہ سوال کے جواب میں بتلایا کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا بستر ایک ٹاٹ کی صورت میں تھا جس کو ہم دوہرا (دو پرت) کر لیتے تھے تاکہ

اس میں کچھ نرمی پیدا ہو جائے اور یہ اکہرے کی نسبت زیادہ آرام دہ ثابت ہو۔ آپ اسی بستر پر آرام فرمایا کرتے تھے۔ امّ المؤمنین کہتی ہیں کہ ایک رات مجھے خیال آیا کہ دوہرا ٹاٹ بھی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے لیے کوئی زیادہ آرام دہ نہیں ہے لہٰذا کیوں نہ ہم اسے چار تہیں کر دیں تاکہ اس کی سختی مزید کم ہو جائے۔ چنانچہ ہم نے از خود ایسا ہی کر دیا۔ اس رات حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اس چارپرت ٹاٹ پر آرام فرما ہوئے پھر صبح کے وقت اُٹھ کر پوچھا کہ تم نے آج رات میرے لیے کون سا بستر بچھایا تھا؟ میں نے عرض کیا، حضور! بستر تو وہی پرانا ٹاٹ ہی تھا البتہ ہم نے اُسے زیادہ نرم اور آرام دہ بنانے کے لیے اس کی دو کی بجائے چار تہیں بنا دیا تھا۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ارشاد فرمایا کہ یہی وجہ ہے کہ اس کی نرمی کی وجہ سے آج میری رات کی نماز ہی رہ گئی ہے فرمایا اسے اپنی پہلی حالت پر ہی رہنے دو تاکہ اس کی وجہ سے میری عبادت میں خلل نہ آئے۔

یہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی سادگی، قناعت پسندی اور فکرِ آخرت کی لگن تھی کہ آپ دُنیا کے آرام و آسائش پر قطعاً دل نہیں لگاتے تھے اس میں امّت کے لیے بھی تعلیم ہے کہ اہلِ ایمان اس دنیا کی عارضی زندگی اور اس کے عیش و عشرت میں پھنس کر ہی نہ رہ جائیں بلکہ آخرت کی دائمی زندگی کی بہتری کی طرف توجہ دیں۔

(۴۷) بَابُ مَا جَآءَ فِیْ تَوَاضُعِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

ترجمہ: "باب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی انکساری کے بارے میں"

تواضع کا معنیٰ عاجزی، انکساری اور فروتنی ہوتا ہے، جو کہ ایک اچھی صفت ہے اس کے مقابلہ میں غرور و تکبر آتا ہے جو کہ اخلاق سیئہ میں داخل ہے اور شرعی لحاظ سے ممنوع ہے۔ تواضع کی تعلیم قرآن و حدیث میں موجود ہے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام بذاتہٖ متواضع تھے، اور آپ کا ارشاد مبارک بھی ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ تواضع کے ساتھ پیش آؤ۔ اس کی ضد، تکبر اور سرکش بری خصلت ہے، لہٰذا لَا یَبْغِیْ بَعْضُکُمْ عَلٰی بَعْضٍ (ابن ماجہ ص۳۲۱) ایک دوسرے کے خلاف سرکشی اختیار نہ کرو۔

صوفیائے کرام کہتے ہیں کہ کسی شخص میں تواضع اُس وقت پیدا ہوتی ہے جب اس کے قلب پر تجلی شہودی تسلسل کے ساتھ پڑنے لگے۔ یہ انسان کے تعلق باللہ کی انتہائی عروج کی حالت ہوتی ہے کسی آدمی کا تعلق باللہ جس قدر صحیح ہوگا، اس میں تواضع کی خصلت اس قدر مضبوط ہوگی۔ غرور و تکبر جاتا رہے گا اور وہ اللہ کی مخلوق پر ظلم و زیادتی کرنے کا سوچ بھی نہیں سکے گا۔ نماز کے دوران انسان کو یہی تربیت حاصل ہوتی ہے کہ وہ اپنا تعلق اپنے خالق و مالک کے ساتھ درست کرے۔ اسی تعلق کی بناء پر وہ برائیوں سے اجتناب کرنے لگے گا۔ تکبر، سرکشی، ظلم اور زیادتی ختم ہو جائے گی۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ شخص ہر وقت تجلی شہودی کا مشاہدہ کر رہا ہے جو کہ اس کے دل پر مسلسل پڑ رہی ہے۔

اس باب میں امام ترمذیؒ نے کل ۱۳ روایات جمع کی ہیں جن میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع کا ذکر ہے، جس کو آپ نے مختلف مواقع پر مختلف انداز سے ظاہر کیا۔

حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيْعٍ وَسَعِيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْمَخْزُوْمِيُّ وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوْا اَخْبَرَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُطْرُوْنِيْ كَمَا اَطْرَتِ النَّصٰرٰى عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اِنَّمَا اَنَا عَبْدُ اللّٰهِ فَقُوْلُوْا عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ ۔　　(ترمذی مع شمائل صفحہ ۵۹۴)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث احمد بن منیع، سعید بن عبدالرحمٰن مخزومیؒ[1] اور بہت سے دوسرے لوگوں نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی سفیان بن عیینہ نے زہری کے حوالہ سے، انھوں نے یہ روایت عبیداللہ سے، انھوں نے عبداللہ بن عباسؓ سے اور انھوں نے عمر بن خطابؓ سے نقل کی۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، میری تعریف میں مبالغہ نہ کرنا جیسا کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی تعریف میں کیا۔ بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں، لہٰذا تم بھی مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہی کہو۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تواضع

حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تمام بنی نوعِ انسان میں افضل ترین شخصیت ہیں حتیٰ کہ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (البقرۃ: ۲۵۳) کے مطابق آپ کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام علیہم السلام میں سے بھی امام الانبیاء

[1] المکیؒ المتوفی ۲۴۹ھ۔　(فیاض)

ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قیامت تک آنے والی مخلوق کے لیے خاتم النبیین اور ہادی و راہنما بنا کر مبعوث فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَ اِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَیْرَ مَمْنُوْنٍ ۝ وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِیْمٍ ۝ (القلم: ۳،۴) آپ کے لیے بے انتہا اجر ہے اور آپ اخلاق کے نہایت مراتبِ عالیہ پر فائز ہیں۔ نیز فرمایا: وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝ (الانشراح: ۴) ہم نے آپ کے ذکر کو بہت بلند کر دیا ہے۔ یہ تو اس دُنیا کا معاملہ ہے، آخرت سے متعلق بھی فرمایا: عَسٰۤى اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝ (بنی اسرائیل: ۷۹) قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مقامِ محمود پر فائز کر دے جو کہ قیامت والے دن اعلیٰ ترین مقام ہوگا۔ ان تمام تر مراتب عالیہ پر فائز ہونے کے باوجود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع، انکساری اور عاجزی کا یہ حال تھا کہ آپ نے فرمایا کہ اگرچہ میں اولادِ آدم میں سے بہترین شخص ہوں۔ فَلَا فَخْرَ مگر مجھے اس پر فخر نہیں ہے۔ فرمایا: لَا تُطْرُوْنِیْ کَمَا اَطْرَتِ النَّصَارٰی عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ میری تعریف میں مبالغہ آرائی نہ کرنا جس طرح کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے بارے میں کیا اور ان کو اللہ کا بیٹا بنا دیا، کبھی عین اللہ کہا اور کبھی ثالث ثلاثہ بنا دیا۔ یہ کفر کا عقیدہ مبالغہ آرائی کے نتیجہ میں پیدا ہوا۔ فرمایا میری تعریف میں ایسی کوئی بات نہ کرنا جو میری عبدیت کے خلاف ہو۔ کیونکہ اِنَّمَا اَنَا عَبْدُ اللّٰہِ میں تو اللہ کا بندہ ہوں، میں عبدیت کے مقام میں ہوں، مجھ میں الوہیت والی کوئی بات نہیں ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے بھی میرے لیے عبدیت ہی کا مقام پسند فرمایا ہے۔ اس کا ارشاد ہے: سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا۔ (بنی اسرائیل: ۱) اللہ تعالیٰ کی وہ ذات پاک ہے جو اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا۔ سورۃ الکہف کے آغاز میں فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ (آیت ۱) تمام تعریفیں اس ذاتِ پاک کے لیے ہیں جس نے

اپنے بندے (محمدؐ) پر یہ کتاب نازل فرمائی۔

فرمایا، میں اللہ کا بندہ ہوں۔ فَقُوْلُوْا عَبْدُ اللّٰہِ وَرَسُوْلُہٗ لہٰذا مجھے اللہ کا بندہ اور اُس کا رسُول ہی کہہ کر پکارا کرو۔ چنانچہ اس عقیدہ کا اظہار ہر مومن آدمی نماز کے ہر تشہّد میں کرتا ہے۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ یہ ایسا عقیدہ ہے جس کے بغیر نماز ہی قبول نہیں ہوتی۔ اسی لیے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اپنی امّت کو نصیحت فرمائی کہ تم نصاریٰ کی طرح مبالغہ آرائی نہ کرنا، ورنہ ان کی طرح تم بھی گمراہ ہو جاؤ گے۔

درس ـ ۴۷　　　　　　　　　　　　　　　　حدیث ـ ۲

حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ حُجْرٍ اَخْبَرَنَا سُوَیْدُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِیْزِ عَنْ حُمَیْدٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ امْرَأَةً جَاءَتْ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ اِنَّ لِیْ اِلَیْكَ حَاجَةً فَقَالَ اِجْلِسِیْ فِیْ اَیِّ طَرِیْقِ الْمَدِیْنَةِ شِئْتِ اَجْلِسْ اِلَیْكِ ـ　　(ترمذی مع شمائل ص۵۹۴)

ترجمہ :" امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث علی بن حجر نے بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی سویدؒ[1] بن عبدالعزیز نے حمید کے واسطہ سے اور انھوں نے اسے صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کیا ۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک عورت[2] حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں حاضر ہوئی ، اور عرض کیا ، حضور ، مجھے آپ سے کچھ کام ہے ۔ آپ نے فرمایا کہ مدینہ کی جس گلی بازار میں چاہو بیٹھ جاؤ ، میں بھی وہیں بیٹھ کر تمہاری بات سُن لوں گا ۔"

تشریح | اس حدیث میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی تواضع کا ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے ۔ ایک عورت نے جس کا دماغی توازن درست نہیں تھا ، حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے اپنی کوئی حاجت ظاہر کرنے کا ارادہ کیا تو آپ نے بغیر کسی تکلّف اور استنکاف کے فرمایا کہ تم جس گلی ، بازار یا مقام میں چاہو میں تمہاری بات سننے کے لیے تیار ہوں ۔ محدثین فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے کسی کمرے یا گھر کی بجائے گلی بازار کا ذکر کیا ہے تاکہ آپ کی تواضع اور فراخدلی میں کوئی شبہ نہ رہے ۔ (اور کسی کو انگلی اٹھانے کا موقع بھی نہ ہو) ۔

---

[1] ابو محمد الدمشقی قاضی بعلبک المتوفی ۱۹۴ھ [2] اسمها ام زفر ماشطۃ خدیجہؓ (نیاض)

باب - ۴۷

درس - ۴۷

حدیث - ۳

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ اَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ عَنْ مُسْلِمٍ الْاَعْوَرِ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوْدُ الْمَرِيْضَ وَيَشْهَدُ الْجَنَازَةَ وَيَرْكَبُ الْحِمَارَ وَيُجِيْبُ دَعْوَةَ الْعَبْدِ وَكَانَ يَوْمَ بَنِيْ قُرَيْظَةَ عَلٰى حِمَارٍ مَّخْطُوْمٍ بِحَبْلٍ مِّنْ لِيْفٍ عَلَيْهِ اِكَافٌ مِّنْ لِيْفٍ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۹۴)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث علی بن حجر نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی علی بن مسہر نے مسلم[له] اعور کے حوالہ سے، اور انھوں نے اسے حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیمار کی عیادت فرماتے تھے، جنازے میں شرکت کرتے تھے، گدھے پر سواری کرتے تھے اور غلام کی دعوت بھی قبول فرما لیتے تھے۔ آپ بنی قریظہ کی لڑائی والے دن ایک گدھے پر سوار تھے جس کی لگام کھجور کے پتوں سے بنائی گئی تھی، اور اس کا پالان بھی کھجور کے پتوں کا تھا۔"

تشریح: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خادمِ خاص حضرت انس بن مالکؓ نے آپ کی تواضع اور انکساری کے بعض نمونے ذکر کیے ہیں کہ آپ کا کوئی صحابی بیمار ہو جاتا تو آپ اس کی عیادت کے لیے بلا تکلف چلے جاتے، اس کا حال پوچھتے اور اس کے لیے دعا بھی کرتے۔ حدیث کے الفاظ ہیں یَعُوْدُ الْمَرِيْضَ یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مریض کی عیادت فرماتے۔ حضرت سعدؓ کی بیمار پرسی کے لیے آپ

له هو ابن كيسان الكوفي الملائي المدايني ابو عبدالله - (فياض)

خاصی مسافت پیدل چل کر ہی گئے تھے۔ حضرت انسؓ دوسری بات یہ کہتے ہیں وَيَشْهَدُ الْجَنَازَةَ کوئی فوت ہو جاتا تو اس کے جنازے میں شرکت فرماتے۔ ہمارے امراء کی طرح نہیں کہ محض اپنی حیثیت کے آدمی کے جنازے میں جاتے بلکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اور بیگانے، رشتہ دار اور غیر رشتہ دار چھوٹے اور بڑے کسی میں فرق روا نہ رکھتے بلکہ ہر ایک کے جنازے میں شامل ہو جاتے۔ وَيَرْكَبُ الْحِمَارَ آپ کم درجے کی سواری گدھے پر سوار ہونے میں بھی کسی قسم کی حقارت محسوس نہیں کرتے تھے۔ اگر اونٹ یا گھوڑا سواری کے لیے موجود نہیں ہے تو آپ پیدل چلنے میں بھی کوئی عار محسوس نہ کرتے۔

وَيُجِيبُ دَعْوَةَ الْعَبْدِ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام غلام کی دعوت بھی قبول فرما لیتے تھے۔ عبد اس غلام کو کہتے ہیں جو کسی دوسرے شخص کا مملوک ہو اور جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد بھی ہے عَبْدًا مَّمْلُوكًا لَّا يَقْدِرُ عَلَىٰ شَيْءٍ (النحل: ۷۵) ایک غلام جو کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا بلکہ دوسرے شخص کے اختیار میں ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ ایک ایسا شخص جو اپنی ذات و افعال میں بھی با اختیار نہیں ہوتا، وہ آزاد اور با اختیار آدمی سے یقیناً کمتر ہوتا ہے مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایسے شخص کی دعوت قبول کرنے میں بھی کوئی عار محسوس نہیں کرتے تھے بلکہ بخوشی قبول فرما لیتے تھے۔ اس کا دوسرا معنیٰ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے کسی غلام کو بھیج کر دعوت دیتا تھا تو آپ اُسے بھی قبول فرما لیتے تھے اور اس بات میں قطعاً استنکاف نہیں کرتے تھے کہ دعوت دینے کے لیے صاحبِ خانہ خود یا اُس کا کوئی عزیز کیوں نہیں آیا؟ اس قسم کا غلام عبدِ مملوک کہلاتا ہے۔

غلام کی ایک قسم عبدِ مکاتب ہوتی ہے جس کو مالک کہتا ہے کہ اتنی رقم ادا کر دے تو تو آزاد ہو گا تو یہ عبد مکاتب کہلاتا ہے۔ اس کی حیثیت ایک آزاد شخص کی تو نہیں بلکہ اس سے کمتر ہوتی ہے لیکن تجارت وغیرہ کاروبار میں یہ آزاد ہوتا ہے کہ رقم کما کر مکمل آزادی حاصل کر لے تاہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایسے شخص کی دعوت قبول کرنے

میں بھی کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے تھے ۔ ایک عبدِ ماذون ہوتا ہے جو اپنے مالک کی اجازت سے کسی دوسرے شخص کی دعوت کرنے کا مجاز ہوتا ہے آپ نے کبھی ایسے شخص کی دعوت بھی ردّ نہیں کی بلکہ بخوشی قبول کی ہے تاکہ اس کی دلجوئی ہو ۔

ایک رقیقِ مطلق ہوتا ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو ایک حد تک اختیار تھا کہ وہ بطور شارع کسی دوسرے شخص کے غلام کو از خود آزاد کر دے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کسی مالک پر بوجوہ ناراض ہوئے تو اسکے غلام کو آزاد کر دیا ۔ اس روایت میں آمدہ دعوت العبد کی یہ توجیہہ بھی ہو سکتی ہے کہ چونکہ اس سلسلہ میں آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بااختیار تھے ۔ لہٰذا آپ غلام کی دعوت قبول فرما لیتے تھے تاہم یہ توجیہہ دوسری بیان کردہ توجیہات سے کم تر درجہ کی ہے ۔

حدیث کے اگلے حصّہ میں حضرت انسؓ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع کی ایک اور مثال بیان کی ہے ۔ وَكَانَ يَوْمَ بَنِيْ قُرَيْظَةَ عَلٰى حِمَارٍ ۔

مدینہ کے نواح میں آباد یہودی لوگ بڑے سازشی تھے جو اکثر مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیاں کرتے رہتے تھے ۔ جنگ احزاب کے اختتام پر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام ہتھیار اُتار دینا چاہتے تھے مگر جبریل علیہ السّلام نے آکر پیغام دیا کہ آپ پہلے بنی قریظہ والوں کے متعلق فیصلہ کر لیں ۔ چنانچہ احزاب سے فارغ ہونے کے بعد اسلامی لشکر بنی قریظہ کی طرف روانہ ہو گیا ، اور ان کا ہمیشہ کیلئے فیصلہ کر دیا ۔ اس روایت میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ بنی قریظہ والے دن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی عمدہ قسم کا گھوڑا یا اونٹ نہیں تھا بلکہ آپ ایک گدھے پر سوار ہو کر لشکر کے ہمراہ گڑھی بنو قریظہ میں تشریف لے گئے ۔ اس زمانہ میں بڑے لوگ اپنی سواریوں کے لیے قیمتی اور شان و شوکت والی لگامیں اور پلان استعمال کرتے تھے مگر جب ان یہودیوں کا ہمیشہ کے لیے فیصلہ ہو رہا تھا تو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے گدھے کی لگام اور اُس کا پالان مِنْ لِيْفٍ کھجور کے پتوں کا بنا ہوا تھا مطلب یہ ہے کہ فاتح کی حیثیت سے جا رہے ہیں مگر سادگی ، انکساری اور تواضع کا یہ حال ہے ۔

درس - ۴۷ حدیث - ۴

حَدَّثَنَا وَاصِلُ بْنُ عَبْدِ الْاَعْلَى الْكُوْفِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُدْعٰى اِلٰى خُبْزِ الشَّعِيْرِ وَالْاِهَالَةِ السَّنِخَةِ فَيُجِيْبُ وَلَقَدْ كَانَتْ لَهٗ دِرْعٌ عِنْدَ يَهُوْدِيٍّ فَمَا وَجَدَ مَا يَفُكُّهَا حَتّٰى مَاتَ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۹۷)

ترجمہ:- امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت واصل بن عبدالاعلیٰ کوفی نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے محمد بن فضیل نے اعمش کے واسطہ سے بیان کیا۔ انھوں نے یہ روایت حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کی۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جَو کی روٹی اور پرانی چربی کی طرف بھی دعوت دی جاتی تو آپ قبول فرما لیتے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی ایک زرہ ایک یہودی کے پاس رہن تھی۔ مگر آپ کے پاس کوئی چیز نہ تھی جس کے بدلے میں زرہ کو واگزار کرا لیتے، یہانتک کہ آپ دنیا سے رخصت ہو گئے۔"

تشریح | یہ بھی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی سادگی اور تواضع کی ایک اور مثال ہے حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو نہایت کمتر غذا یعنی جَو کی روٹی یا پرانی چربی کے لیے بھی دعوت دی جاتی تو آپ بخوشی قبول فرما لیتے۔ اچھی خوراک، اچھا لباس، عمدہ سواری اور اعلیٰ مکان تو دُنیا داروں کی ترغیبات ہوتی ہیں اللہ کے مقرّب ترین بندے ــــــــ اور اس کے نبی تو ہمیشہ اُمّت کی بہتری اور آخرت پر نظر رکھتے ہیں، انھیں دُنیا کے آرام و راحت سے کیا سروکار؟ ظاہر ہے

کہ گندم کی نسبت جَو کی روٹی قدرے کمتر سمجھی جاتی ہے مگر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اس کی دعوت بھی قبول فرما لیتے تھے اور اس میں کوئی استنکاف محسوس نہیں کرتے تھے ۔
اسی طرح نئی چربی کی نسبت پرانی چربی کا تو عام طور پر ذائقہ بھی تبدیل ہو جاتا ہے ، مگر آپ کو اسے استعمال کرنے میں بھی کبھی اعتراض نہیں ہوتا تھا ۔ اہالہ کا معنیٰ چربی اور سنخہ سے مُراد بدلے ہوئے ذائقہ والی چربی ۔ اس سے بدبو دار مُراد نہیں کیونکہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو بدبو دار چیز ناپسند تھی مگر یہ آپ کی تواضع کی انتہا تھی کہ ایسی کمتر چیز کی دعوت بھی ردّ نہیں فرماتے تھے ۔

دوسری بات حضرت انسؓ یہ بیان کرتے ہیں کہ گزرانِ اوقات میں آپ کی سادگی اور فروتنی کا یہ عالم تھا کہ وَلَقَدْ کَانَتْ لَہٗ دِرْعٌ عِنْدَ یَھُوْدِیٍّ زندگی کے آخری حصّے میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے کسی ضروری خرچ کے لیے اپنی ایک زرہ[1] یہودی کے پاس رہن رکھی تھی جسے آپ آخری وقت تک رقم ادا کر کے اُس یہودی سے واپس نہ لے سکے ۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی دُنیا سے رخصتی کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے قرض ادا کر کے زرہ چھڑائی تھی جو کہ بیت المال میں داخل کر لی گئی ۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا اپنا ارشاد مبارک ہے کہ ہم انبیاء کی جماعت مَا تَرَکْنَا صَدَقَۃٌ جو کچھ بھی پیچھے چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے ، کسی کی وراثت نہیں ہوتی ۔ بہرحال ابنِ سعد کی روایت کے مطابق حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی گزران اس طرح کی تھی ۔
اس روایت سے کئی باتیں سمجھ میں آتی ہیں ۔ مثلاً یہ کہ غیر مسلموں کے ساتھ بیع یا رہن وغیرہ کا معاملہ کرنا جائز ہے ، نیز اُن سے اُدھار لینا بھی درست ہے ۔

---

[1] ذات الفضول تھی ، یہودی کا نام ابوالشحم تھا جو کہ اوس سے تعلق رکھتا تھا ۔ (فیاض)

حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا اَبُوْ دَاوُدَ الْحَفَرِيُّ عَنْ سُفْيَانَ عَنِ الرَّبِيْعِ بْنِ صَبِيْحٍ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ اَبَانٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ حَجَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى رَحْلٍ رَثٍّ وَعَلَيْهِ قَطِيْفَةٌ لَا تُسَاوِيْ اَرْبَعَةَ دَرَاهِمَ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ حَجًّا لَا رِيَاءَ فِيْهِ وَلَا سُمْعَةَ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۹۴)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث محمود بن غیلان نے بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے ابو داؤد حفری نے سفیان کے حوالے سے بیان کیا ۔ اُنھوں نے یہ روایت ربیع بن صبیح سے اور انھوں نے یزید بن ابان سے نقل کی ۔ انھوں نے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پرانے کجاوے پر حج کیا ، جس پر پڑا ہوا کمبل چار درہم مالیت کا بھی نہیں تھا ۔ آپ نے دُعا کی ، اے اللہ اس حج کو ایسا حج بنا دے جس میں نہ ریاء ہو اور نہ شہرت ۔"

تشریح حضرت انسؓ نے اس روایت میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے حج کا واقعہ بیان کیا ہے کہ جس سواری پر آپ حج کے لیے تشریف لے گئے اس کا کجاوہ رَحْلٍ رَثٍّ پرانا تھا ۔ وَعَلَيْهِ قَطِيْفَةٌ اور اس پر ڈالا گیا کمبل بھی کوئی قیمتی نہیں بلکہ معمولی قسم کا تھا ۔ لَا تُسَاوِيْ اَرْبَعَةَ دَرَاهِمَ جس کی قیمت چار درہم کے برابر بھی نہیں تھی ۔ موجودہ زمانے میں حج پر جانے والے لوگوں کی شان و شوکت اور نمود و نمائش کو دیکھ لیں اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی سادگی کا بھی اندازہ لگا لیں ۔ اسی لیے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر دُعا کی تھی ۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ حَجًّا لَا رِيَاءَ

فِیْهِ وَلَا سُمْعَةَ ۔مولا کریم ! میرے اس حج کو ایسا حج بنا دے جس میں نہ تو ریاکاری ہو اور نہ ہی اس سے شہرت مقصود ہو۔

ظاہر ہے کہ حج ایک عبادت ہے جو خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہونی چاہیے۔ اگر حاجی کے دل میں نمود و نمائش اور شہرت حاصل کرنے کا خیال آگیا تو یہ حج محض لوگوں کے دکھاوے کے لیے اور شہرت کے حصول کا ذریعہ بن گیا، اللہ تعالےٰ کے حکم کے مطابق اس کے عائد کردہ فرض کی ادائیگی تو نہ رہی۔ ایسے ہی اعمال کے متعلق اللہ تعالیٰ قیامت والے دن فرمائے گا کہ اے میرے بندے! تو نے یہ عمل جس مخلوق کی رضا کے لیے انجام دیا تھا، اس کا بدلہ بھی اُنھیں سے جا کر حاصل کر، میرے پاس تیرے لیے اس عمل کی کوئی جزا نہیں ہے۔

باب - ۴۷

درس - ۴۷

حدیث - ۱

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَخْبَرَنَا عَفَّانُ اَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ اَنَسٍ قَالَ لَمْ يَكُنْ شَخْصٌ اَحَبَّ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَكَانُوْا اِذَا رَأَوْهُ لَمْ يَقُوْمُوْا لِمَا يَعْلَمُوْنَ مِنْ كَرَاهِيَتِهٖ لِذٰلِكَ ۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۹۴)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی عفان نے، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی حماد بن سلمۃ نے حمید کے واسطہ سے اور انہوں نے اسے صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ صحابہؓ کے نزدیک حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ محبوب کوئی شخصیت نہیں تھی۔ پھر کہتے ہیں کہ جب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام تشریف لاتے تو وہ کھڑے نہیں ہوتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آپ اس کو پسند نہیں فرماتے تھے۔"

تشریح اس حدیث میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی تواضع اور انکساری کو ایک دوسرے طریقے سے بیان کیا گیا۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں لَمْ يَكُنْ شَخْصٌ اَحَبَّ اِلَيْهِمْ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صحابہ کرامؓ کے نزدیک حضور سرور کائناتؐ سے بڑھ کر کوئی شخصیت محبوب نہیں تھی۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک بھی ہے۔ لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۔ (بخاری ص۷ ج۱، دارمی ص۲۱۷ ج۲) تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب

یہ ہیں اُس کے نزدیک اس کے والدین اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب شخصیّت نہ بن جاؤں۔

صحابی بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے اس قدر محبوب ہونے کے باوجود ہماری حالت یہ تھی وَكَانُوْا اِذَا رَاَوْهُ لَمْ يَقُوْمُوْا کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو آتے دیکھ کر ہم لوگ تعظیماً کھڑے نہیں ہوتے تھے۔ وجہ یہ تھی لِمَا يَعْلَمُوْنَ مِنْ كَرَاهِيَّتِهٖ لِذٰلِكَ کہ ہم خوب جانتے تھے کہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم اپنی تعظیم میں کھڑا ہونے کو پسند نہیں کرتے تھے۔ یہ بھی آپ کی تواضع، انکساری اور فروتنی کا ایک نمونہ تھا۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا کسی دوسری شخصیّت کے آنے پر اس کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا درست ہے؟ اگر روا ہے تو کس حد تک؟ ابوداؤد شریف کی صحیح روایت میں آتا ہے کہ ایک موقع پر صحابہ کرامؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھے تھے، جب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام مجلس سے اُٹھے تو ہم بھی اُٹھ کھڑے ہوئے یہاں تک کہ آپ اپنے کمرہ میں جا داخل ہوئے۔ خود حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا اپنی پیاری بیٹی فاطمہؓ کی آمد پر کھڑے ہونے کا ثبوت بھی ملتا ہے۔ جب حضرت فاطمہؓ آتیں تو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کھڑے ہو جاتے۔ اُس کو پیار کرتے اور اپنے پاس بٹھاتے۔ اسی طرح جب حضرت زیدؓ سفر سے واپس آئے تو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام انھیں دیکھ کر اُٹھ کھڑے ہوئے، آگے بڑھے اور نہایت محبت وشفقت کا اظہار کیا۔

بہر حال بعض اوقات صحابہ کرامؓ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے گویا تعظیماً کھڑے ہونا یا نہ ہونا دونوں طرح کی روایات موجود ہیں البتہ ان کے مواقع مختلف ہیں۔ ترمذی شریف اور ابوداؤد شریف کی روایت میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا فرمان موجود ہے لَا تَقُوْمُوْا كَمَا يَقُوْمُ الْاَعَاجِمُ میرے سامنے عجمیوں کی طرح نہ کھڑے ہوا کرو۔ عجمی سردار اپنی رعیت سے اپنی تعظیم کرانا اپنا حق جانتے تھے۔ لہٰذا لوگ اُن کے سامنے کھڑے ہوتے تھے، اور جو ایسا

نہیں کرتے تھے، وہ مجرم سمجھے جاتے تھے۔ اس قسم کی جبری تعظیم مکروہ تحریمی میں داخل ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص محبّت، شوق یا تعظیم کے لیے ازخود کھڑا ہو جائے تو اس کے لیے شریعت میں گنجائش موجود ہے بعض اوقات صحابہ بھی کھڑے ہوتے تھے اسی طرح استاذ کی تعظیم کے لیے کھڑا ہونا بھی روا ہے مگر مذکورہ شرط کے ساتھ، جیسا کہ اس روایت میں مذکور ہے البتہ بعض اوقات نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام صحابہ کے کھڑے ہونے کو ناپسند بھی فرماتے تھے۔ دونوں باتوں کا مرجع الگ الگ ہے۔ اگر کوئی شخص دوسرے کو حقیر جانتا ہے اور اپنے ماتحت، شاگرد یا رعیّت کا کھڑا ہونا اپنا حق سمجھتا ہے تو یہ ناجائز ہے۔ ان دونوں قسم کی تعظیموں کا فرق اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔

باب - ۴۷
درس - ۴۷
حدیث - ۷
(حصّہ اوّل)

حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ حَدَّثَنَا جُمَيْعُ بْنُ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْعِجْلِيُّ حَدَّثَنِي رَجُلٌ مِّنْ بَنِي تَمِيمٍ مِنْ وُلْدِ أَبِي هَالَةَ زَوْجِ خَدِيجَةَ يُكَنّٰى أَبَا عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنٍ لِأَبِي هَالَةَ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ سَأَلْتُ خَالِي هِنْدَ بْنَ أَبِي هَالَةَ وَكَانَ وَصَّافًا عَنْ حِلْيَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا أَشْتَهِي أَنْ يَّصِفَ لِي مِنْهَا شَيْئًا فَقَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخْمًا مُفَخَّمًا يَتَلَأْلَأُ وَجْهُهُ تَلَأْلُؤَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ بِطُولِهِ قَالَ الْحَسَنُ فَكَتَمْتُهَا الْحُسَيْنَ زَمَانًا ثُمَّ حَدَّثْتُهُ فَوَجَدْتُّهُ قَدْ سَبَقَنِي إِلَيْهِ فَسَأَلَهُ عَمَّا سَأَلْتُهُ عَنْهُ وَوَجَدْتُّهُ قَدْ سَأَلَ أَبَاهُ عَنْ مَدْخَلِهِ وَعَنْ مَخْرَجِهِ وَشَكْلِهِ فَلَمْ يَدَعْ مِنْهُ شَيْئًا قَالَ الْحُسَيْنُ فَسَأَلْتُ أَبِي عَنْ دُخُولِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَ إِذَا أَوٰى إِلَى مَنْزِلِهِ جَزَّأَ دُخُولَهُ ثَلَاثَةَ أَجْزَاءٍ جُزْءً لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَجُزْءً لِأَهْلِهِ وَجُزْءً لِنَفْسِهِ ثُمَّ جَزَّأَ جُزْءَهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّاسِ فَيَرُدُّ ذٰلِكَ بِالْخَاصَّةِ عَلَى الْعَامَّةِ وَلَا يَدَّخِرُ عَنْهُمْ شَيْئًا وَكَانَ مِنْ سِيرَتِهِ فِي جُزْءِ الْأُمَّةِ إِيثَارُ أَهْلِ الْفَضْلِ بِإِذْنِهِ

وَقَسَّمَهُ عَلیٰ قَدْرِ فَضْلِهِمْ فِی الدِّیْنِ فَمِنْهُمْ ذُوالْحَاجَةِ
وَمِنْهُمْ ذُوالْحَاجَتَیْنِ وَمِنْهُمْ ذُوالْحَوَائِجِ فَیَتَشَاغَلُ
بِهِمْ وَیَشْغَلُهُمْ فِیْمَا یُصْلِحُهُمْ وَالْاُمَّةَ مِنْ
مَّسْأَلَتِهِمْ عَنْهُ وَاِخْبَارِهِمْ بِالَّذِیْ یَنْبَغِیْ لَهُمْ
وَیَقُوْلُ لِیُبَلِّغِ الشَّاهِدُ مِنْكُمُ الْغَائِبَ وَاَبْلِغُوْنِیْ
حَاجَةَ مَنْ لَا یَسْتَطِیْعُ اِبْلَاغَهَا فَاِنَّهُ مَنْ
اَبْلَغَ سُلْطَانًا حَاجَةَ مَنْ لَا یَسْتَطِیْعُ اِبْلَاغَهَا
ثَبَّتَ اللّٰهُ قَدَمَیْهِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ لَا یُذْکَرُ عِنْدَهٗ
اِلَّا ذٰلِكَ وَلَا یَقْبَلُ مِنْ اَحَدٍ غَیْرَهٗ یَدْخُلُوْنَ
رُوَّادًا وَلَا یَفْتَرِقُوْنَ اِلَّا عَنْ ذَوَاقٍ وَیَخْرُجُوْنَ
اَدِلَّةً یَعْنِیْ عَلَی الْخَیْرِ قَالَ فَسَأَلْتُهُ عَنْ
مَخْرَجِهٖ کَیْفَ کَانَ یَصْنَعُ فِیْهِ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ
صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَخْزُنُ لِسَانَهٗ اِلَّا فِیْمَا
یَعْنِیْهِ وَیُؤَلِّفُهُمْ وَلَا یُنَفِّرُهُمْ وَیُکْرِمُ کَرِیْمَ
کُلِّ قَوْمٍ وَیُوَلِّیْهِ عَلَیْهِمْ وَیُحَذِّرُ النَّاسَ وَیَحْتَرِسُ
مِنْهُمْ مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّطْوِیَ عَلیٰ اَحَدٍ مِّنْهُ بِشْرَهٗ
وَخُلُقَهٗ وَیَتَفَقَّدُ اَصْحَابَهٗ وَیَسْأَلُ النَّاسَ مِمَّا
فِی النَّاسِ وَیُحَسِّنُ الْحَسَنَ وَیُقَوِّیْهِ وَیُقَبِّحُ
الْقَبِیْحَ وَیُوَهِّیْهِ مُعْتَدِلَ الْاَمْرِ غَیْرَ مُخْتَلِفٍ
لَا یَغْفُلُ مَخَافَةَ اَنْ یَغْفُلُوْا اَوْ یَمَلُّوْا لِکُلِّ حَالٍ
عِنْدَهٗ عَتَادٌ لَا یُقَصِّرُ عَنِ الْحَقِّ وَلَا یُجَاوِزُهٗ
الَّذِیْنَ یَلُوْنَهٗ مِنَ النَّاسِ خِیَارُهُمْ اَفْضَلُهُمْ
عِنْدَهٗ اَعَمُّهُمْ نَصِیْحَةً وَاَعْظَمُهُمْ عِنْدَهٗ

مَنْزِلَةً اَحْسَنُهُمْ مُوَاسَاةً وَّمُؤَازَرَةً قَالَ فَسَأَلْتُهٗ عَنْ مَجْلِسِهٖ فَقَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقُوْمُ وَلَا يَجْلِسُ اِلَّا عَلٰى ذِكْرٍ وَاِذَا انْتَهٰى اِلٰى قَوْمٍ جَلَسَ حَيْثُ يَنْتَهِيْ بِهِ الْمَجْلِسُ وَيَاْمُرُ بِذٰلِكَ يُعْطِيْ كُلَّ جُلَسَآئِهٖ بِنَصِيْبِهٖ لَا يَحْسَبُ جَلِيْسُهٗ اَنَّ اَحَدًا اَكْرَمُ عَلَيْهِ مِنْهُ مَنْ جَالَسَهٗ اَوْفَاوَضَهٗ فِيْ حَاجَةٍ صَابَرَهٗ حَتّٰى يَكُوْنَ هُوَالْمُنْصَرِفُ عَنْهُ وَمَنْ سَأَلَهٗ حَاجَتَهٗ لَمْ يَرُدَّهٗ اِلَّا بِهَا اَوْ بِمَيْسُوْرٍ مِّنَ الْقَوْلِ قَدْ وَسِعَ النَّاسَ بَسْطُهٗ وَخُلُقُهٗ فَصَارَ لَهُمْ اَبًا وَصَارُوْا عِنْدَهٗ فِي الْحَقِّ سَوَآءً مَجْلِسُهٗ مَجْلِسُ عِلْمٍ وَّحَيَآءٍ وَّصَبْرٍ وَّاَمَانَةٍ لَا تُرْفَعُ فِيْهِ الْاَصْوَاتُ وَلَا تُؤْبَنُ فِيْهِ الْحُرَمُ وَلَا تُنْثٰى فَلَتَاتُهٗ مُتَعَادِلِيْنَ يَتَفَاضَلُوْنَ فِيْهِ بِالتَّقْوٰى مُتَوَاضِعِيْنَ يُوَقِّرُوْنَ فِيْهِ الْكَبِيْرَ وَيَرْحَمُوْنَ فِيْهِ الصَّغِيْرَ وَيُؤْثِرُوْنَ ذَا الْحَاجَةِ وَيَحْفَظُوْنَ الْغَرِيْبَ۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۹۴)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے یہ حدیث سفیان بن وکیع نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے جمیع بن عمر بن عبدالرحمٰن عجلی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے پاس بیان کیا بنی تمیم کے ایک شخص نے جو ابوہالہ زوج حضرت خدیجہؓ کی اولاد میں سے تھا اور جس کی کنیت ابوعبداللہ تھی۔ انھوں نے یہ روایت ابوہالہ سے اور انھوں نے حضرت حسن بن علیؓ سے نقل کی۔ حضرت حسنؓ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے

ماموں ہند بن ابو ہالہ سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی
سیرتِ مبارک سے متعلق دریافت کیا، کیونکہ آپ حضور علیہ الصّلوٰۃ
والسّلام کا حلیہ مبارک بڑے اچھّے پیرائے میں بیان کیا کرتے
تھے۔ میری شدید خواہش تھی کہ میرے ماموں حضور علیہ الصّلوٰۃ
والسّلام کی سیرت کا کچھ حصّہ میرے سامنے بیان کریں۔ چنانچہ
میرے ماموں ہند بن ابی ہالہ نے بیان کرنا شروع کیا کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم بلند پایہ اور بلند مرتبت تھے۔ آپ کا چہرۂ انور
چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا تھا۔ پھر انھوں نے لمبی
حدیث بیان کی۔ حضرت حسنؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے یہ
حدیث ایک عرصہ تک (اپنے برادرِ خورد) حضرت حسینؓ سے
چھپائے رکھّی۔ پھر جب میں نے اُن کے سامنے یہ حدیث
بیان کی تو مَیں نے پایا کہ حضرت حسینؓ تو اس معاملہ میں مجھ سے
سبقت حاصل کر چکے تھے۔ یعنی حسینؓ نے ماموں سے وہی
باتیں دریافت کی تھیں جو مَیں نے اُن سے دریافت کی
تھیں۔ اس کے علاوہ وہ ہمارے والد گرامی حضرت علیؓ
سے بھی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے گھر میں داخل ہونے
گھر سے باہر جانے اور آپ کے طور طریقوں کے متعلق پہلے
ہی دریافت کر چکے تھے اور اُن میں سے کوئی چیز بھی یاد
کیے بغیر نہ چھوڑی تھی۔ حضرت حسینؓ نے یوں کہا۔ میں نے
اپنے والد گرامی سے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے گھر میں
داخل ہونے کے متعلق دریافت کیا، تو انھوں نے بتایا کہ جب
حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر تشریف لاتے تھے
تو اپنے گھر میں ٹھہرنے کے اوقات کو تین حصوں میں تقسیم فرما

لیتے تھے۔ ایک حصّہ محض اللہ تعالیٰ کی عبادت و ریاضت
کے لیے ہوتا تھا۔ دوسرا تہائی حصّہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام
اپنے اہلِ خانہ کے لیے متعین کر لیتے تھے اور تیسرا حصّہ آپ
اپنی ذات کے لیے وقف کر لیتے تھے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم اپنے لیے مخصوص کردہ وقت آگے مزید دو حصّوں
میں تقسیم فرما لیتے یعنی ذاتی آرام کے لیے اور دوسرے لوگوں
سے ملاقات کے لیے۔ اس دوران میں آپ خاص لوگوں کے
ذریعے عوام کو فائدہ پہنچاتے تھے اور آپ لوگوں سے کوئی
چیز ذخیرہ بنا کر نہیں رکھتے تھے۔ آپ کا طریقِ کار یہ تھا کہ
اُمّت کے لیے مخصوص حصّہ وقت کو اہلِ فضیلت حضرات
کے لیے وقف کر دیتے تھے اپنی اجازت سے، اور یہ
تقسیم دینی فضیلت کے اعتبار سے ہوتی تھی ان لوگوں میں
سے کسی کی ایک ضرورت ہوتی تھی اور بعض کی دو دو حاجات
ہوتی تھیں اور بعض حضرات کو متعدد معاملات میں ہدایات حاصل
کرنے کی ضرورت ہوتی تھی۔ پس حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اُن
لوگوں سے (حسبِ مراتب و ضرورت) بات چیت کرتے اور
ملاقاتیوں کو ایسے معاملات میں مشغول رکھتے جو خود اُن کے
لیے اور پُوری اُمّت کے لیے باعثِ اصلاح ہوتے۔ وہ
لوگ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے مسائل دریافت کرتے
تھے اور آپ اُن کو اُن کے مناسب حال بات بتلا دیتے
تھے اور ساتھ یہ بھی فرما دیتے تھے کہ تم لوگ جو یہاں حاضر ہو
وہ یہ باتیں دوسروں تک پہنچا دیں اور جو شخص اپنی حاجت
مجھ تک پہنچانے کی طاقت نہیں رکھتا، اس کی حاجت تم مجھ

تک پہنچا دیا کرو، کیونکہ جو شخص کسی ایسے حاجت مند کی حاجت حاکمِ وقت تک پہنچائے گا جو خود اس کو پہنچانے کی استطاعت نہیں رکھتا، اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو قیامت والے دن ثابت قدم رکھے گا۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی مجلس میں ایسی ہی (اچھی) باتوں کا تذکرہ ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ کسی بھی شخص سے کوئی بات قبول نہیں کی جاتی تھی۔ آپ کے صحابہؓ طالبانِ خیر بن کر داخل ہوتے تھے اور کوئی چیز چکھے بغیر جُدا نہیں ہوتے تھے۔ وہ لوگ نیکی کے کاموں میں راہنما بن کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے نکلتے تھے۔

حضرت حسینؓ کہتے ہیں کہ پھر میں نے اپنے والد گرامی سے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے باہر کے معمولات کے متعلق دریافت کیا کہ اس دوران میں آپ کیا کرتے تھے انھوں نے بتایا کہ (اس دوران میں) حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اپنی زبان کو محفوظ رکھتے تھے سوائے بامعنی بات کے۔ آپ لوگوں کی دل جوئی فرماتے تھے اور ان کو متنفر نہیں کرتے تھے۔ آپ ہر قوم کے باعزت آدمی کی عزت کرتے تھے، اور اُس شخص کو اُس قوم کا حاکم یا سردار مقرر کر دیتے تھے اور لوگوں کو (اغیار کے شر سے) خبردار کرتے تھے اور خود بھی اُن سے بچاؤ اختیار کرتے تھے مگر کسی شخص سے اپنے چہرے کی بشاشت اور اعلیٰ اخلاق کو نہیں روکتے تھے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اپنے صحابہؓ کے متعلق پوچھ گچھ کرتے رہتے تھے۔ آپ لوگوں کے درمیان پیش آمدہ واقعات کے متعلق بھی دریافت فرماتے آپ ہر اچھی بات کی تحسین فرماتے اور اس کی تائید بھی

فرماتے۔ آپ ہر بُری چیز کی قباحت بیان فرماتے اور اسے کمزور کرنے کی کوشش کرتے۔ آپ معتدل معاملات والے تھے اور آپ کا کوئی بھی کام اختلاف والا نہیں ہوتا تھا۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اس ڈر سے غافل نہیں رہتے تھے کہ لوگ لوازماتِ دین سے غافل ہو جائیں گے۔ ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے آپ کے پاس مناسب حال سامان موجود ہوتا تھا حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام حق بات سے کوتاہی نہیں کرتے تھے، اور نہ آپ حق سے تجاوز کرتے تھے۔ آپ کے قریب رہنے والے لوگ عوام میں سے منتخب لوگ ہوتے تھے اور ان میں سے بھی زیادہ افضل وہ لوگ ہوتے تھے جو خیر خواہی میں بڑھے ہوئے ہوتے تھے آپ کے نزدیک بلند مرتبت وہی لوگ ہوتے تھے جو انسانی ہمدردی اور باہمی تعاون کے اعتبار سے فائق ہوتے تھے۔

حضرت حسین بن علیؓ کہتے ہیں کہ پھر میں نے اپنے والدِ گرامی سے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی مجلس کے معمولات دریافت کیے تو انھوں نے بتایا کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام ہر مجلس کی ابتدار اور انتہار اللہ کے ذکر کے ساتھ کرتے۔ جب آپ کسی قوم کے پاس تشریف لے جاتے تو جہاں مجلس ختم ہوتی وہیں بیٹھ جاتے اور آپ لوگوں کو بھی یہی تعلیم دیتے۔ آپ ہر ہم نشین کو اس کا پورا پورا حصہ عطا فرماتے۔ آپ کے پاس بیٹھنے والا ہر شخص یہی سمجھتا تھا کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے نزدیک اس سے زیادہ باعزّت کوئی شخص نہیں ہے۔ جو شخص آپ کے پاس بیٹھتا تھا یا کسی معاملہ میں آپ کے ساتھ شریک

ہوتا تھا، آپ صبر کرتے تھے، یہاں تک کہ وہ شخص خود ہی اُٹھ کر چلا جائے اور جو آدمی آپ سے کوئی ضرورت کی چیز طلب کرتا تھا، آپ اُسے اس کی ضرورت پوری کیے بغیر نہیں لوٹاتے تھے یا (کم از کم) اُسے سہولت والی کوئی بات بتا دیتے تھے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی سخاوت اور اخلاقِ کریمانہ وسیع تھا۔ آپ لوگوں کے لیے بمنزلہ باپ کے تھے آپ کے نزدیک حق کے معاملہ میں تمام لوگ برابر تھے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی مجلس علم وحیاء اور صبر و امانت کی مجلس ہوتی تھی۔ آپ کی مجلس میں آوازیں بلند نہیں کی جاتی تھیں، اور اس میں لوگوں کی ناموسوں پر عیب نہیں لگایا جاتا تھا۔ نہ ہی کسی آدمی کی لغزش کی تشہیر کی جاتی تھی۔ سب کو برابر حیثیت دی جاتی تھی۔ ایک دوسرے پر فضیلت کا معیار محض تقویٰ ہوتا تھا۔ آپ کے ہم نشین تواضع کرنے والے ہوتے تھے۔ وہ بڑوں کی عزّت کرتے تھے اور چھوٹوں پر رحم کرتے تھے اور ضرورت مند کو ترجیح دیتے تھے، اور مسافر آدمی کی حفاظت کرتے تھے"

تشریح حضرت حسنؓ کی روایت کردہ یہ وہی لمبی حدیث ہے جس کو امام ترمذیؒ نے کئی حصّوں میں تقسیم کر کے ترجمۃ الباب کی مناسبت سے مختلف ابواب میں نقل کیا ہے۔ اس کے کئی ٹکڑے آپ پہلے بھی اسی کتاب میں پڑھ چکے ہیں۔ یہاں پر اس حدیث کا ابتدائی حصہ باب ۱ کی حدیث ۷ میں گزر چکا ہے۔ اگرچہ قاضی عیاضؒ نے دو صفحہ کی اس طویل حدیث کو اکٹھا بھی نقل کیا ہے، تاہم عام محدثین کا طریقہ یہی ہے کہ انھوں نے اس کے مختلف ٹکڑے مختلف ابواب میں تقسیم کر دیے ہیں۔ امام ترمذیؒ نے تواضع سے متعلقہ حصہ یہاں نقل کیا ہے۔ اس حصّہ میں بھی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی سیرت سے متعلق بہت سی اصولی، قانونی اور اخلاقی باتیں موجود

ہیں، گویا یہ بڑی پیاری اور کثیر المعلومات حدیث ہے۔

اس حدیث کے راوی حضرت حسن بن علیؓ اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے نواسے ۳ھ میں پیدا ہوئے اور ان کے چھوٹے بھائی حضرت حسینؓ ۴ھ میں پیدا ہوئے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی وفات کے وقت دونوں صاحبزادوں کی عمریں چھ اور سات سال تھیں حضرت حسنؓ ۴۹ھ کے قریب فوت ہوئے جب کہ حضرت حسینؓ کی شہادت ۶۰ھ میں کربلا کے مقام پر ہوئی۔

بہرحال اس حدیث کے راوی حضرت حسنؓ بیان کرتے ہیں قَالَ الْحَسَنُ کہ میں نے یہ لمبی حدیث اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہؓ سے سُنی۔ فَكَتَمْتُهَا الْحُسَيْنَ زَمَانًا مگر ایک عرصہ تک اس حدیث کو اپنے برادرِ خورد حسینؓ سے چھپائے رکھا یعنی ان کے سامنے یہ حدیث بیان نہ کی۔ ثُمَّ حَدَّثْتُهُ فَوَجَدْتُهُ قَدْ سَبَقَنِي إِلَيْهِ پھر جب میں نے اس حدیث کا ذکر اُن سے کیا تو معلوم ہوا کہ حضرت حسینؓ تو اس معاملہ میں مجھ سے سبقت حاصل کر چکے تھے۔ فَسَأَلَهُ عَمَّا سَأَلْتُهُ عَنْهُ پس حسینؓ نے ماموں سے وہ باتیں دریافت کیں جو میں نے ان سے دریافت کی تھیں۔ وَوَجَدْتُهُ قَدْ سَأَلَ أَبَاهُ عَنْ مَدْخَلِهِ وَعَنْ مَخْرَجِهِ وَشَكْلِهِ تو معلوم ہوا کہ وہ ہمارے والد گرامی حضرت علیؓ سے بھی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے گھر میں داخل ہونے، گھر سے باہر جانے، اور آپ کے طور طریقوں کے متعلق پہلے ہی دریافت کر چکے تھے۔

حضرت حسنؓ کا خیال تھا کہ یہ روایت شاید اُنھی کو یاد ہے اور حضرت حسینؓ کے علم میں نہیں ہے مگر بات کھل گئی تو پتہ چلا کہ میرے چھوٹے بھائی مجھ سے بھی تیز نکلے انھوں نے یہ روایت نہ صرف اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہؓ سے سُن رکھی تھی بلکہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی سیرت کے بعض پہلو اپنے والد گرامی سے بھی معلوم کر چکے تھے۔ فَلَمْ يَدَعْ مِنْهُ شَيْئًا اور اُن میں سے کوئی چیز بھی معلوم کیے بغیر نہیں چھوڑی تھی۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت حسنؓ نے اپنے چھوٹے بھائی حسینؓ سے اس حدیث کو عرصہ دراز تک کیوں چھپائے رکھا؟ دراصل برادرِ اکبر اپنے چھوٹے بھائی پر علمی برتری حاصل کرنا چاہتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ سے متعلق اتنی کثیر المعلومات حدیث صرف انھی کو یاد ہے اور انکے برادر خورد اس سے محروم ہیں علم میں برتری حاصل کرنا کوئی معیوب بات بھی نہیں ہے۔ یہ ایک مسلّمہ امر ہے کہ مَنْ حَفِظَ فَهُوَ حُجَّةٌ عَلٰى مَنْ لَمْ يَحْفَظْ جس آدمی نے کسی چیز کو یاد کر رکھا ہو، وہ نہ یاد رکھنے والے پر حجّت ہوتا ہے مگر امام حسنؓ کہتے ہیں کہ میرا خیال غلط نکلا، حضرت حسینؓ پہلے ہی اس حدیث سے واقف تھے، لہٰذا میرا احساسِ برتری جاتا رہا۔ اگرچہ علم کو چھپانا بھی مناسب نہیں مگر اوائل عمر میں طلباء میں ایک دوسرے سے سبقت حاصل کرنے کا رجحان پایا جاتا ہے۔ حضرت حسنؓ کے دل میں بھی کوئی اسی قسم کا خیال تھا مگر وہ برتری حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

قَالَ الْحُسَيْنُ اب چھوٹے بھائی حضرت حسینؓ نے اپنے بڑے بھائی کے سوال پر یہ حدیث اس طرح بیان کرنا شروع کی کہتے ہیں، فَسَأَلْتُ أَبِي عَنْ دُخُولِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ میں نے اپنے والد امیر المؤمنین حضرت علیؓ سے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں داخل ہونے کے متعلق دریافت کیا یعنی گھر پہنچ کر حضور خاتم النبیّین صلّی اللہ علیہ وسلم کے معمولات کیا ہوتے تھے؟ فَقَالَ كَانَ إِذَا أَوَى إِلَى مَنْزِلِهِ تو انھوں نے بتایا کہ جب نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اپنے گھر تشریف لاتے تھے جَزَّءَ دُخُولَهُ ثَلٰثَةَ أَجْزَاءٍ تو اپنے گھر میں ٹھہرنے کے اوقات کو تین حصّوں میں تقسیم کر لیتے تھے۔ جُزْءًا لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ ان میں سے ایک حصّہ محض اللہ تعالیٰ کی عبادت و ریاضت کے لیے ہوتا تھا۔ اگرچہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے تمام اعمال و افعال عبادت ہی کا حصّہ تھے مگر گھر میں آکر آپ کل وقت کا تیسرا حصّہ اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص کر دیتے تھے جسکے دوران آپ نماز پڑھتے، تلاوت کرتے اور دیگر ذکر و اذکار بجالاتے۔ وَجُزْءًا

لِاَهْلِہٖ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام وقت کا دوسرا تہائی حصّہ اپنے گھر والوں کے لیے وقف کر لیتے تھے جس میں گھر والوں سے میل ملاقات اور انکے حقوق کی ادائیگی کرتے تھے۔ وَجُزْءً لِنَفْسِہٖ اور گھر کے اوقات میں سے تیسرا حصہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام خاص اپنی ذات کے آرام و راحت کے لیے مقرر کر لیتے تھے۔

ثُمَّ جَزَّءَ جُزْءَہٗ بَیْنَہٗ وَ بَیْنَ النَّاسِ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لیے مخصوص کردہ وقت آگے مزید دو حصّوں یعنی ذاتی آرام اور لوگوں سے ملاقات کے لیے تقسیم فرما لیتے تھے۔ آرام کرنے کے وقت آرام کرتے، اور جو وقت لوگوں کے لیے مخصوص ہوتا، فَیَرُدُّ ذٰلِكَ بِالْخَاصَّةِ عَلَى الْعَامَّةِ اس دوران میں آپ خاص لوگوں کے ذریعہ عوام کو فائدہ پہنچاتے تھے چونکہ آپ اس وقت گھر میں تشریف فرما ہوتے تھے اس لیے عام آدمیوں کو تو اندر آنے کی اجازت نہیں ہوتی تھی لہٰذا خاص خاص اہلِ علم حضرات کی تربیت فرماتے تھے، اُن کو ہدایات دیتے تھے تاکہ وہ دین کے معاملات آگے دوسروں تک پہنچا سکیں۔ یہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی بیش قیمت قربانی ہے کہ اپنے ذاتی آرام کا ایک حصّہ بھی عوام کے فائدے کے لیے مختص کر دیتے تھے۔ ان خاص لوگوں میں ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہم شامل تھے، جن کے ذریعے امّت کی راہنمائی مطلوب ہوتی تھی۔ گویا ان خاص افراد کے ذریعے اپنے اس مخصوص وقت کو بھی عوام پر لوٹا دیتے تھے۔ وَلَا یَدَّخِرُ عَنْھُمْ شَیْئًا اور آپ، لوگوں سے کوئی چیز ذخیرہ بنا کر نہیں رکھتے تھے بلکہ ہر عطا کی جانے والی چیز دے دیتے تھے۔

وَكَانَ فِیْ سِیْرَتِہٖ فِیْ جُزْءِ الْاُمَّةِ اِیْثَارُ اَھْلِ الْفَضْلِ بِاِذْنِہٖ یہ آپ کا طریق کار تھا کہ امّت کے لیے مخصوص حصّہ وقت کو اہلِ فضیلت حضرات کے لیے وقف کر دیتے تھے اپنی اجازت سے۔ وَقَسَمَہٗ عَلٰی قَدْرِ فَضْلِھِمْ فِی الدِّیْنِ اور یہ وقت ان کی دینی فضیلت کے لحاظ سے تقسیم فرما دیتے تھے۔ فَمِنْھُمْ ذُوالْحَاجَةِ پھر اُن لوگوں میں سے کسی شخص کا ایک کام

ہوتا تو اس کو سمجھا دیتے۔ وَمِنْهُمْ ذُوالْحَاجَتَيْنِ اور بعض کی دو دو ضروریات ہوتیں یعنی انھوں نے دو اُمور کے متعلق ہدایات حاصل کرنا ہوتی تھیں، تو اُن کو ان کے مناسب حال وقت دے کر ضروری باتیں سمجھادی جاتیں۔ وَمِنْهُمْ ذُوالْحَوَائِجِ اور بعض اصحاب کو متعدد اُمور کے متعلق ہدایات لینے کی ضرورت ہوتی۔ فَيَتَشَاغَلُ بِهِمْ چنانچہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام ان لوگوں کے ساتھ حسب مراتب اور حسب ضرورت مشغول ہوتے، اُن سے بات چیت کرتے، ضروری مسائل سمجھاتے۔

وَيَشْغَلُهُمْ فِيمَا يُصْلِحُهُمْ وَالْأُمَّةَ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اُن ملاقاتیوں کو بھی ایسے معاملات میں مشغول رکھتے جو خود ان کے لیے اور پوری اُمّت کے لیے اصلاح کا باعث ہوتے۔ مِنْ مَسْئَلَتِهِمْ عَنْهُ وہ لوگ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے مسائل دریافت کرتے تھے۔ وَ إِخْبَارِهِمْ بِالَّذِي يَنْبَغِي لَهُمْ اور آپ اُن کو اُن کے مناسب حال بات بتلا دیتے تھے۔ وَيَقُولُ لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ مِنْكُمُ الْغَائِبَ اور آپ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ تم جو لوگ یہاں حاضر ہو، وہ یہ باتیں دوسروں تک پہنچا دیں تاکہ وہ بھی ان سے محروم نہ رہیں۔ وَأَبْلِغُونِي حَاجَةَ مَنْ لَا يَسْتَطِيعُ إِبْلَاغَهَا حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص اپنی حاجت مجھ تک پہنچانے کی طاقت نہیں رکھتا، اس کی ضرورت تم مجھ تک پہنچا دیا کرو۔ بعض کمزور، نادار، یتیم اور بیوہ عورتیں ہوتی تھیں جو اپنی جائز ضروریات بھی پیش کرنے کے لیے حکام وقت تک رسائی حاصل کرنے کی استطاعت نہیں رکھتیں، تو ایسے مستحقین افراد کے متعلق اللہ کے نبی نے فرمایا کہ مجھ سے تربیت حاصل کرنے والے خاص لوگوں کا فرض ہے کہ وہ حاجت مندوں کی حاجات متعلقہ حکام تک پہنچانے کا فریضہ بھی ادا کریں۔ فَإِنَّهُ مَنْ أَبْلَغَ سُلْطَانًا حَاجَةَ مَنْ لَا يَسْتَطِيعُ إِبْلَاغَهَا ثَبَّتَ اللّٰهُ قَدَمَيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ کیونکہ جو شخص کسی ایسے حاجت مند کی حاجت کو حاکم وقت تک پہنچائے گا جو خود اس کو پہنچانے کی طاقت نہیں رکھتا تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو قیامت والے دن ثابت قدم رکھے گا۔ پُل صراط یا دیگر مشکل مقامات

سے گزرتے وقت اُس کے قدم ڈگمگائیں گے نہیں بلکہ مضبوط رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو فائدہ پہنچانے کا یہ صلہ ملے گا۔

وَلَا يُذْكَرُ عِنْدَهُ اِلَّا ذٰلِكَ راوی بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی مجلس میں ایسی ہی اچھی اچھی باتوں کا تذکرہ ہوتا تھا جو عوام اور خواص سب کے لیے مفید ہوں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی مجلس سے رشد و ہدایت ہی کے چشمے پھوٹتے تھے۔ آپ کی صحبت میں قصے، کہانیاں یا لغو باتیں نہیں ہوتی تھیں بعض اوقات مزاح بھی ہوتا تھا مگر وہ بھی قابلِ قبول حد تک جس میں کسی دوسرے کی تحقیر مقصود نہ ہو۔ الغرض! وَلَا يَقْبَلُ مِنْ اَحَدٍ غَيْرَهُ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نفع بخش بات کے علاوہ کسی سے کوئی بھی بات قبول نہیں فرماتے تھے۔ يَدْخُلُوْنَ رُوَّادًا آپ کے صحابہ کرامؓ طالبانِ خیر بن کر آتے تھے۔ وَلَا يَفْتَرِقُوْنَ اِلَّا عَنْ ذَوَاقٍ اور کوئی چیز چکھے بغیر جدا نہیں ہوتے تھے۔ اگر کسی آنے والے کو کسی مادی چیز مثلاً کھانے پینے، لباس یا زندگی میں استعمال کے لیے کسی اور چیز کی ضرورت ہوتی تو وہ مل جاتی۔ اور اگر کسی کو دین کا علم سیکھنے کی تڑپ ہوتی تو وہ علم کی دولت لے کر جاتا۔ غرضیکہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی مجلس میں آنے والا خالی ہاتھ نہیں لوٹتا تھا بلکہ اپنی ضرورت کے مطابق کچھ نہ کچھ لے کر ہی جاتا تھا۔ وَيَخْرُجُوْنَ اَدِلَّةً يَعْنِي عَلَى الْخَيْرِ اور جب یہ لوگ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی مجلس سے باہر نکلتے تھے تو ہادی بن کر نکلتے تھے اَدِلَّةً جمع ہے دلیل کی مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ طالبِ خیر بن کر آتے تھے راہنما بن کر نکلتے تھے، اور دینِ اسلام کو دوسرے لوگوں تک پہنچانے کا فریضہ انجام دیتے تھے۔ اَدِلَّةً عَلَى الْخَيْرِ کا مطلب ہے کہ لوگوں کو بھلائی کا درس دیتے تھے۔

(حصہ دوم)

قَالَ فَسَأَلْتُهُ عَنْ مَخْرَجِهِ كَيْفَ كَانَ يَصْنَعُ فِيْهِ .... وَيَحْفَظُوْنَ الْغَرِيْبَ۔

(ترمذی مع شمائل صفحہ ۵۹۴)

اس حدیث کے راوی حضرت حسنؓ کہتے ہیں کہ ان کے برادرِ خورد حضرت حسینؓ نے یوں بیان کیا کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے گھر کے معمولات جاننے کے بعد میں نے اپنے والدِ گرامی حضرت علیؓ سے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے باہر کے معمولات کے متعلق دریافت کیا کہ جب آپ گھر سے باہر جاتے تھے تو اس دوران میں آپ کیا کرتے تھے؟ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْزُنُ لِسَانَهُ انھوں نے جواباً بتلایا کہ باہر جا کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زبان کو محفوظ رکھتے تھے۔ يَخْزُنُ کا لفظ بابِ نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے جس کا لغوی معنیٰ ذخیرہ یا سٹور کرنا ہے مگر مراد ہے کہ اپنی زبان مبارک کو لغویات سے محفوظ رکھتے تھے۔ آپ خلافِ واقعہ یا خلافِ اخلاق کوئی بات زبان پر نہیں لاتے تھے۔ بلکہ صرف وہی بات کرتے تھے جو بامقصد اور لوگوں کے لیے مفید ہوتی۔ إِلَّا فِيْمَا يَعْنِيْهِ آپ بامعنیٰ بات کے علاوہ ہر لغویات سے زبان کو روک رکھتے تھے۔ اس دوران میں وَيُؤَلِّفُهُمْ آپ لوگوں کی دل جوئی کرتے تھے وَلَا يُنَفِّرُهُمْ اور ان کو متنفر نہیں کرتے تھے۔ آپ دوسرے لوگوں خصوصاً حکام کو بھی یہی تعلیم دیتے تھے أَلِّفُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا کہ لوگوں کو مانوس بناؤ اور ان میں اُلفت پیدا کرو اور ان کو متنفر نہ بناؤ۔ آپ کی عادتِ مبارکہ یہ بھی تھی - وَيُكْرِمُ كَرِيْمَ كُلِّ قَوْمٍ آپ ہر قوم کے باعزّت آدمی کی عزت کرتے تھے۔ اس میں یہ مصلحت بھی ہے کہ اگر کسی قوم کے سردار کی عزّت کی جائے گی تو باقی لوگ

تو اس کے ماتحت ہی ہوتے ہیں، لہٰذا اس عزّت افزائی کا اچھا اثر پوری قوم پر ہوگا حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اپنے صحابہ کرامؓ کو بھی یہی حکم دیتے تھے کہ اَکْرِمُوْا کَرِیْمَ کُلِّ قَوْمٍ ہر قوم کے بڑے آدمی کی عزّت کرو۔ تم ان کی عزّت کروگے تو وہ تمھاری عزّت کریں گے۔ اس سے دینِ اسلام کے ایک اعلیٰ اخلاق کا اظہار بھی ہوگا جو اغیار کو اسلام کے قریب کرنے میں مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا ایک اصول یہ بھی تھا کہ جب کسی قوم پر غلبہ حاصل ہوتا تو وَیُوَلِّیْہِ عَلَیْھِمْ تو اسی قوم کے بڑے آدمی، سردار یا باعزّت آدمی کو ہی اُس کی قوم کا حاکم مقرر فرما دیتے۔ چونکہ عام لوگ پہلے سے ہی اُس سردار سے مانوس ہوتے تھے، لہٰذا وہ نئے انتظام کے تحت بھی کوئی زیادہ اجنبیت محسوس نہیں کرتے تھے اور پھر آہستہ آہستہ دینِ اسلام کی طرف راغب ہوجاتے تھے۔

وَیُحَذِّرُ النَّاسَ اور لوگوں کو خبردار کرتے تھے اور اغیار کے شر سے ڈراتے تھے تاکہ وہ احتیاطی تدابیر اختیار کریں جن کی بدولت وہ دشمن کی نقصان رسانی سے بچ سکیں۔ وَیَحْتَرِسُ مِنْھُمْ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام خود بھی ان لوگوں سے بچاؤ اختیار کرتے تھے تاکہ کوئی دوسرا شخص بھی آپ کو اذیت پہنچانے کی جرأت نہ کرسکے۔ ان تمام تر احتیاطی تدابیر کے باوجود حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی عادت مبارک یہ تھی مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّطْوِیَ عَلٰی اَحَدٍ مِّنْہُ بِشْرَہٗ وَخُلُقَہٗ کہ آپ کسی بھی شخص سے چہرے کی بشاشت اور اپنے اعلیٰ اخلاق کو نہیں روکتے تھے مطلب یہ ہے کہ آپ نہ تو کسی کے ساتھ ترش روئی سے پیش آتے اور نہ ہی اخلاقِ عالیہ کے منافی کسی چیز کا اظہار فرماتے مقصد یہی تھا کہ اہلِ ایمان کو دشمنانِ دین کی طرف سے کوئی نقصان نہ پہنچنے پائے بعض اوقات اغیار کے علاوہ خود اپنی قوم کے لوگ بھی نقصان پہنچانے کے درپے ہوجاتے تھے جس کی بعض دوسری وجوہات بھی ہوتی تھیں۔ اسی لیے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ایک صحابی کو روانہ کرتے ہوئے نصیحت فرمائی کہ اپنے قبیلے میں جاکر اپنے آدمیوں سے بھی بے فکر

نہ رہنا مبادا وہ کوئی نقصان پہنچائیں ۔

وَيَتَفَقَّدُ اَصْحَابَهٗ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اپنے صحابہ کے بارے میں پوچھ گچھ کرتے رہتے تھے تاکہ پتہ چل جائے کہ کوئی بیمار تو نہیں ہے، کوئی کسی دوسری تکلیف میں تو مبتلا نہیں ہے یا کوئی سفر پر گیا ہوا ہے وغیرہ وغیرہ ۔ غرضیکہ جماعت میں سے جو آدمی بلا اطلاع غیر حاضر پایا جاتا اس کے متعلق پوچھتے کہ اس کی غیر حاضری کی کیا وجہ ہے؟ وَيَسْاَلُ النَّاسَ عَمَّا فِى النَّاسِ آپ لوگوں کے درمیان پیش آنے والے واقعات کے متعلق بھی دریافت کرتے۔ کہیں لڑائی ہو جاتی، کہیں صلح کا پیغام آتا، کہیں کوئی حادثہ پیش آجاتا، غرضیکہ آپ معاشرے میں پیش آنے والے تغیرات کے متعلق دریافت کرتے رہتے تاکہ اگر کسی کو مدد کی ضرورت ہو تو اس کی مدد کی جائے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اپنے صحابہ کو بھی اسی قسم کی تلقین فرمایا کرتے تھے ۔

وَيُحَسِّنُ الْحَسَنَ وَيُقَوِّيْهِ آپ ہر اچھی بات کی تحسین کرتے اور اس کی تائید فرماتے ۔ نیک کام کرنے کی ترغیب دیتے اور اچھا کام کرنے والوں کی حوصلہ افزائی فرماتے، اسکے برخلاف وَيُقَبِّحُ الْقَبِيْحَ وَيُوَهِّيْهِ آپ ہر بُری چیز کی قباحت بیان کرتے اور اسے کمزور کرنے کی کوشش کرتے، گویا بُرے کام اور اس کو کرنے والے کی حوصلہ شکنی فرماتے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی ایک اچھی خصلت یہ بھی تھی کہ آپ مُعْتَدِلَ الْاَمْرِ معتدل معاملات والے تھے غَيْرُ مُخْتَلِفٍ اور آپ کا کوئی کام بھی اختلاف والا نہیں ہوتا تھا۔ آپ کی بات چیت، لین دین، صلح و جنگ، چلنا پھرنا، وغیرہ سب معتدل نوعیت کے کام ہوتے تھے، آپ کسی معاملہ میں غیر معتدل یا مختلف رویہ اختیار نہیں فرماتے تھے یہ بھی آپ کے اعلیٰ اخلاق کا ایک نمونہ تھا۔

لَا يَغْفُلُ مَخَافَةَ اَنْ يَّغْفُلُوْا اَوْ يَمَلُّوْا حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اس ڈر سے غافل نہیں رہتے تھے کہ لوگ لوازماتِ دین سے غافل ہو جائیں گے یا تنگدل ہو کر دوسری طرف میلان کرنے لگیں گے ۔ يَمَلُّوْا کو يَمِيْلُوْا بھی تلفظ کیا گیا ہے تاہم معنیٰ ایک ہی ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام لوگوں سے پوچھ گچھ کرتے رہتے

تھے تاکہ وہ دین سے غافل ہو کر کسی دوسری طرف توجہ نہ کرنے لگیں۔ آپ کا ایک خصوصی وصف یہ بھی تھا۔ لِكُلِّ حَالٍ عِنْدَهُ عَتَادٌ ہر قسم کے حالات سے نبرد آزما ہونے کے لیے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے پاس مناسب حال سامان موجود ہوتا تھا۔ عتاد کا معنیٰ سامان ہے۔ قوموں کی زندگی میں مختلف قسم کے حالات پیش آتے رہتے ہیں۔ کبھی صلح کبھی جنگ، کبھی تنگی کبھی فراوانی، کبھی خوف کبھی امن، غرضیکہ ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام ہر وقت تیار رہتے تھے۔ آپ کے خلفائے راشدینؓ بھی آپ ہی کے تربیت یافتہ تھے لہٰذا وہ بھی نہایت منظم اور ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہتے تھے بعد میں آنے والے مسلمان خلفاء اس اصول پر قائم نہ رہے جس کی وجہ سے اُنکے نظام حکومت پختہ نہ رہے اور مسلمانوں کا اجتماعی نظام خلافت کی بجائے ملوکیت کی طرف منتقل ہو گیا۔

لَا يُقَصِّرُ عَنِ الْحَقِّ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام حق سے کوتاہی نہیں کرتے تھے بلکہ ہمیشہ اس پر قائم رہتے تھے۔ وَلَا يُجَاوِزُهُ اور نہ ہی آپ حق سے تجاوز کرتے تھے۔ افراط و تفریط کسی بھی معاملہ میں غیر مفید ہوتی ہے۔ لہٰذا آپ ہمیشہ حق کی پاسداری کرتے تھے اور ہمیشہ انصاف کے ساتھ فیصلے کرتے تھے۔ اَلَّذِيْنَ يَلُوْنَهُ مِنَ النَّاسِ خِيَارُهُمْ آپ کے قریب رہنے والے لوگ عوام میں سے منتخب لوگ ہوتے تھے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے زیادہ قریبی یہی خلفائے راشدینؓ، اہلِ بیتؓ، ازواجِ مطہراتؓ اور دیگر اعزّہ و اقارب تھے جو قوم کے منتخب اور برگزیدہ لوگ تھے جو اعلیٰ اخلاق و اطوار کے حاملین تھے۔

وَاَفْضَلُهُمْ عِنْدَهُ اَعَمُّهُمْ نَصِيْحَةً اور ان لوگوں میں سے بھی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے نزدیک زیادہ افضل وہ لوگ ہوتے تھے جو خیر خواہی میں بڑھے ہوتے تھے، اور مخلوق کی ہمدردی، غمگساری اور مدد میں زیادہ حصّہ لیتے تھے۔ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی ذات کے بعد انسانوں کے سب سے زیادہ خیر خواہ اور ہمدرد حضرت ابوبکر

صدیقؓ تھے۔ پھر حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، عشرہ مبشرہؓ، ازواجِ مطہراتؓ اور پھر درجہ بدرجہ بدری صحابہؓ، اُحد میں حصّہ لینے والے صحابہؓ، معاہدہ حدیبیہ میں شریک ہونے والے اور فتح مکہ میں شریک صحابہؓ اور صحابیاتؓ امّت کے خیر خواہ لوگ ہیں وَاَعْظَمُهُمْ مَنْزِلَةً اَحْسَنُهُمْ مُوَاسَاةً وَمُوَازَرَةً آپ کے نزدیک بلند مرتبت وہی لوگ ہوتے تھے جو انسانی ہمدردی اور باہمی تعاون کے اعتبار سے فائق ہوتے تھے۔ اس معیار پر بھی یہی لوگ پورا اُتریں گے، لہٰذا پوری امّتِ محمدیہ میں یہی لوگ افضل اور اعظم ہیں۔ مواساۃ کا معنیٰ ہمدردی اور خیر خواہی کرنا اور موازرۃ سے مراد تعاون کرنا ہوتا ہے لفظ وزیر اسی سے مشتق ہے اور اس کا لغوی معنیٰ تعاون کنندہ ہی ہوتا ہے۔ بہر حال حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقربین نہایت ہی اعلیٰ اخلاق کے مالک اور انسانی ہمدردی سے بھرپور شخصیات تھیں۔ یہی وہ مقدس جماعت تھی جو اللہ کے نبی نے اپنے تئیس سالہ زمانہ نبوت میں تیار کی اور جس نے دین کی تبلیغ و اشاعت کا بیڑا اُٹھا کر اسے دُنیا کے کونے کونے میں پہنچا دیا یہ وہ بیرونی معمولات ہیں جو راوی حضر حسینؓ نے اپنے ماموں اور والد گرامی سے سُن کر بیان کیے اور جنھیں آگے حضرت حسینؓ نے نقل کیا۔

حضرت حسین بن علیؓ کہتے ہیں فَسَأَلْتُهُ عَنْ مَجْلِسِهٖ پھر میں نے اپنے والد صاحب سے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی مجلس کے حالات دریافت کیے تو انھوں نے بتلایا فَقَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقُوْمُ وَلَا يَجْلِسُ اِلَّا عَلٰى ذِكْرٍ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ہر مجلس کی ابتداء اور انتہاء اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ کرتے، یعنی آپ کھڑے ہوتے وقت بھی اللہ کا ذکر کرتے اور بیٹھتے وقت بھی اللہ کا ذکر کرتے۔ آپ اپنے صحابہؓ کو بھی یہی تعلیم دیتے تھے کہ کوئی بھی مجلس اللہ کے ذکر سے خالی نہیں رہنی چاہیے۔ ذکر الٰہی سے خالی مجلس ناقص ہے اور اس میں حصہ لینے والے لوگ قیامت کے روز ایسی مجلس پر افسوس کا اظہار کریں گے۔ دوسری حدیث میں آتا ہے جو مجلس اللہ کے ذکر

سے خالی ہو اور جس میں اللہ کے نبی پر درود نہ پڑھا جائے وہ خیر سے خالی ہے۔
حدیث شریف میں یہ بھی آتا ہے کہ خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک مجلس میں سو سو دفعہ استغفار کیا کرتے تھے۔

وَإِذَا انْتَهَى إِلَى قَوْمٍ جَلَسَ حَيْثُ يَنْتَهِي بِهِ الْمَجْلِسُ
جب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کسی قوم کے پاس تشریف لے جاتے تو جہاں مجلس ختم ہوتی وہیں بیٹھ جاتے مطلب یہ ہے کہ آپ لوگوں کی گردنیں پھلانگنے کی کوشش نہیں کرتے تھے بلکہ جہاں جگہ ملتی، بیٹھ جاتے اور کسی قسم کا تکلّف نہیں کرتے تھے۔
وَيَأْمُرُ بِذَالِكَ آپ لوگوں کو بھی یہی تعلیم دیتے تھے کہ کسی مجلس میں جاؤ تو جہاں جگہ ملے وہیں بیٹھ جاؤ اور پہلے سے بیٹھے لوگوں کو تنگ نہ کرو کیونکہ جو شخص پہلے آتا ہے اس کا پہلے حق ہے لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر آگے سٹیج تک جانا تو ملوکیت کی صفت ہے۔ اللہ کے نبیوں کی سیرت اور ان کی تعلیم میں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ انبیاء کی تعلیم میں نخوت و تکبّر کی بجائے تواضع اور انکساری ہے۔ لہٰذا اسی کو اختیار کرنا چاہیے۔

يُعْطِي كُلَّ جُلَسَائِهِ بِنَصِيبِهِ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اپنے ہر ہم نشین کو اُس کا پورا پورا حصہ عطا فرماتے۔ ہر ایک کو پورا فیض حاصل ہوتا اور اس سے کوئی شخص بھی محروم نہیں رہتا تھا اور پھر آپ کے لطف و کرم اور فیضان کا یہ حال تھا کہ لَا يَحْسِبُ جَلِيسُهُ أَنَّ أَحَدًا أَكْرَمُ عَلَيْهِ مِنْهُ آپ کے پاس بیٹھنے والا ہر شخص یہی سمجھتا تھا کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے نزدیک اس سے زیادہ باعزّت کوئی اور نہیں ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہر صحابی کے ساتھ اس قدر حسنِ سلوک سے پیش آتے تھے کہ وہ اپنے آپ کو اللہ کے نبی کا معزز ترین ساتھی سمجھنے لگتا تھا۔ مَنْ جَالَسَهُ أَوْ فَاوَضَهُ فِي حَاجَةٍ جو شخص آپ کے پاس بیٹھتا تھا یا کسی معاملہ میں آپ کے ساتھ شریک ہوتا تھا آپ اُس کو فارغ کرنے میں جلدی نہیں کرتے تھے بلکہ صَابَرَهُ صبر کا مظاہرہ کرتے۔ حَتّٰى يَكُونَ

هُوَ الْمُنْصَرِفُ عَنْہُ یہاں تک کہ وہ آدمی خود ہی اُٹھ کر چلا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ ملاقاتی اپنی خواہش کے مطابق اگر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا زیادہ وقت بھی لے لیتا تھا تو آپ ناخوشگواری کا اظہار نہیں فرماتے تھے بلکہ اسے موقع دیتے تھے کہ وہ اپنی مرضی سے جب تک چاہے بیٹھے اور جب چاہے چلا جائے۔ یہ بھی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے کریمانہ اخلاق اور تواضع کی ایک اعلیٰ مثال ہے۔

وَمَنْ سَأَلَہٗ حَاجَتَہٗ جو آدمی آپ سے کسی ضرورت کا سوال کرتا، کوئی چیز طلب کرتا۔ لَمْ یَرُدَّہٗ اِلَّا بِھَا تو آپ اس کی ضرورت پوری کیے بغیر اُسے نہ لوٹاتے اور اگر کسی موقع پر سائل کی مطلوبہ چیز مہیا نہ ہوتی تو آپ اس کے ساتھ ترش روئی کے ساتھ پیش آنے یا کورا جواب دینے کی بجائے اَوْ بِمَیْسُوْرٍ مِّنَ الْقَوْلِ اُسے کوئی سہولت والی بات ہی کہہ دیتے کسی دوسرے شخص کے پاس سفارش کر دیتے کہ اس شخص کو فلاں چیز دے دیں، کسی دوسرے موقع پر آنے کے لیے کہہ دیتے یا کم از کم آخرت کے بارے میں ہی کوئی مفید بات بتلا دیتے۔ غرضیکہ آپ کسی بھی حاجت مند کو مایوس نہیں کرتے تھے۔

قَدْ وَسِعَ النَّاسَ بَسْطُہٗ وَخُلُقُہٗ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی سخاوت اور اخلاقِ کریمانہ وسیع تھا۔ آپ کی شفقت سے کوئی بھی محروم نہیں رہتا تھا۔ فَصَارَ لَھُمْ اَبًا آپ لوگوں کے لیے بمنزلہ باپ تھے۔ جس طرح ایک باپ اپنی اولاد کے لیے رحیم و شفیق ہوتا ہے اسی طرح اللہ کے نبی پوری اُمت کے لیے رحیم و مہربان تھے۔ خود قرآن میں موجود ہے اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ وَاَزْوَاجُہٗٓ اُمَّھٰتُھُمْ (احزاب ۶) اللہ کے نبی مؤمنوں پر ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں اور پیغمبر کی بیویاں ان کی مائیں ہیں اس لحاظ سے بھی پیغمبر اُمّت کا روحانی باپ ہوتا ہے اور ہر شخص کو فائدہ پہنچانے میں حریص ہوتا ہے۔ وَصَارُوْا عِنْدَہٗ فِی الْحَقِّ سَوَآءً۔ آپ کے نزدیک حق کے معاملہ میں تمام لوگ برابر تھے۔ مَجْلِسُہٗ مَجْلِسُ عِلْمٍ وَّحَیَآءٍ وَّ

صَبْرٍ وَّ اَمَانَۃٍ آپ کی مجلس علم و حیاء، اور صبر و امانت کی مجلس ہوتی تھی جہاں علم کا تذکرہ ہوتا تھا، حیاء داری کی باتیں ہوتی تھیں، امانت و دیانت کا دور دورہ ہوتا تھا، اور صبر و تحمل کی تلقین ہوتی تھی۔ راز کی بات کو امانت سمجھ کر محفوظ رکھا جاتا تھا اور صرف اسی بات کی تشہیر کی جاتی تھی جس کی ضرورت ہوتی۔ لَا تُرْفَعُ فِیْہِ الْاَصْوَاتُ آپ کی مجلس میں آوازیں بلند نہیں کی جاتی تھیں اور شور و غوغا برپا نہیں کیا جاتا تھا، بلکہ ہر معاملہ کو خوش اسلوبی کے ساتھ سلجھالیا جاتا تھا۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے صحابہ بڑے ہی مؤدب نفوس تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اللہ نے حکم دیا ہے کہ اے ایمان والو! لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ (الحجرات ۲) نبی کی آواز سے اپنی آوازیں بلند نہ کرو، ورنہ تمہارے سارے اعمال ہی ضائع ہوجانے کا خطرہ ہے صحابہ کرامؓ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی مجلس میں نہایت باادب طریقے سے گفتگو کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور بعض دوسرے اصحاب تو اس قدر آہستگی سے بات کرتے تھے کہ بعض اوقات پوچھنا پڑتا تھا کہ انھوں نے کیا کہا ہے۔

وَلَا تُؤْبَنُ فِیْہِ الْحُرَمُ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی مجلس اس قدر پاکیزہ مجلس ہوتی تھی کہ اس میں لوگوں کی ناموسوں پر عیب نہیں لگایا جاتا تھا اَبَنَ یَأْبُنُ کا معنیٰ عیب جوئی کرنا ہے اور مابون وہ شخص ہوتا ہے جس پر عیب لگایا جائے۔ غرضیکہ آپ کی مجلس میں کسی پر بلا وجہ عیب جوئی نہیں کی جاتی تھی۔ وَلَا تُنْثیٰ فَلَتَاتُہٗ نہ کسی آدمی کی لغزش کی بلا وجہ تشہیر کی جاتی تھی۔ مُتَعَادِلِیْنَ سب کو برابر کی حیثیت دی جاتی تھی۔ یَتَفَاضَلُوْنَ فِیْہِ بِالتَّقْوٰی البتہ اگر کسی کو دوسرے پر فضیلت حاصل ہوتی تھی تو محض تقویٰ کی بنیاد پر، زیادہ متقی آدمی زیادہ افضل ہوتا تھا۔ وہاں پر رنگ، نسل، زبان اور وطنیت کو کوئی حیثیت نہیں دی جاتی بلکہ اللہ تعالیٰ کے فرمان اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (الحجرات - ۱۳) کے مطابق زیادہ عزت والا اور صاحب اکرام وہ شخص ہوتا تھا جو زیادہ متقی ہوتا تھا۔ وگرنہ سب آپس میں بھائی بھائی بن کر رہتے تھے۔

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ہم نشین مُتَوَاضِعِیْنَ تواضع کرنے والے ہوتے تھے یُوَقِّرُوْنَ فِیْهِ الْکَبِیْرَ وہ بڑوں کی عزّت کرتے تھے۔ وَیَرْحَمُوْنَ فِیْهِ الصَّغِیْرَ اور چھوٹوں پر رحم کرتے تھے۔ وَیُؤْثِرُوْنَ ذَا الْحَاجَةِ وہ ضرورت مند کو ترجیح دیتے تھے تاکہ اس کی ضرورت پوری ہو جائے۔ وَیَحْفَظُوْنَ الْغَرِیْبَ اور مسافر آدمی کی حفاظت کرتے تھے۔ اس کی خدمت کرتے اور ہر ممکن سہولت مہیا کرتے۔ یہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی مجلس کے بعض حالات ہیں جو حضرت حسینؓ نے اپنے والد محترم حضرت علیؓ سے دریافت کیے اور پھر اپنے برادرِ اکبر حضرت حسنؓ کے سامنے بیان کیے۔

درس ۔ ۴۸ حدیث ۔ ۸

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بَزِيْعٍ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ حَدَّثَنَا سَعِيْدٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ اُهْدِيَ اِلَيَّ كُرَاعٌ لَقَبِلْتُ وَلَوْ دُعِيْتُ عَلَيْهِ لَاَجَبْتُ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۹۵)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث محمد بن عبداللہ بن بزیع[1] نے بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے بشر بن مفضل نے بیان کیا ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت سعید نے قتادۃ کے حوالہ سے بیان کی ، اور انھوں نے اسے صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کیا ۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر بکری کا ایک پایہ بھی میری طرف ہدیہ کیا جائے تو میں اُسے ضرور قبول کروں گا اور اگر مجھے اس کے کھانے کی دعوت دی جائے تو میں وہ دعوت بھی قبول کروں گا۔"

تشریح یہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تواضع کی انتہا ہے کہ آپ بکری کے ایک پائے جیسی معمولی چیز کا تحفہ قبول کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے تھے اور اگر کوئی شخص صرف ایک پایہ پکا کر آپ کو کھانے کی دعوت دیتا تو آپ اُسے بھی ردّ نہ کرتے بلکہ بخوشی قبول فرماتے۔

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نہ صرف اللہ کے نبی کی حیثیت سے دین

---

[1] البصری المتوفی ۲۵۷ھ (فیاض)

کے تشریحی امور پر مامور تھے بلکہ بطور خلیفۃ اللہ آپ کو نئی اسلامی ریاست کے تمام انتظامی امور کی انجام دہی بھی کرنا ہوتی تھی۔ ظاہر ہے کہ اتنے بڑے بڑے امور کو انجام دینے کے بعد معمولی سی دعوت کی قبولیت کے لیے وقت کہاں بچتا ہے؟ مگر یہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے اخلاقِ عالیہ کا کمال اور آپ کے تواضع کی انتہا تھی کہ آپ ہر چھوٹے بڑے آدمی کی دلجوئی کرنے میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھتے تھے۔

درس - ۴۸

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ جَاءَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ بِرَاكِبِ بَغْلٍ وَّلَا بِرْذَوْنٍ۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۹۵)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث محمد بن بشار نے بیان کی وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے عبدالرحمٰن نے بیان کیا۔ ان کے پاس یہ روایت سفیان نے محمد بن منکدر کے حوالے سے بیان کی اور انھوں نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے، آپ نہ تو خچر پر سوار تھے اور نہ ترکی ٹٹو پر۔"

تشریح یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سادگی، تواضع اور بے تکلفی کی ایک مثال ہے کہ آپ اپنے ایک علیل صحابی کی بیمار پرسی کے لیے دو تین میل دور پیدل چل کر اُس کے گھر تشریف لے گئے۔ لَيْسَ بِرَاكِبِ بَغْلٍ وَّلَا بِرْذَوْنٍ اس وقت آپ کے پاس کوئی سواری نہیں تھی۔ بغل خچر کو کہتے ہیں اور برذون ترکی گھوڑے کو کہتے ہیں جو چھوٹے قد کا بڑا خوب صورت مگر تیز رفتار گھوڑا ہوتا ہے۔

بعض دوسری روایات میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے اس سفر کی مزید تفصیلات بھی موجود ہیں۔ حضرت جابرؓ بیمار تھے اور آپ ان کی خبر گیری کے لیے تشریف لے گئے جب کہ حضرت ابوبکرؓ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ خود جابرؓ بیان کرتے ہیں

کہ جب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام میرے گھر تشریف لائے تو اس وقت میں بیماری کی شدت کی وجہ سے بے ہوش پڑا تھا۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے وضو کیا اور وضو کا باقی ماندہ پانی مجھ پر چھڑکا تو مجھے ہوش آگیا۔ دوسری حدیث میں آگے وراثت کا ذکر بھی آتا ہے کہ حضرت جابرؓ نے وراثت کے متعلق کوئی سوال کیا تو آپ نے اس کے متعلق تعلیم دی۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَخْبَرَنَا اَبُوْ نُعَيْمٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ اَبِي الْهَيْثَمِ الْعَطَّارُ قَالَ سَمِعْتُ يُوْسُفَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ سَمَّانِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْسُفَ وَاَقْعَدَنِيْ فِيْ حَجْرِهٖ وَمَسَحَ عَلٰى رَاْسِيْ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۹۵)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث عبد اللہ بن عبدالرحمٰن نے بیان کی، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی ابونعیم نے، ان کے پاس یہ روایت یحییٰ بن ابی ہیثم عطار نے بیان کی، وہ کہتے ہیں کہ میں نے یوسف[1] بن عبداللہ بن سلام کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا نام یوسف رکھا، مجھے اپنی گود میں بٹھایا اور میرے سر پر ہاتھ پھیرا۔"

تشریح حضرت عبداللہ بن سلامؓ مدینہ طیبہ کے دس مسلمہ علمائے یہود میں سے تھے مگر ان دس میں سے اسلام قبول کرنے کا شرف صرف انھی کو حاصل ہوا۔ احادیث میں ان کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے متعلق فرمایا کہ یہ اُن دس صحابہؓ کی مثل ہیں جن کو ایک ہی مجلس میں جنت کی بشارت دی گئی اور جنھیں عشرہ مبشرہؓ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے بیٹے یوسف خود بیان کرتے ہیں کہ جب میں پیدا ہوا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے، مجھے گود میں اُٹھایا، سر پر دستِ شفقت پھیرا، اور خود میرا نام یوسف رکھا۔ طبرانی شریف کی

[1] الاسرائیلی المدنی ابو یعقوب صحابی صغیر (فیاض)

روایت میں آتا ہے دَعَالِیْ بِالْبَرَکَۃِ یعنی میرے لیے برکت کی دُعا بھی اس موقع پر فرمائی۔

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا یہ طریقہ تھا کہ وہ بچوں سے بہت پیار کرتے تھے اور ان کے سر پر دستِ شفقت پھیرتے تھے۔ گود میں اُٹھانے پر بعض اوقات بچے پیشاب بھی کر دیتے ہیں مگر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے کبھی بُرا نہیں منایا ایک ایسے ہی موقع پر آپ نے پانی منگوا کر تہبند کو دھولیا مگر آپ کی پیشانی پر شکن تک نہیں پڑی۔ یہ آپ کی بچوں کے ساتھ شفقت و محبت کی علامت اور انتہائی تواضع کی دلیل ہے۔

اس حدیث سے نومولود بچوں کو بزرگوں کی خدمت میں لے جانے، اُن سے نام تجویز کرانے اور برکت کی دُعا کرانے کا جواز نکلتا ہے۔

درس - ۴۸
حدیث - ۱۱

حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ حَدَّثَنَا اَبُوْدَاؤُدَ اَنْبَأَنَا الرَّبِيْعُ وَهُوَ ابْنُ صَبِيْحٍ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ الرَّقَاشِيُّ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَجَّ عَلٰى رَحْلٍ رَثٍّ وَقَطِيْفَةٍ كُنَّا نُرٰى ثَمَنَهَا اَرْبَعَةَ دَرَاهِمَ فَلَمَّا اسْتَوَتْ بِهٖ رَاحِلَتُهٗ قَالَ لَبَّيْكَ بِحَجَّةٍ لَا سُمْعَةَ فِيْهَا وَلَا رِيَاءَ۔

(ترمذی مع شمائل ص ۵۹۵)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث اسحٰق بن منصور نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے ابو داؤد (طیالسی) نے بیان کیا۔ ان کے پاس خبر دی ربیع بن صبیح نے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے یزید رقاشی نے بیان کیا اور انھوں نے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کی کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ایک پرانے کجاوے پر حج کیا جس کا پالان ہمارے اندازے کے مطابق چار درہم کا ہوگا۔ جب آپ سواری پر بیٹھ گئے تو لبیک کہا اور دعا کی، مولا کریم! اس حج کو ایسا بنا دے جو شہرت اور ریاء سے پاک ہو۔"

تشریح اس مضمون کی حدیث اسی باب میں پانچویں نمبر پر گزر چکی ہے۔ آپ نے بالکل معمولی قسم کے کجاوے پر حج کا سفر کیا جو کہ آپ کی تواضع کی علامت ہے اور ساتھ بے ریا اور بے شہرت حج کی دعا کی جو کہ کسی بھی عبادت کی اصل روح ہے۔

حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنْ ثَابِتٍ الْبَنَانِيِّ وَعَاصِمٍ الْاَحْوَلِ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَجُلًا خَيَّاطًا دَعَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَّبَ لَهٗ ثَرِيْدًا عَلَيْهِ دُبَّاءٌ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْخُذُ الدُّبَّاءَ وَكَانَ يُحِبُّ الدُّبَّاءَ قَالَ ثَابِتٌ فَسَمِعْتُ اَنَسًا يَقُوْلُ فَمَا صُنِعَ لِيْ طَعَامٌ اَقْدِرُ عَلٰى اَنْ يُّصْنَعَ فِيْهِ دُبَّاءٌ اِلَّا صُنِعَ۔　　(ترمذی مع شمائل صـ۵۹۵)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث اسحٰق نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے عبدالرزاق نے بیان کیا۔ ان کے پاس یہ روایت معمر نے ثابت بنانی اور عاصم احول کے حوالے سے بیان کی اور انھوں نے اسے حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک درزی شخص نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی کھانے کی دعوت کی، اور آپ کی خدمت میں ثرید پیش کیا جس میں کدّو بھی تھا اور نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کدّو کے ٹکڑے چُن چُن کر تناول فرما رہے تھے کیونکہ آپ کدّو کو بہت پسند فرماتے تھے۔ راوی حدیث ثابت کہتے ہیں کہ مَیں نے حضرت انسؓ کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ (اس واقعہ کے بعد) جب بھی میرے بس میں ہوتا کہ مَیں اپنے کھانے میں کدو شامل کر سکتا تو مَیں ضرور یہ سبزی ڈلواتا۔"

تشریح اس سے پہلے سالن کے باب میں بھی گزر چکا ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو کدّو کی سبزی بڑی مرغوب تھی اور آپ اسے شوق سے تناول فرماتے تھے آپ فرمایا کرتے تھے کہ کدو میرے بھائی یونس علیہ السّلام کا پودا ہے جب مچھلی نے آپ کو دریا کے کنارے ریت پر اگل دیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے وہاں پر فوراً کدّو کی بیل اُگا دی تھی۔ اس بیل میں اللہ نے یہ خاصیّت رکھی ہے کہ اس پر مکھّی نہیں بیٹھتی۔ چنانچہ اس بیل کے ذریعے اللہ نے یونس علیہ السّلام کے نرم و نازک جسم کو دھوپ اور مکھّی کی ایذا سے محفوظ کر دیا۔ اطبار کے قول کے مطابق کدو ایک مرطوب غذا ہے۔ اسکے باوجود اللہ نے اسے مقوّی حافظہ بنایا ہے حالانکہ عام مرطوب چیزیں انسانی حافظے کی کمزوری کا باعث بنتی ہیں۔

صحابی رسول حضرت انسؓ جانتے تھے کہ اُن کے آقا کو کدّو سے کس قدر رغبت ہے۔ لہٰذا وہ جب بھی بس چلتا اپنے کھانے میں کدّو کا سالن شامل کرواتے۔ کدّو سے اُن کی یہ محبت محض اس وجہ سے کہ اللہ کے نبی اس سبزی کو پسند فرماتے تھے۔

درس - ۴۸　　　　حدیث - ۱۳

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمٰعِيلَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ صَالِحٍ حَدَّثَنِي مُعَاوِيَةُ بْنُ صَالِحٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ عَمْرَةَ قَالَتْ قِيلَ لِعَائِشَةَ مَاذَا كَانَ يَعْمَلُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَيْتِهِ قَالَتْ كَانَ بَشَرًا مِّنَ الْبَشَرِ يَفْلِي ثَوْبَهُ وَيَحْلُبُ شَاتَهُ وَيَخْدِمُ نَفْسَهُ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۹۵)

ترجمہ:" امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث محمد بن اسمٰعیل نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے عبداللہ بن صالح نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے پاس یہ روایت معاویہ بن صالح نے یحییٰ بن سعید کے واسطہ سے بیان کی انھوں نے یہ روایت عمرۃؒ سے نقل کی۔ وہ کہتی ہیں کہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے دریافت کیا گیا کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام گھر میں ہوتے تھے تو کیا کرتے تھے؟ ام المؤمنین نے جواب دیا کہ اللہ کے رسول بھی انسانوں میں سے ایک انسان تھے آپ اپنے کپڑے کھول کر پلٹ کر جوئیں دیکھ لیتے تھے اپنی بکری کا دودھ دوہ لیتے تھے، اور اپنی خدمت خود ہی کر لیا کرتے تھے۔"

تشریح | اس حدیث سے ایک تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت ثابت ہوتی ہے اور دوسرے آپ کی تواضع اور بے تکلفی کا اظہار ہوتا ہے

ام المؤمنینؓ کے یہ الفاظ نہایت بیش قیمت ہیں کہ اللہ کے رسول كَانَ بَشَرًا مِّنَ الْبَشَرِ انسانوں میں سے ایک انسان تھے، لہٰذا آپ تمام بشری تقاضے بھی پورے

کرتے تھے۔ آپ کا قریش خاندان بھی انسان ہی تھا بلکہ وہ سب بے دین تھے، پھر اللہ نے اُن میں سے بہتوں کو اسلام کی دولت عطا فرمائی۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو نوری کہنا مشرکانہ عقیدہ ہے۔ ہاں آپ ان کو افضل البشر اور سید البشر کہہ سکتے ہیں کیونکہ تمام انسان آپ کے مقابل میں ناقص ہیں۔ اس کی مثال ایسے ہی سمجھیں جیسے پہاڑوں میں پیدا ہونے والے سارے پتھر ہی ہوتے ہیں مگر اُن میں سے بعض نہایت قیمتی یاقوت و زمرد ہوتے ہیں اور بعض نہایت کم تر جو سڑکوں پر کُوٹے جاتے ہیں اسی طرح موجودہ زمانے میں کرنسی نوٹ تو ہر چھوٹا بڑا نوٹ ہوتا ہے مگر کوئی ایک روپے کا اور کوئی ہزار روپے کا۔ اسی طرح حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام بھی انسان تھے مگر بالکل ہمارے جیسے کہنا کلمۂ کفر ہے کیونکہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام معصوم تھے اور ہم گنہگار ہیں۔ چونکہ آپ کا تعلق نسلِ انسانی کے ساتھ تھا لہٰذا آپ تمام وہ کام انجام دے لیتے تھے جو انسانوں کے دائرۂ کار میں آتے ہیں۔

اس ضمن میں اُمّ المؤمنین رضؓ نے چند امور کا ذکر بھی کیا ہے جو عام انسان کرتے ہیں اور اللہ کے رسول بھی ان امور کو انجام دینے میں استنکاف نہیں فرماتے تھے۔ مثلاً اُمّ المؤمنین رضؓ کہتی ہیں یَفْلِیْ ثَوْبَہٗ کہ آپ اپنا کپڑا کھول کر دیکھ لیتے تھے کہ اس میں کوئی جُوں وغیرہ تو نہیں پیدا ہو گئی۔ مگر آپ کے کپڑوں میں جوئیں پیدا ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ جوئیں تو میل کچیل والے جسم اور کپڑوں میں پیدا ہوتی ہیں۔ جبکہ آپ تو نہایت ہی طہارت پسند تھے۔ البتہ کسی دوسرے آدمی کی جُوں آسکتی تھی لہٰذا آپ کبھی کبھی کپڑوں کو کھول کر دیکھ لیا کرتے تھے۔ بعض اوقات کپڑوں میں سے کوئی کانٹا وغیرہ بھی نکل آتا تھا جو کہیں سے اُلجھ گیا ہو، آپ اُسے بھی خود ہی نکال دیتے تھے۔

مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ فرماتے تھے کہ جس طرح گندے جسم اور گندے کپڑوں کی وجہ سے جُوئیں پیدا ہوتی ہیں، اسی طرح جس خطۂ ارضی میں عوام النّاس کے حقوق غصب کرنے کی گندگی پیدا ہو جاتی ہے وہاں اشتراکیت کی جُوئیں جنم لیتی

ہیں ۔سرمایہ دارانہ نظام کی لوٹ مار اور اسلامی نظامِ عدل کی عدمِ موجودگی کی وجہ سے اشتراکی نظریات اُبھرتے ہیں اور پھر مساوات کے نام پر سرمایہ دارانہ نظام سے بھی بدتر نظام قائم ہوتا ہے اگر اسلامی نظریۂ حیات کے مطابق ہر شخص کو اس کے بنیادی حقوق ادا کیے جائیں تو کوئی جھگڑا ہی پیدا نہ ہو اور نہ اشتراکی نظام کو پھلنے پھولنے کا موقع ملے ۔ مولانا سندھیؒ کہا کرتے تھے کہ سرمایہ دارانہ اور اشتراکی دونوں نظام غیر فطری ہیں جبکہ اسلام کا شورائی نظام ہی فطری نظام ہے جس کو اللہ کے نبیوں نے دُنیا میں قائم کیا ۔ چونکہ اشتراکی نظام بھی انسانی فطرت کے خلاف ہے لہٰذا ستّر سال کے بعد اشتراکی جُوئیں بھی ختم ہو گئی ہیں ۔

بہر حال امّ المؤمنینؓ نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے گھر کے معمولات کے متعلق بتلایا کہ آپ گھر کے کام کاج کرنے میں بھی کوئی عار محسوس نہیں کرتے تھے بلکہ اپنے کپڑوں سے جُوئیں دیکھ لیتے تھے ۔ وَيَحْلُبُ شَاتَهُ اور اپنی بکری کا دودھ خود دودھ لیتے تھے اگرچہ بڑے آدمی ایسے معمولی کام نہیں کرتے یا ان کے پاس ایسے اُمور کی انجام دہی کے لیے وقت ہی نہیں ہوتا ، مگر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی یہ کمال تواضع کا نتیجہ تھا آپ اپنی بکری کا دودھ بھی نکال لیتے تھے ۔ وَيَخْدُمُ نَفْسَهُ اور اپنی ذات سے متعلق کام بھی خود ہی کر لیا کرتے تھے ۔ آپ اپنا جوتا خود مرمت کر لیتے تھے اور اپنے کپڑے بھی خود ہی دھو لیتے تھے ۔ اگرچہ ان خدمات کے لیے آپ کی ازواجِ مطہراتؓ اور لاتعداد خدام موجود تھے مگر آپ اپنا کام کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے تھے اور نہ ہی اس میں اپنی تحقیر سمجھتے تھے ۔ دراصل آپ کے عنداللہ اور عندالمخلوق بلند ترین ہستی ہونے کا یہی راز تھا ۔

(۴۸) بَابُ مَا جَآءَ فِیْ خُلُقِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

ترجمہ: "باب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے اخلاقِ عالیہ کے بیان میں۔"

شمائل ترمذی کا پہلا باب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خَلق یعنی ظاہری شکل و صورت اور عادات و خصائل سے متعلق تھا، جبکہ یہ باب آپ کے خُلق یعنی باطنی صورت سے ہے جس میں آپ کی بردباری اور حلم جیسی صفاتِ کمال کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے وَاِنَّ لَکَ لَاَجْرًا غَیْرَ مَمْنُوْنٍ ○ وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ○ (القلم: ۳، ۴) اے پیغمبرؐ! بے شک آپ کے لیے اللہ کے ہاں نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔ اور بے شک آپ اخلاق کے مراتب عالیہ پر فائز ہیں۔

امام (ابوحامد محمد بن محمد) غزالیؒ شافعی (المتوفیٰ ۵۰۵ھ) خُلق کی تعریف اس طرح کرتے ہیں۔ اَلْخُلُقُ ھَیْئَۃٌ لِلنَّفْسِ تَصْدُرُ عَنْہُ اَفْعَالٌ بِسُھُوْلَۃٍ یعنی اخلاق انسان کی ایک ایسی ہیئت کا نام ہے جس کے ذریعے انسان کے نفس میں اعمال و افعال آسانی کے ساتھ سرزد ہوتے ہیں۔ کسی عمل کے صرف ایک ہی دفعہ انجام دینے سے ہم اس کے عامل کو خُلق کا لقب نہیں دے سکتے بلکہ خُلق کی صفت کوئی عمل بار بار انجام دینے سے آتی ہے۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص کسی کو صرف ایک دفعہ چائے کی پیالی پلا دے تو ہم اُسے سخی نہیں کہیں گے، بلکہ سخاوت جیسے اعلیٰ خُلق سے ملقب ہونے کے لیے ساتھیوں کو بار بار چائے پیش کرنا ہوگی۔ جب کوئی عمل بار بار انجام دیا جاتا ہے تو پھر وہ عمل اس شخص کی خصلت اور عادت بن جاتا ہے، جسے خُلق سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ عادت یا خصلت اچھی بھی ہو سکتی ہے اور بُری بھی۔ امام غزالیؒ کہتے ہیں کہ اچھی خصلت کو خُلقِ حسن اور بُری خصلت کو خُلقِ سیئ کا نام دیا گیا ہے مثال کے طور پر حاجت مند کی حاجت برآری، معذور کی دستگیری، مسافر کی راہنمائی وغیرہ خُلقِ حسن اور گالی گلوچ، دنگا فساد، غیبت وغیرہ خلقِ سیئ کی تعریف میں آتے ہیں۔

اس باب میں امام ترمذیؒ حضور علیہ السلام کے اخلاقِ عالیہ سے متعلق ۱۵ روایات لائے ہیں۔

درس - ۴۹　　　　حدیث - ا

حَدَّثَنَا عَبَّاسُ بْنُ مُحَمَّدٍ الدَّوْرِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ الْمُقْرِيُّ حَدَّثَنَا لَيْثُ بْنُ سَعْدٍ حَدَّثَنِيْ اَبُوْ عُثْمَانَ الْوَلِيْدُ بْنُ اَبِي الْوَلِيْدِ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ خَارِجَةَ عَنْ خَارِجَةَ بْنِ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ دَخَلَ نَفَرٌ عَلٰى زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ فَقَالُوْا لَهٗ حَدِّثْنَا اَحَادِيْثَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَاذَا اُحَدِّثُكُمْ كُنْتُ جَارَهٗ فَكَانَ اِذَا نَزَلَ عَلَيْهِ الْوَحْيُ بَعَثَ اِلَيَّ فَكَتَبْتُهٗ لَهٗ فَكُنَّا اِذَا ذَكَرْنَا الدُّنْيَا ذَكَرَهَا مَعَنَا وَاِذَا ذَكَرْنَا الْاٰخِرَةَ ذَكَرَهَا مَعَنَا وَاِذَا ذَكَرْنَا الطَّعَامَ ذَكَرَهٗ مَعَنَا فَكُلُّ هٰذَا اُحَدِّثُكُمْ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۹۵)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث عباس بن محمد دوری نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے عبداللہ بن یزید مقری نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت لیث[1] بن سعد نے بیان کی۔ ان کے پاس یہ حدیث ابو عثمان ولید بن ابی ولید نے سلیمان بن خارجہ کے حوالہ سے بیان کی۔ انھوں نے اسے خارجہ[2] بن زید بن ثابت انصاریؓ سے نقل کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ کچھ لوگ[3] حضرت زید بن ثابت انصاریؓ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ آپ ہمارے سامنے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] الفہمی المتوفی ۱۷۵ھ　　،　[2] المتوفی ۹۹ھ

[3] نفر تین سے دس تک بولا جاتا ہے۔ (فیاض)

کی کچھ احادیث بیان کریں۔ وہ کہنے لگے کہ مَیں تمہارے سامنے کیا کیا بیان کروں ؟ مَیں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا پڑوسی تھا جب آپ پر وحی نازل ہوتی تو آپ میری طرف پیغام بھیجتے تو مَیں (حاضر ہو کر) آپ کے لیے وحی لکھ لیتا تھا۔ اگر ہم (کسی وقت آپ کے سامنے) دُنیا کا ذکر کرتے تو آپ بھی ہمارے ساتھ اسی کا ذکر کرتے اور اگر ہم آخرت کا ذکر کرتے تو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام بھی ہمارے ساتھ آخرت کا ذکر فرماتے اور اگر کھانے کا ذکر کرتے تو آپ بھی ہمارے ساتھ کھانے کا ذکر فرماتے۔ مَیں یہ ساری باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہی تمہارے سامنے بیان کر رہا ہوں۔"

کاتبانِ وحی اس حدیث کے راوی حضرت زید[1] بن ثابتؓ انصار مدینہ میں سے کاتب وحی ہیں۔ عام محدثین نے نو کاتبانِ وحی کا ذکر کیا ہے۔

جب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام پر وحی کا نزول ہوتا تو ان کاتبانِ وحی میں سے جو بھی آدمی مل جاتا، آپ اُسے بُلا کر لکھوا دیتے۔ ان حضرات کے نام یہ ہیں ـــ

(۱) زید بن ثابتؓ (۲) عثمان بن عفانؓ (۳) علی بن ابی طالبؓ (۴) ابی بن کعبؓ (۵) امیر معاویہؓ (۶) خالد بن سعیدؓ (۷) حنظلہؓ (۸) علاء حضرمیؓ (۹) ابان بن سعیدؓ۔

شارح ابوداؤد بذل المجہود والوں نے بعض دیگر کاتبانِ وحی کا ذکر بھی کیا ہے جن کو شامل کر کے کاتبان کی کل تعداد انیس بن جاتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے بعض کاتبان سے وحی کے علاوہ کوئی دوسرا حکم، مکتوب یا کوئی عبارت لکھوائی ہو جس کی وجہ سے انھیں کاتبانِ وحی میں شامل کر لیا گیا ہو۔ تاہم عام محدثین نے صرف مذکورہ نو

---

[1] الضحاک الانصاری احد الاربعۃ الذین حفظوا القرآن علی عھد المصطفٰی واحد الثلاثۃ الذین جمعوا المصحف اعلم الصحابۃ بالفرائض قال الحین یوم دفنہ دفن الیوم علم کثیر۔ المتوفی ۴۵ھ بعمر ۶۵ سال۔ ہجرت کے وقت آپکی عمر گیارہ برس تھی۔ (فیاض)

اصحاب ہی کا ذکر کیا ہے۔

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا خلقِ عظیم

اس حدیث کے راوی خارجہ کہتے ہیں کہ صحابی رسول حضرت زید بن ثابتؓ کے پاس کچھ لوگ آئے اور عرض کیا کہ آپ کاتبانِ وحی میں شامل ہیں اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے پڑوس میں رہتے تھے، لہٰذا آپ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے اخلاقِ عالیہ سے بھی بخوبی واقف ہیں آپ ہمیں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی کچھ جامع مانع قسم کی احادیث سُنائیں جن سے ہمارے علم میں اضافہ ہو اور ہم نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کر سکیں حضرت زید بن ثابتؓ کہنے لگے۔ مَاذَا اُحَدِّثُکُمْ بھائی! مَیں تمہارے سامنے کیا بیان کروں؟ مجھے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا خُلقِ عظیم بخوبی یاد ہے۔ کیونکہ کُنْتُ جَارَہٗ مَیں تو نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے پڑوس میں رہتا تھا اور آپ سے اکثر میل ملاقات رہتی تھی، آپ کی مجلس میں بیٹھنے کا موقع ملتا تھا۔ یہاں تک کہ فَکَانَ اِذَا نَزَلَ عَلَیْہِ الْوَحْیُ جب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام پر وحی نازل ہوتی، اللہ کی طرف سے کوئی پیغام آتا تو بَعَثَ اِلَیَّ اللہ کے نبی میری طرف پیغام بھیجتے۔ مَیں فوراً حاضر ہو جاتا۔ فَکَتَبْتُہٗ لَہٗ حضور علیہ السّلام پر نازل شدہ وحی کے الفاظ مجھے لکھوا دیتے اور مَیں لکھ دیتا۔

اس کے بعد حضرت زیدؓ نے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اچھے اخلاق کے مالک تھے اور ہمیشہ ہماری دل جوئی فرماتے۔ آپ اپنے صحابہ کے ساتھ مل جل کر رہتے اور ان کی ہر اچھی بات کی تائید کرتے۔ راوی حدیث مثال کے طور پر بیان کرتے ہیں۔ فَکُنَّا اِذَا ذَکَرْنَا الدُّنْیَا ذَکَرَھَا مَعَنَا کہ جب کبھی ہم اپنی مجلس میں دُنیا کی زندگی، اس کے لوازمات، اس کی بے ثباتی اور اس کی تنگی اور خوشحالی کا تذکرہ کرتے تو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام بھی اس بات چیت میں ہمارے ساتھ شامل ہو جاتے اور دنیا کے متعلق ہی گفتگو کرتے۔ وَ اِذَا ذَکَرْنَا الْاٰخِرَۃَ ذَکَرَھَا مَعَنَا اور جب کسی موقع پر ہم آخرت کی زندگی، اس کے دوام اور وہاں پر ملنے والے انعامات یا سزاؤں کا ذکر کرتے تو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام بھی آخرت

کا ذکر کرتے۔ آپ نے یہ کبھی نہیں کہا کہ بس آخرت کی بات ہی کرو اور دُنیا کے لوازمات اور اس کے ذکر کو ترک ہی کر دو۔ حضرت زیدؓ مزید بیان کرتے ہیں۔ وَاِذَا ذَکَرْنَا الطَّعَامَ ذَکَرَہٗ مَعَنَا اور جب ہم کھانے پینے کی اشیاء، ان کے حصول کا طریقہ یا فائدے اور نقصان کی بات چیت کرتے تو نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام بھی ہمارے ساتھ ایسی ہی باتیں کرتے اور اپنا کوئی علیحدہ موضوع نہیں بیان کرتے تھے۔ یہ آپ کے اخلاق کی وسعت کا نتیجہ ہے۔ صحابی کہتا ہے فَکُلُّ ھٰذَا اُحَدِّثُکُمْ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ میں یہ سب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی طرف سے ہی بیان کر رہا ہوں جس کا تعلق آپ کے اخلاقِ عالیہ، خیر خواہی، انسانی ہمدردی اور دل جوئی کے ساتھ ہے۔

حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مُوْسٰی حَدَّثَنَا یُوْنُسُ بْنُ بُکَیْرٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْحٰقَ عَنْ زِیَادِ بْنِ اَبِیْ زِیَادٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ کَعْبٍ الْقُرَظِیِّ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُقْبِلُ بِوَجْہِہٖ وَ حَدِیْثِہٖ عَلٰی اَشَرِّ الْقَوْمِ یَتَاَلَّفُھُمْ بِذٰلِکَ فَکَانَ یُقْبِلُ بِوَجْہِہٖ وَحَدِیْثِہٖ عَلَیَّ حَتّٰی ظَنَنْتُ اَنِّیْ خَیْرُ الْقَوْمِ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَنَا خَیْرٌ اَوْ اَبُوْبَکْرٍ قَالَ اَبُوْبَکْرٍ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَنَا خَیْرٌ اَمْ عُمَرُ فَقَالَ عُمَرُ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَنَا خَیْرٌ اَمْ عُثْمَانُ فَقَالَ عُثْمَانُ فَلَمَّا سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَصَدَّقَنِیْ فَلَوَدِدْتُ اَنِّیْ لَمْ اَکُنْ سَاَلْتُہٗ - (ترمذی مع شمائل ص۵۹۵)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث اسحٰق بن موسیٰ نے بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے یونس بن بکیر نے محمد بن اسحٰق کے حوالہ سے بیان کیا ۔ انھوں نے یہ روایت زیاد بن[1] ابی زیاد سے اور انھوں نے محمد بن کعب قرظی سے نقل کی اور انھوں نے اسے عمرو بن العاصؓ سے روایت کیا ۔ وہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قوم کے بُرے آدمیوں کی طرف بھی اپنے رُخِ مبارک اور گفتگو کے ساتھ پوری طرح متوجہ ہوتے تھے تاکہ وہ مانوس ہوجائیں ۔ اللہ

---

[1] میسرہ مولیٰ بنی مخزوم مدنی (فیاض)

کے رسول میری طرف بھی رُخ مبارک اور گفتگو کے ساتھ پُوری طرح توجہ فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ مجھے گمان ہونے لگا کہ شاید مَیں قوم کا بہترین آدمی ہوں۔ چنانچہ مَیں نے عرض کیا، اللہ کے رسول! کیا مَیں بہتر ہوں یا ابوبکرؓ؟ آپ نے فرمایا، ابوبکرؓ مَیں نے پھر عرض کیا، کیا مَیں بہتر ہوں یا عمرؓ؟ آپ نے جواباً فرمایا، عمرؓ۔ مَیں نے عرض کیا، کیا مَیں بہتر ہوں یا عثمانؓ؟ آپ نے جواب دیا، عثمانؓ۔ جب میں نے اللہ کے رسول سے سوال کیا، تو انھوں نے ٹھیک ٹھیک بات بلا رو رعایت بتلا دی۔ اس کے بعد مجھے احساس ہوا کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال نہیں کرنا چاہیے تھا۔ (یہ میری غلطی تھی)۔"

تشریح اس حدیث کے راوی حضرت عمروؓ بن العاص[1] جنگ اُحد کے بعد مسلمان ہوئے۔ پہلے اسلام کے سخت دشمن تھے مگر ایمان لے آئے تو دین کی خاطر بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیے، بڑی بڑی جنگوں میں مجاہدین کی قیادت کی حتّٰی کہ فاتح مصر کہلائے۔ انھوں نے حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کے خلقِ عظیم تشریح کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ آپ لوگوں کی تالیفِ قلوب اور ان کو اسلام سے مانوس کرنے کے لیے ان کی ہر طریقے سے دل جوئی فرماتے تھے۔ حتّٰی کہ کسی قوم کے بدترین شخص کے ساتھ بھی کوئی معاملہ کرتے تو آپ اس کے ساتھ پوری توجہ اور دل جمعی کے ساتھ گفت وشنید کرتے۔ راوی بیان کرتے ہیں فَكَانَ يُقْبِلُ بِوَجْهِهٖ وَحَدِيْثِهٖ اللہ کے رسول اعلیٰ تو درکنار کسی ادنیٰ آدمی سے بھی بات چیت کرتے تو اپنا رُخ مبارک پورے طریقے سے اس کی طرف پھیرتے اور بات چیت بھی نہایت توجہ کے ساتھ کرتے۔ اس سے مُراد یہ ہوتی تھی کہ کوئی غیر آدمی بھی یہ خیال نہ کرے کہ اللہ کے رسول کسی کم تر آدمی کی بات پوری

[1] ابن وائل السہمی، المتوفی یکم شوال ۴۳ھ فی المصر (فیاض)

توجہ کے ساتھ نہیں سنتے۔ غرضیکہ یہ آپ کی عادت مبارک تھی کہ ہر اعلیٰ وادنیٰ کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے جس کی وجہ سے ان کے دل خود بخود اسلام کی طرف پھرنے لگتے تھے۔

حضرت عمرو بن العاصؓ کہتے ہیں کہ دوسرے لوگوں کی طرح حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام میرے ساتھ بھی پوری شفقت کے ساتھ پیش آتے اور میرے ساتھ پوری توجہ اور دل جمعی کے ساتھ گفتگو فرماتے۔ کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی اس شفقت و محبت کی بنا پر مجھے گمان ہونے لگا کہ شاید میں تمام لوگوں سے زیادہ بہتر آدمی ہوں جو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام مجھ پر اتنی توجہ فرماتے ہیں۔

چنانچہ اس خیال میں مبتلا ہو کر ایک روز میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں عرض کیا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَنَا خَیْرٌ اَوْ اَبُوْ بَکْرٍ کیا میں بہتر ہوں یا حضرت ابوبکر صدیقؓ؟ دراصل حضرت عمرو بن العاصؓ کو یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ شاید میں صدیقِ اکبرؓ سے بھی افضل ہوں۔ مگر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے جواب دیا کہ تم سے ابوبکرؓ افضل ہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ مجھے خیال آیا کہ اگر میں حضرت صدیق اکبرؓ سے بہتر نہیں ہوں تو ممکن ہے ان کے بعد قوم کا سب سے بہتر ہوں چنانچہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دوسرا سوال یہ کیا کہ میں بہتر ہوں یا حضرت عمر فاروقؓ؟ اس بار بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب یہی تھا کہ عمر فاروقؓ بہتر ہیں۔ راوی کی اب بھی تسلّی نہ ہوئی تو انھوں نے اپنا تقابل حضرت عثمانؓ کے ساتھ کرنا چاہا مگر اس بار بھی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے حضرت عثمانؓ کو حضرت عمرو بن العاصؓ سے افضل قرار دیا۔

اب راوی کی آنکھیں کھلیں کہ میرا اپنے آپ کو قوم کا بہترین آدمی سمجھنے کا خیال درست نہیں تھا۔ ظاہر ہے کہ حضرت عمرو بن العاصؓ نے بھی اسلامی فتوحات میں نمایاں کردار ادا کیا مگر وہ خلفائے راشدینؓ جیسے قدیم الاسلام اور شیدائیان دین کے مرتبے کو نہیں پا سکتے تھے۔ چنانچہ انھیں اپنی غلطی کا احساس ہوا جس

کی تصدیق خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرما دی۔ اب ان کو احساس ہوا فَلَوَدِدْتُ أَنِّی لَمْ أَکُنْ سَأَلْتُہٗ کہ مجھے اس قسم کا سوال نہیں کرنا چاہیے تھا، گویا اپنی برتری کا خیال درست نہیں تھا۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ الضُّبَعِيُّ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ خَدَمْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرَ سِنِيْنَ فَمَا قَالَ لِيْ اُفٍّ قَطُّ وَمَا قَالَ لِيْ لِشَيْءٍ صَنَعْتُهٗ لِمَا صَنَعْتَهٗ وَلَا لِشَيْءٍ تَرَكْتُهٗ لِمَ تَرَكْتَهٗ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اَحْسَنِ النَّاسِ خُلُقًا وَلَا مَسَسْتُ خَزًّا قَطُّ وَلَا حَرِيْرًا قَطُّ وَلَا شَيْئًا كَانَ اَلْيَنَ مِنْ كَفِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا شَمِمْتُ مِسْكًا قَطُّ وَلَا عِطْرًا كَانَ اَطْيَبَ مِنْ عَرَقِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔　　(ترمذی مع شمائل ص ۵۹۵)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث قتیبہ بن سعید نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس بیان کیا جعفر بن سلیمان ضبعی نے ثابت کے حوالہ سے اور انھوں نے یہ روایت حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال تک خدمت کی، مگر (اس دوران میں) آپ نے مجھے کبھی اُف تک نہیں کہا اور جو بھی کام میں نے کیا اس کے متعلق کبھی نہیں کہا کہ تُو نے یہ کیوں کیا؟ اور جو کام میں نے چھوڑ دیا اسکے متعلق کبھی نہیں کہا کہ تو نے یہ کیوں نہیں کیا؟ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں میں سے بہترین اخلاق والے تھے

اور مَیں نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ہاتھ مبارک سے زیادہ نرم پشم، ریشم یا کسی اور چیز کو کبھی ہاتھ نہیں لگایا۔ اور مَیں نے کبھی کسی کستوری یا عطر کو نہیں سونگھا جو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے پسینہ مبارک سے زیادہ خوشبو دار پاکیزہ ہو۔"

تشریح | حضرت انس بن مالکؓ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خدّام خاص میں سے تھے جنھوں نے متواتر دس سال تک دورانِ سفر اور اندرونِ خانہ آپ کی ذاتی خدمت کا فرض ادا کیا۔ بعض روایات میں نو سال کا ذکر بھی آتا ہے تاہم دونوں روایات میں کوئی خاص تعارض نہیں ہے۔ دراصل حضرت انسؓ کا عرصہ خدمت نو سال سے زیادہ اور دس سال سے کم ہے۔ لہٰذا بعض نے یہ عرصہ نو سال اور بعض نے دس سال روایت کیا ہے۔ اس قسم کے اطلاقات مجازی ہوتے ہیں۔ بخاری شریف میں یہ روایت موجود ہے کہ حضرت انسؓ کی والدہ نے ان کو ہجرت کے بعد آپ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ خود حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ان کے سوتیلے والد سے غالباً خیبر کی جنگ کے موقع پر دورانِ سفر کوئی اچھا خادم خدمت کے لیے طلب کیا تھا۔ بہرحال ان دونوں میاں بیوی نے باہمی مشورہ کے بعد حضرت انسؓ کو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خدمت کے لیے پیش کر دیا۔

تو حضرت انسؓ اپنا دس سالہ خدمت کا تجربہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر بلند اخلاق کے مالک تھے کہ فَمَا قَالَ لِی اُفٍّ قَطُّ خدمت کے اس دورانیہ میں آپ نے مجھے کبھی اُف تک نہیں کہا۔ گھر کے خادم یا گھر کے کسی فرد سے بعض اوقات کوتاہی بھی ہو جاتی ہے یا نادانستہ طور پر کوئی نقصان ہو جاتا ہے مگر خادمِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان ہے کہ اس پورے دس سالہ عرصہ میں آپ کبھی مجھ سے ناراض نہیں ہوئے حتّٰی کہ کسی ناگوار بات پر ہلکے سے ہلکا لفظ اُف تک بھی نہیں کہا۔ لفظِ اُف قرآنِ پاک میں بھی اظہارِ ناگواری کے لیے سب سے ہلکے لفظ کے طور پر اللہ نے ذکر فرمایا ہے جہاں والدین کی عزت و توقیر کی تلقین فرمائی ہے وہاں فرمایا

کہ جب تمہارے والدین بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائے فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا أُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ○ (بنی اسرائیل : ۲۳) تو اُن کو اُف تک بھی نہ کہنا اور نہ انہیں جھڑکنا بلکہ اُن کے ساتھ اچھے طریقے سے بات کرنا۔

بہر حال حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ اپنی دس سالہ رفاقت کے دوران میں حضور نبی کریم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے کبھی مجھے اُف تک نہیں کہا اور اگر میں نے کوئی کام آپ کی توقع کے خلاف کیا ہے تو آپ نے میری اتنی سرزنش بھی نہیں کی کہ تم نے یہ کام کیوں کیا؟ اور اگر میں نے کسی کام سے کوتاہی کی ہے تو آپ نے یہ بھی نہیں کہا کہ تم نے یہ کام کیوں نہیں کیا۔ غرضیکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ أَحْسَنَ النَّاسِ خُلُقًا تمام لوگوں میں سے سب سے زیادہ با اخلاق تھے۔

خادمِ رسول مزید بیان کرتے ہیں کہ ان کے آقا علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا دستِ مبارک اس قدر نرم و نازک تھا وَلَا مَسَسْتُ خَزًّا قَطُّ وَلَا حَرِيرًا قَطُّ کہ اتنا نرم میں نے آج تک کوئی ریشم یا ریشم بھی نہیں پایا۔ یہ پہلے بھی گزر چکا ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا ہاتھ مبارک کھردرا نہیں بلکہ نہایت ہی نرم و نازک تھا۔ مصافحہ کرنے کی رسم بھی یہیں سے چلی آرہی ہے ظاہر ہے کہ حضرت انسؓ نے حضورؐ کے ساتھ مصافحہ کرنے کے بعد ہی آپ کے نہایت ہی ملائم ہاتھ کا ذکر کیا ہے جب حضرت انسؓ نے یہ حدیث بیان کی تو شاگردوں نے عرض کیا کہ جس ہاتھ کے ساتھ آپ نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ہاتھ کے ساتھ مصافحہ کیا، ہم آپ کے اُس ہاتھ کے ساتھ مصافحہ کرتے ہیں تاکہ یہ سلسلہ چلتے چلتے کسی نہ کسی درجہ میں تو آئے گا۔ چنانچہ حضرت انسؓ کے شاگردوں نے اُن کے ہاتھ کے ساتھ مصافحہ کیا اور اس طرح یہ سلسلہ چل نکلا۔

حضرت انسؓ مزید بیان کرتے ہیں وَلَا شَمِمْتُ مِسْكًا قَطُّ وَلَا عِطْرًا میں نے آج تک کوئی کستوری یا دیگر خوشبودار چیز استعمال نہیں کی كَانَ أَطْيَبَ مِنْ عَرَقِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جو نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے پسینہ مبارک سے زیادہ پاکیزہ اور خوشبودار ہو۔ پہاڑوں کی اونچی چوٹیوں پر بکری نما ایک جانور

پایا جاتا ہے جس کو شکار کرنے کے بعد اُس کے نافے کو کس کر باندھ دیا جاتا ہے اس نافے کے اندر جو خون ہوتا ہے ، وہی کستوری ہے جو سب سے زیادہ پاکیزہ اور خوشبودار چیز ہے ۔ یہ بڑی مقوی چیز ہے جسے کھانے میں اور خوشبو کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا ہے ۔ آج کل تو کستوری اور زعفران بھی مصنوعی طور پر تیار کیا جاتا ہے جو اصلی اور قدرتی چیز کا مقابلہ نہیں کر سکتے ۔ تو صحابی بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا پسینہ مبارک اصلی کستوری اور عطر سے بھی زیادہ خوشبودار تھا ۔ پہلے ام سلیمؓ کی روایت بھی گزر چکی ہے جو کہتی ہیں کہ ہم لوگ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا پسینہ مبارک جمع کر کے اپنی خوشبو میں ملا لیا کرتے تھے کیونکہ یہ بہترین خوشبو ہوتا تھا چنانچہ آپ جس گلی اور بازار سے گزرتے تھے ، پتہ چل جاتا تھا کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اس گلی سے گزرے ہیں کیونکہ وہ گلی آپ کے پسینہ کی خوشبو سے مہک جاتی تھی ۔ یہ کوئی تعجب والی بات نہیں ہے بلکہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خصوصیت میں داخل ہے اور اس کا ذکر قرآن وحدیث میں موجود ہے ۔ بہرحال اس روایت میں حضرت انسؓ نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے اخلاقِ عالیہ ، آپ کے دستِ مبارک کی نرمی اور آپ کے پسینہ مبارک کی خوشبو کا تذکرہ کیا ہے ۔

باب - ۴۸

درس - ۴۹

حدیث - ۴

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ وَاَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ هُوَ الضَّبِّيُّ وَالْمَعْنٰى وَاحِدٌ قَالَا حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ سَلْمِ الْعَلَوِيِّ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ كَانَ عِنْدَهٗ رَجُلٌ بِهٖ اَثَرُ صُفْرَةٍ قَالَ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَكَادُ يُوَاجِهُ اَحَدًا بِشَيْءٍ يَكْرَهُهٗ فَلَمَّا قَامَ قَالَ لِلْقَوْمِ لَوْ قُلْتُمْ لَهٗ يَدَعُ هٰذِهِ الصُّفْرَةَ -

(ترمذی مع شمائل صـ۵۹۵)

ترجمہ :" امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث قتیبہ بن سعید اور احمد بن عبدۃ ضبی نے بیان کی ۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے حماد بن زید نے سلم علوی کے حوالے سے بیان کیا اور انھوں نے حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کیا ۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص بیٹھا تھا جس پر زردی کا اثر تھا ۔ راوی بیان کرتا ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام جس چیز کو ناپسند کرتے تھے اس کو رُو در رُو نہیں کہتے تھے ۔ پھر جب وہ آدمی اُٹھ کر چلا گیا تو آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ اگر تم اُس شخص کو زرد رنگ کے استعمال سے منع کر دیتے تو یہ اچھا ہوتا ۔"

تشریح حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے حُسنِ اخلاق کا یہ بھی ایک نمونہ ہے کہ آپ بعض اوقات کسی مصلحت کے تحت اگر کسی شخص میں کوئی ناپسندیدہ چیز بھی دیکھتے تو اسے براہِ راست نہ کہتے مبادا کہ وہ شخص اس کا بُرا منا جائے اور کہیں اسلام

سے ہی دور نہ ہوجائے۔ تاہم جہاں ضرورت ہوتی تھی آپ کسی چیز کو سختی کے ساتھ بھی منع کر دیتے تھے۔ ابھی پچھلے اسباق میں گزر چکا ہے کہ جب کسی شرعی حکم سے تجاوز کیا جاتا تو آپ کے غصے کی کوئی تاب نہ لا سکتا تھا۔

اس حدیث کے راوی حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک موقع پر ایک شخص حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی مجلس میں بیٹھا تھا بِہٖ اَثَرُ صُفْرَۃٍ جس پر زردی کا کچھ اثر تھا یعنی اس نے زرد رنگ کا کوئی کپڑا پہن رکھا تھا یا زعفران قسم کا زرد رنگ ظاہر ہو رہا تھا غالباً وہ شخص نیا نیا مسلمان ہوا ہوگا جس کو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے از خود اس کے منہ پر تو زرد رنگ کے استعمال سے منع نہ فرمایا بلکہ جب وہ شخص مجلس سے اُٹھ کر چلا گیا تو آپ نے صحابہ سے فرمایا لَوْ قُلْتُمْ لَهٗ لَوْ يَدَعُ هٰذِهِ الصُّفْرَةَ کاش کہ تم لوگ اُس شخص کو زرد رنگ کے استعمال سے روک دیتے۔ مطلب یہ ہے کہ تمہیں تو علم ہے کہ زرد رنگ پسندیدہ نہیں ہے لہٰذا بہتر ہوتا کہ میرے منع کرنے کی بجائے تم اس کو میری ناپسندیدگی سے آگاہ کر دیتے تاکہ وہ آئندہ یہ رنگ استعمال نہ کرتا۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ
حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ اَبِیْ اِسْحٰقَ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ
الْجَدَلِیِّ وَاِسْمُهٗ عَبْدُ بْنُ عَبْدٍ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا
قَالَتْ لَمْ یَكُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ
فَاحِشًا وَّلَا مُتَفَحِّشًا وَّلَا صَخَّابًا فِی الْاَسْوَاقِ
وَلَا یَجْزِیْ بِالسَّیِّئَةِ السَّیِّئَةَ وَلٰكِنْ یَعْفُوْ وَیَصْفَحُ

(ترمذی مع شمائل ص۵۹۶)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث محمد بن بشار نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے محمد بن جعفر نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے شعبہ نے ابی اسحٰق کے حوالہ سے بیان کیا اور انھوں نے اسے ابوعبداللہ جدلی جس کا نام عبد بن عبد تھا سے روایت کیا اور انھوں نے ام المؤمنین عائشہؓ سے نقل کیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو طبعًا فحش گو تھے اور نہ ہی آپ بتکلف فحش بات کرتے تھے اور نہ ہی آپ بازاروں میں شور و غل کرنے والے تھے۔ اور آپ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے تھے بلکہ آپ معاف فرما دیتے اور درگزر فرماتے تھے۔"

تشریح اس روایت میں امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے اخلاقِ عالیہ پر روشنی ڈالی ہے وہ بیان کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نبی لَمْ یَكُنْ فَاحِشًا وَّ لَا مُتَفَحِّشًا نہ تو بالطبع فحش باتیں کرنے کے عادی تھے اور نہ فحش گوئی کا تکلف فرماتے تھے۔ بعض آدمیوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ بات

بات پر فحش بات کر جاتے ہیں مگر انھیں اس بات کا احساس تک نہیں ہوتا کہ وہ مخرب اخلاق بات کر رہے ہیں البتہ بعض آدمیوں کی عادت تو فحش گوئی کی نہیں ہوتی مگر مجلس میں اپنا رعب وداب قائم کرنے کے لیے یا اپنی اہمیت جمانے کے لیے بعض اوقات بتکلف کوئی فحاشی کی بات کر جاتے ہیں مگر ام المؤمنینؓ کہتی ہیں کہ اُن کے آقا تنے بلند اخلاق کے مالک تھے کہ آپ کسی صورت میں فحش بات نہیں کرتے تھے۔

وَلَا صَخَّابًا فِی الْاَسْوَاقِ اور نہ ہی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام بازاروں میں شور وشر کرنے کے عادی تھے۔ اس قسم کی حرکات بھی گنوار لوگ ہی کرتے ہیں وگرنہ گلی بازاروں میں چلتے پھرتے وقت یا منڈیوں اور میلوں میں ہا وہو کرنا شرفار کا کام نہیں ہے۔ اللہ کے نبی تو پوری نسلِ انسانیت میں اعلیٰ ترین اخلاق کے مالک اور باحیا تھے لہٰذا آپ سے اس قسم کی فضول حرکات کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

ام المؤمنینؓ یہ بھی کہتی ہیں وَلَا یَجْزِیْ بِالسَّیِّئَۃِ السَّیِّئَۃِ آپ برائی کا بدلہ برائی کے ساتھ نہیں دیتے تھے۔ اگرچہ شریعت نے بدلہ لینے کی اجازت دی ہے مگر یہ آپ کے حسنِ اخلاق کا تقاضا تھا کہ آپ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے، بلکہ یَعْفُوْ وَیَصْفَحُ برائی کرنے والے کو معاف فرمادیتے اور تکلیف پر درگزر فرماتے تھے یعنی دل سے معاف کر دیتے تھے۔

حَدَّثَنَا هَارُوْنُ بْنُ اِسْحٰقَ الْهَمْدَانِیُّ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَاضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِیَدِهٖ شَیْئًا قَطُّ اِلَّا اَنْ یُّجَاهِدَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا ضَرَبَ خَادِمًا وَّلَا امْرَأَۃً۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۹۶)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث ہارون بن اسحٰق ہمدانی نے بیان کی، وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے عبدۃ نے ہشام بن عروۃ سے بیان کیا۔ انھوں نے یہ روایت اپنے باپ سے اور انھوں نے امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے نقل کی۔ امّ المؤمنینؓ کہتی ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے کبھی کسی کو نہیں مارا، سوائے اس کے کہ اللہ کے راستے میں جہاد کے دوران ایسا کیا ہو آپ نے نہ تو کبھی کسی خادم کو مارا اور نہ کسی عورت کو۔"

تشریح یہ بھی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے اخلاقِ عالیہ اور مخلوق کے ساتھ شفقت و محبت کی دلیل ہے کہ آپ نے کبھی کسی شخص کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا، نہ ہی تادیب اور تنبیہہ کے طور پر اور نہ ہی بدلہ لینے کے لیے۔ ہاں دورانِ جہاد اگر ایسا موقع آیا ہے تو پھر آپ نے اللہ کے دین کی خاطر دشمنانِ اسلام کے ساتھ جنگ کرنے اور ان پر وار کرنے سے دریغ نہیں کیا چنانچہ بعض امیّہ جیسے بدترین کافروں کو نیزہ مارنے کے شواہد موجود ہیں۔

وَلَا ضَرَبَ خَادِمًا آپ نے کبھی کسی خادم کو بھی نہیں مارا حالانکہ بچوں کو یا خادموں کو تادیب کے لیے سزا دینا روا ہے۔ بعض اوقات کوئی بچہ یا نوکر غلطی کرتا

ہے تو اس کو تنبیہہ کے لیے بھی پیٹا جا سکتا ہے، مگر آپ نے ایسے مقاصد کے لیے بھی کبھی کسی خادم پر ہاتھ نہیں اُٹھایا۔

وَلَا اِمْرَأَةً آپ نے اپنی کسی عورت کو بھی نہیں مارا۔ عورت میں منکوحہ بیوی کے علاوہ لونڈی بھی شامل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کسی بیوی یا لونڈی پر بھی ہاتھ اُٹھانے کی نوبت نہیں آئی، نہ ہی تادیب کے لیے اور نہ ہی تنبیہہ کی غرض سے۔ یہ آپکے اخلاقِ عالیہ کا نتیجہ تھا جس کے اشاعتِ اسلام کے ضمن میں بہت اچھے نتائج برآمد ہوئے۔

درس ۴۹　　　　حدیث - ۷

حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ الضَّبِّيُّ حَدَّثَنَا فُضَيْلُ بْنُ عَيَّاضٍ عَنْ مَّنْصُوْرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَارَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنْتَصِرًا مِّنْ مَّظْلَمَةٍ ظُلِمَهَا قَطُّ مَالَمْ يُنْتَهَكْ مِنْ مَّحَارِمِ اللّٰهِ تَعَالٰى شَيْءٌ فَاِذَا انْتُهِكَ مِنْ مَّحَارِمِ اللّٰهِ تَعَالٰى شَيْءٌ كَانَ مِنْ اَشَدِّهِمْ فِيْ ذٰلِكَ غَضَبًا وَمَا خُيِّرَ بَيْنَ اَمْرَيْنِ اِلَّا اخْتَارَ اَيْسَرَهُمَا مَالَمْ يَكُنْ مَاثَمًا۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۹۶)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت احمد بن عبدۃ ضبی نے بیان کی وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے فضیل بن عیاض نے منصور کے حوالہ سے بیان کیا، انھوں نے زہری سے اور انھوں نے عروۃ سے نقل کیا۔ وہ یہ روایت امّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا کہ مَیں نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو (اپنی ذات کے لیے) کبھی کسی ظلم کا بدلہ لیتے ہوئے نہیں دیکھا، جب تک کہ اللہ کی حرام کردہ چیزوں میں سے کسی کی ہتک نہ کی گئی ہو۔ اور جب اللہ تعالیٰ کی حرمتوں میں سے کسی چیز کی بے حرمتی کی جاتی تو پھر آپ سب لوگوں سے زیادہ غصہ والے ہوتے تھے اور اگر کہیں دو معاملات میں آپ کو کسی ایک معاملہ میں اختیار دیا جاتا تو آپ آسان معاملہ اختیار کرتے جب تک کہ اس میں کوئی گناہ کا عنصر نہ پایا جائے۔"

تشریح اس حدیث میں حضور نبی کریم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے اخلاق عالیہ کا ایک اور پہلو سے تجزیہ کیا گیا ہے۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے اللہ کے نبی کو اپنی ذات پر کی گئی زیادتی کا ظالم سے بدلہ لیتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا۔ سیرتِ رسول میں بے شمار واقعات موجود ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی ذات پر کفار و مشرکین اور یہودیوں نے بے شمار زیادتیاں کیں مگر آپ نے اپنے حسنِ اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے کبھی کسی سے بدلہ نہیں لیا بلکہ ہمیشہ معاف کر دیا اور درگزر فرمایا۔ کسی ظلم و زیادتی کا بدلہ لینا بالکل روا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْہِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ (البقرۃ: ۱۹۴) جو شخص تم پر زیادتی کرتا ہے تم بھی اُس پر اُسی کے بقدر زیادتی کرو یعنی بدلہ لے سکتے ہو۔ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ (آل عمران: ۱۸۶) اگر تم اس کی ایذا رسانی پر صبر کرو، اور تقویٰ کی راہ اختیار کرو تو یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہی راستہ اختیار فرماتے تھے اور اپنی ذات کے لیے کسی ظلم و زیادتی کا بدلہ نہیں لیتے تھے۔ البتہ دین کے معاملہ میں کسی سے کوئی رو رعایت نہیں برتتے تھے آپ کا غصّہ اس وقت تک دُور نہیں ہوتا تھا جب تک کہ دین کو پہنچائے گئے نقصان کی تلافی نہ ہو جاتی۔

اپنے ذاتی نقصان یا ایذا رسانی کو برداشت کرنا مدارات یا حسنِ خلق کہلاتا ہے جب کہ دین کے معاملہ میں کوئی سودے بازی کرنا مداہنت ہے جو کہ قطعی حرام ہے محدثین کی اصطلاح[1] میں مدارات کا مطلب بَذْلُ الدُّنْیَا لِلدِّیْنِ یعنی دُنیا کے مفادات کو قربان کر کے دین کو محفوظ کرنا ہے جبکہ مداہنت سے مراد بذل الدّین للدنیا دین کے مفادات قربان کر کے دنیا حاصل کرنا ہے اسی لیے تو اللہ نے فرمایا کہ تم جھٹلانے والوں کی بات نہ مانو، وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَیُدْهِنُوْنَ ۝ (القلم: ۹) یہ لوگ تو چاہتے ہیں کہ تم بھی دین کے معاملہ میں ذرا نرمی پیدا کر لو

---

[1] جمع الوسائل صلی ۲۳ (فیاض)

تو یہ بھی اپنی بے دینی میں کچھ نرمی اختیار کرلیں گے۔ یہی مداہنت ہے جس کو اللہ نے سختی سے منع فرمایا ہے۔

اس حدیث میں دوسری بات یہ بیان کی گئی ہے وَمَا خُيِّرَ بَيْنَ اَمْرَيْنِ اگر اللہ کے نبی کو اختیار دیا جاتا کہ فلاں دو معاملات میں سے جونسا چاہو لے لو۔ تو آپ کی عادت مبارک یہ تھی اِلَّا اخْتَارَ اَيْسَرَهُمَا کہ دو معاملات میں اُس چیز کو اختیار کرتے جو آسان ہوتی مَالَمْ يَكُنْ مَاْثَمًا جب تک اس میں کوئی گناہ کا عنصر نہ پایا جاتا۔ آسان راستہ اپنانے کا مقصد یہی ہوتا تھا کہ آپ کے امتیوں کے لیے کوئی دشواری پیش نہ آئے بلکہ وہ دین کے احکام پر آسانی کے ساتھ عمل کرسکیں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا یہ فرمان مبارک بھی ہے۔ اِنَّمَا بُعِثْتُ مُيَسِّرًا اللہ تعالیٰ نے مجھے آسانی پیدا کرنے والا بنا کر مبعوث فرمایا ہے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام عبادات اور دین کے دیگر معاملات میں بڑی مشقّت برداشت کرتے تھے مگر اُمّت کے لیے آسان راستے کی تلاش میں ہی رہتے تھے۔

درس - ۵۰ حدیث - ۸

حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْکَدِرِ عَنْ عُرْوَۃَ عَنْ عَآئِشَۃَ قَالَتْ اِسْتَاذَنَ رَجُلٌ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَنَا عِنْدَہٗ فَقَالَ بِئْسَ ابْنُ الْعَشِیْرَۃِ اَوْ اَخُ الْعَشِیْرَۃِ ثُمَّ اَذِنَ لَہٗ فَاَلَانَ لَہُ الْقَوْلَ فَلَمَّا خَرَجَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قُلْتَ مَا قُلْتَ ثُمَّ اَلَنْتَ لَہُ الْقَوْلَ فَقَالَ یَا عَآئِشَۃُ اِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ مَنْ تَرَکَہُ النَّاسُ اَوْ وَدَعَہُ النَّاسُ اِتِّقَآءَ فُحْشِہٖ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۹۶)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث ابن ابی عمر نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے سفیان نے محمد بن منکدر کے واسطہ سے بیان کیا۔ انھوں نے اسے عروۃ سے اور انھوں نے امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے نقل کیا۔ امّ المؤمنینؓ کہتی ہیں کہ ایک شخص نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کی جب کہ میں آپ کے پاس موجود تھی۔ اللہ کے رسول نے فرمایا کہ یہ شخص اپنے خاندان کا بُرا فرزند یا بُرا بھائی ہے۔ پھر نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اس کو اندر آنے کی اجازت دی۔ (جب وہ حاضر خدمت ہوا) تو آپ نے اُسکے ساتھ نرمی سے گفتگو فرمائی۔ جب وہ شخص چلا گیا تو میں نے عرض کیا اللہ کے رسول! پہلے تو آپ نے اس شخص کے بارے میں یہ کچھ فرمایا تھا، پھر آپ نے اس کے ساتھ نرم لہجے میں بات کی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا، اے عائشہؓ! لوگوں میں سے

بدترین آدمی وہ ہے جس کو لوگوں نے اس کی بدکلامی سے بچنے
کے لیے چھوڑ دیا ہو۔"

تشریح | یہ روایت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ خلق کی اس پہلو سے وضاحت کرتی ہے کہ آپ کسی خاندان کے بدترین آدمی کے ساتھ بھی نہایت احسن طریقے سے گفتگو فرماتے تھے۔ امّ المؤمنین رضی اللہ عنہا کے دریافت کرنے پر آپ نے بتلایا کہ اس شخص کے بُرا ہونے سے مَیں تو ایسا نہیں کرسکتا کیونکہ بدترین لوگوں کے ساتھ بھی بے رُخی اختیار کرنا میرے منصب اور حسنِ اخلاق کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا۔

یہ درجہ اوّل کی حدیث ہے جو صحیحین اور دیگر کتب حدیث میں بھی موجود ہے۔
اس بدترین آدمی کے کوائف بعض دوسری روایات میں بھی ملتے ہیں۔ ایک روایت میں اس طرح بھی آتا ہے کہ یہ شخص اپنے قبیلے کا سردار تھا مگر احمق المطاع یعنی بیوقوف سردار تھا جو اُول فُول قسم کی باتیں کرتا رہتا تھا۔ اس کا نام عیینہ بن حصن فزاری (یا مخرمہ بن نوفل) تھا۔ زمانہ جاہلیت کا ماحول ہی ایسا تھا کہ اکثر لوگ شائستگی سے عاری تھے۔
ایک دفعہ یہ شخص حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ کہنے لگا، یا محمد! یہ گوری چِٹی عورت کون ہے جو آپ کے پاس بیٹھی ہے؟ آپ نے فرمایا، یہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی اور میری بیوی عائشہ رضی اللہ عنہا ہے۔ کہنے لگا، اَلَا نَتَنَازَلُ کیا ہم اپنی بیویوں کا تبادلہ نہ کرلیں یعنی آپ میری بیوی لے لیں اور مَیں آپ کی بیوی لے لوں۔ زمانہ جاہلیت میں یہ لوگ اس قسم کی بے حیائی کی باتیں کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔ پھر جب یہ لوگ مسلمان ہوگئے تو بڑی دیر کے بعد ان میں تہذیب آئی۔ ان لوگوں کی اس بدتہذیبی کی وجہ سے ہی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا کہ یہ اپنے خاندان کا بدترین بیٹا یا فرمایا بدترین بھائی ہے تاہم آپ نے اس کے ساتھ نرم لہجے میں ہی بات کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس قسم کے گنوار لوگ بھی آپ سے مانوس ہوتے چلے گئے ان پر اسلام کی برکات واضح ہونے لگیں اور بالآخر اُن پر دین کے دروازے کھل گئے۔
اس حدیث سے جرح کا اصول بھی ثابت ہوتا ہے۔ گویا راویانِ حدیث

کے عیوب کو ظاہر کرنا اچھی بات ہے تاکہ عام لوگ ان عیوب سے واقف ہو کر غلط روایات کو بنیاد بنانے سے بچ جائیں۔ اسی طرح محدثین کرام حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت سے اصولِ تعدیل ثابت کرتے ہیں اِنَّ عَبْدَ اللّٰہِ رَجُلٌ صَالِحٌ لَوْ کَانَ یُصَلِّیْ بِاللَّیْلِ یعنی عبداللہ بن عمرؓ اچھا آدمی ہے اگر رات کے وقت نماز ادا کرتا۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے اس ارشاد سے پہلے حضرت عبداللہ بن عمرؓ رات کی نمازیں قدرے سستی کرتے تھے مگر جب حضورؐ کا یہ ارشاد سنا تو پھر زیادہ مستعد ہو گئے اور رات کا زیادہ حصہ نمازیں گزارنے لگے۔

الغرض! حدیث کے باب میں اصُول جرح اور تعدیل ایسی ہی روایات سے اخذ کیا گیا ہے۔ چنانچہ محدثین جب کسی راوی کی چھان بین کرتے ہیں کہ فلاں شخص دروغ گو تھا، یا اسکو نسیان کا عارضہ لاحق ہو گیا تھا وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح تعدیل کے ضمن میں کہتے ہیں کہ فلاں راوی ثقۃٌ، ثبۃٌ یا عالمٌ وغیرہ کہتے ہیں۔

بہرحال جب امّ المؤمنینؓ نے اس شخص کے بدترین ہونے کی وجہ دریافت کی تو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا کہ جس شخص کو لوگ اس کی فحش کلامی کی وجہ سے ترک کر دیں، وہ قبیلے کا بدترین شخص نہیں ہو گا تو اور کیا ہو گا؟ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بدزبانی اور فحش کلامی بہت بری خصلت ہے جو کسی مومن میں ہرگز نہیں پائی جانی چاہیے۔

حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ حَدَّثَنَا جُمَيْعُ بْنُ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْعِجْلِيِّ حَدَّثَنِيْ رَجُلٌ مِّنْ بَنِيْ تَمِيْمٍ مِّنْ وُلْدِ اَبِيْ هَالَةَ زَوْجِ خَدِيْجَةَ يُكْنٰى اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنٍ لِاَبِيْ هَالَةَ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ سَاَلْتُ اَبِيْ عَنْ سِيْرَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ جُلَسَائِهٖ فَقَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَآئِمَ الْبِشْرِ سَهْلَ الْخُلُقِ لَيِّنَ الْجَانِبِ لَيْسَ بِفَظٍّ وَّلَا غَلِيْظٍ وَّلَا صَخَّابٍ وَّلَا فَحَّاشٍ وَّلَا عَيَّابٍ وَّلَا مُشَّاحٍ يَّتَغَافَلُ عَمَّا لَا يَشْتَهِيْ وَلَا يُؤْيِسُ مِنْهُ وَلَا يُجِيْبُ فِيْهِ قَدْ تَرَكَ نَفْسَهٗ مِنْ ثَلَاثٍ اَلْمِرَآءِ وَالْاِكْبَارِ وَمَا لَا يَعْنِيْهِ وَتَرَكَ النَّاسَ مِنْ ثَلَاثٍ كَانَ لَا يَذُمُّ اَحَدًا وَّلَا يُعِيْبُهٗ وَلَا يَطْلُبُ عَوْرَتَهٗ وَلَا يَتَكَلَّمُ اِلَّا فِيْمَا رَجَا ثَوَابَهٗ وَاِذَا تَكَلَّمَ اَطْرَقَ جُلَسَاؤُهٗ كَاَنَّمَا عَلٰى رُؤُسِهِمُ الطَّيْرُ فَاِذَا سَكَتَ تَكَلَّمُوْا لَا يَتَنَازَعُوْنَ عِنْدَهُ الْحَدِيْثَ وَمَنْ تَكَلَّمَ عِنْدَهٗ اَنْصَتُوْا لَهٗ حَتّٰى يَفْرُغَ حَدِيْثُهُمْ عِنْدَهٗ حَدِيْثُ اَوَّلِهِمْ يَضْحَكُ مِمَّا يَضْحَكُوْنَ مِنْهُ وَيَتَعَجَّبُ مِمَّا يَتَعَجَّبُوْنَ وَيَصْبِرُ لِلْغَرِيْبِ عَلَى الْجَفْوَةِ فِيْ مَنْطِقِهٖ وَمَسْئَلَتِهٖ حَتّٰى اِنْ كَانَ اَصْحَابُهٗ لَيَسْتَجْلِبُوْنَهُمْ وَيَقُوْلُ اِذَا رَاَيْتُمْ طَالِبَ حَاجَةٍ يَطْلُبُهَا فَاَرْفِدُوْهُ وَلَا يَقْبَلُ

الثَّنَاءَ اِلَّا مِنْ مُكَافِئٍ وَلَا يَقْطَعُ عَلٰى اَحَدٍ حَدِيْثَهٗ حَتّٰى يَجُوْزَ فَيَقْطَعُهٗ بِنَهْيٍ اَوْ قِيَامٍ۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۹۶)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث سفیان بن وکیع نے بیان کی وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے جمیع بن عمر بن عبدالرحمٰن عجلی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس بیان کیا بنی تمیم کے ایک شخص نے جو حضرت خدیجہؓ کے خاوند ابی ہالہ کی اولاد میں سے تھا اور جس کی کنیت ابوعبداللہ تھی۔ وہ حضرت حسن بن علیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ (ان کے چھوٹے بھائی) حسین بن علیؓ نے کہا کہ میں نے اپنے والد گرامی امیرالمؤمنین حضرت علیؓ سے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی اپنے ہم نشینوں میں سیرت کے متعلق دریافت کیا، تو انھوں نے بتلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دائمی بشاشت والے، نرم اخلاق والے، اور نرم پہلو والے تھے۔ آپ درشت مزاج نہیں تھے اور نہ ہی تندی والے تھے۔ آپ شور شر کرنے والے اور فحش باتیں کرنے والے بھی نہیں تھے آپ نہ تو کسی کی عیب جوئی کرنے والے تھے اور نہ ہی بخیل تھے۔ آپ جس چیز کی خواہش نہیں رکھتے تھے اس سے تغافل اختیار کرتے تھے مگر دوسروں کو اس سے مایوس نہیں کرتے تھے اور خود اس کو قبول نہیں کرتے تھے۔ آپ نے اپنی ذات کو تین چیزوں سے روک رکھا تھا یعنی جھگڑا، تکبّر اور لایعنی باتیں اور دوسرے لوگوں سے بھی تین چیزوں کو روک رکھا تھا یعنی آپ کسی کی مذمت نہیں کرتے تھے، اور نہ کسی کی عیب جوئی کرتے تھے اور نہ ہی کسی دوسرے کی پردہ دری کرتے

تھے آپ کسی چیز میں کلام نہیں کرتے تھے سوائے اس چیز کے
کہ جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب کی امید ہوتی ۔ اور
جب آپ بات شروع کرتے تو آپ کے ہم نشین گردنیں نیچی کر
لیتے اور (اس قدر خاموشی کے ساتھ سُنتے تھے) گویا اُن کے
سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں پھر جب آپ خاموش ہو
جاتے تب آپکے اصحاب بات کرتے ۔حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام
کی موجودگی میں وہ لوگ کسی بات میں جھگڑا نہیں کرتے تھے جب
کوئی آدمی آپ کی موجودگی میں بات کرتا تو دوسرے لوگ اسکی
بات سُنتے یہاں تک کہ وہ اپنی بات مکمل کرلیتا ۔ آپ کے
اصحاب میں سے کسی کی بات حضور کے نزدیک پہلے شخص کی
بات کی طرح پوری توجہ سے سُنی جاتی تھی ۔آپ کے ہم نشین
جس بات پر ہنستے تھے ،آپ بھی اس پر ہنستے تھے اور جس
بات پر اصحاب تعجب کرتے آپ بھی اس پر تعجب فرماتے ۔
آپ مسافر آدمی پر صبر کرتے تھے اس کی زیادتی پر ، اس کی گفتگو
اور اس کے سوال کرنے میں ۔یہاں تک کہ آپ کے اصحاب
ایسے لوگوں کو کھینچ کر لے آتے تھے ۔ آپ اپنے اصحاب کو یہ
بھی کہا کرتے تھے کہ جب تم کسی ضرورت مند کو دیکھو تو اس
کی ضرورت پوری کردیا کرو ۔ آپ تعریف قبول نہیں کرتے تھے
مگر برابری کرنے والے شخص سے ۔ آپ کسی کی بات کو کاٹتے
نہیں تھے یہاں تک کہ وہ حد سے تجاوز کرنے لگتا ۔ایسی صورت
میں آپ اسکو منع کردیتے یا وہاں سے اُٹھ کھڑے ہوتے ۔

تشریح | یہ حضرت حسن بن علیؓ سے روایت کردہ لمبی حدیث کا ایک ٹکڑا
ہے جس کو امام ترمذیؒ نے ترجمۃ الباب کی مناسبت سے مختلف

ابواب میں تقسیم کر دیا ہے اس سے پہلے اسی حدیث کے ٹکڑے باب حلیہ مبارک باب کلام، باب تواضع میں آچکے ہیں اور یہ ٹکڑا باب خلق میں آگیا ہے یہ لمبی حدیث حضرت حسنؓ نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہؓ سے سُن کر یاد کی تھی۔ پھر جب انھوں نے اس کا ذکر اپنے برادر خورد حضرت حسین بن علیؓ سے کیا تو ان کو پتہ چلا کہ حضرت حسینؓ نے یہ حدیث اپنے ماموں سے پہلے ہی سن رکھی ہے بلکہ انھوں نے اس کے بعض حصّے اپنے والدگرامی حضرت علی بن ابی طالبؓ سے سُن رکھے ہیں۔ چنانچہ یہ روایت حضرت حسنؓ نے حضرت حسینؓ کے حوالہ سے بیان کی ہے۔

حضرت حسینؓ بن علیؓ کہتے ہیں کہ مَیں نے اپنے والد علی بن ابی طالبؓ سے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے صحابہ کی مجلس کے دوران آپ کی سیرت کے متعلق بعض سوالات کیے کہ آپ کا طرزِ عمل آپ کے ہم نشینوں کے ساتھ کیسا ہوتا تھا تو انھوں نے حضور علیہ السّلام کے عادات و خصائل اور طرزِ عمل کے متعلق بہت سی باتیں بیان کیں جن کو مختصر طور پر اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے کہ آپ

(۱) دَائِمَ الْبِشْرِ تھے یعنی آپ کا چہرہ مبارک ہمیشہ ہشاش بشاش رہتا تھا اپنے مخاطبین سے نہایت خوش اخلاقی کے ساتھ بات چیت کرتے تھے یعنی آپ میں ترش روئی نام کی کوئی چیز نہ تھی۔

(۲) آپ سَهْلَ الْخُلُقِ تھے یعنی آپ کے اخلاقِ حمیدہ نہایت نرم تھے کسی کے ساتھ سختی سے بات نہیں کرتے تھے بلکہ بات چیت اور معاملات میں نہایت نرم رویّہ اختیار فرماتے تھے۔

(۳) آپ لَيِّنَ الْجَانِبِ نرم مزاج تھے۔ اگر کسی معاملہ میں لوگوں کو آپ کی موافقت کی ضرورت ہوتی تو آپ آسانی کے ساتھ ان کی موافقت اختیار کر لیتے۔

(۴) لَيْسَ بِفَظٍّ وَلَا غَلِيْظٍ نہ تو آپ درشت مزاج تھے اور نہ ہی تند خو تھے بلکہ ہر ایک کے ساتھ خندہ پیشانی اور خوش خلقی سے پیش آتے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ

والسلام کی انہی صفاتِ جمیلہ کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں اسلام گھر کرتا چلا گیا اور لوگ آپ کے قریب آتے چلے گئے۔ آپ کی یہ صفت خود قرآن نے بھی بیان کی ہے اللہ کے رسول! خدا تعالیٰ کی مہربانی سے آپ اپنے اوّلین مخاطبین کے لیے نرم دل واقع ہوئے ہیں۔ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران: ۱۵۹) اگر آپ اکھڑ طبیعت اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے۔

(۵) وَلَا صَخَّابٍ وَلَا فَحَّاشٍ نہ تو آپ شور و شر کرنے والے تھے جیسا کہ بالعموم بازاروں میں کیا جاتا ہے اور نہ ہی آپ فحش گوئی کرتے تھے۔ آپ گھر میں موجود ہوں، مسجد میں ہوں، کسی مجلس میں تشریف فرما ہوں یا حسبِ ضرورت بازار میں جا رہے ہوں، اللہ کے فضل سے آپ ہر مقام پر وقار اور سلیقے کا مظاہرہ کرتے تھے۔ اور کسی بھی حالت میں آپ حسنِ اخلاق سے کمتر کوئی بات نہیں کرتے تھے۔

(۶) وَلَا عَيَّابٍ وَلَا مُشَّاحٍ آپ نہ تو کسی دوسرے شخص کی عیب جوئی کرتے تھے کہ خواہ مخواہ کسی کے عیوب تلاش کیے جائیں اور نہ ہی کسی کے جائز حق کی ادائیگی میں بخل کرنے والے تھے، آپ نہایت صاف گو تھے اور حقدار کو اس کا حق دلانے میں کسی بخل سے کام نہیں لیتے تھے۔

(۷) يَتَغَافَلُ عَمَّا لَا يَشْتَهِي جس چیز کو آپ نہیں چاہتے تھے اُس سے آپ تغافل اختیار کرتے تھے۔ بعض چیزیں فی الجملہ حرام یا ناجائز نہیں ہوتیں مگر طبیعت اس کو پسند نہیں کرتی تو آپ ایسی چیزوں کی ذاتی طور پر پرواہ نہیں کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ جس چیز کی ضرورت ہی نہیں اس چیز کے لیے فکر مند ہونا بے معنی ہے۔

(۸) وَلَا يُؤْيِسُ مِنْهُ اور اگر کوئی دوسرا شخص اس چیز کا خواہش مند ہوتا تھا تو اُس کو مایوس بھی نہیں کرتے تھے مطلب یہ ہے کہ ضروری نہیں کہ جو چیز ایک شخص کو مرغوب نہیں وہ دوسرے کو بھی مطلوب نہ ہو۔ بلکہ اگر آپ کی غیر مرغوب چیز کسی دوسرے کی مرغوب ہوتی تھی تو اس کو اس چیز کے حصول کی اجازت دیتے تھے اور اسے ناامید

نہیں کرتے تھے۔ وَلَا یُجِیبُ فِیہِ اگرچہ خود اس چیز کو قبول نہیں کرتے تھے کیونکہ وہ مطلوب ہی نہیں ہوتی تھی۔

(۹) حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی ایک عادت مبارک یہ بھی تھی قَدْ تَرَكَ نَفْسَہٗ مِنْ ثَلَاثٍ اپنی ذات کو تین چیزوں سے روک کر رکھتے تھے۔ اَلْمِرَآءِ پہلی چیز جھگڑا ہے جس سے آپ کا کوئی سروکار نہیں ہوتا تھا بعض لوگ فطرتاً جھگڑالو ہوتے ہیں جو بات بات پر جھگڑا کرتے ہیں۔ اللہ نے منافقوں کی یہ بری خصلت بیان کی ہے کہ وہ اَلَدُّ الْخِصَامِ سخت جھگڑالو ہوتے ہیں۔ تاہم حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اس بُری صفت سے محفوظ تھے، آپ نے اپنے آپ کو جھگڑے سے روک رکھا تھا۔ وَالْاِكْبَارِ آپ کی ذاتِ گرامی تکبّر سے بھی بری تھی۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام ہمیشہ تواضع اور انکساری کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔ آپ نے تکبر سے اپنے آپ کو روک لیا تھا۔ وَمَا لَا یَعْنِیہِ آپ کی ذاتِ گرامی کسی بے معنی چیز میں ملوث نہیں ہوتی تھی بلکہ اپنی ذات کو فضول باتوں سے روک رکھا تھا۔ ہمیشہ مطلب کی اور بامعنی بات چیت فرماتے تھے اور لغویات سے ہمیشہ بچتے تھے۔

(۱۰) وَتَرَكَ النَّاسَ مِنْ ثَلَاثٍ راوی بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے عام لوگوں سے بھی تین چیزوں کو روک رکھا تھا یعنی یہ تین چیزیں آپ دوسرے لوگوں کے لیے بھی روا نہیں رکھتے تھے۔ پہلی چیز یہ ہے كَانَ لَا یَذُمُّ اَحَدًا آپ کسی شخص کی مذمت نہیں کرتے تھے۔ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ کسی شخص میں ذرا سی خرابی نظر آئی تو لوگوں کے سامنے اس کی مذمت بیان کرنی شروع کر دی۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام حتّی الامکان کسی دوسرے آدمی کی مذمت نہیں کرتے تھے۔ وَلَا یُعِیبُہٗ اور نہ آپ کسی کی عیب جوئی کرتے تھے کہ خواہ مخواہ کسی کے عیوب تلاش کریں اور پھر اس کو بدنام کرنے کی کوشش کریں۔ آپ اس بُری خصلت سے پاک تھے اور تیسری چیز کے متعلق فرمایا وَلَا یَطْلُبُ عَوْرَتَہٗ آپ کسی شخص کی پردہ دری بھی نہیں کرتے تھے یعنی کسی شخص میں کوئی کمزوری یا نقص

دیکھا تو اُس کو اچھالنا شروع کر دیا۔ آپ ایسا بھی نہیں کرتے تھے ۔

(۱۱) حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے حسنِ خلق کا ایک ثبوت یہ بھی تھا لَا یَتَکَلَّمُ اِلَّا فِیْمَا رَجَا ثَوَابَہٗ آپ کوئی ایسی بات نہیں کرتے تھے جس میں اللہ تعالیٰ سے اجر کی امید نہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کی کوئی بات بھی اجر و ثواب سے خالی نہیں ہوتی تھی ۔

(۱۲) اور جب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام گفتگو شروع کرتے تو اَطْرَقَ جُلَسَاءُہٗ آپ کے ہم نشین گردنیں نیچی کر لیتے اور اس قدر خاموشی اور دل جمعی کے ساتھ اس کو سنتے کَاَنَّمَا عَلٰی رُؤُسِہِمُ الطَّیْرُ گویا کہ اُن کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں جو ذرا سی حرکت، بے توجہی یا بے رغبتی کے نتیجے میں اُڑ جائیں گے۔ پرندہ بڑا حساس جانور ہے جو معمولی سے معمولی آہٹ بھی برداشت نہیں کرتا۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے صحابہ کی مثال اس طرح دی ہے گویا کہ ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں لہٰذا وہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی بات نہایت غور اور توجہ کے ساتھ سنتے تھے۔ فَاِذَا سَکَتَ تَکَلَّمُوْا صحابہ کرامؓ اس وقت تک مکمل خاموشی اختیار کیے رہتے جب تک ان کے آقا کی بات مکمل نہ ہو جاتی۔ جب آپ بات کر کے خاموش ہو جاتے تو پھر صحابہ کوئی بات چیت کرتے ۔

(۱۳) صحابہ کرام اللہ کے نبی کا اس قدر احترام ملحوظ رکھتے تھے کہ آپ کی موجودگی میں اگر وہ آپس میں بھی کوئی بات چیت کرتے تو آپ کے ادب و احترام میں — لَا یَتَنَازَعُوْنَ عِنْدَہُ الْحَدِیْثَ تو آپس میں بھی کسی معاملہ میں الجھتے نہیں تھے بعض اوقات دوران گفتگو تلخی بھی پیدا ہو جاتی ہے مگر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی موجودگی میں یہ ممکن نہ تھا وَمَنْ تَکَلَّمَ عِنْدَہٗ پھر جب صحابہ کرامؓ میں سے کوئی ایک شخص آپ کے ہاں بات شروع کرتا تو باقی لوگ اَنْصَتُوْا لَہٗ اس کی بات کو خاموشی کے ساتھ سنتے حَتّٰی یَفْرُغَ اور یہ ادب و احترام اور خاموشی بات چیت کے اختتام تک قائم رہتی ۔

(۱۴) حَدِيْثُهُمْ عِنْدَهٗ حَدِيْثُ اَوَّلِهِمْ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلس میں ہر صحابی کی بات کو اوّلیت حاصل ہوتی تھی۔ اَوَّلِهِمْ کے دو معنے ہو سکتے ہیں۔ پہلا معنیٰ تو یہ ہے کہ جب بھی کوئی آدمی بات کرتا تھا تو اس کو اس قدر غور و فکر سے سُنا جاتا تھا گویا کہ وہ ایسی اہم بات ہے جس کی خبر دینے والا سب سے پہلا آدمی یہی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب کوئی حادثہ یا دیگر اہم واقعہ کی اطلاع پہلی دفعہ ملے تو اسے نہایت غور و فکر کے ساتھ سُنا جاتا ہے اور اسے اہمیت دی جاتی ہے مطلب یہ ہے کہ حضورؐ کی موجودگی میں ہر صحابی کی بات کو نہایت اہمیت دی جاتی تھی۔ اس کا دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ آپ کے ہر صحابی کی بات کو اس قدر غور سے سُنا جاتا تھا گویا کہ وہ کسی قوم کے اوّلین یعنی افضل ترین آدمی کی بات ہے۔ كَلَامُ الْمُلُوْكِ مُلُوْكُ الْكَلَامِ کے مصداق ہر بڑے آدمی کی بات بھی بڑی ہوتی ہے۔ لہٰذا اس کو زیادہ توجہ سے سنا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے اللہ کے نبی کی مجلس میں کلام کرنے والے ہر شخص کی بات کو نہایت غور کے ساتھ سُنا جاتا تھا۔

(۱۵) يَضْحَكُ مِمَّا يَضْحَكُوْنَ مِنْهُ حضور خاتم النبیّین صلی اللہ علیہ وسلّم افضل البشر اور امام الانبیاء ہونے کے باوجود اپنے ہم نشینوں کے ساتھ گھل مل کر رہتے تھے۔ آپ کی تواضع کا یہ عالم تھا کہ آپ دوسرے لوگوں پر اپنے تفوق کا اظہار نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ آپکے ہم نشین کسی بات پر ہنستے تو آپ بھی اُن کی ہم نوائی میں ہنس پڑتے اور اس سلسلہ میں کسی تکلّف کا اظہار نہیں کرتے تھے۔ وَيَتَعَجَّبُ مِمَّا يَتَعَجَّبُوْنَ اور جس چیز پر آپکے صحابہ تعجب کرتے آپ بھی اس بات پر تعجب کرتے۔ غرضیکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دوسروں سے الگ تھلگ نہیں رہتے تھے جیسا کہ اُمراء کا طریقہ ہے بلکہ آپ اپنے ہم نشینوں کے ساتھ ہر مباح عمل میں شامل ہوتے تھے۔

(۱۶) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلق عظیم کا یہ بھی ایک حصّہ ہے وَيَصْبِرُ لِلْغَرِيْبِ عَلَى الْجَفْوَةِ فِيْ مَنْطِقِهٖ وَمَسْئَلَتِهٖ کہ کسی مسافر آدمی[1] کی گفتگو یا سوال کرنے میں زیادتی

[1] ذوالخویصرہ التمیمی آیا تھا اور اس نے سوال کیا تھا۔ (فیاض)

کرنے پر آپ صبر و تحمل کا مظاہرہ فرماتے تھے۔ نہ تو ایسے شخص کو خود ڈانٹ ڈپٹ کرتے تھے اور نہ دوسرے صحابہ کو اس کی اجازت دیتے تھے۔ نئے نئے مسلمان ہونے والے بعض دیہاتی لوگ تہذیب و تمدن اور اللہ کے نبی کے ادب و احترام سے بے بہرہ تھے اس لیے وہ بعض اوقات حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ساتھ غیر مہذبانہ طریقے بلکہ گستاخی کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے مگر آپ ایسی باتوں پر ہمیشہ صبر کرتے تھے۔ باب الزکوٰۃ میں یہ روایت موجود ہے کہ ایک گنوار آدمی نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے گلے میں کپڑا ڈال کر کھینچا اور کہا کہ اللہ کے مال میں سے ہمارا حصہ بھی ادا کرو۔ اس قسم کی گستاخی اور زیادتی کے باوجود آپ نے صبر کیا اور دیہاتی سے کوئی انتقام نہیں لیا۔

(۱۷) حَتّٰی اِنْ کَانَ اَصْحَابُہٗ لَیَسْتَجْلِبُوْنَھُمْ یہاں تک کہ بعض اوقات حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے صحابہ ایسے دیہاتی لوگوں کو خود کھینچ کر آپ کی مجلس میں لے آتے تھے صحابہ کرامؓ خود تو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی مجلس میں نہایت مؤدب طریقہ سے بیٹھتے تھے، بڑی ضروری بات بھی نہایت مؤدب طریقہ سے کرتے تھے اور بعض سوالات حضورؐ کے ادب و احترام کی وجہ سے آپ کے سامنے پیش کرنے سے قاصر رہتے تھے لہٰذا وہ دیہاتی آدمیوں کو خود حضورؐ کی مجلس میں لے آتے تھے تاکہ اُن کے مختلف قسم کے سوالات پر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے جوابات سے مستفید ہو سکیں۔

(۱۸) حضور نبی کریم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اپنے صحابہ کو یہ بھی تلقین فرمایا کرتے تھے اِذَا رَأَیْتُمْ طَالِبَ حَاجَۃٍ یَطْلُبُھَا کہ جب تم کسی ضرورت مند کو دیکھو کہ وہ اپنی حاجت طلب کر رہا ہے، تو پھر بخل سے کام نہ لیا کرو، اور اگر اللہ نے توفیق دی ہے، فَارْفِدُوْہُ تو حاجت مند کی حاجت پوری کر دیا کرو۔ آپ خود بھی سب سے زیادہ سخی تھے اور دوسروں کو بھی سخاوت کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔

(۱۹) حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے اخلاقِ عالیہ کا ایک نمونہ یہ بھی تھا وَ لَا یَقْبَلُ الثَّنَآءَ اِلَّا مِنْ مُّکَافِئٍ آپ اپنی تعریف قبول نہیں کرتے تھے مگر برابری کرنے والے شخص سے۔ اس کا ایک معنی تو یہ ہے کہ آپ نے جس شخص کے ساتھ

احسان کیا ہے، آپ اُس احسان یا اس کو ملنے والی نعمت کے بقدر تو تعریف قبول کر لیتے مگر اس سے زیادہ تعریف کو قبول نہیں کرتے تھے۔ مکافی کا دوسرا معنیٰ بدلہ چکانے والا ہوتا ہے۔ اگر کسی شخص نے کوئی ہدیہ دیا ہے یا کوئی دوسرا احسان کیا ہے تو آپ حتّی الامکان اس کا بدلہ بھی دیتے تھے۔ حاصل ہونے والے ہدیہ کے عوض میں کوئی دوسری چیز عطا فرما دیتے اور اگر اس وقت ادا کرنے کے لیے کوئی چیز موجود نہ ہوتی تو آپ ہدیہ بھیجنے والے کو دُعا ہی دے دیتے جَزَاكَ اللهُ خَيْرًا یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا بہتر بدلہ عطا کرے۔

(۲۰) آپ کی عادت مبارک یہ بھی تھی وَلَا يَقْطَعُ عَلٰى اَحَدٍ حَدِيْثَهٗ آپ کے رُوبرو اگر کوئی شخص بات شروع کرتا تو آپ اس کو درمیان میں نہیں روک دیتے تھے بلکہ اس کی بات کو توجہ کے ساتھ سنتے تھے حَتّٰى يَجُوْزَ یہاں تک کہ اس کی بات ختم ہو جاتی۔ اس کا دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ اگر کلام کرنے والا اپنی بات چیت میں کسی زیادتی کا مرتکب ہوتا تو پھر ایسی صورت میں آپ اُس کی بات کو کاٹ دیتے۔ اور اگر کوئی بات نامناسب ہوتی تو اس کو روکنے کا طریقہ بھی عام لوگوں کی طرح نہیں تھا کہ ناراض ہو جاتے یا ترش روئی اور سختی کا اظہار کرتے بلکہ فَيَقْطَعُهٗ بِنَهْيٍ اَوْ قِيَامٍ نامناسب بات چیت کو روکنے کا طریقہ یہ اختیار فرماتے کہ یا تو نرم لہجے میں کلام کرنے والے شخص سے کہہ دیتے کہ بھائی! یہ بات ختم کر دو۔ یا پھر اتنا بھی نہ کہتے بلکہ خود مجلس سے اُٹھ کھڑے ہوتے جس کا مطلب یہ ہوتا کہ آپ کو یہ گفتگو پسند نہیں ہے لہٰذا اسکو ختم کر دینا چاہیے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُوْلُ مَا سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا قَطُّ فَقَالَ لَا ۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۹۶)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث محمد بن بشار نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے عبدالرحمٰن بن مہدی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے سفیان نے محمد بن منکدر کے حوالے سے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے صحابی رسول حضرت جابر بن عبداللہؓ کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی کسی ایسی چیز کا سوال نہیں کیا گیا جس کو دینے سے آپ نے انکار کیا ہو"

تشریح یہ حدیث حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی سخاوت کی ایک بہت بڑی دلیل ہے صحابی بیان کرتا ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے پاس جب کسی نے بھی کسی جائز چیز کا سوال کیا، آپ نے کبھی انکار نہیں کیا، بشرطیکہ وہ چیز آپ کے بس میں ہوتی۔ پچھلی روایت میں یہ بھی گزر چکا ہے کہ اگر کسی وقت آپ کے پاس مطلوبہ چیز نہ ہوتی تو کسی دوسرے صحابی کو اس کی حاجت براری کے لیے کہہ دیتے، یا پھر کسی دوسرے وقت کا وعدہ فرماتے یا کم از کم سائل کے حق میں دعا ہی کر دیتے۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ عِمْرَانَ اَبُو الْقَاسِمِ الْقُرَشِیُّ الْمَکِّیُّ حَدَّثَنَا اِبْرَاھِیْمُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ شِھَابٍ عَنْ عُبَیْدِ اللّٰہِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَجْوَدَ النَّاسِ بِالْخَیْرِ وَکَانَ اَجْوَدُ مَا یَکُوْنُ فِیْ شَھْرِ رَمَضَانَ حَتّٰی یَنْسَلِخَ فَیَاْتِیْہِ جِبْرِیْلُ فَیَعْرِضُ عَلَیْہِ الْقُرْاٰنَ فَاِذَا لَقِیَہٗ جِبْرِیْلُ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَجْوَدَ بِالْخَیْرِ مِنَ الرِّیْحِ الْمُرْسَلَۃِ۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۹۶)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث عبداللہ بن عمران ابوالقاسم[1] قرشی مکی نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے ابراہیم[2] بن سعد نے ابن شہاب کے حوالے سے بیان کیا وہ یہ روایت عُبیداللہ سے اور وہ صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فیض رسانی اور مال عطا کرنے میں سب لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور ماہ رمضان میں اس کے اختتام تک آپ کی سخاوت بہت بڑھ جاتی۔ پھر جب جبریل علیہ السلام آکر آپ کو قرآن سناتے تو اُن کی ملاقات پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سخاوت کرنے میں آندھی سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ سخاوت کرنے والے ثابت ہوتے۔

---

[1] المتوفی ۲۴۵ھ، [2] الزہری ابو اسحٰق المتوفی ۱۸۳ھ۔ (فیاض)

تشریح حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی فیاضی بھی آپ کی سیرت اور خلق عالیہ کا ایک اہم جزو ہے۔ تاریخ و احادیث میں ایسے بے شمار واقعات موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے۔ آپ کے پاس بہت زیادہ مال بھی آیا مگر آپ نے تقسیم کرنے میں ذرا توقف نہیں کیا، بلکہ اپنی ذات کے لیے بالکل ہی کچھ نہیں رکھا۔

راوی بیان کرتا ہے کہ اگرچہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی فیاضی سارا سال قائم رہتی تھی مگر ماہِ رمضان میں اسکی تیزی میں اضافہ ہوجاتا تھا حتّٰی کہ جب رمضان کے مہینہ میں جبریل علیہ السّلام آپ کے ساتھ قرآن پاک کا دَور کرتے تو آپ کی سخاوت تیز ہوا سے بھی بڑھ جاتی۔ اَلرِّیۡحُ الۡمُرۡسَلَۃِ سے تیز ہوا یعنی آندھی مُراد ہوسکتی ہے یعنی جتنی تیزی سے آندھی چلتی ہے اس سے زیادہ تیزی کے ساتھ آپ سخاوت فرماتے تھے یا اَلرِّیۡحُ الۡمُرۡسَلَۃِ سے بارش لانے والی ہوا بھی مراد لی جاسکتی ہے یعنی جس قدر بارش مخلوقِ خدا کو نفع پہنچاتی ہے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی سخاوت لوگوں کے لیے اس سے بھی زیادہ سودمند ثابت ہوتی تھی۔

درس - ۵۰
حدیث - ۱۲

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدَّخِرُ شَيْئًا لِغَدٍ - (ترمذی مع شمائل ط ۵۹۶)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث قتیبہ بن سعید نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے جعفر بن سلیمان نے ثابت کے حوالہ سے بیان کیا۔ انھوں نے یہ روایت صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کی۔ وہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کوئی چیز کل کے لیے ذخیرہ بنا کر نہیں رکھتے تھے۔"

تشریح اس حدیث میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے توکل علی اللہ کی طرف اشارہ ہے جو کہ آپ کے خلقِ عظیم کا ایک حصہ ہے آپ کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر اس قدر بھروسہ تھا کہ آپ نے آنے والے دن کے لیے کبھی تشویش ظاہر نہیں کی آپ کے پاس جتنا مال آتا آپ حتی الامکان اسی روز تقسیم کر دیتے۔ آپ کو یقین ہوتا تھا کہ کل کی ضروریات کے لیے اللہ تعالیٰ مزید اسباب پیدا کر دے گا لہذا آپ اگلے روز کے لیے کوئی چیز بچا کر نہیں رکھتے تھے۔ اگرچہ ایسا کرنا جائز ہے مگر آپ کا خلوص، تقویٰ اور توکل اس کی اجازت نہیں دیتا تھا۔

درس - ۵۰　　　　حدیث - ۱۳

حَدَّثَنَا هَارُوْنُ بْنُ مُوْسَى بْنِ اَبِىْ عَلْقَمَةَ الْفَرْوِىُّ الْمَدَنِىُّ حَدَّثَنِىْ اَبِىْ عَنْ هِشَامِ بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّ رَجُلًا جَآءَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَاَلَهٗ اَنْ يُّعْطِيَهٗ فَقَالَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا عِنْدِىْ شَىْءٌ وَّلٰكِنِ ابْتَعْ عَلَىَّ فَاِذَا جَآءَنِىْ شَىْءٌ قَضَيْتُهٗ فَقَالَ عُمَرُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ اَعْطَيْتَهٗ فَمَا كَلَّفَ اللّٰهُ مَا لَا تَقْدِرُ عَلَيْهِ فَكَرِهَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْلَ عُمَرَ فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنْفِقْ فَلَا تَخَفْ مِنْ ذِى الْعَرْشِ اِقْلَالًا فَتَبَسَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعُرِفَ الْبِشْرُ فِىْ وَجْهِهٖ لِقَوْلِ الْاَنْصَارِىِّ ثُمَّ قَالَ بِهٰذَا اُمِرْتُ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۹۶)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث ہارون[1] بن موسیٰ بن علقمہ فروی مدنی نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے پاس یہ روایت میرے باپ نے ہشام[2] بن سعد کے حوالے سے بیان کی۔ انھوں نے یہ حدیث زید بن اسلم سے اور انھوں نے اسے اپنے باپ سے روایت کیا۔ وہ حضرت حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص

---

[1] ابن ابی علقمہ المدینی الفروی المتوفی سنہ ۲۵۲ھ، [2] المدینی ابی العباس او ابی سعد المتوفی سنہ ۲۰۶ھ (فیاض)

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے
کسی چیز کا سوال کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس وقت تو میرے
پاس کوئی چیز نہیں ہے البتہ میری ذمہ داری پر تم یہ چیز جا کر
خرید لو، پھر جب میرے پاس کوئی چیز آئے گی تو میں اس کا
بدل ادا کر دوں گا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا، اللہ کے رسولؐ!
آپ کے پاس جو کچھ تھا، وہ تو آپ ادا کر چکے، مگر اللہ نے
آپ کو اس چیز کا مکلّف تو نہیں بنایا جو آپ کی قدرت میں نہیں
ہے۔ حضرت عمرؓ کی یہ بات حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو ناگوار
گزری۔ (اس دوران میں) انصار میں سے ایک شخص نے
عرض کیا، یا رسول اللہ! آپ خرچ کرتے رہیں، اور عرش
والے پروردگار سے کسی کمی کا خدشہ محسوس نہ کریں۔ انصاری
کی اس بات پر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام مسکرائے جس کی
بشاشت آپ کے چہرۂ انور پر محسوس کی گئی۔ پھر آپ نے
ارشاد فرمایا کہ مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے۔"

تشریح گزشتہ روایات میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی سخاوت اور عالی ظرفی کا ذکر
ہو چکا ہے کہ آپ کے پاس جو کچھ بھی آتا آپ اسے خرچ کرنے میں
تامل نہ فرماتے بلکہ جب تک خرچ نہ ہو جاتا آپ کو چین نہ آتا۔ اب اس روایت میں
اس حقیقت کا ذکر ہے کہ اگر کسی سوالی نے ایسے وقت میں سوال کیا ہے جس وقت
حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے پاس مطلوبہ چیز نہیں ہے تو آپ نے سائل کو بالکل انکار
نہیں کیا بلکہ اس کی فوری ضرورت کے پیش نظر حکم دیا کہ تم اپنی مطلوبہ چیز بازار سے
میری ذمہ داری پر خرید لو، اس کی قیمت میں خود ادا کروں گا۔ اس روایت کے راوی
حضرت عمرؓ نے عرض کیا، اللہ کے رسول! جو چیز آپ کے پاس موجود ہوتی ہے وہ
تو آپ سائل کو دے دیتے ہیں مگر جو چیز آپکے پاس موجود ہی نہیں ہے اسکی ذمہ داری

آپ کیسے اٹھا رہے ہیں جبکہ اللہ نے تو آپ کو اس بات کا مکلّف ہی نہیں ٹھہرایا۔ یعنی اگر اس سائل کو جواب ہی دے دیتے کہ یہ چیز میرے پاس نہیں ہے تو پھر بھی اللہ تعالٰی کے ہاں آپ جواب دہ نہ ہوتے مگر آپ نے از خود اپنے آپ کو مطلوبہ چیز کا مکلّف بنالیا ہے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے اخلاقِ عالیہ کا تقاضا تھا کہ آپ کو حضرت عمرؓ کی یہ بات پسند نہ آئی اس دوران میں ایک انصاری شخص نے عرض کیا حضور ! آپ خرچ کرتے رہیں، اللہ تعالٰی آپ کی اٹھائی گئی ذمہ داری کو پورا کرے گا۔ آپ اللہ تعالٰی کی طرف سے کمی آنے کا خطرہ محسوس نہ کریں، وہ تو ہر چیز کا خالق و مالک ہے، عرش عظیم کا پروردگار آپ کو مایوس نہیں کرے گا۔ چنانچہ اس بات پر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا چہرہ مبارک بشاشت سے چمک اُٹھا گویا آپ کو انصاری کی یہ بات پسند آئی۔

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابی بھی جانتے تھے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام مختار مطلق نہیں ہیں بلکہ انھیں بھی اللہ کی ذات کے ساتھ ہی توقعات وابستہ تھیں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو عالم الغیب اور مختار کل ماننے والا عقیدہ تو اہلِ بدعت نے بعد میں ایجاد کیا جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

حدیث - ۱۴

درس - ۵۰

حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا شَرِیْکٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عُقَیْلٍ عَنِ الرُّبَیِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذِ بْنِ عَفْرَآءَ قَالَتْ اَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِقِنَاعٍ مِّنْ رُطَبٍ وَّاَجْرٍ زُغْبٍ فَاَعْطَانِیْ مِلْأَ کَفِّہٖ حُلِیًّا وَّ ذَھَبًا۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۹)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت علی بن حجر نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے شریک نے عبداللہ بن محمد بن عقیل کے حوالہ سے بیان کیا۔ انھوں نے یہ روایت ربیع بنت معوذ بن عفراء سے نقل کی۔ وہ کہتی ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تازہ کھجوروں اور روئی دار ککڑیوں کا ایک تھال لے کر حاضر ہوئی۔ آپ نے مجھے مٹھی بھر زیور اور سونا عنایت فرمایا۔"

تشریح یہ روایت باب ۳۰ میں آخری حدیث کے طور پر گزر چکی ہے۔ وہاں یہ حدیث حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے پھلوں کے بارے میں آئی ہے اور یہاں پہ امام ترمذیؒ نے اسے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے اخلاقِ عالیہ کے ضمن میں نقل کیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک تھی کہ کسی تحفہ لانے والے کو خالی نہیں لوٹاتے تھے بلکہ اس کا کچھ نہ کچھ بدل ادا فرماتے تھے۔ چنانچہ یہ صحابیہ کہتی ہیں کہ تازہ کھجوروں اور نرم و نازک ککڑیوں کے تحفہ کے بدل میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے مجھے مٹھی بھر زیور یا سونا عطا فرمایا۔ یہ آپ کے اخلاقِ کریمانہ کا تقاضا تھا، وگرنہ یہ ضروری نہیں تھا۔

درس - ۵۰　　　　حدیث - ۱۵

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوْا اَخْبَرَنَا عِيْسَى بْنُ يُوْنُسَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْبَلُ الْهَدِيَّةَ وَيُثِيْبُ عَلَيْهَا۔

(ترمذی مع شمائل صفحہ ۵۹۷)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث علی بن خشرم اور بہت سے دوسرے لوگوں نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس خبر دی عیسٰی بن یونس نے ہشام بن عروۃ کے حوالہ سے اور انھوں نے اپنے باپ سے روایت کی۔ انھوں نے امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے نقل کیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم ہدیہ قبول فرمایا کرتے تھے اور اس پر بدلہ بھی دیا کرتے تھے۔"

تشریح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ آپ ہر ہدیہ بھیجنے والے کا ہدیہ قبول فرماتے تھے اور اس پر بدلہ بھی دیتے تھے۔ اس کی ایک مثال گزشتہ روایت میں بھی گزر چکی ہے جس میں آپ نے کھجوروں اور ککڑیوں کا تحفہ لانے والی خاتون ربیع کو مٹھی بھر زیورات کا بدلہ بھی عطا فرما دیا۔ یہاں بھی اسی بات کا ذکر ہے کہ حضور تحفہ کا بدل بھی عطا فرمایا کرتے تھے اگر ہدیہ وصول کرتے وقت کوئی مالی بدل موجود نہ ہوتا تو آپ تحفہ بھیجنے والے کے حق میں بہتر جزا کی دعا کر دیتے۔ بعض روایات میں يُثِيْبُ خَيْرًا مِنْهَا کے الفاظ بھی آتے ہیں یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ کا بدل اس سے بہتر عطا فرماتے۔

(۴۹) بَابُ مَاجَآءَ فِیْ حَیَآءِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

ترجمہ: "باب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاء کے بیان میں"

حیاء کی تعریف امام نووی نے شرح مسلم شریف میں یوں کی ہے کہ حیاء ایک قسم کا تغیر اور انکسار ہے جو انسان کی طبیعت میں لاحق ہوتا ہے اور جو اسے قبیح امور انجام دینے سے روکتا ہے اَلْحَیَآءُ کُلُّہٗ خَیْرٌ (مسلم ص۴۸ ج۱) اَلْحَیَآءُ لَایَاْتِیْ اِلَّا بِخَیْرٍ (مسلم ص۴۸ ج۱) شرم وحیاء میں بہتری ہی بہتری ہے۔ اور یہ خصلت بہتری کے سوا کچھ نہیں لاتی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمان بھی ہے، لَادِیْنَ لِمَنْ لَاحَیَآءَ لَہٗ جس میں حیاء کا مادہ نہیں ہے اس کا کوئی دین نہیں ہے۔ (اور اَلْحَیَآءُ مِنَ الْاِیْمَانِ۔) (بخاری ص۸ ج۱ وابن ماجہ ص۳۱۸) حیاء ایمان میں سے ہے۔ (موارد الظمآن ص۴۷۶ ومؤطا امام مالک ص۷۰۶)

الغرض[1] حیاء ایک خلقِ محمود ہے، جو ہر موقع پر پیشِ نظر رہنا چاہیے اور کسی بھی موقع اور محل پر حیاء سے گرا ہوا کوئی کام نہیں کرنا چاہیے۔ البتہ امام غزالی کا قول ہے کہ باقی ہر چیز میں حیاء ضروری ہے۔ سوائے طلبِ علم میں کہ طالب علم کو علم کے حصول میں کسی شرم وحیاء کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے بلکہ جس چیز کا علم نہ ہو اُسے بلا تکلف استاد سے سیکھنا چاہیے۔

محدثین کرام نے حیاء کی بہت سی قسمیں شمار کی ہیں اُن میں سے ایک قسم حیاء کرم ہے۔ اس کی مثال حضور نبی کریم کا وہ واقعہ ہے کہ آپ نے حضرت زینب بنت

---

[1] المیزان لکل دین خلقا وخلق الاسلام الحیاء۔ المعجم الصغیر للطبرانی ص۱۳ ج۱ وابن ماجہ ص۳۱۸ ومؤطا امام مالک ص۷۰۵ نیز لاایمان لمن لاحیاء لہ۔ (الترغیب والترہیب ص۲۵۵ ج۳، فیاض)

جحش[1] رض کے ساتھ نکاح کے بعد دعوتِ ولیمہ کی جس میں بہت سے لوگ مدعو تھے پھر جب سب لوگ کھانا کھا چکے تھے تو ان میں سے بعض وہیں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے حضور علیہ السّلام کو اُن کا یہ فعل ناگوار گزرا مگر یہ آپ کے اخلاقِ کریمانہ اور حیار کا تقاضا تھا کہ آپ نے از خود ان کو کچھ نہ کہا۔ آپ دو دفعہ مجلس سے اُٹھ بیٹھے مگر ان لوگوں نے پھر بھی اپنے آقا کی ناگواری کو محسوس نہ کیا اور بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ پھر کچھ دیر بعد وہ لوگ اُٹھ کر چلے گئے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ۔ (الاحزاب - ۵۳) لوگو! جب کھانا کھا چکو تو پھر چلے جاؤ اور محض باتیں کرنے کے لیے نہ بیٹھے رہو۔ ایسے موقع پر کوئی عام آدمی ہوتا تو مہمانوں کو فوراً رخصت کر دیتا مگر اللہ کے نبی نے حیار کرم کے تقاضا کے تحت صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا۔

حیار کی ایک قسم حیار محب ہوتی ہے جس کی وجہ سے محب اپنے محبوب سے شرماتا ہے حتیٰ کہ وہ اس کے سامنے اپنا مافی الضمیر بھی بیان نہیں کر سکتا۔

حیار کی ایک اور قسم حیارِ عبودیت کہلاتی ہے۔ انسان اپنے پروردگار کی حتی الامکان عبادت تو کرتا ہے مگر وہ اسی فکر میں رہتا ہے کہ شاید حقِ عبودیت ادا ہو سکا ہے یا نہیں اسے یہی فکر دامن گیر رہتی ہے کہ عبادت میں کوئی کوتاہی نہ رہ گئی ہو۔

حیار کی ایک قسم حیار نفس ہے کہ انسان خود اپنے آپ سے شرمانے لگتا ہے یہ کامل درجے کی حیا ہے۔ انسان کوئی کام کرتا ہے مگر اس میں کوئی نقص رہ جاتا ہے یا وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوتا تو اس کے لیے یہ چیز باعثِ حیار بن جاتی ہے

---

[1] یہ حضورؐ کی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب کی صاحبزادی تھیں انکا نکاح پہلے حضورؐ کے متبنیٰ حضرت زید بن حارثہ رضؓ سے ہوا پھر طلاق ہوگئی اور اس کے بعد ان کا نکاح حضورؐ سے ہوا ان کا نام پہلے برّہ تھا جو آپ نے تبدیل کر کے زینب رکھا یہ نہایت زاہدہ اور عابدہ خاتون تھیں ان کی وفات مدینہ منورہ میں بعمر ۵۳ سال ۲۰ھ یا ۲۱ھ میں ہوئی۔ (فیاض)

کہ تجھ سے اتنا کام بھی نہ ہو سکا۔ ظاہر ہے کہ جو شخص خود اپنے آپ سے شرم محسوس کرنے لگے وہ دوسروں سے بطریقِ اولیٰ حیاء کرے گا۔ اسی لیے حیاء نفس کو اعلیٰ درجہ کی حیاء شمار کیا گیا ہے ۔

اس باب میں امام ترمذیؒ نے دو احادیث نقل کی ہیں ۔

درس - ۵۱　　　　حدیث - ۱

حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُوْدَاؤدَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَاللهِ بْنَ أَبِي عُتْبَةَ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي سَعِيدِ نِالْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَشَدَّ حَيَاءً مِّنَ الْعَذْرَاءِ فِي خِدْرِهَا وَكَانَ إِذَا كَرِهَ شَيْئًا عَرَفْنَاهُ فِي وَجْهِهِ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۹۷)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث محمود بن غیلان نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے شعبہ نے قتادہ کے حوالہ سے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہؓ بن ابی عتبہ کو ابوسعید خدریؓ کے حوالہ سے یہ کہتے ہوئے سُنا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پردہ دار کنواری لڑکی سے بھی حیاء میں بڑھے ہوئے تھے۔ جب آپ کسی چیز کو ناپسند فرماتے تو ہم آپ کے چہرہ مبارک (کے تغیر سے ناگواری) کو محسوس کر لیتے۔"

تشریح | اس روایت میں حیاء کی انتہائی حدود کی مثال دی گئی ہے۔ مردوں کی نسبت عورتوں میں حیاء کا مادہ ویسے ہی زیادہ ہوتا ہے عورتوں میں بھی نوجوان کنواری لڑکی اور وہ بھی پردہ کی پابند سب سے زیادہ حیادار سمجھی جاتی ہے مگر راوی بیان کرتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسی لڑکی سے بھی زیادہ حیاء دار تھے۔ آپ حیاء کی وجہ سے کسی ناگواری کا اظہار اپنی زبان سے نہیں کرتے تھے۔ صحابی کہتا ہے عَرَفْنَاهُ فِي وَجْهِهِ ہم آپکے چہرہ مبارک کے تغیر و تبدل سے معلوم کرتے تھے کہ یہ بات آپ کو ناگوار گزری ہے۔

لہ الفقیہہ الاعمیٰ المتوفی ۹۸ھ (فیاض)

درس - ۵۱　　　　حدیث - ۲

حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ اَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ مُوْسَى بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ يَزِيْدَ الْخَطْمِيِّ عَنْ مَوْلًى لِعَائِشَةَ قَالَ قَالَتْ عَائِشَةُ مَا نَظَرْتُ اِلٰى فَرْجِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْ قَالَتْ مَا رَاَيْتُ فَرْجَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَطُّ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۹۷)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث محمود بن غیلان نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے وکیع نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس خبر دی سفیان نے منصور کے حوالہ سے، انھوں نے اسے موسیٰ بن عبداللہ بن یزید خطمی سے امّ المؤمنین عائشہؓ کے آزاد کردہ غلام سے روایت کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ امّ المؤمنین عائشہؓ نے کہا کہ میں نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے اعضائے مستورہ کی طرف کبھی نظر نہیں اُٹھائی (راوی کو تردّد ہے) یا امّ المؤمنینؓ نے یوں کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضائے مستورہ کو کبھی نہیں دیکھا۔"

تشریح یہ حدیث ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے جو کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو تمام بیویوں سے زیادہ محبوب اور زیادہ بے تکلّف تھیں۔ امّ المؤمنینؓ نو سال تک حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے پاس رہیں۔ ان کا بیان ہے کہ زن و شوئی کے تعلقات کے باوجود انھوں نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے اعضائے مستورہ کو نہیں دیکھا۔ (اگرچہ بیوی خاوند دونوں ایک دوسرے کے اعضائے مستورہ کو دیکھ سکتے ہیں) خاوند اپنی منکوحہ بیوی یا لونڈی کے اعضائے

مستورہ کو دیکھ سکتا ہے اگرچہ اولی نہیں ہے مگر یہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی حیا کا تقاضا تھا کہ نہ آپ نے کبھی موقع پایا اور نہ ہی آپ کی محبوب ترین بیوی کو یہ موقع ملا۔ دوسری روایت میں امّ المؤمنین امّ سلمہؓ کا بیان ہے کہ بیوی سے صحبت کرتے وقت حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام آنکھیں بند کر لیتے، سر کو جھکا لیتے اور بیوی کو بھی سکون و وقار کی تلقین فرماتے۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں آتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حجروں کے پیچھے جا کر غسل فرماتے، لہٰذا آپ کے محل ستر کو کبھی کسی نے نہیں دیکھا۔ اسی لیے گزشتہ روایت میں بیان ہو چکا ہے کہ آپ پردہ دار کنواری لڑکی سے بھی زیادہ حیا دار تھے۔
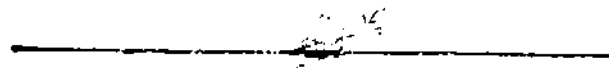
(۵۰) بَابُ مَاجَاءَ فِیْ حِجَامَةِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

ترجمہ: "باب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سینگیاں لگوانے کے بیان میں۔"

حجامہ یا سینگیاں لگانا ایک طریقہ علاج ہے جو تمام دنیا میں خصوصاً گرم ممالک میں رائج ہے اور یہ دیگر علاج کی نسبت سریع الاثر ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں عام طور پر حجام سے وہ شخص مراد لیا جاتا ہے جو لوگوں کے بال تراشتا ہے یا مونڈتا ہے۔ موجودہ اصطلاح میں اسے ہیر کٹر بھی کہتے ہیں۔ تاہم عربی زبان میں بال تراشنے والے کو حلاق کہتے ہیں جب کہ حلق سے مراد بال مونڈنا اور قصر سے مراد بال تراشنا ہے بعض اوقات عرب بھی ایسے شخص کے لیے حجام کا لفظ بولتے ہیں مگر یہ مجازی اطلاق ہوتا ہے عربوں میں حجام ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جو علاج کے طور پر سینگیاں لگانے کا کام کرتا ہے جب کسی انسانی جسم کے کسی حصّہ میں فاسد خون جمع ہو کر درد یا ورم کا باعث بن کر تکلیف دیتا ہے تو پھر اس طریقہ علاج کے ذریعے ایسے خون کو تکلیف دہ حصہ جسم سے یا تو بالکل باہر نکال لیا جاتا ہے یا پھر اسے جسم کے دوسرے حصّہ میں منتقل کر دیا جاتا ہے، اس عمل کو حجامہ یا سینگیاں لگانا کہتے ہیں۔

سینگی ایک سینگ نما آلہ ہوتا ہے جو اندر سے خالی ہوتا ہے اور اسی کے ذریعے انسانی جسم کے مطلوبہ حصے سے خون کھینچا جاتا ہے۔ یہ علاج دو طریقوں سے کیا جاتا ہے۔ گرم ممالک میں جہاں انسانی جسم میں خون کا دباؤ زیادہ تر جسم کے بیرونی حصّہ کی طرف ہوتا ہے، وہاں معالج مطلوبہ جگہ پر استرے وغیرہ سے ٹک (پچھنے) لگا کر خون کو باہر نکلنے میں مدد دیتا ہے اور پھر اس جگہ پر سینگی لگا کر اُس خون کو چوس لیتا ہے۔ جب یہ فاسد خون جسم سے خارج ہوتا ہے تو مریض کو افاقہ ہو جاتا ہے۔

اس علاج کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ معالج جسم کی مطلوبہ جگہ پر پچھنے نہیں لگاتا بلکہ خالی سینگی لگا کر خون کو کھینچتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ درد یا ورم والی جگہ

سے فاسد خون دوسری طرف سرک جاتا ہے اور اس طرح مریض کو افاقہ ہو جاتا ہے۔

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے خود بھی یہ طریقہ علاج کئی دفعہ آزمایا اور اس کو افضل طریقہ علاج بتلایا ہے۔ اس باب میں امام ترمذیؒ نے چھ احادیث جمع کی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کے نبیؐ نے خود بھی سینگیاں لگوائیں اور اس کے لیے معالج کو اجرت بھی عطا کی۔

درس ۔ ۵۱　　　　حدیث ۔ ۱

حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ حُمَيْدٍ قَالَ سُئِلَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ عَنْ كَسْبِ الْحَجَّامِ فَقَالَ اَنَسٌ اِحْتَجَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَجَمَهٗ اَبُوْ طَيْبَةَ فَاَمَرَلَهٗ بِصَاعَيْنِ مِنْ طَعَامٍ وَكَلَّمَ اَهْلَهٗ فَوَضَعُوْا عَنْهُ مِنْ خَرَاجِهٖ وَقَالَ اِنَّ اَفْضَلَ مَا تَدَاوَيْتُمْ بِهِ الْحِجَامَةُ اَوْ اِنَّ مِنْ اَمْثَلِ دَوَائِكُمُ الْحِجَامَةُ ۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۹۷)

ترجمہ :- امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث علی بن حجر نے بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے اسمٰعیل بن جعفر نے حمید کے حوالہ سے بیان کیا ۔ وہ کہتے ہیں حضرت انس بن مالکؓ سے سینگیاں لگانے والے کی کمائی کے متعلق دریافت کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طیبہ سے سینگیاں لگوائیں اور اسے دو صاع طعام (کھجوریں) ادا کرنے کا حکم دیا ۔ پھر آپ نے ابو طیبہ کے گھر والوں (مالکوں) سے بات کی تو انھوں نے اس کے خراج میں کمی کر دی ۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے یہ بھی فرمایا کہ افضل علاج وہ ہے جس کے ذریعے تم سینگیاں لگواتے ہو ۔ (راوی کو تردّد ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اِنَّ اَفْضَلَ مَا تَدَاوَيْتُمْ فرمایا ، یا اِنَّ مِنْ اَمْثَلِ دَوَائِكُمْ کے الفاظ استعمال کیے ۔)

تشریح | مسلم شریف کی بعض روایات[1] میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا یہ ارشاد موجود ہے کَسْبُ الْحَجَّامِ خَبِیْثٌ یعنی سینگیاں لگانے والے آدمی کی کمائی نجس ہے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد لوگوں کو اس سلسلہ میں تردّد پیدا ہوا تو انھوں نے آپ کے خادم خاص حضرت انس بن مالکؓ سے وضاحت طلب کی کہ سینگیاں لگانے کا پیشہ اختیار کرنا اور اس کا معاوضہ حاصل کرنے سے متعلق اللہ کے نبی کا کیا حکم ہے اس کے جواب میں حضرت انسؓ نے کہا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علاج کا یہ طریقہ اختیار کیا اور سفر و حضر میں کئی دفعہ سینگیاں لگوائیں ایک موقع پر حَجَمَهٗ اَبُوْ طَیْبَةَ ابوطیبہ[2] بنو حارثہ کے غلام نے آپ کو سینگیاں لگائیں۔ فَاَمَرَ لَهٗ بِصَاعَیْنِ مِنْ طَعَامٍ اور حضور علیہ السّلام نے اس شخص کو دو صاع کھانے کے (بطورِ اُجرت) ادا کرنے کا حکم دیا۔ حضرت انسؓ کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ یہ طریقِ علاج اور اس کی اجرت ادا کرنا جائز ہے۔ اگر یہ ناجائز ہوتا تو نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اس طریقے سے علاج کرواتے اور نہ حجام کو اس کی اجرت ادا کرتے۔

اس پیشہ کو حرام نہیں بلکہ خبیث کہا گیا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ اس پیشے کا تعلّق انسانی خون کے ساتھ ہے جب سینگیاں لگانے والا اپنے منہ کے ساتھ خون کھینچتا ہے تو اس کے حلق سے اُتر جانے کا بھی احتمال ہو سکتا ہے۔ حالانکہ خون چار حرام چیزوں میں سے ایک ہے جن کو اللہ نے قرآن میں بیان کر دیا ہے یعنی مردار، خون، خنزیر اور غیر اللہ کی نذر۔ خاص طور پر روزے کی حالت میں خون چُوسنا مزید خرابی کا باعث بن سکتا ہے۔ امام احمدؒ (المتوفی ۲۴۱ھ) کہتے ہیں کہ اس پیشے کی خباثت کا حکم آزاد لوگوں کے لیے ہے، وہ اسے اختیار نہ کریں۔ البتہ غلام آدمی یہ پیشہ اختیار کر سکتا ہے اور اس کی اجرت بھی وصول کر سکتا ہے۔

اس روایت میں دو صاع کھانے کا ذکر ہے جب کہ دوسری روایت میں

---

[1] نیز ابوداؤد صفحہ ۱۳۱ ج ۲ ، [2] اسمہ نافع یا میسرہ یا دینار تھا۔ (فیاض)

دو صاع کھجوروں کا تذکرہ بھی ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اس سینگیاں لگانے والے ابوطیبہ کو دو صاع کھجوریں بھی ادا کیں۔ ابوطیبہ نے عرض کیا حضور! میں فلاں خاندان کا اس شرط پر عبدِ ماذون ہوں کہ ان کو تین صاع یومیہ کما کر ادا کروں حالانکہ مجھے اتنی کمائی نہیں ہے چنانچہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے کَلَّمَ اَھْلَہٗ ابوطیبہ کے گھر والوں یعنی اُس کے آقا سے بات چیت کر کے اس کی روزانہ مزدوری میں کمی کرنے کی سفارش کی۔ فَوَضَعُوْا عَنْہُ مِنْ خَرَاجِہٖ تو انھوں نے ابوطیبہ کی مزدوری میں کمی کر دی اور وہ دو صاع یومیہ پر راضی ہو گئے۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے نہ صرف اس طریقۂ علاج کو مباح قرار دیا بلکہ فرمایا اِنَّ اَفْضَلَ مَا تَدَاوَیْتُمْ بِہِ الْحِجَامَۃُ سینگیاں لگوانا بہتر طریقہ علاج ہے گویا اس کی تعریف فرمائی اور اس کو اختیار کرنے کی ترغیب دی۔

اس طریقِ علاج کو بہتر اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ دوسرے علاج معالجہ سے کم خرچ ہوتا ہے۔ پرانے زمانے میں معالج تو خال خال ہی ہوتے تھے اور بعض اوقات لمبا سفر کر کے طبیب کے پاس جانا پڑتا تھا جو مریض کے لیے مزید تکلیف کا باعث بنتا تھا۔ البتہ سینگیاں لگانے والے حجام دور و نزدیک ہر جگہ مل جاتے تھے۔ لہٰذا یہ طریقِ علاج سستا اور سریع الاثر ہوتا تھا۔ اس لیے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اس کو افضل علاج کہا ہے۔

باب ـ ۵۰

درس ـ ۵۱

حدیث ـ ۲

حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ حَدَّثَنَا وَرْقَاءُ بْنُ عُمَرَ عَنْ عَبْدِ الْأَعْلَى عَنْ أَبِي جَمِيلَةَ عَنْ عَلِيٍّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجَمَ وَأَمَرَنِي فَأَعْطَيْتُ الْحَجَّامَ أَجْرَهُ۔ (ترمذی مع شمائل صـ۵۹۷)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث عمرو بن علی نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے ابوداؤد نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت ورقاء بن عمر نے عبدالاعلیٰ کے حوالہ سے بیان کی۔ انھوں نے یہ روایت ابوجمیلہ[1] سے اور انھوں نے حضرت علیؓ سے نقل کی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سینگیاں لگوائیں اور مجھے حکم دیا تو میں نے حجام کو اس کی مزدوری ادا کی۔"

تشریح اس روایت کا مضمون بھی پہلی روایت کے ساتھ ملتا ہے۔ امیرالمؤمنین حضرت علیؓ نے بھی تصدیق کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سینگیاں لگوائیں اور مجھے اس کی اجرت ادا کرنے کا حکم دیا جس کی میں نے تعمیل کر دی۔ گویا یہ طریقہ علاج بھی مباح ہے اور اس کے ماہر معالج کی کمائی بھی جائز ہے۔

---

[1] اسمہٗ میسرہ (فیاض)

درس - ۵۱

حَدَّثَنَا هَارُوْنُ بْنُ اِسْحٰقَ الْهَمْدَانِیُّ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنْ سُفْیَانَ الثَّوْرِیِّ عَنْ جَابِرٍ عَنِ الشَّعْبِیِّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَظُنُّهٗ قَالَ اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِحْتَجَمَ عَلَى الْاَخْدَعَیْنِ وَبَیْنَ الْکَتِفَیْنِ وَاَعْطَى الْحَجَّامَ اَجْرَهٗ وَلَوْ کَانَ حَرَامًا لَمْ یُعْطِهٖ۔

(ترمذی مع شمائل ص ۵۹۷)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث ہارون بن اسحٰق ہمدانی نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے عبدۃ نے سفیان ثوری سے جابر کے واسطہ سے بیان کیا انھوں نے یہ روایت شعبی[1] اور انھوں نے اسے عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کیا شعبی کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گردن کی دونوں جانب اور دونوں کندھوں کے درمیان سینگیاں لگوائیں اور حجام کو اس کی اجرت بھی ادا کی۔ اگر اجرت دینا حرام ہوتا تو آپ ہرگز نہ دیتے۔"

تشریح بعض نسخہ جات شمائل میں اَظُنُّهٗ کا لفظ نہیں ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ نچلے راوی نے پورے اعتماد کے ساتھ یہ روایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کی ہے اس روایت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان اعضاء کا ذکر ہے جہاں آپ نے سینگیاں لگوائیں اور انکی اجرت بھی عطا کی۔ راوی نے اس مسئلہ کی خاص طور پر وضاحت کی ہے وَلَوْ کَانَ حَرَامًا لَمْ یُعْطِهٖ اگر حجام کا پیشہ ناجائز اور اس کی کمائی حرام ہوتی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کبھی ایسا کام نہ کرتے۔

---

[1] المتوفی ۱۰۳، ۱۰۴ھ نسبۃ لشعب بطن من ہمدان ولد فی خلافۃ عمر ادرکتہ خمس مائۃ من الصحابۃ رضی (فیاض)

درس ۔ ۵۱ حدیث ۔ ۴

حَدَّثَنَا هَارُوْنُ بْنُ اِسْحٰقَ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنِ ابْنِ اَبِیْ لَیْلٰی عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ دَعَا حَجَّامًا فَحَجَمَهٗ وَسَاَلَهٗ کَمْ خَرَاجُكَ فَقَالَ ثَلَاثَةُ اَصْوُعٍ فَوَضَعَ عَنْهُ صَاعًا وَاَعْطَاهُ اَجْرَهٗ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۹۷)

ترجمہ:" امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث ہارون بن اسحٰق نے بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے عبدۃ نے ابن ابی لیلیٰ کے حوالہ سے بیان کیا ۔ انھوں نے یہ روایت نافع سے اور انھوں نے عبداللہ بن عمرؓ سے نقل کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجام کو بلایا جس نے آپ کو سینگیاں لگائیں ۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ تمھارا روزانہ محصول کتنا ہے تو اس نے تین صاع بتلایا ۔ پھر آپ نے اُس کا ایک صاع کم کرا دیا اور اس کی اجرت (دو صاع) اس کو ادا کر دی ۔"

تشریح ابو طیبہ کے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو سینگیاں لگانے کا ذکر اس باب کی پہلی حدیث کی تشریح میں قدرے تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکا ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سینگیاں لگانے کی اجرت دو صاع ادا کی تو اُس نے عرض کیا کہ حضور! مجھے میرے آقا تین صاع روزانہ محصول ادا کرنے پر مجبور کرتے ہیں مگر میری آمدنی اتنی نہیں ہے چنانچہ آپ نے اُس کے آقاؤں سے گفت و شنید کر کے اُسکی مزدوری میں ایک صاع کی کمی کرا دی ۔ اس روایت میں صراحتاً موجود ہے کہ اُس حجام کی مزدوری تین صاع تھی مگر آپ نے مالکوں سے سفارش کر کے ایک صاع کی کمی کرا دی ، اور آپ نے اُسے دو صاع اجرت ادا کر دی جس کو مالکوں نے قبول کر لیا ۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ الْقُدُّوسِ بْنُ مُحَمَّدِنِ الْعَطَّارُ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ وَجَرِيْرُ بْنُ حَازِمٍ قَالَا حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْتَجِمُ فِي الْاَخْدَعَيْنِ وَالْكَاهِلِ وَكَانَ يَحْتَجِمُ لِسَبْعَ عَشَرَةَ وَتِسْعَ عَشَرَةَ وَاِحْدٰى وَعِشْرِيْنَ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۹)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت عبدالقدوس بن محمد عطار بصری نے بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے عمرو بن عاصم نے بیان کیا ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث ہمام اور جریر بن حازم نے بیان کی ۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت قتادہ نے صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ کے حوالہ سے بیان کی ۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گردن کی دونوں جانب والی رگوں پر اور دونوں کندھوں کے درمیان سینگیاں لگوایا کرتے تھے ۔ آپ یہ علاج (بالعموم چاند کی) سترہ ، انیس اور اکیس تاریخ کو عمل میں لاتے تھے ۔"

تشریح حضرت انسؓ کی اس روایت میں بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جسم مبارک کے انھی حصوں کی نشاندہی کی گئی ہے جن پر آپ عام طور پر سینگیاں لگوایا کرتے تھے یعنی گردن کی دونوں اطراف میں جہاں رگیں پھولی ہوئی ہوتی ہیں ، اور دونوں کندھوں کے درمیان بھی ۔ گزشتہ روایت میں بَيْنَ الْكَتِفَيْنِ کے الفاظ آئے تھے اور اس روایت میں راوی نے کَاهِلْ کا لفظ استعمال کیا ہے ۔ تاہم معنیٰ ایک ہی ہے ۔ کاہل بھی دونوں کندھوں کے درمیان والے حصے کو ہی

کہتے ہیں ۔

اس روایت میں اس بات کا اضافہ ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام عام طور پر یہ علاج چاند کی سترہ، انیس یا اکیس تاریخ کو کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عام لوگوں کا تجربہ ہے کہ ان تواریخ میں انسانی جسم کے خون کا دباؤ باہر کی طرف زیادہ ہوتا ہے لہٰذا فاسد خون آسانی سے نکل آتا ہے اور مریض کو جلدی افاقہ ہوجاتا ہے۔

حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ اَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحْتَجَمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ بِمَلَلٍ عَلٰى ظَهْرِ الْقَدَمِ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۹۷)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث اسحٰق بن منصور نے بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی خبر عبدالرزاق نے معمر کے حوالہ سے دی ۔ انھوں نے یہ روایت قتادہ سے اور انھوں نے حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام کی حالت میں ملل کے مقام پر پاؤں کی پشت پر سینگیاں لگوائیں ۔"

تشریح اگرچہ پچھلی روایات میں سینگیوں کے ذریعے علاج کی اباحت اور اس کی کمائی جائز ثابت ہو چکی ہے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے خود متعدد بار جسم کے مختلف حصوں میں سینگیاں لگوائیں ، اس کی اجرت ادا کی اور اس طریق علاج کو افضل علاج قرار دیا ۔ اس روایت میں نئی بات یہ آئی ہے کہ اشد ضرورت کے وقت احرام کی حالت میں بھی سینگیاں لگوائی جا سکتی ہیں ۔ خود حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے احرام کی حالت میں مکہ اور مدینہ کے درمیان (مدینہ منورہ سے سترہ میل کے فاصلے پر) واقع مقام ملل میں پاؤں کی پشت پر سینگیاں لگوائیں ۔

دراصل احرام کی حالت میں جسم کے کسی حصہ سے بال نہیں کاٹے جا سکتے مگر سینگیاں لگانے کے لیے متاثرہ حصہ جسم سے بال کاٹنے پڑتے ہیں ۔ اس لیے یہ سوال پیدا ہوا کہ کیا محرم سینگیاں لگوا سکتا ہے یا نہیں ؟ اس روایت میں پاؤں کے اوپر والے حصے میں سینگیاں لگانے کا ذکر ہے جہاں بالعموم بال نہیں ہوتے لہٰذا اس جگہ پر سینگیاں

لگانے سے محرم کے احرام میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا۔ البتہ اگر جسم کے کسی ایسے حصّہ میں سینگیاں لگانا مطلوب ہو جہاں پر بال ہوں اور ان کو کاٹنا پڑے تو اشد ضرورت کے تحت بال کاٹ کر سینگی لگائی جاسکتی ہے۔ البتہ بال کاٹنے کی وجہ سے احرام میں جو نقص پیدا ہوگا اس کی تلافی کے لیے ہدیہ ادا کرنا ہوگا۔

---

(۵۱) بَابُ مَا جَآءَ فِیْ اَسْمَآءِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

ترجمہ: "باب حضور نبی کریم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے اسماء مبارکہ کے بیان میں ۔"

اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ کے متعلق احادیث کی کتب[۱] میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا ارشاد موجود ہے اِنَّ لِلّٰہِ تِسْعَۃً وَّ تِسْعِیْنَ اِسْمًا مِائَۃً اِلَّا وَاحِدًا مَنْ اَحْصَاھَا دَخَلَ الْجَنَّۃَ ۔ اللہ تعالیٰ کے ننانوے یعنی ایک کم سو نام ہیں جس نے ان کو یاد کیا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اسی طریقے سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی متعدد نام ہیں جن میں سے بعض کا ذکر پہلی کتابوں میں بھی کیا گیا ہے اور بعض اسماء گرامی کا ذکر قرآنِ پاک میں موجود ہے ۔ اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام تو اللہ ہے اور باقی سارے اس کے صفاتی نام ہیں۔ اسی طرح حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے تمام اسماء گرامی اصل میں آپ کے صفاتی نام ہیں جو آپ کی کسی نہ کسی صفت کو ظاہر کرتے ہیں ۔ امام ابوبکر ابن العربیؒ نے لکھا ہے کہ آپکے ایک ہزار نام ہیں جو سب کے سب صفاتی ہیں علامہ سخاویؒ جنھوں نے درود شریف کے بارے میں کتاب لکھی ہے ۔ انھوں نے آپ کے چار سو نام گنوائے ہیں ۔ علامہ سیوطیؒ نے ایک مستقل رسالہ میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے پانچ سو نام شمار کیے ہیں ۔ اس باب میں بعض اسماء مبارکہ کا فی الجملہ ذکر آیا ہے ۔

---

[۱] ترمذی ص۵۰۵ و مسلم ص$\frac{۳۴۲}{۲}$ و بخاری ص$\frac{۹۴۹}{۲}$ (فیاض)

درس - ۵۱ حدیث - ۱

حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْمَخْزُومِيُّ وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لِي أَسْمَاءً أَنَا مُحَمَّدٌ وَأَنَا أَحْمَدُ وَأَنَا الْمَاحِيُّ الَّذِي يَمْحُو اللّٰهُ بِيَ الْكُفْرَ وَأَنَا الْحَاشِرُ الَّذِي يُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰى قَدَمَيَّ وَأَنَا الْعَاقِبُ الَّذِي لَيْسَ بَعْدَهُ نَبِيٌّ ۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۹۷)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت سعید بن عبدالرحمٰن مخزومی اور بہت سے لوگوں نے بیان کی۔ وہ سب کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے سفیان نے زہری کے حوالہ سے بیان کیا۔ انھوں نے یہ روایت محمد بن جبیر بن مطعم سے اُنکے باپ[1] کے واسطہ سے نقل کی۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے بہت سے نام ہیں۔ میں محمد ہوں اور میں احمد ہوں، اور میں ماحی ہوں اور میری وجہ سے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹاتا ہے اور میں حاشر ہوں لوگ میرے سامنے جمع کیے جائیں گے اور میں عاقب ہوں جس کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔"

---

[1] جبیر بن مطعم نوفلی ان کی کنیت ابومحمد قرشی تھی یہ فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے۔ قریش میں بہت زیادہ انساب کا علم رکھنے والے تھے انکی وفات مدینہ منورہ میں ۵۳ھ میں ہوئی۔ (فیاض)

تشریح اس حدیث میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پانچ صفاتی اسماء گرامی کا ذکر کیا گیا ہے۔ آپ نے فرمایا میرا نام محمد ہے۔ محمد کا معنیٰ تعریف کیا گیا ہے۔ فرمایا وَاَنَا اَحْمَدُ اور میرا نام احمد بھی ہے۔ یہ اسمِ تفضیل کا صیغہ ہے اور فاعل اور مفعول دونوں معنوں میں آتا ہے۔ جیسے فرمایا اَنَا اَحْمَدُ الْحَامِدِیْنَ میں تعریف کرنے والوں میں سب سے زیادہ تعریفِ خداوندی کرنے والا ہوں۔ ظاہر ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسی حمد باری تعالیٰ کون کرسکتا ہے۔ آپ یقیناً خدا تعالیٰ کے سب سے بڑے تعریف کنندہ ہیں یہ تو فاعل کا معنیٰ ہو گیا۔ نیز فرمایا اَنَا اَحْمَدُ الْمَحْمُوْدِیْنَ یعنی میں تعریف کیے جانے والوں میں سب سے زیادہ تعریف کیا جانے والا ہوں غرضیکہ محمد کا معنیٰ تعریف کیا گیا اور احمد کا معنیٰ سب سے زیادہ تعریف کیا جانے والا۔ یا سب سے زیادہ تعریف کرنے والا ٹھہرا۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں محمد بھی ہوں اور احمد بھی ہوں۔

انجیل میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام احمد ہی ذکر کیا گیا ہے جس کو عبرانی یا سریانی زبان میں فارقلیط کہا گیا ہے۔ قرآنِ پاک میں بھی آپ کا یہ نام بھی لیا گیا ہے عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے سامنے اعلان کیا، مجھے تمہاری طرف اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ میں تم سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں۔ وَ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗٓ اَحْمَدُ ط (الصف: ۶) اور اپنے بعد آنے والے رسول کی بشارت دینے والا ہوں جس کا نام نامی احمد ہوگا۔

فرمایا اَنَا الْمَاحِیْ الَّذِیْ یَمْحُوا اللّٰہُ بِیَ الْکُفْرَ میں ماحی یعنی مٹانے والا ہوں جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ہی کے ذریعے کفر کو مٹایا اور دُنیا کو ایمان سے روشناس کرایا جس کی وجہ سے بہت سی مخلوق کفر کے اندھیروں سے نکل کر ایمان کی روشنی میں آئی۔

وَاَنَا الْحَاشِرُ میں اکٹھا کرنے والا بھی ہوں کہ میرا نام حاشر ہے اَلَّذِیْ یُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰی قَدَمِیْ لوگ میرے قدموں میں یعنی میرے سامنے

اکٹھے کیے جائیں گے ۔ تورات میں یہ پیش گوئی بھی کی گئی تھی کہ اللہ کا آخری نبی فاران کی چوٹیوں سے دس ہزار قدسیوں کی جماعت کے ساتھ جلوہ گر ہوگا، اور دنیا کی قومیں اس کے قدموں میں جمع کی جائیں گی اور پھر حشر کے میدان میں تو ساری مخلوق آپ کے قدموں میں اکٹھی ہوگی اور آپ شفاعت کریں گے ۔ اس وقت حاشر کا اطلاق ساری مخلوق پر ہوگا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا اَنَا الْعَاقِبُ میں عاقب ہوں جس کے بعد قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا۔ گویا عاقب کا معنیٰ خاتم النبیّٖن ہے۔ آپ کے بعد جو بھی نبوت کا دعویٰ کرے گا وہ دجال ہوگا ۔

باب - ۵۱

درس - ۵۱

حدیث - ۲

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ طَرِيفٍ الْكُوفِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ لَقِيتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَعْضِ طُرُقِ الْمَدِينَةِ فَقَالَ أَنَا مُحَمَّدٌ وَأَنَا أَحْمَدُ وَأَنَا نَبِيُّ الرَّحْمَةِ وَنَبِيُّ التَّوْبَةِ وَأَنَا الْمُقَفِّيُّ وَأَنَا الْحَاشِرُ وَنَبِيُّ الْمَلَاحِمِ۔

حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا النَّضْرُ بْنُ شُمَيْلٍ أَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ زِرٍّ عَنْ حُذَيْفَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ بِمَعْنَاهُ هٰكَذَا قَالَ حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ زِرٍّ عَنْ حُذَيْفَةَ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۹۷)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث محمد بن طریف کوفی نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے ابوبکر[1] بن عیاش نے عاصم کے واسطہ سے بیان کیا۔ انھوں نے یہ روایت ابووائل[2] سے اور انھوں نے حضرت حذیفہؓ سے نقل کی۔ وہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے میری ملاقات مدینہ کے ایک بازار میں ہوگئی تو آپ نے فرمایا میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں نبی رحمت ہوں، میں نبی توبہ ہوں، میں مقفی ہوں، میں حاشر ہوں اور نبی ملاحم ہوں۔

---

[1] اسمہ محمد او عبد اللہ او سالم او شعبۃ او رؤبۃ او مسلم او حراش او حماد او حبیب او غیر ذلک ثقۃ عابد بلغ نحو مائۃ فساء حفظہ [2] اسمہ شفیق بن ابی سلمۃ۔ (فیاض)

(دوسری سند) امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت اسحٰق بن منصور نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے نضر بن شُمَیل نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی خبر حماد بن سلمہ نے دی۔ انھوں نے حضرت حذیفہ رضؓ سے نقل کی جو کہ پہلی روایت کے ہم معنی ہے۔ اسی طرح کی روایت حماد بن سلمہ نے عاصم سے انھوں نے زِر سے اور انھوں نے حضرت حذیفہ رضؓ سے بھی نقل کی ہے۔"

تشریح گزشتہ حدیث میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے پانچ نام شمار کیے گئے تھے اب اس روایت میں سات اسماء گرامی کا ذکر ہے جن میں محمد، احمد اور حاشر دونوں روایات میں مشترک ہیں۔ البتہ چار نام نبی الرحمۃ، نبی التوبہ، نبی المقفیٰ اور نبی الملاحم نئے ہیں۔

نبی الرّحمۃ: اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی ذات بابرکات سب کے لیے باعثِ رحمت بنایا ہے، جیسا کہ فرمانِ خداوندی ہے۔ وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ۔ (الانبیاء: ۱۰۷) ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

نبی التوبہ: اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی وجہ سے جتنی مخلوق کی توبہ قبول کی ہے اتنی کسی دوسرے نبی کی امّت کی نہیں کی۔ اس لیے آپ کا لقب نبی التوبہ بھی ہے۔

نبی المقفیٰ: سب سے پیچھے آنے والا نبی، یعنی خاتم النبیّین بھی آپ ہی کا لقب ہے۔

نبی الملاحم: جہاد والا نبی، آپ کی اُمّت میں جہاد بھی مشروع ہے جو قیامت تک جاری رہے گا۔ بعض تبلیغی جماعت والے جہاد کو منسوخ سمجھتے ہیں جو غلط ہے۔ بلکہ نبی الملاحم کا معنیٰ ہی یہ ہے کہ آپ کی اُمّت میں جہاد ہمیشہ جاری رہے گا۔

(۵۲) بَابُ مَا جَاءَ فِیْ عَیْشِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

ترجمہ: "باب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گزران کے بیان میں۔"

اس سے پہلے باب ۴۹ بھی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی گزرِ اوقات سے متعلق اس کتاب میں آچکا ہے جس میں امام ترمذیؒ صرف دو احادیث لائے ہیں۔ اب یہی باب مکرّر لایا گیا ہے جس میں امام ترمذیؒ نے نو (۹) احادیث جمع کی ہیں، گویا یہ باب اپنے موضوع کے اعتبار سے پہلے باب سے زیادہ مفصّل ہے۔

اکثر محدثین نے اس باب کو دوبارہ لانے کی مختلف توجیہات بیان کی ہیں بعض کہتے ہیں کہ ایسا نسیان کی وجہ سے ہوا۔ امام ترمذیؒ پہلے یہ باب باندھ کر دو احادیث نقل کر چکے تھے مگر اس موضوع پر ابھی بہت سی احادیث بیان کرنا باقی تھیں لہٰذا انھوں نے دوبارہ یہ باب باندھ دیا، اور آپ بھول گئے کہ وہ اس موضوع پر قبل ازیں دو روایات نقل کر چکے ہیں۔ تاہم یہ توجیہہ کوئی زیادہ قرینِ قیاس معلوم نہیں ہوتی۔

بعض محدثین کا خیال ہے کہ ممکن ہے امام ترمذیؒ نے غلطی سے نہیں بلکہ کسی خاص مصلحت کی بناء پر ایسا کیا ہو کیونکہ دیگر کتبِ احادیث میں بھی اس قسم کی مثالیں موجود ہیں جن میں خصوصی وجوہات کی بناء پر بعض ابواب کو دوبارہ ذکر کیا گیا ہے چنانچہ اس بابِ گزران کو بھی مکرّر لانے میں امام ترمذیؒ کے پیشِ نظر خاص مصلحت ہی تھی۔ دراصل اکثر اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) اعتراض کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی مکّی زندگی تو سابقہ انبیاء علیہم السّلام کی زندگیوں کے مشابہ ہے کیونکہ آپ کی زندگی کا مکی دَور نہایت عُسرت میں گزرا، آپ کو اشاعتِ دین کے سلسلے میں بڑی بڑی تکالیف پہنچیں جبکہ آپ کے پاس گزر اوقات کے وسائل نہ ہونے کے برابر تھے۔ البتہ معترضین کہتے ہیں کہ جب اشاعتِ دین کا کام چل نکلا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہنچنے میں کامیاب ہو گئے اور اللہ کے فضل و کرم سے ایک اسلامی ریاست کی بنیاد قائم ہو گئی تو پھر

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی دُنیا کی زندگی بھی انبیاء علیہم السّلام کی زندگیوں سے مشابہت کی بجائے ملوک کی زندگیوں کے مشابہ ہوگئی ۔

محدثین کرام کے نزدیک اغیار کا یہ اعتراض بالکل لغو ہے جس کی بنیاد محض تعصّب اور عناد پر ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے آخری نبی حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی دُنیا سے بے رغبتی اور آخرت کے حصُول اور دین کی اشاعت میں گزری امام ترمذیؒ اس باب کو دوبارہ لاکر یہی ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی کا گزران یکساں تھا اور آخر عمر تک اس میں کوئی فرق نہیں آیا ۔

درس - ۵۲ حدیث - ۱

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ قَالَ سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيرٍ يَقُولُ أَلَسْتُمْ فِي طَعَامٍ وَشَرَابٍ مَا شِئْتُمْ لَقَدْ رَأَيْتُ نَبِيَّكُمْ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا يَجِدُ مِنَ الدَّقَلِ مَا يَمْلَأُ بَطْنَهُ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۹۷)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث قتیبہ بن سعید نے بیان کی - وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے ابوالاحوص نے سماک بن حرب کے واسطہ سے بیان کیا - وہ کہتے ہیں کہ میں نے نعمان بن بشیرؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ لوگو! کیا تمھیں خور و نوش کی ہر وہ چیز میسّر نہیں جس کی تم خواہش رکھتے ہو ؟ میں نے تو تمھارے نبی علیہ السّلام کو اس حالت میں دیکھا ہے کہ ان کے پاس تو اتنی ردّی کھجوریں بھی نہیں ہوتی تھیں جن کے ساتھ آپ پیٹ بھر سکتے ۔"

تشریح اس حدیث کے راوی حضرت نعمان[1] بن بشیرؓ باپ بیٹا دونوں صحابی ہیں۔ ان کا تعلق انصارِ مدینہ کے ساتھ تھا۔ انھوں نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے بعد خلفائے راشدینؓ اور مابعد کا زمانہ بھی پایا ہے جبکہ اسلام غالب آچکا تھا، اور اہلِ ایمان کی اقتصادی حالت میں انقلاب آچکا تھا۔ اسلام کے ابتدائی دور میں تو

[1] انکی کنیت ابوعبداللہ ہے حضورؐ کی وفات کے وقت ان کی عمر آٹھ سال اور سات ماہ تھی انھوں نے کوفہ میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ حضرت امیر معاویہؓ کے عہدِ خلافت میں کوفہ کے گورنر بھی بنائے گئے لیکن انھوں نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی طرف داری کرنا چاہی اور وہیں کوفہ میں متمکن ہوگئے۔ اہلِ حمص نے انھیں ۶۳ھ میں شہید کردیا ۔ (فیاض)

مسلمانوں کی زندگی سخت عُسرت میں گزری تھی مگر بعد میں مسلمان خوشحال ہوگئے اور ہر طرح کی نعمتیں میسّر آنے لگیں۔ اسی ضمن میں صحابی رسول حضرت نعمان بن بشیرؓ نے اہلِ ایمان کو مخاطب کر کے مسلمانوں کی ابتدائی زندگی کی طرف توجہ دلائی۔ کہتے ہیں اَلَسْتُمْ فِیْ طَعَامٍ وَّشَرَابٍ مَّا شِئْتُمْ۔ لوگو! کیا تمھیں آج کھانے پینے کی ہر چیز میسّر نہیں، جس کو تمھارا جی چاہتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آج تم آسودگی کی زندگی بسر کر رہے ہو اور تمھیں ضروریاتِ زندگی باافراط میسّر ہیں مگر میں نے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دَور دیکھا ہے۔ لَقَدْ رَأَیْتُ نَبِیَّکُمْ اور میں نے خود تمھارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا گزران دیکھا ہے۔ نَبِیَّکُمْ کا لفظ خاص طور پر توجہ طلب ہے حالانکہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نہ صرف مخاطبین کے نبی تھے بلکہ خود متکلم حضرت نعمانؓ کے نبی بھی تھے مگر انھوں نے یہ اصطلاح خاص طور پر اس لیے استعمال کی کہ تم نے اپنے جس نبیؐ کو نہیں دیکھا میں نے ان کو دیکھا ہے۔ میرے اور تمھارے محبوب ترین نبی کے گزران کی حالت یہ تھی کہ پیٹ بھرنے کے لیے مَا یَجِدُ مِنَ الدَّقَلِ ردّی قسم کی کھجوریں بھی عام طور پر میسّر نہیں ہوتی تھیں۔ مخاطبین کو تشویق دلانا بھی مقصود ہے۔ دقل اس ردّی مال کو کہتے ہیں جو اچھا مال اٹھا لینے کے بعد باقی بچ جاتا ہے۔ راوی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا گزران اس قدر عسرت میں گزرا کہ معمولی سے معمولی کھانا بھی میسّر نہیں ہوتا تھا حالانکہ آج تم کو انواع واقسام کے کھانے اور مشروب باافراط حاصل ہیں۔

باب - ۵۲

شمائل ترمذی

حدیث - ۲

درس - ۵۲

حَدَّثَنَا هَارُوْنُ بْنُ اِسْحٰقَ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنْ كُنَّا اٰلُ مُحَمَّدٍ نَمْكُثُ شَهْرًا مَا نَسْتَوْقِدُ بِنَارٍ اِنْ هُوَ اِلَّا التَّمْرُ وَالْمَاءُ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۹۷)

ترجمہ: " امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت ہارون بن اسحٰق نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے عبدۃ نے ہشام بن عروہ سے اور انھوں نے اپنے باپ سے روایت کیا انھوں نے یہ حدیث امّ المؤمنین عائشہؓ سے نقل کی۔ وہ کہتی ہیں کہ ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے اہل خانہ کا حال یہ ہوتا تھا کہ ایک ایک ماہ تک چولھے میں آگ نہیں جلتی تھی، صرف کھجوروں اور پانی پر گزارہ ہوتا تھا۔"

تشریح: امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی اس روایت سے بھی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اور آپ کے اہل وعیال کی گزرانِ اوقات پر روشنی پڑتی ہے کہ وہ کس قدر مشکل تھی۔ امّ المؤمنین کہتی ہیں اِنْ یہ اِنْ مخففہ من المثقّلة ہے اور معنیٰ ہے کہ شان یہ ہے کہ كُنَّا اٰلُ مُحَمَّدٍ ہم رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کے گھر والے نَمْكُثُ شَهْرًا مَا نَسْتَوْقِدُ بِنَارٍ کہ مہینہ مہینہ بھر ہم بغیر آگ جلائے گزار دیتے تھے مطلب یہ ہے کہ کوئی ایسی چیز ہی نہیں ہوتی تھی جس کو آگ پر پکا سکیں۔ لہٰذا ایک ایک ماہ تک ہمیں چولھے میں آگ جلانے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی تھی۔ اگرچہ اس زمانہ میں اشیائے خورونوش کی قلت تھی تاہم لوگوں کو گوشت، روٹی یا دیگر کھانا پکانے کے لیے آگ تو جلانا پڑتی تھی مگر جس گھر میں پکانے کے لیے کوئی چیز ہی میسّر نہ ہو اس گھر میں آگ کیا جلے گی؟ اسی لیے امّ المؤمنینؓ کہتی ہیں کم وبیش

ایک ایک ماہ تک آگ جلانے اور چولہا گرم کرنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی تھی اِنْ هُوَ اِلَّا التَّمْرُ وَالْمَآءُ بس کھجوروں اور پانی پر گزارہ ہوتا تھا۔ یعنی اگر مل جاتیں تو کھجوریں کھاکر اور پانی کے چند گھونٹ پی کر وقت گزار لیتے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں جن کو آگ پر پکانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ غرضیکہ امّ المؤمنینؓ کا مطلب یہ ہے کہ نبی کے گھرانے کا گزران ایسا تھا ہاں جب کبھی پکانے والی کوئی چیز میسّر آجاتی تو پھر آگ بھی جلا لیتے ہونگے۔

درس - ۵۲
حدیث - ۳

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ اَبِیْ زِیَادٍ حَدَّثَنَا سَیَّارٌ حَدَّثَنَا سَہْلُ بْنُ اَسْلَمَ عَنْ یَزِیْدَ بْنِ اَبِیْ مَنْصُوْرٍ عَنْ اَنَسٍ عَنْ اَبِیْ طَلْحَۃَ قَالَ شَکَوْنَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْجُوْعَ وَرَفَعْنَا عَنْ بُطُوْنِنَا عَنْ حَجَرٍ حَجَرٍ فَرَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ بَطْنِہٖ عَنْ حَجَرَیْنِ قَالَ اَبُوْعِیْسٰی ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ مِنْ حَدِیْثِ اَبِیْ طَلْحَۃَ لَا نَعْرِفُہٗ اِلَّا مِنْ ھٰذَا الْوَجْہِ وَمَعْنٰی قَوْلِہٖ وَرَفَعْنَا عَنْ بُطُوْنِنَا عَنْ حَجَرٍ حَجَرٍ کَانَ اَحَدُھُمْ یَشُدُّ فِیْ بَطْنِہِ الْحَجَرَ مِنَ الْجُھْدِ وَالضُّعْفِ الَّذِیْ بِہٖ مِنَ الْجُوْعِ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۹۷)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث عبداللہ بن ابی زیاد نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے یہ روایت سیار[1] نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے اسے سہل بن اسلم نے یزید بن ابی منصور کے حوالے سے بیان کیا انھوں نے انس سے اور انھوں نے ابوطلحہؓ سے روایت کی۔ وہ کہتے ہیں کہ (ایک موقع پر) ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھوک کی شکایت کی اور ہم نے اپنے پیٹوں سے کپڑا اٹھا کر ہر پیٹ پر ایک ایک پتھر بندھا ہوا دکھلایا۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے اپنے پیٹ پر سے کپڑا اٹھایا تو وہاں دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہؓ کی روایت کردہ احادیث میں سے صرف یہی حدیث غریب ہے اور ہم اس حدیث

---

[1] ابن نصر ابوالمنہال (فیاض)

کو صرف اسی سند سے جانتے ہیں ۔ امام ترمذیؒ یہ بھی وضاحت کرتے ہیں کہ حضرت ابو طلحہؓ کے اس کلام کا معنیٰ کہ ہم میں سے ہر ایک نے اپنے پیٹ پر ایک ایک پتھر باندھ رکھا تھا ، یہ ہے کہ انھوں نے ایسا مشقّت اور کمزوری کی وجہ سے کیا ہوا تھا۔"

تشریح اس حدیث میں جنگِ احزاب کے موقع پر پیش آنے والے واقعہ کی طرف اشارہ ہے ۔ ۵ھ میں ابو سفیانؓ[1] نے جب کہ وہ ابھی اسلام نہیں لائے تھے عرب کے بہت سے کافر قبائل کو جمع کر کے پندرہ تا پچیس ہزار کی تعداد کے لشکر کے ساتھ مسلمانوں کو کچل ڈالنے کے لیے مدینہ پر حملہ کر دیا تھا۔ اُس وقت مدینہ میں موجود قابل جنگ مسلمان مردوں کی تعداد چار پانچ ہزار سے زیادہ نہیں تھی جب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو اس حملے کی اطلاع ملی تو آپ نے صحابہؓ کو جمع کر کے اپنے دفاع کے لیے حکمتِ عملی تیار کرنے کے لیے مشورہ طلب کیا ۔ مدینہ کے دفاع کے لیے مختلف رائیں پیش کی گئیں۔ بالآخر سلمان فارسیؓ کی رائے پر صاد کیا گیا کہ مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کرنے کی بجائے شہر میں رہ کر دفاع کیا جائے۔ چنانچہ شہر مدینہ کے تین اطراف میں دس فٹ چوڑی اور قد آدم گہری خندق کھودنے کا فیصلہ ہوا ۔ خندق کی کل لمبائی تقریباً ساڑھے تین میل کے قریب بنتی تھی ۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اس کام پر ایک ہزار مجاہدین کو مامور کیا ، آپ خود بھی اس کام میں صحابہؓ کے ساتھ شریکِ کار رہے مسلمانوں نے یہ خندق چھ دن میں اپنے ہاتھوں سے کدال وغیرہ چلا کر مکمل کیا جو کہ آج کے مشینری کے دور میں ناممکن نظر آتا ہے تاہم اہلِ ایمان کی یہ جنگی حکمتِ عملی کامیاب رہی اور مسلمان اپنا دفاع کرنے میں کامیاب ہو گئے جب کہ کفار محاصرہ چھوڑ کر بھاگ گئے ۔

---

[1] ان کا اصل نام صخر بن حرب ہے ۔ فتح مکہ کے بعد ۸ھ میں اسلام قبول کیا اور اس کے بعد سب سے پہلے غزوہ حنین میں شمولیت اختیار کی ۔ اسی غزوہ میں آپ کی ایک آنکھ بھی ضائع ہو گئی ان کے دو بیٹے یزیدؓ اور امیر معاویہؓ ہیں اور حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں ۳۱ھ یا ۳۲ھ بعمر ۸۸ سال وفات پائی انکی نماز جنازہ حضرت عثمانؓ یا امیر معاویہؓ نے پڑھائی ۔ (فیاض)

یہ خندق کھودنے کے دوران کا واقعہ ہے کہ ایک طرف اہل ایمان اتنا بڑا مشقت طلب کام کرنے میں مصروف تھے اور اُدھر اشیائے خورد ونوش کی قلت کی وجہ سے اکثر صحابہؓ کو فاقے پر فاقے آ رہے تھے۔ ان حالات میں لوگوں کا یہ عام معمول تھا کہ وہ کام کرتے وقت پیٹ پر پتھر باندھ لیا کرتے تھے تاکہ پیٹ خالی ہونے کی وجہ سے ان کی کمر ہی ٹیڑھی نہ ہو جائے اور وہ کوئی کام کرنے کے قابل ہی نہ رہیں۔ ایسی حالت میں تو آدمی نہ کھڑا ہو سکتا ہے اور نہ ہی نماز ادا کر سکتا ہے، تو پھر مشقت کا کام اور دشمن کے ساتھ جنگ کیسے کر سکتا ہے؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمان بھی موجود ہے کہ انسان کے لیے کم از کم چند لقمے غذا تو ضروری ہے جس کے ذریعے وہ اپنی پشت سیدھی کر سکے۔

حضرت ابو طلحہؓ کہتے ہیں کہ ہم نے ایسے ہی موقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے فاقہ کی شکایت کی اور اس کے ثبوت میں ہم میں سے بعض صحابہؓ نے اپنے پیٹ پر سے کپڑا اٹھا کر دکھایا تو ہر ایک نے مشقت اور کمزوری کی وجہ سے ایک ایک پتھر باندھا ہوا تھا چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خود بھی اس محنت طلب کام میں شریک تھے وہ بھی مسلسل فاقہ سے تھے، آپ کو بھی کام کرنے کے لیے پشت سیدھی رکھنے کی ضرورت تھی، لہٰذا آپ نے بھی اپنے پیٹ مبارک سے کپڑا اٹھایا تو صحابہؓ نے خود مشاہدہ کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیٹ پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے اس کا مطلب یہ تھا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہر صحابی کے مقابلہ میں زیادہ محنت سے کام کر رہے تھے اور فاقہ کی وجہ سے آپ پر ضعف بھی زیادہ طاری تھا۔ لہٰذا آپ نے اس کی تلافی کے لیے ایک کی بجائے دو پتھر باندھے ہوئے تھے۔ یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گزران کا باب ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں اہل ایمان اور خود حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہلِ خانہ کس قدر عُسرت کی زندگی بسر کرتے تھے۔

اس حدیث پر خود امام ترمذیؒ نے کلام کیا ہے کہ اس کی سند غریب ہے مگر حدیث صحیح ہے۔ کسی حدیث کی غرابت اس کی صحت کے منافی نہیں ہوتی۔ اس لیے امام

ترمذیؒ نے اس کو قبول کیا ہے۔ امام ترمذیؒ نے پیٹ پر پتھر باندھنے کی وجہ بھی خود ہی بتا دی ہے کہ بھوک کی وجہ سے ضعف پیدا ہو گیا تھا اور مشقت کا کام کرنا پڑ رہا تھا، لہٰذا صحابہؓ نے کام جاری رکھنے کے لیے پیٹوں پر پتھر باندھ لیے تھے تاکہ وہ بالکل نڈھال ہو کر گر ہی نہ جائیں بلکہ کسی حد تک کام جاری رکھ سکیں۔

اس حدیث سے یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو بھی اسی طرح بھوک ستاتی تھی جس طرح آپ کے صحابہ کرامؓ بھوک سے نڈھال ہو جاتے تھے۔ اس اشکال کی وجہ یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کئی کئی دن کا صومِ وصال رکھا کرتے تھے۔ یعنی سحری اور افطاری کیے بغیر کئی کئی روز مسلسل روزہ رکھتے تھے جب آپ کے اتباع میں صحابہؓ نے بھی صومِ وصال رکھنا شروع کر دیا تو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا تھا کہ تم ایسا روزہ نہ رکھا کرو کیونکہ تم مسلسل بھوک پیاس برداشت نہیں کر سکتے۔ اَیُّکُمْ مِثْلِیْ تم اس معاملہ میں میرے جیسے نہیں ہو کیونکہ میں اپنے پروردگار کے ہاں رات گزارتا ہوں جو مجھے کھلاتا پلاتا ہے لہٰذا میں مسلسل روزہ رکھ سکتا ہوں مگر تم میں یہ طاقت نہیں ہے۔ اس کھلانے پلانے سے بھی مادی طعام مراد نہیں ہے بلکہ روحانی کھانا ہے جس کے ذریعے مجھے اللہ تعالیٰ صوم وصال رکھنے کی طاقت بخشتا ہے۔ اب اشکال یہ ہے کہ جب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو عام صحابہؓ کی طرح بھوک ہی نہیں لگتی تھی تو آپ نے اپنے پیٹ پر پتھر کیوں باندھ رکھے تھے۔ بعض محدثین اس کی یہ توجیہہ کرتے ہیں کہ اسلام کے ابتدائی دور میں عام اہلِ ایمان کو بھی اسی طرح روحانی ترقی نصیب ہوتی تھی جس طرح اللہ کے نبی کو۔ اُس دور میں اللہ کے نبی کو بھی بھوک لگتی تھی لہٰذا آپ کو بھی پیٹ پر پتھر باندھنے کی ضرورت پڑی۔ البتہ بعد کے دور کے متعلق اللہ نے فرمایا: وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى (الضحیٰ۔۴) آپ کی زندگی کا پچھلا دور پہلے دور سے بہتر ہوگا چنانچہ حضور علیہ السّلام زندگی کے پچھلے حصے میں صومِ وصال رکھا کرتے تھے جب کہ آپ کو صحابہؓ کی نسبت بہتر روحانی ترقی نصیب ہونے لگی تھی۔

بعض اس کی دوسری توجیہہ یہ کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو بھوک پیاس

نہ لگنے کی خصوصیت اختیاری تھی ۔ آپ جب چاہتے اس سے فائدہ اٹھا کر صوم وصال رکھ لیتے تھے، مگر غزوہ خندق کے موقع پر حضورؐ نے اس خصوصیّت سے فائدہ نہیں اٹھایا تھا۔ لہذا آپ کو بھی پیٹ پر پتھر باندھنے پڑے ۔ اس خصوصی اختیار سے مستفید نہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ آپ اُمّت کے سامنے ایک نمونہ پیش کرنا چاہتے تھے تاکہ لوگ بھوک اور مشقّت کی وجہ سے گھبرا نہ جائیں۔ جب وہ دیکھیں گے کہ اُن کے ساتھ شریکِ کار اللہ کے نبی نے بھی بھوک اور مشقّت کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھ رکھے ہیں تو اُن کی حوصلہ افزائی ہوگی اور وہ اپنی تکلیف کو زیادہ شدت کے ساتھ محسوس نہیں کریں گے اور اس طرح اپنا کام جاری رکھیں گے ۔

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ خصوصی اعزاز کا فائدہ کیوں نہیں اُٹھایا تو اس کی توجیہہ یہ کی جا سکتی ہے کہ جس شخص کے اہل خانہ بھوکے ہوں اگر خود اُسے خوراک مہیا بھی ہو تو وہ نہیں کھائے گا جب تک اس کے افرادِ خانہ کو بھی غذا مہیّا نہ ہو۔ اس کی ترجیح یہی ہوگی کہ پہلے بچے کھائیں تو اس کے بعد وہ خود کھائے گا۔ اسی اُصول کے مطابق حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اپنے خصوصی اعزاز سے فائدہ نہ اُٹھایا تاکہ جب دوسرے اہل ایمان کو خوراک مہیا ہوگی تو آپ بھی اُسی وقت کھائیں گے۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ (المتوفی ۷۲۵ھ) کے حالاتِ زندگی میں بھی آتا ہے کہ آپ بعض اوقات دانستہ سحری کا کھانا نہیں کھاتے تھے۔ اُن کے ذہن میں یہ تصور آجاتا تھا کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے کتنے اُمّتی ہیں جن کو پیٹ بھر کر سحری نصیب نہیں ہوتی، چنانچہ آپ بھی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے اسوۂ کے طور پر بعض اوقات سحری نہیں کرتے تھے ۔ فرماتے تھے کہ جب میں بھوکوں کا تصوّر کرتا ہوں تو لقمہ میرے حلق سے نیچے نہیں اُترتا۔

درس - ۵۲ حدیث - ۴

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اِسْمٰعِیْلَ حَدَّثَنَا اٰدَمُ بْنُ اَبِیْ اِیَاسٍ حَدَّثَنَا شَیْبَانُ اَبُوْ مُعَاوِیَۃَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِکِ بْنُ عُمَیْرٍ عَنْ اَبِیْ سَلَمَۃَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ خَرَجَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ سَاعَۃٍ لَا یَخْرُجُ فِیْھَا وَلَا یَلْقَاہُ فِیْھَا اَحَدٌ فَاَتَاہُ اَبُوْ بَکْرٍ فَقَالَ مَا جَآءَ بِکَ یَا اَبَا بَکْرٍ فَقَالَ خَرَجْتُ اَلْقٰی رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَنْظُرُ فِیْ وَجْھِہٖ وَالتَّسْلِیْمَ عَلَیْہِ فَلَمْ یَلْبَثْ اَنْ جَآءَ عُمَرُ فَقَالَ مَا جَآءَ بِکَ یَا عُمَرُ قَالَ الْجُوْعُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ۔ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَنَا قَدْ وَجَدْتُ بَعْضَ ذٰلِکَ فَانْطَلَقُوْا اِلٰی مَنْزِلِ اَبِی الْھَیْثَمِ بْنِ التَّیِّھَانِ الْاَنْصَارِیِّ وَکَانَ رَجُلًا کَثِیْرَ النَّخْلِ وَالشَّجَرِ وَالشَّآءِ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ خَدَمٌ فَلَمْ یَجِدُوْہُ فَقَالُوْا لِامْرَاَتِہٖ اَیْنَ صَاحِبُکِ فَقَالَتْ اِنْطَلَقَ یَسْتَعْذِبُ لَنَا الْمَآءَ فَلَمْ یَلْبَثُوْا اَنْ جَآءَ اَبُو الْھَیْثَمِ بِقِرْبَۃٍ یَزْعَبُھَا فَوَضَعَھَا ثُمَّ جَآءَ یَلْتَزِمُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَیُفَدِّیْہِ بِاَبِیْہِ وَاُمِّہٖ ثُمَّ انْطَلَقَ بِھِمْ اِلٰی حَدِیْقَتِہٖ فَبَسَطَ لَھُمْ بِسَاطًا ثُمَّ انْطَلَقَ اِلٰی نَخْلَۃٍ فَجَآءَ بِقِنْوٍ فَوَضَعَہٗ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَفَلَا تَنَقَّیْتَ لَنَا مِنْ رُطَبِہٖ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ اَرَدْتُ اَنْ تَخْتَارُوْا

اَوْ تَخَيَّرُوْا مِنْ رُطَبِهٖ وَبُسْرِهٖ فَاَكَلُوْا وَشَرِبُوْا مِنْ ذٰلِكَ الْمَاءِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مِنَ النَّعِيْمِ الَّذِيْ تُسْئَلُوْنَ عَنْهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ظِلٌّ بَارِدٌ وَرُطَبٌ طَيِّبٌ وَمَاءٌ بَارِدٌ فَانْطَلَقَ اَبُو الْهَيْثَمِ لِيَصْنَعَ لَهُمْ طَعَامًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَذْبَحَنَّ لَنَا ذَاتَ دَرٍّ فَذَبَحَ لَهُمْ عَنَاقًا اَوْ جَدْيًا فَاَتَاهُمْ بِهَا فَاَكَلُوْا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ لَكَ خَادِمٌ قَالَ لَا قَالَ فَاِذَا اَتَانَا سَبْيٌ فَائْتِنَا فَاُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرَاْسَيْنِ لَيْسَ مَعَهُمَا ثَالِثٌ فَاَتَاهُ اَبُو الْهَيْثَمِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اخْتَرْ مِنْهُمَا فَقَالَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ اِخْتَرْ لِيْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمُسْتَشَارَ مُؤْتَمَنٌ خُذْ هٰذَا فَاِنِّيْ رَاَيْتُهٗ يُصَلِّيْ وَاسْتَوْصِ بِهٖ مَعْرُوْفًا فَانْطَلَقَ اَبُو الْهَيْثَمِ اِلٰى اِمْرَاَتِهٖ فَاَخْبَرَهَا بِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ اِمْرَاَتُهٗ مَا اَنْتَ بِبَالِغٍ مَا قَالَ فِيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا اَنْ تُعْتِقَهٗ قَالَ فَهُوَ عَتِيْقٌ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَمْ يَبْعَثْ نَبِيًّا وَّلَا خَلِيْفَةً اِلَّا وَلَهٗ بِطَانَتَانِ بِطَانَةٌ تَاْمُرُهٗ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَاهُ عَنِ الْمُنْكَرِ وَبِطَانَةٌ لَا تَاْلُوْهُ خَبَالًا وَمَنْ يُّوْقَ بِطَانَةَ السُّوْءِ فَقَدْ وُقِيَ ۔ (ترمذی مع شمائل صـ۵۹۸)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث محمد بن اسمٰعیل

نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے اسے آدم بن ابی
ایاس نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے یہ روایت
شیبان ابومعاویۃ نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس
اسے عبدالملک بن عمیر نے ابی سلمۃ بن عبدالرحمٰن کے واسطہ
سے بیان کیا اور انھوں نے اسے صحابی رسول حضرت ابوہریرۃ رضی
سے روایت کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم ایسے وقت میں گھر سے باہر تشریف لائے جب کہ
بالعموم آپ نہ گھر سے نکلتے تھے، اور نہ ہی اس دوران کوئی
دوسرا شخص ملنے کے لیے آتا تھا۔ اسی دوران میں حضرت ابوبکر رض
بھی آ گئے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے پوچھا، اے ابوبکر!
آپ کیسے آئے؟ انھوں نے عرض کیا کہ میں آپ سے ملاقات
کے لیے گھر سے باہر آیا ہوں تاکہ آپ کے چہرۂ انور کی زیارت
کروں اور آپ کو سلام عرض کروں۔ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ
حضرت عمر رض بھی آ گئے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اُن سے
بھی آنے کی وجہ دریافت کی تو انھوں نے جواب دیا کہ بھُوک
کی شدّت نے مجھے باہر آنے پر مجبور کر دیا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے بھی کچھ ایسا ہی محسوس کیا ہے (یعنی
میں بھی بھوک سے ہوں) پھر یہ تینوں حضرات ابوالہیثم[1] بن التیہان
انصاری رض کے مکان پر تشریف لے گئے۔ یہ صحابی رسول کھجوروں
کے باغات اور کثیر تعداد میں بھیڑ بکریوں کے مالک تھے (یعنی آسودہ
حال تھے) مگر اُن کے پاس کوئی خادم نہیں تھا۔ جب یہ حضرات
وہاں پہنچے تو انھوں نے صاحبِ خانہ کو موجود نہ پایا۔ چنانچہ انھوں

---

[1] اسمہٗ مالک (فیاض)

نے اس کی عورت سے پوچھا کہ تمہارا خاوند کہاں ہے ؟ اس نے بتایا کہ وہ ہمارے لیے میٹھا پانی لینے کے لیے گئے ہیں۔ ابھی تھوڑی دیر گزری تھی کہ ابوالہیثم آ گیا جس نے پانی کا بھرا ہوا مشکیزہ اُٹھا رکھا تھا۔ اُس نے مشکیزہ نیچے رکھا، حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے معانقہ کیا اور آپ پر اپنے ماں باپ قربان کرنے لگا۔ پھر ابوالہیثم اپنے مہمانوں کو اپنے باغ میں لے گیا۔ وہاں اُس نے مہمانوں کے لیے چٹائی بچھائی۔ پھر وہ کھجور کے درخت کی طرف گیا اور کھجوروں کا ایک خوشہ توڑ کر لایا، اور مہمانوں کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا، تو ہمارے لیے ان میں سے پکّے پکّے دانے چھانٹ کر کیوں نہیں لایا ؟ اس نے عرض کیا، اللہ کے رسول ! میں اس لیے لایا ہوں تاکہ آپ اپنی پسند کے دانے خود چھانٹ لیں جو پک چکے ہوں یا پکنے کے قریب ہوں۔ پس مہمانوں نے کھجوریں کھائیں اور پانی پیا۔ پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اُس ذات پاک کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، یہ وہ نعمتیں ہیں جن کے متعلق قیامت والے دن تم سے پوچھا جائے گا، یعنی ٹھنڈا سایہ، پاکیزہ پکی ہوئی کھجوریں اور ٹھنڈا پانی۔ پھر ابوالہیثم رضی اللہ عنہ اُٹھے تاکہ مہمانوں کے لیے کھانا تیار کریں، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، ہمارے لیے دودھ دینے والا جانور ذبح نہ کرنا۔ لہٰذا میزبان نے مہمانوں کے لیے بکری کا ایک مادہ یا نر بچہ ذبح کیا۔ پھر ابوالہیثم رضی اللہ عنہ کھانا لے آیا جو مہمانوں نے تناول فرمایا۔ پھر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے میزبان سے دریافت فرمایا، کیا تمہارے پاس کوئی خادم بھی ہے ؟ اس

نے عرض کیا، حضور! نہیں۔ آپ نے فرمایا، جب ہمارے پاس کوئی قیدی غلام آئیں تو تم ہمارے پاس آنا (ہم تمھیں کوئی خادم دے دیں گے) پھر (کسی موقع پر) حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے پاس دو غلام لائے گئے جب کہ اُن کے ساتھ تیسرا کوئی نہیں تھا۔ پھر (یہ خبر پاکر) ابوالہیثم بھی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے فرمایا، ان دو میں سے اپنی پسند کا منتخب کرلو۔ اس نے عرض کیا، حضور! آپ ہی میرے لیے منتخب کریں۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا کہ جس شخص سے مشورہ طلب کیا جائے، وہ امین سمجھا جاتا ہے۔ تم یہ خادم لے لو کیونکہ مَیں نے اسے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ مَیں تمھیں اس خادم کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی وصیّت کرتا ہوں۔ پھر ابوالہیثمؓ اس غلام کو ساتھ لے کر اپنی بیوی کے ہاں گئے اور اسے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ارشاد کے متعلق بتلایا (کہ آپ نے اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی ہدایت کی ہے) پس ابوالہیثمؓ کی بیوی نے کہا کہ تم حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی وصیّت کو نہیں پہنچ سکو گے سوائے اس کے کہ اس غلام کو آزاد کردو۔ چنانچہ ابوالہیثمؓ نے اسے آزاد کر دیا۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی یا خلیفہ کو مبعوث نہیں فرمایا مگر اُس کے دو باطنی مشیر ہوتے ہیں۔ ایک مشیر اسے نیکی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے روکتا ہے جبکہ دوسرا مشیر اس کی خرابی میں کمی نہیں کرتا۔ جو شخص بُرے مشیر سے بچا لیا گیا، وہ حقیقت میں شر سے بچا لیا گیا"

تشریح امام ترمذیؒ یہ لمبی حدیث حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے گزران کے باب میں لائے ہیں۔ اس حدیث کے ابتدائی حصے کا تعلق تو بلاشبہ حضور

علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے زمانہ مبارکہ کی تنگ دستی سے متعلق ہی ہے۔ خود اللہ کے نبی اور آپ کے دو شیخین بھوک کی وجہ سے ایسے وقت میں گھر سے باہر آئے ــــــــ جس وقت کہ عام طور پر یہ حضرات گھر سے باہر نہیں نکلا کرتے تھے۔ مگر بھوک نے چین نہ لینے دیا اور اللہ کے نبی گھر سے باہر آگئے تھوڑی دیر بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی آگئے آپ نے حضرت صدیقؓ سے باہر آنے کی وجہ دریافت کی تو انھوں نے عرض کیا، حضور! میں آپ کے چہرۂ انور کی زیارت کرنے اور آپ کی خدمت میں سلام عرض کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ ابھی زیادہ دیر نہ گزری کہ حضرت عمر فاروقؓ بھی تشریف لے آئے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اُن سے بھی ایسے وقت میں آنے کے متعلق پوچھا تو انھوں نے جواب دیا کہ حضور! بھوک ستا رہی تھی لہٰذا میں گھر سے باہر نکل آیا ہوں۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا کہ کچھ بھوک تو مجھے بھی لگ رہی ہے۔

دیکھ لیں تینوں حضرات کے بے وقت باہر نکلنے کی وجہ ایک ہی ہے یعنی فاقہ، جواب مختلف ہیں۔ حضرت عمرؓ نے تو صراحتاً حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے سامنے بھوک کی شکایت کی جب کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ساتھ زیادہ قریبی تعلق کی بنا پر نہایت لطیف انداز میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے سوال کا جواب دیا۔ حضرت ابوبکرؓ کو بھی بھوک لگ رہی تھی مگر انھوں نے سوچا کہ بے چینی میں تخفیف کر لوں۔ چنانچہ ان کا جواب براہ راست بھوک کی شکایت پر مبنی نہیں تھا، بلکہ عرض کیا کہ آپ کی ملاقات اور آپ کو ہدیہ سلام پیش کرنے کی غرض سے حاضر خدمت ہوا ہوں۔

پھر یہ تینوں حضرات حضرت ابوالہیثم انصاریؓ کے گھر پہنچے۔ یہ صاحب آسودہ حال تھے۔ کھجوروں کے باغات کے مالک تھے اور بھیڑ بکریوں کے ریوڑ بھی ان کے ہاں موجود تھے۔ ان کے ہاں آنے کا مقصد یہی تھا کہ وہاں سے کھانے کے لیے کوئی چیز مل جائے گی وہاں پہنچے تو ابوالہیثمؓ گھر پر موجود نہیں تھے۔ دریافت کرنے پر بیوی نے بتلایا کہ وہ گھر

میں استعمال کے لیے میٹھا پانی لینے کے لیے گئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس وقت مدینہ طیبہ میں میٹھے پانی کی قلت تھی کیونکہ مدینہ کے اکثر کنوئیں کھاری پانی کے تھے اور بعض اوقات میٹھا پانی دُور سے لانا پڑتا تھا۔ بہرحال تھوڑی دیر بعد ابوالہیثمؓ بھی پانی کا مشکیزہ لیے ہوئے آگئے اور مہمانوں کی آمد پر نہایت مسرت کا اظہار کیا۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے بغل گیر ہوئے اور آپ کی ذات پر اپنے ماں باپ کو قربان کرنے لگے یعنی عرض کیا: فِدَاكَ أَبِيْ وَأُمِّيْ۔

پھر وہ اپنے معزز مہمانوں کو اپنے باغ میں لے گیا، ان کو چٹائی بچھا کر بٹھایا اور پھر کھجوروں کا ایک خوشہ لاکر ان کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے میزبان سے فرمایا کہ پختہ اور نیم پختہ کھجوروں کے خوشے کی بجائے اگر پکی پکی کھجوریں چھانٹ کر لے آتے تو زیادہ اچھا ہوتا۔ مگر میزبان کا محبت بھرا جواب یہ تھا کہ حضور! میں نے یہ انتخاب مہمانوں پر چھوڑ دیا ہے کہ ہر مہمان جس قسم کی پختہ یا نیم پختہ کھجوریں پسند کرے۔ وہ اس خوشے میں سے منتخب کر لے۔ ظاہر ہے کہ کوئی آدمی بالکل پکی ہوئی کھجوریں کھانا پسند کرتا ہے اور کوئی ذرا نیم پختہ کا شوق کرتا ہے، لہٰذا میں پورا خوشہ ہی لے آیا ہوں تاکہ مہمان اپنی پسند کی کھجوریں تناول کر سکیں۔ قنوہ پورے خوشے کو کہتے ہیں جس کے ساتھ کچی پکی ہر قسم کی کھجوریں ہوں۔ البتہ رطب پکی ہوئی کھجوروں کے لیے بولا جاتا ہے۔ بسرہ نیم پختہ کھجوروں کے لیے۔ الغرض! مہمانوں نے کھجوریں کھائیں اور میٹھا پانی پی کر اللہ تعالےٰ کا شکر ادا کیا۔

اس روایت سے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے زمانہ مبارکہ کی تنگدستی، صحابہؓ کی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ساتھ محبت والفت اور آپ کا ادب واحترام واضح طور پر سامنے آجاتا ہے اس کے علاوہ اس حدیث سے بہت سے دیگر قواعد وضوابط اور نہایت قیمتی اقوال وافعال بھی ظاہر ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس موقع پر اللہ کے نبی نے اپنے صحابہؓ کی توجہ آخرت کی دائمی زندگی اور قیامت کے روز اعمال کی باز پرس کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا کہ تم نے اس عسرت کے زمانہ میں کھجوریں کھائی ہیں، ٹھنڈا پانی پیا ہے

تھیں درختوں کا سایہ نصیب ہوا ہے، مگر یاد رکھو! یہ سب اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں جن کے متعلق قیامت والے دن تم سے پوچھا جائے گا کہ تم نے ان نعمتوں کو کیسے استعمال کیا اور پھر اِن کا حق کیسے ادا کیا یعنی ان نعمتوں کو استعمال کر کے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا یا ناشکری کا اظہار ہی کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بھی فرمایا ہے: ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ ٥ (التکاثر: ۸) تم سے قیامت والے دن نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا۔

کھجوروں اور پانی کے اس ناشتہ کے بعد میزبان کو اپنے مہمانوں کے لیے کھانا بھی تیار کرنا تھا۔ چنانچہ جب وہ اس مقصد کے لیے چلنے لگے تو حضور علیہ السلام نے ازراہِ شفقت فرمایا: لَا تَذْبَحَنَّ لَنَا ذَاتَ دَرٍّ ہمارے لیے کوئی دودھ دینے والا جانور نہ ذبح کر بیٹھنا کہ اس کے دودھ سے ہی محروم ہو جاؤ۔ بلکہ کوئی چھوٹا موٹا جانور ذبح کر لو جس سے مہمانوں کی مہمان نوازی بھی ہو جائے اور تم دودھ سے بھی محروم نہ ہو جاؤ۔ میزبان نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی اس مشفقانہ نصیحت پر عمل کرتے ہوئے فَذَبَحَ لَهُمْ عَنَاقًا أَوْ جَدْيًا بکری کا ایک چھوٹا بچہ ذبح کیا جو تقریباً چار ماہ کا تھا۔ عنق بکری کے مادہ بچے کو اور جدی نر بچے کو کہتے ہیں۔ آگے حفر کا لفظ بھی آئے گا، جس سے مراد ہر قسم کا چھوٹا بچہ ہوتا ہے۔ بہر حال میزبان نے بکری کا چھوٹا بچہ ذبح کیا روٹیاں پکائیں اور مہمانوں کی خدمت میں پیش کر دیں، جو مہمانوں نے تناول فرمائیں۔

ادھر ابوالہیثمؓ نے اپنے معزز مہمانوں کی خدمت باعثِ سعادت سمجھتے ہوئے نہایت خلوص و محبت کے ساتھ کر رہے تھے تو دوسری طرف حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے دل میں بھی اپنے میزبان کی تکلیف کا احساس اُبھر رہا تھا۔ چنانچہ آپ نے دریافت کیا: هَلْ لَكَ خَادِمٌ کیا تمھارے پاس کوئی خادم بھی ہے؟ میزبان نے نفی میں جواب دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے پاس جنگی قیدی آتے رہتے ہیں جب کبھی ایسا ہوا تو ہم تمھیں خدمت کے لیے ایک غلام دے دیں گے۔ چنانچہ کسی موقع پر صرف دو ہی غلام حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں پیش کیے گئے۔ آپ نے ابوالہیثمؓ کو

بلا کر فرمایا کہ حسبِ وعدہ ہم تمھیں ایک غلام دینا چاہتے ہیں، ان دو میں سے جونسا چاہو پسند کر لو۔ ابوالہیثمؓ بھی اللہ کے آخری نبی کا تربیت یافتہ تھا اور جانتا تھا کہ میری نسبت حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا انتخاب زیادہ سُود مند ہوگا۔ چنانچہ اس نے عرض کیا، اللہ کے رسول ! اِخْتَرْ لِیْ آپ ہی میرے لیے غلام منتخب کر دیں۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ابوالہیثم کی درخواست قبول کرتے ہوئے نہایت قیمتی جملہ فرمایا اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ جس شخص سے مشورہ طلب کیا جاتا ہے وہ امین ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مشورہ طلب کرے تو اُسے اپنی صوابدید کے مطابق ٹھیک ٹھیک مشورہ دینا چاہیے۔ اگر کوئی شخص دانستہ غلط مشورہ دیتا ہے تو وہ گویا خیانت کا مرتکب ہوتا ہے۔

الغرض ! اسی اصول کے مطابق حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے دو میں سے ایک غلام کا انتخاب کر کے ابوالہیثم سے فرمایا خُذْ ھٰذَا فَاِنِّیْ رَاَیْتُہٗ یُصَلِّیْ یہ غلام لے لو اور اس کے انتخاب کی وجہ یہ ہے کہ مَیں نے اسے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ اس زمانے میں کسی شخص کی نیکی کی بجائے اس کی برائی کو قابلِ ترجیح سمجھا جاتا ہے۔ حضور کی تعلیم میں تو نمازی ہونا خوبی کی بات ہے، اور اگر کسی نمازی مزدور کی وجہ سے نقصان بھی ہوتا ہو تو اس کو نماز پڑھنے سے مت روکو۔ جو کمائی کسی کی نماز روک کر حاصل کی جائے گی اُس میں خیر و برکت نہیں ہوگی اور کسی بیماری، مقدمہ، کھیل تماشے یا رسم و رواج پر ہی ضائع ہوگی۔

اس حسنِ انتخاب کے ساتھ ساتھ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم نے ابوالہیثمؓ کو ایک وصیّت بھی کی۔ وَاسْتَوْصِ بِہٖ مَعْرُوْفًا کہ اس نمازی غلام کے ساتھ اچّھا سلوک کرنا۔ مطلب یہ تھا کہ اس کی طاقت سے زیادہ کام نہ لینا، اس کی خوراک میں کمی نہ کرنا، اگر کوئی شکایت پیدا ہو تو اس کو احسن طریقے سے سمجھا دینا وغیرہ وغیرہ۔

ابوالہیثمؓ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے عطا کردہ خادم کو لے کر گھر پہنچا اور بیوی سے کہا کہ آپ نے یہ غلام خود ہی منتخب کر کے عطا کیا ہے اور ساتھ وصیّت بھی کی ہے کہ اس کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنا کیونکہ یہ نمازی غلام ہے۔ بیوی بھی

اللہ کی کوئی نیک بندی تھی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی وصیّت سُنی تو خاوند سے کہنے لگی، مجھے ڈر ہے مَا اَنْتَ بِبَالِغٍ مَا قَالَ فِیْہِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کہ تم حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی وصیت پر کماحقہ، عمل نہیں کر سکو گے یعنی تم اس غلام کے ساتھ حسنِ سلوک کا وہ معیار قائم نہیں کر سکو گے جو اللہ کے نبی کا منشا ہے۔ کہنے لگی اللہ کے نبی کے معیارِ حسنِ سلوک پر پورا اُترنے کی ایک ہی صورت ہے اِلَّا اِنْ تُعْتِقَہٗ کہ اس غلام کو آزاد کر دو۔ چنانچہ ابوالہیثمؓ نے اُسی وقت اُس غلام کو آزاد کر دیا۔

اس موقع پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مزید قیمتی ارشاد فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ لَمْ یَبْعَثْ نَبِیًّا وَّ لَا خَلِیْفَۃً اِلَّا وَلَہٗ بِطَانَتَانِ اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسا نبی یا اس کا خلیفہ مبعوث نہیں فرمایا جس کے ساتھ دو اندرونی مشیر بھی مقرر نہ کیے ہوں۔ بِطَانَۃٌ تَاْمُرُہٗ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْہَاہُ عَنِ الْمُنْکَرِ ایک باطنی مشیر اُسے نیکی کرنے اور برائی سے رُک جانے کا مشورہ دیتا ہے جب کہ دوسرا مشیر لَا تَاْلُوْہُ خَبَالًا اُسے برائی کی طرف ہی آمادہ کرتا ہے۔ فرمایا، وَمَنْ یُّوْقَ بِطَانَۃَ السُّوْٓءِ فَقَدْ وُقِیَ جس شخص کو بُرے مشیر سے بچا لیا گیا، حقیقت میں اُسے شر سے نجات مل گئی۔ گویا اچھا مشیر ملنا بھی غنیمت ہے اور ہلاکت سے بچ جانے کا ایک ذریعہ ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا یہ فرمان تو نبی یا اس کے خلیفہ کے متعلق ہے کہ اچھے مشیر کا مل جانا باعثِ نجات ہے، مگر آپ نے بات ابوالہیثم کو سمجھائی جو نہ تو خود نبی تھے اور نہ نبی کے خلیفہ تھے۔ محدثین کرام فرماتے ہیں کہ بلا شبہ ابوالہیثم خلیفہ تو نہیں تھے مگر ان کو علی سبیل تمثیل خلیفہ کہا گیا ہے اور انکی بیوی کو بہترین مشیر کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جس نے اپنے خاوند کو غلام کی آزادی کا بہترین مشورہ دیا۔ اس لحاظ سے اور ان معانی میں ابوالہیثم خلیفہ ہیں اور ان کی بیوی ایک اچھا مشیر ہیں جس کے متعلق حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا کہ جو بُرے مشیر سے بچا لیا گیا یعنی جس کو مشیر اچھا مل گیا، وہ برائی سے بچ گیا۔

حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ اِسْمٰعِيْلَ بْنِ مُجَالِدِ بْنِ سَعِيْدٍ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ عَنْ بَيَانٍ حَدَّثَنِيْ قَيْسُ بْنُ حَازِمٍ قَالَ سَمِعْتُ سَعْدَ ابْنَ اَبِيْ وَقَّاصٍ يَقُوْلُ اِنِّيْ لَاَوَّلُ رَجُلٍ اَهْرَاقَ دَمًا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَاِنِّيْ لَاَوَّلُ رَجُلٍ رَمٰى بِسَهْمٍ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ لَقَدْ رَاَيْتُنِيْ اَغْزُوْ فِي الْعِصَابَةِ مِنْ اَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا نَاْكُلُ اِلَّا وَرَقَ الشَّجَرِ وَالْحُبْلَةِ حَتّٰى تَقَرَّحَتْ اَشْدَاقُنَا حَتّٰى اِنَّ اَحَدَنَا لَيَضَعُ كَمَا تَضَعُ الشَّاةُ وَالْبَعِيْرُ وَاَصْبَحَتْ بَنُوْ اَسَدٍ يُعَزِّرُوْنَنِيْ فِي الدِّيْنِ لَقَدْ خِبْتُ اِذًا وَضَلَّ عَمَلِيْ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۹۸)

ترجمہ:۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے یہ حدیث عمر بن اسمٰعیل بن مجالد بن سعید نے بیان کی وہ کہتے ہیں میرے سامنے یہ روایت میرے باپ نے بیان کے واسطہ سے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے سامنے اسے قیس بن حازم نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ میں نے سعد بن ابی وقاصؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں پہلا شخص ہوں (اس اعزاز میں)، جس نے اللہ کے راستے میں (کافر کا) خون بہایا۔ اور میں ہی وہ پہلا شخص ہوں جس نے اللہ کی راہ میں تیر پھینکا۔ میں نے خود کو دیکھا کہ میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے صحابہؓ کی ایک جماعت[۱] میں شامل ہو کر جہاد کر رہا تھا۔ اس زمانے میں ہمارے پاس کھانے پینے کی کوئی

[۱] عصابہ دس سے چالیس تک کی جماعت کو کہتے ہیں۔ (فیاض)

چیز نہ ہوتی تھی۔ ہم درختوں کے پتے اور کیکر کی پھلیاں کھا کر
گزر اوقات کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ہمارے منہ کی باچھیں
زخمی ہو جاتی تھیں پھر ہم میں سے جو شخص قضائے حاجت
کرتا وہ بکریوں اور اونٹوں کی طرح مینگنیاں کرتا۔ اس کے باوجود
بنو اسد کے لوگ دین کے معاملہ میں مجھے ملامت کرتے ہیں۔
اگر ایسا ہی ہے تو میں ناکام ہو گیا اور میرے اعمال بھی ضائع ہو گئے۔

تشریح یہ روایت مشہور صحابی رسول حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ سے منقول ہے جو کہ فاتح ایران اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: اِنِّیْ لَاَوَّلُ رَجُلٍ اَھْرَاقَ دَمًا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ میں پہلا شخص ہوں جس نے اللہ کے راستے میں خون بہایا یعنی اسلام لانے کے بعد تمام مسلمانوں میں میں نے سب سے پہلے کسی کافر کا خون بہایا۔ یہ مکی زندگی کا واقعہ ہے جب کہ مسلمانوں کی تعداد بالکل قلیل تھی اور کفار مکہ انھیں بیت اللہ شریف میں نماز بھی نہیں پڑھنے دیتے تھے۔ چنانچہ مکہ کے چند گنے چنے اہل ایمان کبھی دارِ ارقم میں نماز باجماعت کر لیتے اور کبھی کسی گھاٹی یا درّے میں چھپ کر یہ فریضہ ادا کرتے۔ ایک موقع پر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام مکے کے قریب کسی پہاڑی درّے میں صحابہؓ کے ساتھ نماز ادا کر رہے تھے کہ مشرکین کو اس جگہ کا علم ہو گیا اور وہ مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے موقع پر آ گئے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ان کے ارادے بھانپ گئے اور بیشتر اس کے کہ وہ کسی اہلِ ایمان کو نقصان پہنچائے حضرت سعدؓ نے وہاں پڑی ہوئی اونٹ کے جبڑے کی ہڈی اٹھا کر ایک کافر کو دے ماری جس سے اس کا خون جاری ہو گیا۔ مسلمانوں کی طرف سے کافروں کا خون بہانے کا یہ سب سے پہلا واقعہ تھا جس کی طرف حضرت سعدؓ نے اس روایت میں اشارہ کیا ہے۔

حضرت سعدؓ مزید بیان کرتے ہیں وَاِنِّیْ لَاَوَّلُ رَجُلٍ رَمٰی بِسَھْمٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ میں وہ اوّلین آدمی ہوں جس نے اللہ کے راستے میں سب

سے پہلے تیر چلایا۔ یہ شرف بھی حضرت سعدؓ کو حاصل ہوا کہ انھوں نے اسلام اور کفر کی جنگ میں سب سے پہلے کفار پر تیر اندازی کی۔ ہجرتِ مدینہ کے چند ماہ بعد ۱ھ میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ایک لشکر حضرت عبیدہ بن حارثؓ کی سرکردگی میں کفار سے مقابلہ کے لیے سمندر کے کنارے رابغ کے مقام میں مقابلہ پر بھیجا تھا۔ اس جنگ میں دونوں طرف سے تیر اندازی کی گئی تاہم مسلمانوں کی طرف سے سب سے پہلے حضرت سعدؓ نے تیر چلایا۔

اسلام کے ابتدائی دور کی حالت بیان کرتے ہوئے حضرت سعدؓ کہتے ہیں مَا نَاْكُلُ اِلَّا وَرَقَ الشَّجَرِ وَ الْحُبْلَةِ کہ ہم درختوں کے پتے اور ان کے پھل (کیکر کی پھلیاں) کھا کر گزارہ کرتے تھے۔ حَتّٰی تَقَرَّحَتْ اَشْدَاقُنَا یہاں تک کہ ہمارے جبڑے زخمی ہو جاتے تھے۔ اس قسم کی خوراک کھانے کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ جب ہم رفع حاجت کرتے تھے تو وہ ایسی ہوتی تھی کَمَا تَضَعُ الشَّاةُ وَالْبَعِيْرُ جیسے بکریوں اور اونٹوں کی مینگنیاں ہوتی ہیں۔ یہ سریہ خبط کی طرف اشارہ ہے جو ۵ھ یا رجب ۸ھ میں پیش آیا۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے تین سو مجاہدین کا لشکر حضرت ابو عبیدۃ[1] بن الجراحؓ کی سرکردگی میں قبیلہ جہینہ کے مقابلہ کے لیے بھیجا جو سمندر کے کنارے مدینہ سے پانچ روز کی مسافت پر آباد تھے جب صحابہ کے ہاں موجود راشن ختم ہو گیا تو انھوں نے درختوں کے پتے اور کیکر کی پھلیاں کھا کر گزارہ کیا۔ حضرت سعدؓ کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ ہم لوگ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے زمانہ میں ایسے حالات سے بھی گزرے ہیں کہ جنگ کے لیے گئے ہیں مگر راشن ختم ہو گیا

---

[1] آپکا نام عامر بن عبداللہ بن الجراح ہے حضورؐ نے آپکو امین الامت کا لقب عطا فرمایا حبشہ اور مدینہ کی طرف ہجرت کی تمام غزوات میں شریک رہے غزوۂ بدر میں اپنے باپ کو جو کہ کافر تھا قتل کیا البتہ آپکی والدہ امیمہ بنت غنم بن جابرؓ ایمان لائیں۔ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں فتوحات شام میں قیادت جہاد کے دوران ۱۸ھ میں مرض طاعون سے شہید ہوئے جو کہ طاعون عمواس کے نام سے تاریخ میں مشہور ہے آپ کا مدفن موجودہ اُردن میں ہے۔ (فیاض)

ہے اور جانوروں کی طرح درختوں کے پتے وغیرہ جھاڑ جھاڑ کر کھاتے رہے ہیں۔
حضرت سعدؓ قدیم الاسلام صحابی ہیں جو عالمِ جوانی میں چھٹے یا ساتویں نمبر پر اسلام کی دولت سے مشرف ہوئے۔ آپ نے اسلام کی خاطر کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ عمر بھی لمبی پائی اور ۵۵ھ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ بدری صحابہؓ میں سب سے آخر میں فوت ہوئے۔ اِن کا تعلق حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی والدہ کے خاندان کے ساتھ تھا (یعنی حضرت سعدؓ کے والد ابو وقاص مالک بن وہیب یا اہیب آپؐ کی والدہ آمنہ بنت وہب کے چچا زاد بھائی تھے۔ (فیاض۔))

حضرت سعدؓ کی طرف سے ان واقعات کو بیان کرنے کا پس منظر یہ تھا کہ جب یہ کوفہ میں گورنر تھے تو بعض لوگوں نے ذاتی عناد کی بنا پر امیر المؤمنین حضرت عمرؓ کے پاس شکایت کی کہ آپ کا مقرر کردہ گورنر تو نماز بھی صحیح طریقے سے نہیں پڑھا سکتا۔ حضرت عمرؓ نے تحقیق کی جس کے جواب میں حضرت سعدؓ نے اپنی خدمات اور تکالیف برداشت کرنے کا ذکر کیا، اور کہا کہ یہ لوگ مجھے بدنام کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ مَیں تو بالکل اُسی طرح نماز ادا کرتا ہوں جس طرح مَیں نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے پیچھے نمازیں پڑھی تھیں۔ چنانچہ امیر المؤمنینؓ نے شکایت کنندگان کی شکایت کو غلط قرار دیا۔

بہرحال حضرت سعدؓ نے بنواسد کے لوگوں کی شکایات کے متعلق کہا وَاَصْبَحَتْ بَنُوْ اَسَدٍ یُعَزِّرُوْنَنِیْ فِی الدِّیْنِ اگر بنواسد کی شکایات درست ہیں اور وہ دین کے معاملہ میں مجھے بجا طور پر ملامت کرتے ہیں کہ مَیں نماز بھی صحیح طریقے سے ادا نہیں کرتا، لَقَدْ خِبْتُ اِذًا وَضَلَّ عَمَلِیْ پھر تو مَیں سخت نقصان میں رہا اور میرے سارے عمل ہی ضائع ہو گئے۔ اُن کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ جس شخص نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی معیت میں ایک عرصہ گزارا ہو آپ کے پیچھے نمازیں پڑھی ہوں، کفار کے ساتھ جہاد کیے ہوں، بڑی بڑی تکالیف برداشت کی ہوں، فاقہ کی زندگی بسر کی ہو، بھلا وہ دین کے معاملہ میں ناواقف کیسے ہو سکتا ہے۔ ان لوگوں

کی شکایات فضول ہیں ۔

امام ترمذیؒ نے یہ حدیث حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے گزرانِ اوقات کے باب میں بیان کی ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کے زمانہ مبارکہ میں خود آپ، آپ کے اہلِ خانہ اور صحابہ کرامؓ کس قدر عسرت کی زندگی بسر کرتے تھے تاہم اس میں بعض دیگر حقائق بھی سامنے آ گئے ہیں ۔ اگلی روایت میں مزید تفصیلات آ رہی ہیں ۔

باب - ۵۲

شمائل ترمذی

حدیث - ٦

درس - ۵۳

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا صَفْوَانُ بْنُ عِيْسٰی[1] حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عِيْسٰی اَبُوْ نَعَامَةَ الْعَدَوِيُّ قَالَ سَمِعْتُ خَالِدَ بْنَ عُمَيْرٍ وَشُوَيْسًا اَبَا الرُّقَادِ قَالَا بَعَثَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عُتْبَةَ بْنَ غَزْوَانَ وَقَالَ انْطَلِقْ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ حَتّٰی اِذَا كُنْتُمْ فِيْ اَقْصٰی اَرْضِ الْعَرَبِ وَاَدْنٰی بِلَادِ اَرْضِ الْعَجَمِ فَاَقْبَلُوْا حَتّٰی اِذَا كَانُوْا بِالْمِرْبَدِ وَجَدُوْا هٰذَا الْكَذَّانَ فَقَالُوْا مَا هٰذِهٖ قَالَ هٰذِهِ الْبَصْرَةُ فَسَارُوْا حَتّٰی بَلَغُوْا حِيَالَ الْجِسْرِ الصَّغِيْرِ فَقَالُوْا هٰهُنَا اُمِرْتُمْ فَنَزَلُوْا فَذَكَرُوا الْحَدِيْثَ بِطُوْلِهٖ قَالَ فَقَالَ عُتْبَةُ بْنُ غَزْوَانَ لَقَدْ رَاَيْتُنِيْ وَاِنِّيْ لَسَابِعُ سَبْعَةٍ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لَنَا طَعَامٌ اِلَّا وَرَقَ الشَّجَرِ حَتّٰی تَقَرَّحَتْ اَشْدَاقُنَا فَالْتَقَطْتُّ بُرْدَةً فَقَسَمْتُهَا بَيْنِيْ وَبَيْنَ سَعْدٍ فَمَا مِنَّا مِنْ اُولٰٓئِكَ السَّبْعَةِ اَحَدٌ اِلَّا وَهُوَ اَمِيْرُ مِصْرٍ مِّنَ الْاَمْصَارِ وَسَتُجَرِّبُوْنَ الْاُمَرَآءَ بَعْدَنَا۔

(ترمذی مع شمائل صـ۵۹۸)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث محمد بن بشار نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس صفوان[1] بن عیسیٰ نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے یہ روایت عمرو بن عیسیٰ ابو نعامہ عدوی نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے خالد

---

[1] الزہری القسام البصری المتوفی سنہ ۲۰۰ھ (فیاض)

بن عمیر اور شویس ابوالرقاد کو یہ کہتے ہوئے سُنا۔ وہ دونوں کہتے تھے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطابؓ نے عتبہ[1] بن غزوان کو حکم دیا کہ تم اپنے ساتھیوں سمیت کوچ کر جاؤ یہاں تک کہ تم سرزمینِ عرب کے آخر میں ملکِ عجم کے آغاز والے مقام پر پہنچ جاؤ۔ پس وہ چلتے رہے حتیٰ کہ جب وہ مربد کے مقام پر پہنچے تو انھوں نے وہاں پر کذان (سفید پتھر) دیکھے۔ پس انھوں نے لوگوں سے پوچھا، یہ کیا ہے؟ انھوں نے بتلایا کہ یہ سفید پتھر ہیں۔ پھر وہ اور آگے چل دیئے حتیٰ کہ وہ نہر کے ایک چھوٹے پُل پر پہنچے تو کہنے لگے کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں پہنچنے کا تمھیں حکم دیا گیا ہے پس وہ وہیں اُتر پڑے۔ پھر راوی نے مفصل واقعہ بیان کیا۔ کہتے ہیں کہ پھر عتبہ بن غزوان نے یوں بیان کیا کہ میں نے اپنے آپ کو اس حالت میں دیکھا کہ میں ان سات آدمیوں میں سے ایک ہوں جو اس وقت حضور علیہ السّلام کے ساتھ تھے۔ ہمارے پاس کھانے کے لیے کوئی چیز نہیں تھی سوائے درختوں کے پتوں کے (جن کو کھانے سے) ہمارے جبڑے زخمی ہو گئے۔ (اسی دوران میں) میں نے ایک جگہ گری پڑی چادر پائی جسے میں نے اپنے اور حضرت سعدؓ کے درمیان تقسیم کر لیا۔ مگر آج ان سات آدمیوں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو کسی نہ کسی صوبے کا گورنر نہ ہو۔ (آج تو تم ہم پہ اعتراض کرتے ہو) مگر عنقریب تم ہمارے بعد آنے والے حکام کا تجربہ کرو گے (تو تمھیں ہماری قدر معلوم ہوگی)۔"

---

[1] ابو عبداللہ صحابی جلیل مہاجر بدری انھوں نے ہی شہر بصرہ کو آباد کیا تھا۔ المتوفی ۱۵ھ بعمر ۵۷ برس۔ (فیاض)

تشریح اس حدیث میں امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضؓ کے دورِ خلافت کا ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ اس حدیث کے راوی عتبہ بن غزوان رضؓ عظیم المرتبت صحابی ہیں آج کل کی اصطلاح میں کہہ سکتے ہیں کہ پیشہ کے لحاظ سے آپ انجینیئر تھے۔ حضرت عمر رضؓ کے زمانے میں جب اسلامی سرحدیں دُور دُور تک پھیل گئیں تو نئے نئے شہر آباد کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی چنانچہ حضرت عمر رضؓ نے عتبہ بن غزوان رضؓ کو کچھ مزید ساتھی دے کر شہر بصرہ کی آبادی کا منصوبہ تیار کرنے کے لیے بھیجا اور ساتھ نشاندہی بھی کر دی کہ جہاں پر عرب کی سرزمین ختم ہوتی ہے اور عجم کا علاقہ شروع ہوتا ہے اُس سنگم پر نیا شہر آباد کرنا مقصود ہے امیر المؤمنین رضؓ نے اس مقام کی کچھ اور نشانیاں بھی بتلائیں۔

حسب الحکم یہ قافلہ چل دیا یہاں تک کہ جب وہ مِربَد کے مقام پر پہنچے تو انھوں نے وہاں پر وَجَدُوْا ھٰذَا الْکَذَّانَ سفید پتھر پائے جو قدرے بھر بھرے بھی ہوتے ہیں۔ یہ مربد کا وہ مقام تھا جہاں پر جانور یا اناج جمع کیا جاتا ہے یہاں پہنچ کر انھوں نے مقامی لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ سفید سفید کیا چیز ہے ؟ تو لوگوں نے بتلایا ھٰذِہِ الْبَصْرَۃُ یہ بصرہ یعنی سفید رنگ کے پتھر ہیں۔ پھر جب یہ شہر آباد ہو گیا تو اس کا نام بھی سفید پتھروں والے علاقہ کی نسبت سے بصرہ ہی مشہور ہو گیا۔

شہر کی آبادی پر مامور یہ قافلہ سمجھ گیا کہ امیر المؤمنین رضؓ کی بتلائی ہوئی نشانیوں کے مطابق یہی وہ علاقہ ہے، جہاں ہمیں شہر آباد کرنا ہے۔ پھر وہ کچھ مزید آگے چلے حَتّٰی بَلَغُوْا حِبَالَ الْجِسْرِ الصَّغِیْرِ یہاں تک کہ وہ نہر دجلہ کے چھوٹے پل پر پہنچ گئے۔ ان کو یقین ہو گیا کہ انھیں امیر المؤمنین کی بتلائی نشانیوں کے مطابق یہیں سے اپنے کام کا آغاز کرنا ہے۔ فَنَزَلُوْا لہٰذا انھوں نے وہیں پڑاؤ ڈال دیا، اور پھر اپنے کام کی منصوبہ بندی شروع کر دی۔ آگے راوی نے اس منصوبے سے متعلق لمبی حدیث بیان کی۔ آگے عتبہ بن غزوان رضؓ کہتے ہیں کہ مَیں اُن سات آدمیوں میں سے ایک ہوں جو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ہم سفر تھے۔ کہتے ہیں کہ اُس زمانے میں ہماری یہ حالت تھی کہ درختوں کے پتوں کے سوا ہمارے پاس کھانے کے لیے کوئی چیز نہیں تھی۔ جب ہم

جانوروں کی طرح پتے کھانے پر مجبور ہو گئے۔ تَقَرَّحَتْ اَشْدَاقُنَا تو ہماری باچھیں چھل گئیں۔ انسانی خوراک کی نایابی کے علاوہ ہمارے جسموں پر کپڑے بھی پورے نہیں تھے بلکہ پھٹے پُرانے کپڑوں سے گزارہ کرتے تھے۔ اسی دوران میں مجھے کہیں سے گری پڑی ایک چادر مل گئی۔ لُقطہ کھوئی ہوئی گری پڑی چیز کو کہتے ہیں۔ اور اگر کوئی انسان کھو جائے تو اسے لقیط اور اگر کوئی جانور گمشدہ ہو تو ضالّہ کہلاتا ہے۔ بہرحال حضرت عتبہ بن غزوانؓ کہتے ہیں کہ ہم نے اُس معمولی چادر کو ہی غنیمت سمجھا۔ ظاہر ہے کہ ایک چادر ایک آدمی ہی استعمال کر سکتا تھا مگر ہمارے ساتھیوں کے پاس کپڑے بھی پورے نہیں تھے لہٰذا فَقَسَمْتُهَا بَيْنِي وَبَيْنَ سَعْدٍ میں نے اس چادر کے دو حصّے کیے، ایک حصّہ خود پہن لیا اور دوسرا ٹکڑا حضرت سعدؓ کو پیش کر دیا۔

آگے حضرت عتبہؓ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے دور اور حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت کا تقابل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اُس وقت تو ہماری یہ حالت تھی، مگر آج مسلمان اس قدر آسودہ حال ہو چکے ہیں ہم کو اُس تنگی کے زمانے کا یہ واقعہ یاد ہے۔ فَمَا مِنَّا مِنْ أُولَئِكَ السَّبْعَةِ أَحَدٌ إِلَّا وَهُوَ أَمِيرُ مِصْرٍ مِّنَ الْأَمْصَارِ کہ اُن سات مذکورہ افراد میں سے ہر ایک کسی نہ کسی صوبے کا گورنر ہے۔ اُن کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ ہم نے تو تنگی کا زمانہ بھی دیکھا ہے اور عوام النّاس کی تنگی اور انکی ضروریات کا خیال بھی ہے مگر سَتُجَرِّبُونَ الْأُمَرَاءَ بَعْدَنَا مگر ہمارے بعد ایسے امیر آئیں گے جنھوں نے اسلام کا ابتدائی دَور نہیں دیکھا لہٰذا اُنھیں موجودہ فراوانی کی قدر نہیں ہو گی پھر تم اُن کا سلوک دیکھ کر ہمیں یاد کرو گے، کیونکہ تمھارے ساتھ ان کا سلوک لازماً ہم سے بہتر نہ ہو گا۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ اَسْلَمَ اَبُوْحَاتِمٍ الْبَصْرِیُّ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَۃَ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَقَدْ اُخِفْتُ فِی اللّٰہِ وَمَا یُخَافُ اَحَدٌ وَلَقَدْ اُوْذِیْتُ فِی اللّٰہِ وَمَا یُؤْذٰی اَحَدٌ وَلَقَدْ اَتَتْ عَلَیَّ ثَلَاثُوْنَ مِنْ بَیْنِ لَیْلَۃٍ وَیَوْمٍ وَمَا لِیْ وَلِبِلَالٍ طَعَامٌ یَاْکُلُہٗ ذُوْکَبِدٍ اِلَّا شَیْءٌ یُوَارِیْہِ اِبِطُ بِلَالٍ ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۹۸)

ترجمہ: " امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے اسے روح بن اسلم ابوحاتم بصری نے بیان کیا ۔ وہ کہتے ہیں ہمارے سامنے اسے حماد بن سلمۃ نے بیان کیا اور انھوں نے یہ روایت حضرت ثابت سے اور اُنھوں نے صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کی ۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ کے راستے میں اس وقت خوفزدہ کیا گیا ہوں جس وقت کوئی بھی دوسرا شخص خوفزدہ نہیں کیا جاتا تھا (یعنی حرم شریف میں) اور مجھے اللہ کی خاطر اس وقت ایذا پہنچائی گئی ہے جس وقت کسی بھی دوسرے شخص کو تکلیف نہیں پہنچائی جاتی تھی ۔ اور مجھ پر تیس شب و روز ایسے گزرے ہیں جبکہ میرے اور بلالؓ کے لیے کوئی کھانے والی چیز نہیں تھی جسے کوئی زندہ مخلوق کھا سکتی سوائے اس چیز کے جو بلالؓ کی بغل میں رکھی ہوئی تھی ۔"

تشریح اس حدیث کے راوی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے خادم خاص حضرت انس بن مالکؓ ہیں جنھوں نے خود حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا اپنا ارشاد نقل کیا ہے کہ انھوں نے اپنی زندگی میں کس قدر مصائب برداشت کیے اور انھیں کس قدر فاقے برداشت کرنا پڑے آپ کا ارشاد مبارک ہے لَقَدْ اُخِفْتُ فِی اللّٰہِ وَمَا یُخَافُ اَحَدٌ مجھے اللہ کے راستہ میں یعنی تبلیغ دین کی پاداش میں اس قدر خوفزدہ کیا گیا ہے کہ جس وقت کوئی بھی دوسری شخصیّت اتنی خوفزدہ نہیں کی گئی۔ وَلَقَدْ اُوْذِیْتُ فِی اللّٰہِ وَمَا یُؤْذٰی اَحَدٌ اور مجھے ایسے وقت میں تکلیف پہنچائی گئی ہے جس وقت کسی دوسرے شخص کو تکلیف نہیں پہنچائی جاتی تھی۔

اس روایت میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ہجرت سے پہلے مکّی زندگی کی عسرت و ایذا رسانی کا تذکرہ فرمایا ہے جب کہ کفار و مشرکین نے آپ کا اور اسلام قبول کرنے والے گنے چُنے افراد کا جینا محال کر رکھا تھا۔ اس زمانے میں آپ کو اور آپ کے رفقاء کو بے حد تکالیف دی گئیں اور ڈرایا دھمکایا گیا۔

بیت اللہ شریف کا احترام خود مشرکین مکّہ بھی کرتے تھے اور جو شخص حرم شریف کی حدود میں داخل ہو جاتا تھا وہ اگر کسی کے باپ کا قاتل بھی ہوتا تو اس کو وہاں پر کچھ نہ کہتے جب تک کہ وہ حرم کی حدود سے باہر نہ آجاتا۔ اسی طرح سال بھر میں چار مہینے رجب، ذلقعدہ، ذی الحجہ، محرم مشرکوں کے لیے بھی محترم تھے اور وہ ان ایّام میں نہ کسی سے لڑائی جھگڑا کرتے تھے اور نہ لوٹ مار کرتے تھے، لہٰذا تجارتی قافلے ان چار ماہ میں بلا روک ٹوک اور بلا خوف وخطر سفر کر سکتے تھے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا ارشاد ہے کہ مشرکین مجھے ان محترم مہینوں اور حرم بیت اللہ میں بھی چین سے نہ بیٹھنے دیتے بلکہ خود اپنے عقیدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مجھے محترم مقام اور محترم ایام میں بھی خوفزدہ کرنے اور ایذا پہنچانے سے دریغ نہ کرتے۔

آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا وَلَقَدْ اَتَتْ عَلَیَّ ثَلَاثُوْنَ مِنْ بَیْنِ لَیْلَۃٍ وَّیَوْمٍ مجھ پر تیس دن رات ایسے گزرے ہیں کہ میرے اور بلالؓ کے کھانے کے لیے

کوئی چیز نہ تھی سوائے تھوڑی سی مقدار کے جو حضرت بلالؓ نے اپنی بغل میں چھپا رکھی تھی
تیس دن رات کا مطلب یہ ہے کہ کل پندرہ شب و روز تک حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام
اور آپ کے ہم سفر حضرت بلالؓ کے پاس کھانے کی معمولی سی مقدار تھی جو اُن کو کسی طرح
بھی کفایت نہیں کر سکتی تھی مگر انھوں نے دو ہفتے کا یہ عرصہ نہایت بھوک و پیاس کے
ساتھ بسر کیا۔

محدثین اس مقام کے متعلق بحث کرتے ہیں جہاں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اور حضرت
بلالؓ کو بھوک پیاس کی یہ تکلیف برداشت کرنا پڑی۔ ظاہر ہے یہ کسی سفر کے دوران کا واقعہ
ہے جس سفر میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ہمراہ حضرت بلالؓ کے علاوہ کوئی نہ تھا آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ آپ شہر مکہ کے علاوہ تبلیغ دین کے لیے دوسرے شہروں
اور میلے منڈیوں میں بھی چلے جاتے تھے جہاں آپ کے ہمراہ ایک آدھ ساتھی بھی ہوتا تھا۔
آپ نے اسی سلسلہ میں طائف کا سفر بھی اختیار کیا جہاں آپ کو بہت ایذا پہنچائی گئی،
حتیٰ کہ آپ کا جسم لہولہان ہوگیا، مگر اُس سفر میں آپ کے ساتھ بلالؓ نہیں بلکہ زیدؓ تھے
یہ واقعہ ہجرت کے سفر کا بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ اُس سفر میں آپ کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ اور
عامر بن فہیرہؓ تھے۔ لہٰذا یہ کسی دوسرے سفر کا واقعہ ہے جس میں آپ کے ساتھ حضرت بلالؓ
تھے جنھوں نے خوراک کے لیے تھوڑا سا راشن لے لیا۔ کھجوریں وغیرہ ہوں گی جو صرف اتنی
مقدار میں تھیں کہ کسی تھیلے وغیرہ میں ڈال کر بغل میں رکھ لیں۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام فرماتے
ہیں کہ خوراک کی اس معمولی سی مقدار پر ہمیں پندرہ دن کا عرصہ گزارنا پڑا جو کہ نہایت ہی تکلیف دہ
عرصہ تھا۔ اس روایت سے بھی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے گزران کا حال معلوم ہوتا ہے۔

درس - ۵۳　　　　　　حدیث - ۸

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنْبَأَنَا عَفَّانُ بْنُ مُسْلِمٍ حَدَّثَنَا اَبَانُ بْنُ يَزِيْدَ الْعَطَّارُ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَجْتَمِعْ عِنْدَهٗ غَدَاءٌ وَلَا عَشَاءٌ مِّنْ خُبْزٍ وَّلَحْمٍ اِلَّا عَلٰى ضَفَفٍ قَالَ عَبْدُ اللّٰہِ قَالَ بَعْضُهُمْ هُوَ كَثْرَةُ الْاَيْدِیْ ۔　　(ترمذی مع شمائل ص۵۹۹)

ترجمہ:" امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے یہ حدیث عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی خبر عفان بن مسلم نے دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے ابان بن یزید عطار نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت قتادۃ نے حضرت انس بن مالکؓ کے حوالہ سے بیان کی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صبح یا شام (دو وقت) کے کھانے میں کبھی گوشت اور روٹی اکٹھی نہیں ہوئیں سوائے ضفف کے۔ راوی عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ بعض نے ضفف سے کئی آدمیوں کا مل کر کھانا مراد لیا ہے۔"

تشریح اسی مضمون کی روایت پہلے باب - ۹ کی حدیث - ۲ پر بھی گزر چکی ہے جب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام گھر میں اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ کھانا کھاتے تھے آپ کے صبح یا شام کے کھانے کے دسترخوان پر کبھی گوشت اور روٹی جمع نہیں ہوتے تھے مطلب یہ ہے کہ اشیائے خورد و نوش کی اس قدر قلت تھی کہ بیک وقت گوشت روٹی شاذ و نادر ہی نصیب ہوتی تھی۔ البتہ اگر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کسی مہمان نوازی کرتے، کسی بیرونی وفد کو کھانا کھلاتے تو اس وقت کھانے میں گوشت اور روٹی

بیک وقت جمع ہونا ممکن تھا اور مہمانوں کے ساتھ آپ بھی کھانا تناول فرما لیتے تھے یا اگر کسی دوسرے صحابی نے آپ کی دعوت کی ہے تو اس میں بھی گوشت اور روٹی بیک وقت دستر خوان پر موجود ہو سکتی تھی جسے سب آدمی مل کر کھاتے تھے۔ اس حدیث کے راوی عبداللہ کہتے ہیں کہ بعض نے ضفف سے مراد زیادہ ہاتھوں کا اکٹھا کھانا کھانا لیا ہے مطلب یہی ہے کہ اگر کسی دعوت میں بہت سے آدمی اکٹھا کھانا تناول فرماتے تھے تو اس وقت حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام بھی اگر ممکن ہوتا تو گوشت اور روٹی بیک وقت تناول فرما لیتے، ورنہ عام حالات میں آپکے دستر خوان پر کبھی یہ دونوں چیزیں بیک وقت اکٹھی نہیں ہُوئیں۔ یہ روایت بھی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے گزران پر روشنی ڈالتی ہے۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمٰعِيلَ بْنِ أَبِي فُدَيْكٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ عَنْ مُسْلِمِ بْنِ جُنْدُبٍ عَنْ نَوْفَلِ بْنِ إِيَاسٍ الْهُذَلِيِّ قَالَ كَانَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ لَنَا جَلِيسًا وَكَانَ نِعْمَ الْجَلِيسُ إِنَّهُ انْقَلَبَ بِنَا ذَاتَ يَوْمٍ حَتَّى إِذَا دَخَلْنَا بَيْتَهُ وَدَخَلَ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ خَرَجَ وَأُوتِينَا بِصَحْفَةٍ فِيهَا خُبْزٌ وَّلَحْمٌ فَلَمَّا وُضِعَتْ بَكَى عَبْدُ الرَّحْمٰنِ فَقُلْتُ لَهُ يَا أَبَا مُحَمَّدٍ مَا يُبْكِيكَ قَالَ هَلَكَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَشْبَعْ هُوَ وَأَهْلُ بَيْتِهِ مِنْ خُبْزِ الشَّعِيرِ فَلَا أُرَانَا أُخِّرْنَا لِمَا هُوَ خَيْرٌ لَّنَا۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۹۹)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے یہ حدیث عبد بن حمید نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے محمد بن اسمٰعیل بن ابی فدیک نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے یہ روایت ابن ابی ذئب نے مسلم[1] بن جندب کے حوالے سے بیان کی اور انھوں نے اسے نوفل بن ایاس ہذلیؒ سے نقل کیا وہ کہتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ ہمارے ہم نشین تھے اور بہترین ہم نشین تھے۔ ایک روز وہ ہمیں ساتھ لے کر واپس اپنے گھر لوٹے یہاں تک کہ جب ہم ان کے گھر میں داخل ہوئے تو انھوں نے پہلے غسل کیا پھر وہ باہر آئے اور ہمارے پاس ایک بڑا پیالہ لے آئے جس میں گوشت اور روٹی تھی۔ جب

---

[1] القاضی المدنی الھذلی المتوفی سنہ ۱۶۰ھ (فیاض)

انھوں نے وہ پیالہ ہمارے سامنے رکھا تو آبدیدہ ہوگئے اور رونے لگے۔ میں نے کہا، اے ابومحمد! اس وقت آپ کے رونے کی کیا وجہ ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی وفات تک آپ کو اور آپ کے اہلِ خانہ کو کبھی پیٹ بھر کر جَو کی روٹی بھی نصیب نہیں ہُوئی۔ میں نہیں خیال کرتا کہ ہماری یہ آسودہ حالی کسی بہتری کے لیے ہو۔"

تشریح حضرت عبدالرحمٰن[1] بن عوفؓ مشہور صحابی رسول اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ انکے متعلق حضرت نوفل بن ایاسؓ کا بیان ہے کہ وہ ہمارے بہترین ہم نشین اور بہترین ساتھی تھے۔ ہماری نشست و برخاست بالعموم اکٹھا ہوتا تھا۔ کہتے ہیں کہ ایک موقع پر ہمیں اپنے ہمراہ اپنے گھر لے گئے اِذَا دَخَلْنَا بَیْتَہٗ جب ہم لوگ اُن کے ہمراہ اُن کے گھر میں داخل ہوئے۔ فَاغْتَسَلَ تو سب سے پہلے عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے غسل کیا۔ پھر باہر آئے وَاُوْتِیْنَا بِصَحْفَۃٍ فِیْھَا خُبْزٌ وَّلَحْمٌ پھر وہ ہمارے پاس ایک بڑا پیالہ[2] لے آئے جس میں روٹی اور گوشت تھا۔ عربوں میں یہ بڑا پسندیدہ کھانا تھا کہ گوشت پکاتے اور اُس کے شوربے میں روٹی کے ٹکڑے بھگو دیتے جو کچھ دیر بعد خستہ ہو جاتے۔ عرب اس کو ثرید کا نام دیتے تھے اور بڑے شوق سے یہ لذیذ کھانا کھاتے تھے۔

بہر حال حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ ہمارے سامنے کھانا رکھ کر رونے لگے۔ اس حدیث

---

[1] آپ قریش کی شاخ بنو زہرہ سے تعلق رکھتے تھے ابوبکرؓ کی دعوت پر تیرھویں نمبر پر اسلام لائے حبشہ کی طرف دو اور مدینہ کی ہجرتیں کی۔ مدینہ میں آکر گھی اور پنیر کا کاروبار شروع کیا اللہ تعالیٰ نے برکت عطا فرمائی۔ نہایت سخی آدمی تھے تمام غزوات میں شریک رہے حضورؐ نے آپکو دومۃ الجندل کیطرف روانہ کردہ دستے کا امیر بنایا تھا اور خود اپنے ہاتھ مبارک سے عمامہ باندھا تھا غزوہ تبوک سے واپسی پر آپکی اقتدا میں نماز فجر بھی حضورؐ نے ادا فرمائی۔ آپکی وفات ۳۲ھ میں ہُوئی اور نماز جنازہ حضرت عثمانؓ نے پڑھائی اور انھیں جنت البقیع میں دفن کیا گیا [2] علامہ زمخشریؒ فرماتے کہ صحفہ مستطیل شکل کا ایک پیالہ ہوتا ہے۔ (فیاض)

کے راوی نوفل بن ایاس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا مَا یُبْکِیْکَ آپ کے رونے کی وجہ کیا ہے۔ آپ نے ہماری مہمان نوازی کی ہے اور حسبِ توفیق اچھا کھانا پیش کیا مگر اس موقع پر ہم رونے کی وجہ جاننے سے قاصر ہیں۔ آپ کا جواب یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساری زندگی خود اور آپ کے اہلِ خانہ نے لَمْ یَشْبَعْ مِنْ خُبْزِ الشَّعِیْرِ کبھی پیٹ بھر کر جَو کی روٹی تک بھی نہیں کھائی، چہ جائیکہ آج ہمیں طرح طرح کی نعمتیں اور قسم قسم کے کھانے میسّر ہیں۔ ظاہر ہے کہ اسلام کا ابتدائی دور بڑا پُر آزمائش تھا مگر بعد میں بڑی خوشحالی آگئی تو حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا زمانہ اور اس کی تنگی کو یاد کر کے آبدیدہ ہو گئے پھر کہنے لگے فَلَا اُرَانَا اُخِّرْنَا لِمَا ھُوَ خَیْرٌ لَّنَا میرا خیال ہے کہ ہماری یہ خوشحالی کسی بہتری کا پیش خیمہ ثابت نہیں ہو گی۔ ایسا نہ ہو کہ ہماری یہ آسودہ حالی ہمارے اجر و ثواب میں کمی کا ذریعہ بن جائے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے گزران کے باب اور اس میں بیان کردہ احادیث سے امام ترمذیؒ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضورؐ کی پوری زندگی عُسرت میں گزری اور مخالفین کا یہ دعویٰ بے بنیاد ہے کہ مدینہ پہنچ کر آپ نے ملوک والی زندگی اختیار کر لی تھی۔

(۵۳) بَابُ مَا جَاءَ فِی سِنِّ رَسُولِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

ترجمہ: "باب حضور نبی کریم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی عمر مبارک کے بیان میں"

اس باب میں امام ترمذیؒ نے چھ احادیث جمع کی ہیں جو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی عمر مبارک سے متعلق ہیں کہ آپ اس دُنیا میں کتنی مدّت ٹھہرے اور کتنی عمر گزاری۔ عربی زبان میں لفظ سِن دو معانی میں استعمال ہوتا ہے اس کا ایک معنیٰ تو عمر ہے اور دوسرا معنیٰ مدت یا فرصت۔ سِن کا معنیٰ دانت بھی آتا ہے جس کی جمع اسنان آتی ہے۔

اگر یہ لفظ عمر کے معنوں میں استعمال ہو تو مذکر آتا ہے اور اگر مدت یا فرصت مُراد ہو تو پھر یہ مؤنث آتا ہے۔

اردو زبان میں بھی یہ لفظ مدّت یا فرصت کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے جس کی مثال میر تقی میر کے کلام سے ملتی ہے یہ شاعر شاہ رفیع الدّینؒ کے زمانہ میں بڑے پائے کا شاعر ہوا ہے۔ اگرچہ مسلکاً شیعہ تھا مگر اردو زبان کے اعتبار سے اس کا شعر بہترین کلام مانا جاتا ہے۔

وجودِ نقش ونگار سا ہے کچھ — صورت اِک اعتبار سا ہے کچھ
یہ فرصت جسے کہیں ہیں عُمر — دیکھو تو انتظار سا ہے کچھ

شاعر نے انسانی وجود کی بے ثباتی کا عجیب نقشہ کھینچا ہے اور اسے نقش ونگار سے زیادہ حیثیت نہیں دی۔ اسی طرح انسان کی شکل وصورت بھی ایک بے حقیقت اور بالکل عارضی چیز ہے انسان کی عمر کی کیا حیثیت ہے؟ کچھ بھی نہیں۔ ایک تھوڑی مدّت کے لیے انتظار ہے جو ختم ہو جاتا ہے اور انسان اپنی طبعی عمر گزار کر اگلے جہاں کی طرف روانہ ہو جاتا ہے۔

بہرحال اس باب میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک سے متعلق روایات جمع کی گئی ہیں جن سے آپ کی عمر مبارک کا تعین ہوتا ہے۔

باب - ۵۳

درس - ۵۴

حدیث - ۱

حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيْعٍ حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا بْنُ اِسْحٰقَ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِيْنَارٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَكَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَكَّةَ ثَلَاثَ عَشْرَةَ يُوْحٰى اِلَيْهِ وَبِالْمَدِيْنَةِ عَشْرًا وَتُوُفِّيَ وَهُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَّسِتِّيْنَ سَنَةً۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۹۹)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث ہمارے سامنے احمد بن منیع نے بیان کی وہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے اسے روحؒ[1] بن عبادۃ نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت زکریاؒ[2] بن اسحٰق نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے عمروؒ[3] بن دینار نے بیان کیا، اور انھوں نے اسے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کیا صحابی رسول بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (نبوت کے بعد) تیرہ (سال) تک مکہ میں رہے جس دوران میں آپ پر وحی نازل ہوتی رہی، اور دس سال آپ مدینہ میں رہے اور آپ نے وفات پائی ہے کہ آپ کی کل عمر شریف ترسٹھ سال ہوئی۔

تشریح حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی ولادت باسعادت مکہ میں ہوئی، چالیس برس کی عمر میں آپ نبوت سے سرفراز ہوئے اور پھر اس روایت کے مطابق مَكَثَ بِمَكَّةَ ثَلَاثَ عَشْرَةَ يُوْحٰى اِلَيْهِ آپ اس کے بعد مزید تیرہ سال تک مکہ میں مقیم رہے جب کہ آپ پر وحی نازل ہوتی رہی۔ گویا یہ تیرہ سالہ زندگی آپ کی نبوت کی زندگی ہے کہ وَبِالْمَدِيْنَةِ عَشْرًا اس کے بعد آپ ہجرت کرکے مدینہ منورہ

---

[1] القیسی ابو محمد الحافظ البصری المتوفی ۲۰۵ھ، [2] المکی ثقۃ رمی بالقدر، [3] المکی ابو محمد الامام الجمحی المتوفی ۱۲۶ھ۔ (فیاض)

تشریف لے گئے اور ایک اسلامی ریاست کی بنیاد قائم ہوئی اور وہاں آپ نے عمر مبارک کے دس سال گزارے۔

راوی کہتا ہے کہ اس طریقے سے وَتُوُفِّیَ وَهُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَّسِتِّیْنَ سَنَةً اور آپ نے تریسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔ یعنی قبل از نبوت چالیس برس، بعد از نبوت مکہ میں تیرہ سال اور مدینہ میں دس سال۔ یہ روایت بالکل واقعہ کے مطابق ہے صحیحین کی روایات کے مطابق بھی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی عمر مبارک تریسٹھ سال ہی ہے جن روایات میں تریسٹھ کے علاوہ کچھ کم و بیش اعداد کا ذکر ہے۔ وہ سب قابلِ تاویل روایات ہیں جب کہ تریسٹھ سال والی روایات بالکل صحیح ہیں۔

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی تریسٹھ سالہ زندگی کی مشابہت میں کئی دوسرے بزرگ بھی آتے ہیں مثلاً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی تریسٹھ سال عمر پائی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر کے بارے میں اختلاف ہے۔ اکثر محققین نے ٦٥ سال اور بعض نے ٦٣ سال کا ذکر کیا ہے برصغیر میں حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ١٠٣٤ھ) کی عمر بھی ٦٣ سال تھی یہ طبعی مناسبت ہوتی ہے جسے نصیب ہو جائے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ جَرِيرٍ عَنْ مُعَاوِيَةَ أَنَّهُ سَمِعَهُ يَخْطُبُ قَالَ مَاتَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ ابْنُ ثَلٰثٍ وَّسِتِّينَ وَأَبُوبَكْرٍ وَّعُمَرُ وَأَنَا ابْنُ ثَلٰثٍ وَّسِتِّينَ سَنَةً۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۹۹)

ترجمہ: " امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے یہ حدیث محمد بن بشار نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے محمد بن جعفر نے شعبۃ کے حوالہ سے بیان کی انھوں نے یہ روایت ابواسحق سے انھوں نے عامر[1] بن سعد سے اور انھوں نے جریر[2] سے نقل کی وہ کہتے ہیں کہ انھوں نے امیر معاویہؓ[3] کو خطبہ میں یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام تریسٹھ سال کی عُمر میں دُنیا سے رُخصت ہوئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے بھی اتنی ہی عمر پائی اور اب میری عمر بھی تریسٹھ سال ہو چکی ہے۔"

تشریح شیخینؓ کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ طبعی مناسبت حاصل ہو گئی اور انھوں نے بھی تریسٹھ سال کی عمر پائی۔ البتہ امیر معاویہؓ کو یہ مناسبت

---

[1] ابن ابی وقاص الزہری المدنی تابعی کبیر المتوفی ۱۰۳ یا ۱۰۴ھ۔ [2] ابن حازم الاسدی حضر جنازۃ ابی الطفیل بمکۃ المتوفی ۱۷۰ھ۔ [3] معاویہ بن ابی سفیان اموی قریشیؓ۔ ابوسفیانؓ صخر بن حرب کے فرزند اور ام المؤمنین ام حبیبہؓ کے بھائی اور حضورؐ کے برادر نسبتی ہیں کاتبانِ وحی میں آپ کا شمار ہوتا ہے آپ نے رجب ۶۰ھ میں دمشق میں وفات پائی۔ (فیاض)

حاصل نہ ہوسکی۔ انھوں نے اَسّی (۸۰) سال کے قریب عمر پائی۔ اسی طرح حضرت عثمانؓ خلیفہ ثالث نے بھی اَسّی ۸۰ سال سے زیادہ عمر پائی۔

باب ۔ ۵۳

درس ۔ ۵۴

حدیث ۔ ۳

حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ مَهْدِيٍّ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاتَ وَهُوَ ابْنُ ثَلٰثٍ وَّسِتِّيْنَ سَنَةً۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۹۹)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے یہ حدیث حسین[1] بن مہدی بصری نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے اسے عبدالرزاق نے ابنِ جریج کے حوالہ سے بیان کیا۔ انھوں نے اسے زہری سے اور انھوں نے عروۃ سے نقل کیا۔ وہ حضرت عائشہ رضؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ترسیٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔"

تشریح: اس حدیث کا مضمون بھی پہلی دو روایات کے مطابق ہی ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے کل ترسیٹھ سال عمر پائی۔ اگلی روایت میں پینسٹھ سال کا ذکر بھی آرہا ہے مگر وہ حدیث مؤوّل ہے۔

---

[1] حسین بن ذال مہدی البصری الایلی المتوفی ۲۴۷ھ۔ (فیاض)

درس ۔۵۴　　　　حدیث ۔۴

حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِیْعٍ وَیَعْقُوْبُ بْنُ اِبْرَاهِیْمَ الدَّوْرَقِیُّ قَالَا حَدَّثَنَا اِسْمٰعِیْلُ بْنُ عُلَیَّةَ عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ حَدَّثَنِیْ عَمَّارٌ مَوْلٰی بَنِیْ هَاشِمٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ یَقُوْلُ تُوُفِّیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ ابْنُ خَمْسٍ وَّسِتِّیْنَ۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۹۹)

ترجمہ:" امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے احمد بن منیع اور یعقوب بن ابراہیم دورقی نے بیان کی۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے اسے اسمٰعیل ابن علیہ[1] نے خالد حذاء کے حوالے سے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے سامنے یہ روایت عمار بنی ہاشم کے آزاد کردہ غلام نے بیان کی۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پینسٹھ سال کی عمر میں وصال فرمایا۔"

تشریح حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی صحیح عمر مبارک ۶۳ سال ہی بنتی ہے۔ البتہ عربوں کے محاورے کے مطابق اگر ولادت اور وصال کے سال کو بھی کسر کے بجائے پورا شمار کر لیا جائے تو یہ ۶۵ سال بن جائیں گے۔ اسی لحاظ سے بعض روایات میں ۶۵ سال کا ذکر بھی آتا ہے۔ عربی زبان میں اس قسم کا اطلاق مجازی ہوتا ہے۔ لہٰذا اس میں تعارض والی بات نہیں ہے۔

---

[1] علیۃ اسم امہ وابوہ ابراہیم وکان یکرہ ان یقال لہ ابن علیۃ۔ (فیاض)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ اَبَانٍ قَالَا حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ عَنْ قَتَادَةَ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ دَغْفَلِ بْنِ حَنْظَلَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قُبِضَ وَهُوَ ابْنُ خَمْسٍ وَّسِتِّیْنَ سَنَةً قَالَ اَبُوْعِیْسٰی وَدَغْفَلُ لَا نَعْرِفُ لَهٗ سِمَاعًا مِّنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَکَانَ فِیْ زَمَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔　　(ترمذی مع شمائل ص۵۹۹)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث محمد بن بشار اور محمد بن ابان نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے اسے معاذ بن ہشام نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے سامنے اسے قتادہ نے حسن کے حوالہ سے بیان کیا، اور انھوں نے اسے دغفل بن حنظلہ (السدوسی) سے نقل کیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پینسٹھ سال کی عمر میں وصال فرمایا۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک راوی حدیث دغفل بن حنظلہ کی نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے سماعت ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ (بڑی عمر کے آدمی) تھے۔ (مگر انکی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات نہیں ہوئی۔)"

تشریح اس لحاظ سے یہ حدیث منقطع ہے۔ اس میں ۶۵ سال کا ذکر ہے مگر جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پر پینسٹھ سال کا اطلاق مجازاً ہے وگرنہ فی الحقیقت آپ کی عمر ترسیٹھ سال ہی ہوئی ہے۔

حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ مُوْسَى الْاَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا مَعْنٌ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ اَنَسٍ عَنْ رَبِيْعَةَ بْنِ اَبِيْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّهٗ سَمِعَهٗ يَقُوْلُ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ بِالطَّوِيْلِ الْبَائِنِ وَلَا بِالْقَصِيْرِ وَلَا بِالْاَبْيَضِ الْاَمْهَقِ وَلَا بِالْاٰدَمِ وَلَا بِالْجَعْدِ الْقَطَطِ وَلَا بِالسَّبْطِ بَعَثَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى رَاْسِ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً فَاَقَامَ بِمَكَّةَ عَشْرَ سِنِيْنَ وَبِالْمَدِيْنَةِ عَشْرَ سِنِيْنَ وَتَوَفَّاهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى رَاْسِ سِتِّيْنَ سَنَةً وَلَيْسَ فِيْ رَاْسِهٖ وَلِحْيَتِهٖ عِشْرُوْنَ شَعْرَةً بَيْضَاءَ
حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ عَنْ مَالِكِ بْنِ اَنَسٍ عَنْ رَبِيْعَةَ بْنِ اَبِيْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ نَحْوَهٗ۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۹۹)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے یہ حدیث اسحٰق بن موسیٰ انصاری نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے معن نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت مالک بن انس نے ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن کے حوالہ سے بیان کی، اور انھوں نے اسے صحابی رسول حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کیا۔ ربیعہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو زیادہ دراز قد تھے اور نہ ہی پست قد والے۔ آپ کا رنگ مبارک نہ تو بالکل سفید تھا اور نہ بالکل گندمی، آپ کے بال مبارک

نہ تو بالکل گھنگھریالے تھے اور نہ بالکل سیدھے۔ چالیس سال کی عُمر میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو منصبِ نبوت پر سرفراز فرمایا۔ پھر آپ نے دس سال تک مکہ مکرمہ میں قیام فرمایا اور دس سال تک مدینہ طیبہ میں زندگی گزاری۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو ساٹھ سال کی عمر میں اپنے پاس بلا لیا۔ اس وقت تک آپ کے سر مبارک اور داڑھی مبارک میں بیس بال بھی سفید نہیں تھے امام ترمذیؒ فرماتے ہیں ہمارے پاس بیان کیا قتیبہ بن سعید نے مالک بن انس سے انھوں نے ربیعہ بن عبدالرحمٰن سے انھوں نے انس بن مالکؓ سے اسی کے مثل ۔"

تشریح یہ روایت شمائل ترمذی میں سب سے پہلی روایت کے طور پر گزر چکی ہے جس میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا کچھ حُلیہ مبارک بھی بیان کیا گیا ہے اور آپ کی عمر مبارک کے متعلق ساٹھ سال کا ذکر ہے جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ صحیح روایات کے مطابق نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی عمر مبارک ۶۳ سال بنتی ہے۔ چالیس سال کی عمر میں تو آپ نبوت سے سرفراز ہوئے۔ پھر تیرہ سال تک مکہ میں رہ کر فریضہ نبوت ادا کرتے رہے جب کفار کی ایذا رسانیاں حد سے بڑھ گئیں تو آپ نے صحابہ کو ہجرت کی اجازت دی اور پھر آپ نے خود بھی ترپن ۵۳ سال کی عمر میں اپنے وطنِ مالوف سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آ گئے۔ یہاں آکر اللہ تعالیٰ نے خصوصی مدد فرمائی اور دین اسلام کی اشاعت کا کام چل نکلا۔ مدینہ طیبہ میں مزید دس سال تک قیام کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام آگیا اور آپ ربّ العزّت کے حضور پیش ہو گئے۔

جن روایات میں آپ کی عمر شریف کے ۶۰ یا ۶۵ سال کا ذکر ہے۔ وہ روایات مؤوّل ہیں۔ عربی محاورے میں بعض اوقات سن ولادت اور سن وفات اضافی سال کے طور پر شمار کر لیتے ہیں۔ اس لحاظ سے بعض روایات میں ۶۵ سال کا ذکر ہے۔ بعض اوقات سنِ ولادت اور سنِ وفات کو بالکل نظر انداز کر کے عمر کا شمار

کرتے ہیں اور عشرہ لعد کسر والے سالوں کا شمار نہیں کرتے۔ تو اس طریقے سے بعض
روایات میں ساٹھ سال کا ذکر آیا ہے۔ بہرحال ان روایات میں کوئی تعارض نہیں
ہے بلکہ محض فہم کی بات ہے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اس جہان میں تریسٹھ
سال ہی گزارے۔

---

(۵۴) بَابُ مَا جَآءَ فِیْ وَفَاتِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

ترجمہ: "باب حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بیان میں۔"

دراصل حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی سیرت کے ابواب گزشتہ باب عُمر مبارک کے ساتھ ختم ہو چکے ہیں اب یہاں سے امام ترمذیؒ نے سیرت سرور کائنات کے متعلقات کے طور پر تین مزید ابواب باندھ کر احادیث جمع کی ہیں۔ یہ باب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے متعلق ہے۔ آپ کی وفات سے متعلق مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں اختلاف پایا جاتا ہے لہٰذا اس کی حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔ اس کے بعد حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی وراثت سے متعلقہ باب ہے۔ اس باب میں آمدہ احادیث کے ظواہر و بواطن کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے تاکہ گمراہی سے بچا جا سکے۔ اس کتاب کا آخری باب رؤیت یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنے سے متعلق ہے۔ اس سلسلہ میں بھی مسلمانوں میں کئی قسم کے نظریات پائے جاتے ہیں۔ اس باب میں آمدہ احادیث کی روشنی میں یہ مسئلہ بھی سمجھ لینا چاہیے۔

ہر جاندار کے لیے پیدائش کی طرح موت بھی ایک طبعی امر ہے کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ط (آلِ عمران: ۱۸۵) ہر ذی روح کو موت کی گھاٹی سے گزرنا ہے خواہ وہ انسان ہو یا جن، چرند، پرند، مچھلیاں اور فضاء و سمندروں کے لاکھوں کروڑوں جانور ہیں جو پیدا ہو رہے ہیں اور مر رہے ہیں۔ اللہ کی اشرف مخلوق انسانوں میں ہر نیک و بد خواہ وہ نبی ہو یا ولی، ادنیٰ ہو یا اعلیٰ موت جیسے امر طبعی سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ اللہ کے فرشتے بھی جو کائنات کے انتظام پر مامور ہیں، بالآخر وہ بھی موت کی آغوش میں چلے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝ (الرحمٰن: ۲۶، ۲۷) ہر چیز فنا ہو جائے گی اور صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی باقی رہ جائے گی۔

اللہ تعالیٰ نے کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر دنیا میں مخلوق کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمائے ہیں۔ انھوں نے بھی اس دُنیا میں اپنا مقررہ وقت گزارا۔ پھر حکمِ خداوندی کے مطابق موت کا مزا انھوں نے بھی چکھا، اور عالمِ برزخ میں پہنچ گئے۔ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور امام الانبیاء بھی اپنے وقت پر تشریف لائے اس دنیا میں ترسیٹھ سال تک مقیم رہے، اور پھر اللہ کے دربار میں پیش ہو گئے۔

انبیاء علیہم السّلام اور خصوصاً نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اہلِ ایمان کے درمیان کوئی اختلافی مسئلہ نہیں ہے بلکہ بعض لوگ اسے صحیح معنوں میں سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے جس کی وجہ سے اختلافات پیدا ہوتے ہیں آپ سب جانتے ہیں کہ اللہ کے نبی کی ولادت جیسی حقیقت سے کسی کو انکار نہیں خواہ وہ کسی بھی مسلک یا مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔ آپ سب یہ بھی جانتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ کے فرزند اور عبد المطلب کے پوتے مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے چالیس سال اسی ماحول میں اپنے عزیز و اقرباء میں نہایت عفت و عصمت اور شریفانہ طریقے پر گزارے۔ اس دوران میں محنت کی، تجارت کی، سفر کیے، لوگوں کے ساتھ معاملات میں بھی شریک رہے۔ گویا جس طرح آپ کی ولادت باسعادت پر سب کا اتفاق ہے۔ اسی طرح آپ کی وفات واقع ہونے میں بھی کسی کو اختلاف نہیں۔ ظاہر ہے کہ جس شخصیت نے ۵۳ سال مکہ مکرمہ میں اور دس سال مدینہ منورہ میں گزارے، بالآخر وہ اس دنیا کے ماحول سے پردہ فرما گئے۔

البتہ ایک عام انسان اور نبی کی وفات کی کیفیت میں مختلف طبقات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ انبیاء علیہم السّلام کی بعض خصوصیات احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہیں جو عام انسانوں میں نہیں پائی جاتیں۔ نبی کی وفات کے متعلق جمہور علماء تو اس بات کے قائل ہیں کہ وہ بھی اسی طرح واقع ہوتی ہے جس طرح ایک عام آدمی پر موت وارد ہوتی ہے۔ یہ موت کیا ہے اور کس طرح وارد ہوتی ہے بِانْفِکَاکِ الرُّوحِ مِنَ الْجَسَدِ روح کا جسم سے الگ ہو جانا موت کہلاتا ہے جب تک

کسی انسان یا کسی بھی جاندار کی روح اُس کے جسم میں موجود رہتی ہے۔ یہ حیات ہوتی ہے اور جب یہی روح جسم سے الگ ہو جاتی ہے تو جاندار کی وفات یا موت واقع ہو جاتی ہے تاہم بعض علماء کا خیال یہ ہے کہ نبی اور خاص طور پر خاتم النبیّن صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات انفکاک کے طریقے سے نہیں ہُوئی بلکہ بِانْقِبَاضِ الرُّوْحِ مِنَ الْجَسَدِ ہوئی ہے یعنی موت کے تمام احکام تو وہی جاری ہوئے ہیں جو عام آدمی کی موت کے وقت جاری ہوتے ہیں تاہم آپ کی روح مبارک کو جسم سے الگ نہیں کیا گیا بلکہ منقبض کر کے قلب کے کسی خانہ میں بند کر دیا گیا چونکہ انقباض رُوح کے ذریعے وارد ہونے والی موت کی صورت میں زندگی کے کچھ باقیات بھی رہ جاتے ہیں، لہٰذا جب سرور کائنات کو قبر مبارک میں اتارا گیا تو آپ اسی طرح حیات ہیں جس طرح اس دنیا میں حیات تھے۔ اگرچہ یہ نظریہ بہت سے حضرات کا ہے سابقین میں سے ابوبکر العربیؒ اور متاخرین میں سے حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ صاحبِ تفسیر مظہری نے یہ قول نقل کیا ہے۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (المتوفی ۱۲۹۷ھ) نے بھی "آب حیات" میں اسی نظریہ کو اختیار کیا ہے۔

الغرض (نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی وفات میں تو کسی کو اختلاف نہیں ہے البتہ وفات کی کیفیت میں مذکورہ تھوڑا سا اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہ مسئلہ حیاۃ النبی کے نام سے موسوم ہے جس میں آگے چل کر کچھ گڑبڑ ہو جاتی ہے جو لوگ حیاۃ النبی کے قائل نہیں وہ کہتے ہیں کہ انسانوں کے روح قیامت کو دوبارہ اجسام میں داخل کیے جائیں گے۔ لہٰذا قبر کی زندگی کیسے ثابت ہُوئی؟ علمائے دیوبند کا مسلک یہ ہے کہ قیامت کو جب روح جسموں میں ڈالے جائیں گے تو وہاں مکمل حیات حاصل ہو جائے گی۔۔ عام آدمی کی موت تو بذریعہ انفکاک روح ہوتی ہے اور اس کی رُوح جسم سے مکمل طور پر الگ کر لی جاتی ہے۔ لہٰذا یہ رُوح قیامت والے دن ہی دوبارہ داخل کی جائیگی تو متعلقہ شخص کو دوبارہ زندگی حاصل ہو جائیگی لیکن نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی رُوحِ مبارک کو جسم سے الگ نہیں کیا گیا بلکہ اس کو انقباض کے ذریعے قلب کے کسی حصّہ میں بند کر دیا گیا لہٰذا

قبر میں جاکر آپ کو دوبارہ زندگی حاصل ہوگئی ہے۔
دوسری صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کو برزخ میں مکمل طور پر جسم کے اندر داخل نہ کیا گیا ہو بلکہ بیرونی طور پر ہی اس کی شعاعیں جسم پر پڑ رہی ہوں جس کی وجہ سے آپ کی حیات کے آثار بالکل نمایاں ہیں۔ اس کی مثال سورج کے ساتھ دی جاسکتی ہے کہ جب اس کی شعاعیں خارجی دنیا سے زمین پر پڑتی ہیں تو اس میں حرارت، قوت اور روئیدگی پیدا ہوتی ہے، اسی طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کا جسم کے ساتھ تعلق داخلی نہیں بلکہ خارجی بھی ہوسکتا ہے جس کی بناء پر عالم برزخ کے وہ سارے واقعات پیش آتے ہیں جو آپ کی زبان مبارک سے معلوم ہوئے ہیں۔

اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے : وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ (الاحزاب-٦) نبی کی بیویاں اُمت کی مائیں ہوتی ہیں۔ لہٰذا اُمت کے کسی شخص کا نکاح ان سے حرام ہے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ (المتوفی ۱۲۲۵ھ) نے اپنی تفسیر میں اس بات کو علت کے طور پر پیش کیا ہے کہ چونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی قبر میں حیات ہیں، اس لیے آپ کی بیویوں سے نکاح جائز نہیں، اور اس بناء پر آپ کی وراثت بھی تقسیم نہیں ہوئی کیونکہ وراثت موت کے بعد تقسیم ہوتی ہے جب کہ آپ ایک لحاظ سے حیات ہیں۔

الغرض! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات واقع ہونے میں اُمت کے کسی فرد کو اختلاف نہیں البتہ موت کی کیفیت میں اختلاف ہے جس کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔ اس ضمن میں میں نے بعض متقدمین اور متاخرین کا مسلک عرض کردیا ہے مگر یہ ایسی بات ہے کہ اگر کوئی شخص اس مسلک کو تسلیم نہیں کرتا تو پھر بھی کوئی بات نہیں، اس کے ایمان میں کوئی فرق نہیں پڑتا مگر اتنا تو ماننا پڑے گا کہ برزخ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کا تعلق آپ کے جسم مبارک کے ساتھ قائم ہے خواہ وہ داخلی ہے یا خارجی۔
البتہ یہ عقیدہ گمراہ لوگوں کا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جسم مبارک قبر شریف میں جماد کی طرح پڑا ہوا ہے، اور آپ کی روح قیامت کو داخل کی جائے گی جب دیگر مخلوق کی طرح آپ کو دوبارہ زندگی حاصل ہوگی۔

عالمِ برزخ کی زندگی روح اور جسم دونوں کے ساتھ متعلق ہوتی ہے۔ چنانچہ انبیاء
علیہم السّلام کا عالمِ برزخ میں نماز پڑھنے کا ذکر بھی ملتا ہے۔ بعض کا حج کرنے کا ذکر بھی آیا
ہے۔ لہٰذا وہ مسئلہ الگ ہے تاہم جیسا کہ علامہ آلوسیؒ صاحب روح المعانی نے لکھا ہے
کہ عالمِ برزخ کی زندگی کو بالکل دنیا کی زندگی کے مطابق نہ بھی تسلیم کریں تو اس کی مثل تو کہہ
سکتے ہیں۔ علمائے دیوبند نے یہی مسلک اختیار کیا ہے جو آج سے تقریباً ۹۵ سال پیشتر
عرب وعجم کے اکابرین علماء کے دستخطوں سے جاری ہوا اور مہند میں لکھا ہوا ہے۔ یہ مسئلہ
ان چھبیس ۲۶ مسائل میں سے ایک ہے جو علمائے دیوبند اور اہلِ بدعت کے درمیان اختلافی
ہیں اور جن کا فیصلہ مذکورہ دستاویز میں ہو چکا ہے۔ بہر حال حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام
کو برزخ میں وہ اکمل حیات حاصل ہے جس کو مثلِ حیاتِ دنیا کہہ سکتے ہیں۔

حدیث - ۱

درس - ۵۴

حَدَّثَنَا اَبُوْ عَمَّارٍ الْحُسَيْنُ بْنُ حُرَيْثٍ وَ قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوْا حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ اٰخِرُ نَظْرَةٍ نَظَرْتُهَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَشْفُ السِّتَارَةِ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ فَنَظَرْتُ اِلٰى وَجْهِهٖ كَاَنَّهٗ وَرَقَةُ مُصْحَفٍ وَالنَّاسُ يُصَلُّوْنَ خَلْفَ اَبِيْ بَكْرٍ۔ فَاَشَارَ اِلَى النَّاسِ اَنِ اثْبُتُوْا وَاَبُوْ بَكْرٍ يَؤُمُّهُمْ وَ اَلْقَى السِّجْفَ وَ تُوُفِّيَ مِنْ اٰخِرِ ذٰلِكَ الْيَوْمِ۔

(ترمذی مع شمائل ص ۵۹۹)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے یہ حدیث ابو عمار حسین بن حریث اور قتیبہ بن سعید اور بہت سے دوسرے لوگوں نے بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے اسے سفیان بن عیینہ نے زہری کے حوالہ سے بیان کیا اور انھوں نے اسے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کیا وہ کہتے ہیں کہ مجھے جس وقت حضور علیہ الصّلوۃ والسّلام کی زندگی کا آخری دیدار نصیب ہوا (وہ یہ تھا کہ) آپ نے پیر کے روز (گھر کا) پردہ اٹھایا ۔ میں نے آپ کے چہرۂ انور کی طرف نگاہ اُٹھائی جو کہ قرآنِ پاک کے ورق کی طرح چمک رہا تھا ۔ لوگ اس وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پیچھے (فجر کی) نماز ادا کر رہے تھے ۔ پس آپ نے لوگوں کو جمے رہنے کا اشارہ کیا تا کہ حضرت ابوبکرؓ ان کو نماز پڑھاتے رہیں ۔ پھر آپ نے پردہ گرا دیا ۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم

اسی روز دن کے آخری حصّے میں وفات پا گئے۔

تشریح حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے خادمِ خاص حضرت انس بن مالکؓ نے اس روایت میں آپ کی زندگی میں آپ کے آخری دیدار کا ذکر کیا ہے۔ آپ مرض الموت میں مبتلا تھے اور تکلیف کی وجہ سے گھر سے باہر نہیں آرہے تھے۔ اس دوران میں مسجد نبوی میں امامت کے فرائض آپ ہی کے حکم کے مطابق حضرت ابوبکر صدیقؓ انجام دے رہے تھے۔ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں اٰخِرُ نَظْرَۃٍ نَظَرْتُهَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپ کا جو آخری دیدار کیا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ صبح کا وقت تھا حضرت ابوبکر صدیقؓ مسجد نبوی میں نماز فجر کی امامت فرما رہے تھے، یہ پیر کا دن تھا کَشَفَ السِّتَارَۃَ اچانک حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے گھر کا پردہ اُٹھایا۔ غالباً آپ مسجد میں نمازیوں کو نماز پڑھتا ہوا دیکھنا چاہتے تھے حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ جونہی پردہ اُٹھا فَنَظَرْتُ اِلٰی وَجْھِہٖ میں نے نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے چہرۂ انور کی طرف نگاہ اُٹھائی تو مجھے ایسا محسوس ہوا کَاَنَّہٗ وَرَقَۃُ مُصْحَفٍ گویا کہ وہ قرآن پاک کا ایک مقدس ورق ہے۔ قرآن پاک تو ویسے ہی اللہ کا مقدس کلام ہے اور پھر اگر یہ اچھے اور صاف ستھرے کاغذ پر لکھا گیا تو اس کے تقدس، روحانیت اور عظمت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے تو راوی کہتا ہے کہ اس وقت میں نے دیکھا کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا چہرہ مبارک قرآن کے مقدس و مطہر ورق کی طرح چمک رہا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کے رُخِ انور پر ایک قسم کی بشاشت تھی اور آپ نے لوگوں کو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پیچھے نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا۔ جب پردہ اُٹھا تو لوگ سمجھے کہ شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم مصلّٰی پر تشریف لا کر خود نماز پڑھائیں گے فَاَشَارَ اِلَی النَّاسِ اَنِ اثْبُتُوْا مگر آپ نے اشارہ کیا کہ اپنی اپنی جگہ پر کھڑے ہو کر حضرت ابوبکرؓ کی امامت میں نماز ادا کرتے رہو۔ وَ اَلْقَی السِّجْفَ اور یہ اشارہ کرکے آپ نے پردہ گرا دیا اور اپنے کمرے میں واپس تشریف لے گئے۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں وَتُوُفِّیَ مِنْ اٰخِرِ ذٰلِکَ الْیَوْمِ کہ اسی روز

دن کے آخری حصّے میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اس فانی دُنیا سے رخصت ہو گئے۔
اس روایت میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی وفات کا وقت دن کا آخری حصّہ ذکر کیا گیا ہے جبکہ دیگر صحیح روایات کے مطابق آپ کی وفات چاشت کے وقت یعنی نو، دس بجے کے قریب ہوئی جو کہ پورے دن کا آخری حصّہ نہیں بلکہ اوّل حصّہ ہے البتہ یہ دن کے اوّل نصف کا دوسرا حصہ ضرور ہے۔ اس قسم کے اطلاقات عربی زبان میں اکثر پائے جاتے ہیں۔ لہٰذا یہاں بیان کردہ اوّلیت اور آخریت کو بھی اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے، ورنہ روایت کا مفہوم ٹھیک طریقے سے نہیں سمجھا جا سکے گا۔

درس - ۵۵　　　　حدیث - ۲

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَسْعَدَةَ الْبَصْرِیُّ حَدَّثَنَا سُلَیْمُ بْنُ اَخْضَرَ عَنِ ابْنِ عَوْنٍ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ عَنِ الْاَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ کُنْتُ مُسْنِدَةَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلٰی صَدْرِیْ اَوْ قَالَتْ اِلٰی حُجْرِیْ فَدَعَا بِطَسْتٍ لِیَبُوْلَ فِیْهِ ثُمَّ بَالَ فَمَاتَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔　　(ترمذی مع شمائل ص۵۹۹)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے یہ حدیث محمد[1] بن مسعدہ بصری نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے سلیم بن اخضر نے ابن عون[2] کے حوالہ سے بیان کیا انھوں نے یہ روایت ابراہیم سے اسود کے حوالہ سے نقل کی اور انھوں نے اسے امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے روایت کیا۔ وہ کہتی ہیں کہ (حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے وصال کے وقت) مَیں نے آپ کو اپنے سینے پر سہارا دے رکھا تھا۔ نچلے راوی کو شک ہے کہ ام المؤمنینؓ نے صدری کا لفظ استعمال کیا یا حجری کا۔ پھر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے پیشاب کرنے کے لیے طشت منگوایا آپ نے پیشاب کیا، اور پھر آپ کی وفات واقع ہو گئی۔"

تشریح امّ المؤمنینؓ نے اس روایت میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی زندگی کے آخری وقت کا حال بیان کیا ہے جبکہ آپ کا سر مبارک امّ المؤمنینؓ کی گود میں تھا۔

---

[1] البصری الباھلی المتوفی ۲۴۴ھ۔

[2] عبداللہ بن عون البصری المتوفی ۱۵۱ھ۔ (فیاض)

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ الْهَادِ عَنْ مُوسَى بْنِ سَرْجِسٍ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ بِالْمَوْتِ وَعِنْدَهُ قَدَحٌ فِيهِ مَاءٌ وَهُوَ يُدْخِلُ يَدَهُ فِي الْقَدَحِ ثُمَّ يَمْسَحُ وَجْهَهُ بِالْمَاءِ ثُمَّ يَقُولُ اللَّهُمَّ أَعِنِّي عَلَى مُنْكَرَاتِ الْمَوْتِ أَوْ قَالَ عَلَى سَكَرَاتِ الْمَوْتِ۔ (ترمذی مع شمائل ص۵۹۹)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے یہ حدیث قتیبہ نے بیان کی، وہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے اسے لیث نے ابن ہاد[1] کے حوالہ سے بیان کیا۔ انھوں نے یہ روایت موسیٰ بن سرجس سے قاسم بن محمد کے حوالہ سے بیان کی اور انھوں نے اسے امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے نقل کیا۔ آپ کہتی ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات کی گھڑیوں میں دیکھا۔ آپ کے قریب پانی کا ایک پیالہ رکھا ہوا تھا۔ آپ اُس پیالے میں اپنا ہاتھ مبارک ڈال کر چہرہ مبارک پر پھیرتے تھے اور ساتھ یہ دعا کرتے تھے اے اللہ! منکراتِ موت یا سکرات موت پر میری مدد فرما۔"

تشریح: اس روایت میں امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی زندگی کے آخری لمحات کا ذکر کیا ہے گزشتہ روایت بھی انھی لمحات سے متعلق تھی جس میں بیان کیا گیا تھا کہ اللہ کے آخری نبی نے زندگی کے آخری سانس اپنی

[1] یزید بن عبد اللہ بن اسامہ بن الہاد اللیثی المدنی ثقۃ مکثر شیخ مالک المتوفی ۱۳۹ھ (فیاض)

سب سے پیاری زوجہ حضرت عائشہ رضؓ کی گود میں سر رکھ کر لیٹے۔

اس روایت میں آخری لمحات کی کچھ مزید تفصیلات مذکور ہیں۔ امّ المؤمنین رضؓ کہتی ہیں وَھُوَ بِالْمَوْتِ یعنی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام موت کی کشمکش میں مبتلا تھے۔ دوسرے لفظوں میں آپ مُتَلَبِّسٌ بِالْمَوْتِ تھے یہ ایسی حالت تھی جب موت کی سختی یا نئی انسان پر وارد ہوجاتی ہے اُس وقت عِنْدَہٗ قَدَحٌ فِیْہِ مَآءٌ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے قریب پانی کا بھرا ہوا ایک پیالہ تھا۔ آپ اپنا ہاتھ مبارک پیالے میں ڈال کر پانی سے تر کرتے اور پھر اسے اپنے چہرۂ انور پر پھیر لیتے۔ ظاہر ہے کہ موت کی بے چینی کو کسی حد تک کم کرنے کے لیے آپ اپنا ہاتھ مبارک پانی میں بھگو کر بار بار منہ پر پھیرتے تھے اور اسکے ساتھ ساتھ آپ زبان سے اللہ تعالیٰ کے حضور یہ دعا بھی کرتے جاتے تھے اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی مُنْکَرَاتِ الْمَوْتِ اے اللہ! موت کی سختیوں یا تلخیوں پر میری مدد فرما مطلب یہ تھا کہ زندگی کے آخری لمحات میں میری پوری توجّہ تیری طرف ہی مرکوز ہو، کسی دوسری طرف نہ ہونے پائے۔ جب کوئی تکلیف آتی ہے تو اکثر لوگ بھٹک جاتے ہیں تکلیف کا رونا روتے ہیں اور اللہ کے ذکر سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اس مشکل وقت میں اللہ کے نبی نے یہ دُعا مانگ کر اُمّت کو تعلیم دے دی کہ موت کی مشکل گھاٹیوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ رکھنا، تمھارا دھیان کسی اور طرف نہیں جانا چاہیے۔

نچلے راوی کو شک ہے کہ امّ المؤمنین رضؓ نے دُعا کے جو الفاظ بیان کیے اس میں مُنْکَرَاتِ الْمَوْتِ کہا تھا یا سَکَرَاتِ الْمَوْتِ کہا تھا۔ بہر حال معنیٰ ایک ہی ہے کہ اے اللہ! موت کی تلخیوں کے وقت میری مدد فرما، تاکہ یہ مشکل گھاٹی تیرے حکم کے مطابق آسانی سے طے ہو جائے۔

باب - ۵۴

درس - ۵۵

حدیث - ۴

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ صَبَّاحٍ الْبَزَّارُ حَدَّثَنَا مُبَشِّرُ بْنُ إِسْمٰعِيلَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْعَلَاءِ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَا أَغْبِطُ أَحَدًا بِهَوْنِ مَوْتٍ بَعْدَ الَّذِي رَأَيْتُ مِنْ شِدَّةِ مَوْتِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَبُو عِيسٰى سَأَلْتُ أَبَا زُرْعَةَ فَقُلْتُ لَهُ مَنْ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْعَلَاءِ هٰذَا قَالَ هُوَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْعَلَاءِ بْنِ اللَّجْلَاجِ -

(ترمذی مع شمائل صہ ۵۹۹)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے یہ حدیث حسن بن صباح بزار نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے اسے مبشر[1] بن اسمٰعیل نے بیان کیا۔ انھوں نے یہ روایت عبدالرحمٰن بن علاء سے اور انھوں نے اپنے باپ سے نقل کی۔ انھوں نے یہ حدیث عبداللہ بن عمرؓ سے اور انھوں نے امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے روایت کی۔ وہ کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شدّتِ موت کے بعد کسی کی موت کے آسان ہونے پر کبھی رشک نہیں کیا۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ میں نے نچلے راوی ابو زرعہ سے دریافت کیا کہ یہ عبدالرحمٰن بن علاء کون شخص ہیں؟ تو انھوں نے بتلایا کہ یہ عبدالرحمٰن بن علاء بن اللجلاج ہیں۔"

---

[1] الحلبی الکلبی۔ (فیاض)

تشریح حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے سکرات الموت کا ذکر پچھلی حدیث میں بھی اُمّ المؤمنین رضؓ کی زبان سے ہو چکا ہے۔ آپ اپنے آخری لمحات میں اس قدر بے چینی محسوس کر رہے تھے کہ پانی میں ہاتھ مبارک بھگو بھگو کر چہرہ مبارک پر پھیرتے جاتے تھے اور اس مشکل وقت میں اللہ تعالیٰ سے مدد کی دعا کرتے تھے۔

موت و حیات، بیماری اور تندرستی، غشی اور تلخی، سکراتِ موت وغیرہ سب طبعی امور ہیں اور اللہ تعالیٰ کی حکمت کے مطابق یہ امور ہر انسان پر کم و بیش وارد ہوتے ہیں۔ بعض بُرے آدمیوں کی روح آسانی سے نکل جاتی ہے اس کی حکمت کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔

اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضؓ کا معمول تھا کہ جب کسی شخص کی زندگی کے آخری لمحات کو آسانی کے ساتھ مکمل ہوتے دیکھتیں تو اُس پر رشک کرتیں کہ اللہ تعالیٰ اُن کے آخری وقت میں بھی اسی طرح آسانی پیدا فرما دے۔

مگر جب اُمّ المؤمنین رضؓ نے خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سکراتِ موت کو دیکھا کہ اُن میں کسی قدر شدت تھی تو سمجھ گئیں کہ جب اللہ کی محبوب ترین ہستی کو بھی اس قدر تکلیف برداشت کرنا پڑی ہے تو پھر اس میں مصلحتِ خداوندی ہی ہو سکتی ہے چنانچہ اُمّ المؤمنین رضؓ کہتی ہیں کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی شدّتِ سکرات دیکھنے کے بعد مَا اَغْبِطُ اَحَدًا بِهَوْنِ مَوْتٍ میں نے کبھی کسی شخص کی آسان موت پر رشک نہیں کیا، بلکہ اس معاملہ کو اللہ کے سپرد کر دیا ہے کہ وہ اپنی حکمت اور مصلحت کے مطابق میرے ساتھ جیسا بھی معاملہ کرے گا میرے لیے وہی بہتر ہو گا۔

حَدَّثَنَا اَبُوْ کُرَیْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا اَبُوْ مُعَاوِیَۃَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ بَکْرٍ ھُوَ ابْنُ الْمُلَیْکِیِّ عَنِ ابْنِ اَبِیْ مُلَیْکَۃَ عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ لَمَّا قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اخْتَلَفُوْا فِیْ دَفْنِہٖ فَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ سَمِعْتُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شَیْئًا مَا نَسِیْتُہٗ قَالَ مَا قَبَضَ اللّٰہُ نَبِیًّا اِلَّا فِی الْمَوْضِعِ الَّذِیْ یُحِبُّ اَنْ یُّدْفَنَ فِیْہِ اُدْفُنُوْہُ فِیْ مَوْضِعِ فِرَاشِہٖ۔

(ترمذی مع شمائل ص۵۹۹)

ترجمہ: " امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے یہ حدیث ابوکریب محمد بن علاء نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے اسے ابو معاویۃ (محمد بن حازم) نے عبدالرحمٰن بن ابی بکر (جو کہ ابن ملیکی ہیں) کے حوالہ سے بیان کیا۔ انھوں نے یہ روایت ابن ابی ملیکۃ سے اور انھوں نے امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے نقل کی۔ وہ کہتی ہیں کہ حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر صحابہ کرامؓ میں آپ کے مقامِ دفن کے متعلق اختلاف پیدا ہوا، تو حضرت ابوبکر صدّیقؓ نے کہا کہ میں نے نبی علیہ الصّلوٰۃ کی زبانِ مبارک سے ایک بات سُنی ہے جسے میں بھُولا نہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کسی نبی کی روح اُسی مقام پر قبض کرتا ہے جہاں اُس کی تدفین مطلوب ہو، لہٰذا حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے جسدِ اطہر کو اسی جگہ پر دفن کرو جہاں پر عندالموت آپکی چارپائی تھی۔"

تشریح اس روایت کے راوی ابن ابی ملیکہ تابعین میں سے ہیں جنھوں نے اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے روایت نقل کی ہے وہ بیان کرتی ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد صحابہ کرامؓ میں آپ کی تدفین کے متعلق اختلاف پیدا ہُوا کہ آپ کی قبر مبارک کہاں بنائی جائے۔ دراصل عرب کے لوگ انبیاء علیہم السّلام کی تجہیز و تکفین سے نابلد تھے کیونکہ حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کے بعد سرزمینِ عرب میں تقریباً اڑھائی ہزار سال تک کوئی نبی نہیں آیا تھا۔ بنی اسرائیل میں تو پے در پے نبی آتے رہے حتیٰ کہ اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السّلام بھی حضور علیہ السّلام سے تقریباً چھ سو سال پہلے گزر چکے تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سرزمین عرب میں مبعوث ہوئے۔ پھر جب آپ کا وصال ہوا تو آپ کے صحابہؓ کے درمیان یہ سوال پیدا ہوا کہ آپ کو کس مقام پر دفن کیا جائے بعض دوسری روایات میں اس اختلاف کی تفصیلات بھی مذکور ہیں کہ بعض صحابہؓ نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی قبر مبارک آپ کے وطنِ مالوف مکہ مکرمہ میں بنانے کی تجویز پیش کی بعض نے کہا کہ آپ کو بیت المقدس لے جایا جائے جہاں دیگر بہت سے انبیاء علیہم السّلام کی قبور ہیں بعض نے مدینہ منورہ کے جنت البقیع میں دفن کرنے کی رائے دی۔ اسی دوران میں حضرت ابوبکر صدیقؓ حضور علیہ السّلام کے جانشین منتخب ہو چکے تھے چنانچہ جب مقام تدفین کے مسئلہ پر اختلافِ صحابہ نے طول کھینچا تو اس مسئلہ کو حضرت صدیقؓ نے حل کر دیا۔ آپ نے فیصلہ کن بات کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے خود سُنا ہے مَا قَبَضَ اللّٰهُ نَبِيًّا اِلَّا فِي الْمَوْضِعِ الَّذِي يُحِبُّ اَنْ يُّدْفَنَ فِيْهِ کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی رُوح اس مقام پر قبض کرتا ہے جہاں وہ اس کو دفن کیا جانا پسند کرتا ہے مطلب یہ تھا کہ جس مقام پر حضور علیہ السّلام نے اپنی زندگی کے آخری سانس لیے ہیں وہی آپکی قبر کی جگہ ہے۔ چنانچہ آپ نے حکم دیا اُدْفِنُوْهُ فِي مَوْضِعِ فِرَاشِهٖ حضور علیہ السّلام کی قبر مبارک اسی جگہ پر بنائی جائے جس جگہ پر وصال کے وقت آپکی چارپائی تھی چنانچہ تمام صحابہؓ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی اس حدیث کے مطابق آپ کی تدفین کے متعلق متفق ہو گئے اور آپکی قبر مبارک آپ کی چارپائی والے مقام پر تیار کی گئی جو کہ حجرہ عائشہؓ میں تھی۔

درس - ۵۵

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ وَعَبَّاسُ الْعَنْبَرِيُّ وَسَوَارُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوْا اَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ عَنْ مُوْسَى بْنِ اَبِي عَائِشَةَ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَعَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَنَّ اَبَا بَكْرٍ قَبَّلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ مَا مَاتَ ـ　(ترمذی مع شمائل صنـــ)

ترجمہ :۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے یہ حدیث محمد بن بشار عباس عنبری، سوار بن عبداللہ اور بہت سے دوسرے لوگوں نے بیان کی۔ اُن سب نے کہا کہ ہمیں خبر دی یحییٰ بن سعید نے سفیان ثوری کے حوالہ سے وہ کہتے ہیں کہ اُن کے پاس یہ روایت موسیٰ بن ابی عائشہ نے عبیداللہ بن عبداللہ کے حوالہ سے نقل کی۔ انھوں نے یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے روایت کی۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آپ کی پیشانی پر بوسہ دیا۔"

تشریح | اس روایت میں بیان کردہ واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی عزیز یا بزرگ کی پیشانی پر اس کی وفات کے بعد بوسہ دینا جائز ہے حضرت صدیق اکبرؓ یہ مسئلہ اچھی طرح جانتے تھے اور انھیں یہ بھی علم تھا کہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اپنے رضاعی بھائی حضرت عثمان بن مظعونؓ کی وفات کے بعد ان کی پیشانی پر بوسہ دیا تھا حضرت عثمان بن مظعونؓ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رضاعی بھائی ہونے کے علاوہ نہایت متقی اور صالح آدمی تھے۔ ہجرت کے بعد مہاجرین میں سے یہ اوّلین صحابی

ہیں جو مدینہ میں فوت ہوئے اور انھیں جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ غرضیکہ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا عمل حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت کے مطابق تھا۔

حدیث

درس - ۵۵

حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ حَدَّثَنَا مَرْحُوْمُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ الْعَطَّارُ عَنْ أَبِي عِمْرَانَ الْجَوْنِيِّ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ بَابَنُوْسَ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ اَبَا بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا دَخَلَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ وَفَاتِهِ فَوَضَعَ فَمَهٗ بَيْنَ عَيْنَيْهِ وَوَضَعَ يَدَيْهِ عَلٰى سَاعِدَيْهِ وَقَالَ وَانَبِيَّاهُ وَاصَفِيَّاهُ وَاخَلِيْلَاهُ ۔

(ترمذی مع شمائل ص۶۰۶)

ترجمہ:" امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے یہ حدیث نصر بن علی جہضمی نے بیان کی وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے مرحوم[1] بن عبدالعزیز عطار نے ابو عمران[2] جونی کے واسطہ سے بیان کیا۔ انھوں نے یہ روایت یزید بن بابنوس سے اور انھوں نے امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے نقل کی۔ وہ کہتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات واقع ہوگئی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ آئے۔ اُنھوں نے اپنے لب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی دونوں آنکھوں کے درمیان رکھے (یعنی پیشانی پر بوسہ دیا) اور دونوں بازوؤں پر ہاتھ رکھے اور زبان سے یوں کہا وَانَبِيَّاهُ وَاصَفِيَّاهُ، وَاخَلِيْلَاهُ ہائے نبی، ہائے مخلص ترین ساتھی، ہائے مخلص ترین دوست۔"

---

[1] الاموی البصری المتوفی ۱۸۸ھ [2] الجونی نسبة لبطن من الازد عبدالملک بن حبیب البصری الازدی او الکندی من علماء البصرة المتوفی ۱۲۸ھ۔ (فیاض)

تشریح عربی زبان میں وا کا لفظ نُدبَے کے طور پر استعمال ہوتا ہے مگر یہاں پر اسے اظہار افسوس کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے مقرب ترین ساتھی حضرت صدیقؓ کو آپ کی وفات پر جس قدر افسوس ہو سکتا تھا اس کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟ انھوں نے نہایت افسوس کے ساتھ اللہ کے نبیؐ کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ آپ جانتے تھے کہ اب اُن کے محبوب انھیں چھوڑ کر اللہ کی بارگاہ میں پیش ہو گئے ہیں اور اُن کی جانشینی اور تبلیغِ دین کا بوجھ اُن کے کندھوں پر آن پڑا ہے۔

یہ تین الفاظ جو حضرت صدیقؓ نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی پیشانی پر بوسہ دیتے وقت زبان سے ادا کیے۔ یہ ایسے الفاظ ہیں کہ دُنیا بھر کا غم ان تین الفاظ میں سمٹ کر جمع ہو گیا ہے یعنی ہائے نبی، ہائے ساتھی، ہائے دوست۔ یاد رہے کہ اس قسم کا اظہار افسوس کرنا جائز ہے۔ البتہ کسی کی موت پر نوحہ کرنا، جزع فزع کرنا، بال نوچنا، گریبان پھاڑنا وغیرہ ہر گز روا نہیں۔ اللہ کے نبی نے اسے جاہلیت کی رسم قرار دے کر سختی سے منع فرمایا ہے۔

حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ هِلَالٍ الصَّوَّافُ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ لَمَّا كَانَ الْيَوْمُ الَّذِي دَخَلَ فِيهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ أَضَاءَ مِنْهَا كُلُّ شَيْءٍ فَلَمَّا كَانَ الْيَوْمُ الَّذِي مَاتَ فِيهِ أَظْلَمَ مِنْهَا كُلُّ شَيْءٍ وَمَا نَفَضْنَا أَيْدِيَنَا عَنِ التُّرَابِ وَإِنَّا لَفِي دَفْنِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى أَنْكَرْنَا قُلُوبَنَا۔ (ترمذی مع شمائل صفحہ ۶)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے یہ حدیث بشرؒ[1] بن ہلال صواف بصری نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے اسے جعفر بن سلیمان نے ثابت کے حوالہ سے بیان کیا۔ وہ حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جب روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ منورہ داخل ہوئے تھے، اس روز مدینہ کی ہر چیز روشن ہوگئی تھی۔ پھر جس روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس دُنیا سے رخصت ہوئے، اُس دن یہاں کی ہر چیز تاریک نظر آتی تھی اور ہم نے ابھی (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کرنے کے بعد قبر کی) مٹی سے ہاتھ بھی نہیں جھاڑے تھے کہ ہم نے اپنے دلوں کو اوپرا اوپرا سا محسوس کیا۔"

تشریح جب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام مکہ کو چھوڑ کر مدینہ منورہ آگئے تو آپکی نورانیت برکت اور فیض سے مدینہ کی ہر چیز روشن ہوگئی اور اہلِ ایمان نے اس نورانیت کو حسّی طور پر محسوس کیا۔ پھر دس سال کے بعد جب آپ اس دنیا سے رخصت ہوگئے تو

[1] بشر بن ھلال الصّواف البصری النمری المتوفی ۲۴۷ھ۔ (فیاض)

خادمِ رسول حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ اس دن اہلِ ایمان کو ہر چیز تاریک نظر آتی تھی صحابہؓ پر غم واندوہ کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے اور اُن کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کریں اگلی روایات میں صحابہؓ کی پریشانی کی مزید تفصیلات آ رہی ہیں ۔

حَتّٰی اَنْکَرْنَا قُلُوْبَنَا کا مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی زندگی میں صحابہؓ کو جو فیض حاصل ہو رہا ہے، آپ کی وفات پر اُس میں فرق آ گیا اور وہ اپنے دلوں میں تغیر محسوس کرنے لگے۔ شیعہ حضرات نے اس جملہ کی غلط تاویل کی ہے کہ نعوذ باللہ صحابہ کرامؓ عقیدہ اور ایمان ہی کھو بیٹھے تھے اور مرتد ہو گئے تھے۔ یہ باطل خیال ہے حقیقت یہ ہے کہ نبیؐ کے صحابہؓ اپنے دلوں میں وہ کیفیت محسوس نہیں کر رہے تھے جو آپ کی موجودگی میں محسوس کرتے تھے پھر جب ان کی طبائع سنبھل گئیں تو تمام معاملات درست ہو گئے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ حَدَّثَنَا عَامِرُ بْنُ صَالِحٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ.

(ترمذی مع شمائل ص۲۶)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے یہ حدیث محمد[1] بن حاتم نے بیان کی وہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے اسے عامر[2] بن صالح نے ہشام بن عروۃ کے حوالہ سے بیان کیا۔ انھوں نے اپنے والد سے اور انھوں نے امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے روایت کی۔ امّ المؤمنین کہتی ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پیر کے روز ہوئی۔"

تشریح حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی تاریخِ وفات میں تو کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے بلا شبہ آپ کی وفات ۱۲ ربیع الاوّل بروز پیر واقع ہوئی۔ البتہ آپ کی تاریخ ولادت میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ محدّثین اور مؤرخین نے ربیع الاوّل کی ۱، ۲، ۹ اور ۱۲ گویا مختلف تواریخ بتلائی ہیں۔ اگلی روایت میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے یومِ وفات کے علاوہ یوم تدفین کا ذکر بھی آرہا ہے۔

---

[1] المؤدب ببغداد المتوفی ۲۴۶ھ۔ [2] ابن رستم المرئی ابوبکر بن ابی عامر البصری الخزاز۔ (فیاض)

درس - ۵۵　　　　حدیث - ۱۰

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اَبِیْ عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ بْنُ عُیَیْنَةَ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ فَمَکَثَ ذٰلِکَ الْیَوْمَ وَلَیْلَةَ الثُّلَثَاءِ وَدُفِنَ مِنَ اللَّیْلِ وَقَالَ سُفْیَانُ وَقَالَ غَیْرُهٗ یُسْمَعُ صَوْتُ الْمَسَاحِیْ مِنْ اٰخِرِ اللَّیْلِ۔

(ترمذی مع شمائل ص۲۷)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے یہ حدیث محمد بن ابی عمر نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے سفیان بن عیینہ نے بیان کیا۔ انھوں نے یہ روایت جعفر بن محمد سے اور انھوں نے اپنے باپ[1] سے نقل کی۔ کہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے پیر کے روز وفات پائی۔ یہ دن اور منگل کی پوری رات گزر گئی اور پھر (بدھ کی) رات کو آپ کو قبر میں اُتارا گیا اس حدیث کے راوی سفیان اور دوسری حدیث کے اور راوی یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم نے رات کے آخری حصّے میں پھاوڑوں کی آواز سنی۔

تشریح اس حدیث سے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے وقتِ وفات اور وقتِ تدفین کا تعین ہوتا ہے۔ حضور علیہ السّلام نے پیر کے روز بوقتِ چاشت (تقریباً دس بجے دن) وفات پائی اور منگل اور بدھ کی درمیانی رات کے آخری حصہ میں (اندازاً دو بجے شب) آپ کو قبر میں اتارا گیا چنانچہ اس روایت کے مطابق آپ کی رحلت کے تقریباً چالیس گھنٹے بعد آپ کی تدفین ہوئی۔

---

[1] محمد بن علی بن الحسین المتوفی ۱۱۸ھ (فیاض)

یہاں اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی تدفین میں اتنا زیادہ وقت کیوں لگ گیا جب کہ خود آپ کی تعلیم یہ ہے کہ تدفین میں تعجیل ہونی چاہیے۔ اس تاخیر کی بعض وجوہات اگلی روایت میں آرہی ہیں جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ صحابہ کرامؓ چونکہ انبیاء علیہم السّلام کی تجہیز و تکفین سے نابلد تھے، اس لیے حضور کی وفات پر اُن کے سامنے بہت سے اشکال آئے جن کو حل کیے بغیر آپ کی تدفین مشکل تھی۔ اس ضمن میں قبر کی جگہ اور قبرستان کا تعلق، غسل کی صورت، کفن کی تفصیلات مطلوب تھیں جو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی تعلیمات کے مطابق طے کرنا مطلوب تھیں۔ اس کے علاوہ نمازِ جنازہ کا طریقہ اور اس پر صرف ہونے والا وقت بھی تاخیر کی ایک خاص وجہ تھی۔ مزید براں چونکہ ان تمام معاملات کو حل کرنے اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی عدمِ موجودگی میں اجتماعی نظام میں باقاعدگی پیدا کرنے کے لیے آپ کے جانشین کا تقرر بھی ضروری تھا لہٰذا ان تمام معاملات کو سلجھانے کے بعد حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے جسدِ اطہر کو اس قدر تاخیر کے ساتھ امّ المؤمنینؓ کے حجرۂ مبارکہ میں سپردِ خاک کیا گیا۔

اس تاخیر سے شیعہ حضرات غلط معانی اخذ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کو (نعوذ باللہ) تجہیز و تکفین کے ساتھ کوئی دلچسپی نہ تھی بلکہ وہ اپنے اپنے کام میں لگے رہے اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی تدفین میں بلا وجہ تاخیر کر دی۔ یہ نظریہ بالکل غلط ہے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے صحابہؓ سے زیادہ آپ کا کون جاں نثار ہو سکتا ہے؟ اگلی روایات میں صحابہ کرامؓ کی پریشانی اور وجہ تاخیر پر روشنی پڑتی ہے۔

باب - ۵۴

درس - ۵۵

حدیث - ۱۱

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ شَرِيكِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ اَبِي نَمِرٍ عَنْ اَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ تُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَدُفِنَ يَوْمَ الثُّلَاثَاءِ قَالَ اَبُوْعِيْسٰى هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ ۔ (ترمذی مع شمائل منٰ۶)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے یہ حدیث قتیبہ بن سعید نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے عبدالعزیز بن محمد نے شریک بن عبداللہ بن ابی نمر کے حوالہ سے بیان کیا۔ انھوں نے یہ روایت ابی سلمۃ بن عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے نقل کی۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم نے پیر کے روز وفات پائی اور آپ کو منگل کے روز قبر میں اُتارا گیا۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے۔"

تشریح | گزشتہ روایت میں مذکور ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیر کے روز وفات پائی۔ آگے منگل کا پورا دن اور پوری رات گزر گئی اور پھر اگلی (بدھ کی) رات کو آپ کو قبر میں اُتارا گیا۔ تاخیر کی وجہ میں نے گزشتہ حدیث کی تفصیل میں مجملاً عرض کر دی ہے۔

البتہ اس روایت میں مذکور ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام پیر کو فوت ہوئے اور منگل کو سپرد خاک کر دیے گئے۔ بظاہر دونوں روایات میں فوتیدگی اور تدفین کے درمیانی عرصہ کے تعین میں تعارض پایا جاتا ہے مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہے نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی وفات کے وقت اور دن کے متعلق تو کوئی اختلاف نہیں کہ پیر کے دن چاشت کے وقت ہوئی۔ اور صحیح روایات کے مطابق تدفین منگل اور بدھ کی درمیانی رات کو ہوئی۔

چونکہ آپ کی تدفین بدھ کی رات کو ہوئی جبکہ بدھ کا دن ابھی نہیں نکلا تھا، اس لیے اس روایت میں اُس رات کو بھی منگل میں شمار کر کے منگل ہی کی تدفین کا ذکر کیا گیا البتہ قمری تقویم کے مطابق چونکہ غروب آفتاب کے ساتھ ہی تاریخ بدل جاتی ہے لہٰذا گزشتہ روایت میں تدفین کا دن بدھ کی رات بتلایا گیا ہے۔

درس - ۵۶
حدیث - ۱۲

حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ اَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ
بْنُ دَاوُدَ قَالَ حَدَّثَنَا سَلَمَةُ بْنُ نُبَيْطٍ اَخْبَرَنَا عَنْ
نُعَيْمِ بْنِ اَبِيْ هِنْدٍ عَنْ نُبَيْطِ بْنِ شَرِيْطٍ عَنْ سَالِمِ
بْنِ عُبَيْدٍ وَكَانَتْ لَهُ صُحْبَةٌ قَالَ اُغْمِيَ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ
صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ مَرَضِهٖ فَاَفَاقَ فَقَالَ
حَضَرَتِ الصَّلٰوةُ فَقَالُوْا نَعَمْ فَقَالَ مُرُوْا بِلَالًا
فَلْيُؤَذِّنْ وَمُرُوْا اَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ لِلنَّاسِ اَوْ قَالَ
بِالنَّاسِ ثُمَّ اُغْمِيَ عَلَيْهِ فَاَفَاقَ فَقَالَ حَضَرَتِ
الصَّلٰوةُ قَالُوْا نَعَمْ فَقَالَ مُرُوْا بِلَالًا فَلْيُؤَذِّنْ
وَمُرُوْا اَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ فَقَالَتْ عَائِشَةُ
اِنَّ اَبِيْ رَجُلٌ اَسِيْفٌ اِذَا قَامَ ذٰلِكَ الْمَقَامَ بَكٰى
فَلَا يَسْتَطِيْعُ فَلَوْ اَمَرْتَ غَيْرَهُ قَالَ ثُمَّ اُغْمِيَ عَلَيْهِ
فَاَفَاقَ فَقَالَ مُرُوْا بِلَالًا فَلْيُؤَذِّنْ وَمُرُوْا اَبَا بَكْرٍ
فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ فَاِنَّكُنَّ صَوَاحِبُ اَوْ صَوَاحِبَاتُ
يُوْسُفَ قَالَ فَاُمِرَ بِلَالٌ فَاَذَّنَ وَاُمِرَ اَبُوْبَكْرٍ فَصَلّٰى
بِالنَّاسِ ثُمَّ اِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَجَدَ خِفَّةً فَقَالَ انْظُرُوْا اِلٰى مَنْ اَتَّكِئُ عَلَيْهِ
فَجَاءَتْ بَرِيْرَةُ وَرَجُلٌ اٰخَرُ فَاتَّكَأَ عَلَيْهِمَا فَلَمَّا
رَاٰهُ اَبُوْبَكْرٍ ذَهَبَ لِيَنْكُصَ فَاَوْمَا اِلَيْهِ اَنْ
يَّثْبُتَ مَكَانَهُ حَتّٰى قَضٰى اَبُوْبَكْرٍ صَلٰوتَهُ ثُمَّ
اِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُبِضَ فَقَالَ

عُمَرُ وَاللّٰهِ لَا اَسْمَعُ اَحَدًا يَّذْكُرُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُبِضَ اِلَّا ضَرَبْتُهٗ بِسَيْفِيْ هٰذَا
قَالَ وَكَانَ النَّاسُ اُمِّيِّيْنَ لَمْ يَكُنْ فِيْهِمْ نَبِيٌّ
قَبْلَهٗ فَاَمْسَكَ النَّاسُ قَالُوْا يَا سَالِمُ انْطَلِقْ اِلٰى
صَاحِبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَادْعُهٗ
فَاَتَيْتُ اَبَا بَكْرٍ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ فَاَتَيْتُهٗ اَبْكِيْ دَهِشًا
فَلَمَّا رَاٰنِيْ قَالَ لِيْ اَقُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ قُلْتُ اِنَّ عُمَرَ يَقُوْلُ لَا اَسْمَعُ اَحَدًا يَّذْكُرُ
اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُبِضَ اِلَّا ضَرَبْتُهٗ
بِسَيْفِيْ هٰذَا فَقَالَ لِيْ اِنْطَلِقْ فَانْطَلَقْتُ مَعَهٗ فَجَاءَ
هُوَ وَالنَّاسُ قَدْ دَخَلُوْا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اَفْرِجُوْا لِيْ
فَاَفْرَجُوْا لَهٗ فَجَاءَ حَتّٰى اَكَبَّ عَلَيْهِ وَمَسَّهٗ فَقَالَ
اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ثُمَّ قَالُوْا يَا صَاحِبَ
رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَعَمْ فَعَلِمُوْا اَنْ قَدْ
صَدَقَ قَالُوْا يَا صَاحِبَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اَنُصَلِّيْ عَلٰى
رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَعَمْ قَالُوْا
وَكَيْفَ قَالَ يَدْخُلُ قَوْمٌ فَيُكَبِّرُوْنَ وَيَدْعُوْنَ
وَيُصَلُّوْنَ ثُمَّ يَخْرُجُوْنَ ثُمَّ يَدْخُلُ قَوْمٌ
فَيُكَبِّرُوْنَ وَيُصَلُّوْنَ وَيَدْعُوْنَ ثُمَّ يَخْرُجُوْنَ
حَتّٰى يَدْخُلَ النَّاسُ قَالُوْا يَا صَاحِبَ رَسُوْلِ اللّٰهِ
اَيُدْفَنُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

نَعَمْ قَالُوْا اَیْنَ قَالَ فِی الْمَکَانِ الَّذِیْ قَبَضَ اللّٰہُ فِیْہِ رُوْحَہٗ فَاِنَّ اللّٰہَ لَمْ یَقْبِضْ رُوْحَہٗ اِلَّا فِیْ مَکَانٍ طَیِّبٍ فَعَلِمُوْٓا اَنَّہٗ قَدْ صَدَقَ ثُمَّ اَمَرَھُمْ اَنْ یُّغَسِّلَہٗ بَنُوْٓا اَبِیْہِ وَاجْتَمَعَ الْمُھَاجِرُوْنَ یَتَشَاوَرُوْنَ فَقَالُوْٓا اِنْطَلِقْ بِنَآ اِلٰٓی اِخْوَانِنَا مِنَ الْاَنْصَارِ نُدْخِلُھُمْ مَعَنَا فِیْ ھٰذَا الْاَمْرِ فَقَالَتِ الْاَنْصَارُ مِنَّآ اَمِیْرٌ وَّمِنْکُمْ اَمِیْرٌ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ مَنْ لَّہٗ مِثْلُ ھٰذِہِ الثَّلٰثِ ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ ھُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا مَنْ ھُمَا قَالَ ثُمَّ بَسَطَ یَدَہٗ فَبَایَعَہٗ وَبَایَعَہُ النَّاسُ بَیْعَۃً حَسَنَۃً جَمِیْلَۃً۔

(ترمذی مع شمائل ص۲۸)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے یہ حدیث نصر بن علی جہضمی نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی عبداللہ بن داؤد نے وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت سلمۃ بن نبیط نے بیان کی وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی خبر نعیم بن ابی ہند نے نبیط بن شریط کے حوالہ سے دی اور انھوں نے اسے سالم[1] بن عبیدؓ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی مرض الموت کے دوران آپ پر بے ہوشی طاری ہوگئی پھر جب کچھ افاقہ ہوا تو آپ نے دریافت کیا، کیا نماز کا وقت ہوگیا ہے؟ حاضرین نے جواب دیا، ہاں! حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا کہ بلالؓ کو کہو کہ اذان کہے اور ابوبکرؓ کو کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائے۔

---

[1] قال العسقلانی سالم بن عبید الله الاشجعی صحابی من اھل الصّفۃ (فیاض)

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پھر غشی کا دورہ پڑا۔ جونہی کچھ افاقہ ہوا آپ نے دریافت کیا، کیا نماز کا وقت ہو گیا ہے؟ انھوں نے کہا کہ ہاں ہو گیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ بلالؓ کو کہو کہ اذان کہے اور ابوبکرؓ کو کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائے۔ امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ نے عرض کیا، میرے والد ابوبکرؓ رقیق القلب آدمی ہیں، وہ جب اس مقام (مصلّیٰ رسُول) پر کھڑے ہونگے تو رونے لگیں گے، اور نماز نہیں پڑھا سکیں گے۔ لہٰذا آپ کسی دوسرے آدمی کو نماز پڑھانے کا حکم دیں۔ راوی بیان کرتا ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام پر پھر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ جب کچھ افاقہ ہوا تو آپ نے فرمایا، بلالؓ کو کہو کہ اذان کہے اور ابوبکرؓ کو کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے (آپ نے یہ بھی فرمایا) تم تو یوسف علیہ السّلام والی عورتیں ہو۔ راوی بیان کرتا ہے پس بلالؓ کو کہا گیا تو انھوں نے اذان کہی اور ابوبکر صدّیقؓ کو کہا گیا تو انھوں نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔ (پھر دورانِ مرض) حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے کچھ ہلکاپن محسوس کیا تو فرمایا، دیکھو مجھے سہارا دے کر کوئی مسجد تک لے جانے والا ہے۔ چنانچہ بریرہؓ[1] لونڈی اور ایک دوسرا شخص آیا اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ان دونوں کے کندھوں کا سہارا لیا اور مسجد تک تشریف لے گئے، پھر جب حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آپ کو آتے ہوئے دیکھا تو پیچھے ہٹنے کا ارادہ کیا۔ مگر آپ نے اشارہ کیا کہ اپنی جگہ پر ثابت قدم رہو، یہاں تک کہ صدیق اکبرؓ نے نماز مکمل کی۔ پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا۔ پھر حضرت عمرؓ کہنے لگے کہ جو شخص یہ کہے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

---

[1] بریرۃ بنت صفوان مولاۃ عائشۃ قبطیۃ او حبشیۃ لہا حدیث واحد (فیاض)

وفات ہوگئی ہے مَیں اپنی اس تلوار سے اُس کی گردن اُتار دوں گا۔ راوی بیان کرتا ہے کہ اس زمانہ میں اکثر لوگ اُمّی تھے۔اس سے پہلے ان میں کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا تھا۔ لہٰذا حضرت عمرؓ کی بات پر سب خاموش ہوگئے۔ پھر بعض لوگوں نے کہا، اے سالمؓ جاؤ اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ساتھی (ابوبکر صدیقؓ) کو بُلا کر لاؤ۔ سالم کہتے ہیں کہ میں حضرت صدیقؓ کے پاس دہشت کے مارے روتا ہوا پہنچا جب کہ آپ مسجد میں تھے۔ جب انھوں نے مجھے آتے ہوئے دیکھا تو پوچھا، کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی ہے؟ مَیں نے کہا کہ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ مَیں کسی شخص کو یہ کہتے ہُوئے نہیں سُننا چاہتا کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام فوت ہو گئے ہیں۔ جو ایسا کہے گا مَیں اپنی اس تلوار سے اس کی گردن اڑا دوں گا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا، چلو۔ چنانچہ مَیں بھی اُنکے ہمراہ چل دیا جب آپ تشریف لائے تو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان پر جمع ہو چکے تھے۔آپ نے فرمایا لوگو! مجھے راستہ دو، چنانچہ لوگوں نے آپ کے لیے راستہ خالی کر دیا۔آپ آئے یہاں تک حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام پر جُھک گئے، آپ کو چھُوا اور کہا بے شک آپ بھی مرنے والے ہیں، اور یہ لوگ بھی مرنے والے ہیں (الزمر۔ ۳۰) پھر لوگوں نے حضرت صدیقؓ سے پوچھا، کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا چکے ہیں۔ انھوں نے جواب دیا ہاں، لوگ سمجھ گئے کہ انھوں نے سچ کہا ہے (یعنی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام فوت ہو چکے ہیں) پھر لوگ کہنے لگے، رسول اللہ کے ساتھی! کیا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا جنازہ بھی پڑھیں گے؟ حضرت صدیقؓ نے جواب دیا، ہاں۔ لوگوں

نے پوچھا، جنازہ کس طرح پڑھا جائے گا؟ انھوں نے کہا کہ ایک ایک جماعت حجرہ کے اندر جائے، وہ تکبیر کہے، دُعا کرے اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام پر درود پڑھ کر باہر آجائے۔ پھر دوسری جماعت داخل ہو، وہ تکبیر کہے، درود شریف پڑھے اور دُعا کر کے باہر آجائے اس طرح سب لوگ نماز جنازہ پڑھیں۔ پھر لوگوں نے پوچھا، حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ساتھی! کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کیا جائے گا؟ آپ نے جواب دیا، ہاں۔ لوگوں نے پوچھا، کس جگہ دفن کیا جائے گا؟ حضرت صدیق رضؓ نے جواب دیا آپ کو اسی جگہ دفن کیا جائے گا جس جگہ پر اللہ تعالیٰ نے آپ کی رُوح مبارک کو قبض کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی روح پاک مقام پر ہی قبض کی ہے۔ لوگوں نے جان لیا کہ آپ نے سچ کہا ہے پھر حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے کہا کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے چچا زاد بھائی آپ کو غسل دیں۔ اس دوران میں مہاجرین جمع ہو کر مشورہ کر رہے تھے۔ انھوں نے کہا کہ آؤ اپنے انصاری بھائیوں کے پاس بھی چلیں تاکہ انھیں بھی ہم اس معاملے میں اپنے ساتھ شریک کریں (اور اُن کی رائے بھی معلوم کی جا سکے چنانچہ یہ حضرات اُن کی مجلس میں پہنچے) انصار نے کہا کہ ایک امیر ہم (انصار) میں سے ہونا چاہیے اور ایک امیر تم (مہاجرین) میں سے ہو۔ اس کے جواب میں حضرت عمر بن الخطاب رضؓ نے کہا کہ وہ کون شخص ہے جو ان تین فضائل سے متصف ہو (جن کو اللہ نے ایک ہی آیت میں بیان کر دیا ہے) (۱) دو میں سے دوسرا جبکہ وہ دونوں غار میں تھے (۲) جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھی سے فرمایا، خوف نہ کھاؤ (۳) بیشک

اللہ ہمارے ساتھ ہے۔کون ہیں وہ دو؟ (یعنی جن میں یہ مذکورہ صفات پائی جاتی ہیں) راوی بیان کرتا ہے کہ پھر حضرت عمرؓ نے اپنا ہاتھ بڑھا کر حضرت صدیقؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ پھر دوسرے لوگوں نے بھی حضرت صدیقؓ کے ہاتھ پر نہایت اچھی اور خوش اسلوبی سے بیعت کی۔"

تشریح - تعارف راوی

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے متعلق صحابی رسول حضرت سالم ابن عبیدؓ سے منقول یہ مفصّل روایت ہے جس میں کئی ایک معاملات کی وضاحت موجود ہے۔ اس روایت میں امام ترمذیؒ نے خود حضرت سالمؓ کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے وَكَانَتْ لَهُ صُحْبَةٌ کہ وہی سالم بن عبیدؓ ہیں جن کو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی صحابیت کا شرف حاصل تھا۔ روایت بیان کرنے کا یہ بھی ایک انداز ہے ———— جب صحابی خود اپنا تعارف کراتا ہے تو کہتا ہے سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ یَقُوْلُ میں نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو یوں کہتے ہوئے سنا۔ یا کہتا ہے قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یعنی نبی کریم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے یوں کہا۔ یا کہتا ہے کہ اَخْبَرَنِیْ یا اَنْبَاَنِیْ یا لَقِیْتُ کا لفظ استعمال کرتا ہے کہ مجھے حضور علیہ السّلام کی ملاقات کا شرف حاصل ہوا یا پھر دوسرے لوگ بتلاتے ہیں کہ یہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا صحابی ہے جیساکہ اس روایت سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت سالم بن عبیدؓ کو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی صحابیت حاصل ہوئی۔

حضرت صدیقؓ مصلّیٔ رسول پر

وہ بیان کرتے ہیں اُغْمِیَ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ مَرَضِہٖ کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام پر بیماری کے دوران بے ہوشی طاری ہوگئی۔ یہ اُس آخری بیماری کا ذکر ہے جس کے بعد آپ صحت یاب نہ ہو سکے اور اپنے خالق و مالک کے حضور پیش ہوگئے تو صحابی بیان کرتے ہیں کہ بیماری کی شدت کی وجہ سے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام پر غشی کے دورے پڑ رہے تھے۔ جب کچھ افاقہ ہوا تو آپ نے دریافت کیا حضرت

الصَّلٰوۃُ کیا نماز کا وقت ہو گیا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ ہاں، نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ آپ نے فرمایا مُرُوْا بِلَالًا فَلْیُؤَذِّنْ وَمُرُوْا اَبَابَکْرٍ فَلْیُصَلِّ حضرت بلالؓ کو کہو کہ اذان دے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائے۔ راوی بیان کرتا ہے کہ یہ کہنے کے بعد حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام پر پھر بے ہوشی طاری ہو گئی پھر جب کچھ افاقہ ہوا تو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے پھر پوچھا کیا نماز کا وقت ہو گیا ہے؟ عرض کیا ہاں، پھر آپ نے فرمایا کہ بلالؓ کو کہو اذان کہے اور ابوبکرؓ کو کہو کہ نماز پڑھائے۔ امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے نہ رہا گیا اور عرض کیا حضور! اِنَّ اَبِیْ رَجُلٌ اَسِیْفٌ میرے والد حضرت ابوبکر صدیقؓ نرم دل آدمی ہیں جب وہ آپکے مصلّٰی پر نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہونگے تو ان کا دل بھر آئے گا۔ اُن پر رقّت طاری ہو جائیگی اور وہ نماز نہیں پڑھا سکیں گے۔ فَلَوْ اَمَرْتَ غَیْرَہٗ بہتر ہو گا کہ آپ کسی دوسرے شخص کو امامت کے لیے کہیں۔ اسکے بعد آپکو پھر بے ہوشی کا دورہ پڑا جب کچھ افاقہ ہوا تو پھر وہی حکم دیا کہ ابوبکرؓ نماز پڑھائیں۔ اس مرتبہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ازواجِ مطہراتؓ کو خطاب کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا فَاِنَّکُنَّ صَوَاحِبَاتُ یُوْسُفَ تم تو یوسف علیہ السّلام کے ساتھ والی عورتیں ہو۔

صواحباتِ یُوسف، کے ساتھ تشبیہ،

پہلی مرتبہ تو حضرت عائشہؓ نے اپنے والد حضرت ابوبکر صدیقؓ کی معذوری ظاہر کی تھی کہ وہ رقیق القلب ہیں اور نماز نہیں پڑھا سکیں گے۔ اس دوران میں امّ المؤمنین حفصہؓ بنت عمرؓ بھی حضرت عائشہؓ کی ہمنوا بن چکی تھیں اور وہ دونوں حضرت صدیقؓ کی بجائے کسی دوسرے شخص سے امامت کروانے پر اصرار کر رہی تھیں، اس لیے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا کہ تم تو یوسف علیہ السّلام کے زمانہ کی عورتیں ہو جو بے جا بات پر اصرار کر رہی ہو۔ اس سے نبی علیہ السّلام کی یہ مراد تھی کہ جس طرح عزیزِ مصر کی بیوی زلیخا نے یوسف علیہ السّلام کو ایک بے جا کام کرنے کی ترغیب دی اور پھر اس پر اصرار کیا، اسی طرح تم بھی ایک غلط سفارش پر اصرار کر رہی ہو کہ ابوبکر صدیقؓ کی بجائے کسی دوسرے آدمی کو نماز پڑھانے کا حکم دو۔ صواحباتِ یوسف سے وہ عورتیں بھی مراد ہو سکتی ہیں جنھوں نے زلیخا کو ملامت کی تھی تُرَاوِدُ فَتٰـھَا عَنْ نَّفْسِہٖ ج قَدْ شَغَفَھَا حُبًّا ط (یوسف : ۳۰) کہ وہ نواپنے غلام کو دل دے بیٹھی ہے، اس کے عشق

میں مبتلا ہو چکی ہے جب زلیخا کو علم ہوا تو اُس نے اُن عورتوں پر اپنی معذوری کا اظہار اس طرح کیا کہ سب کو دعوت پر بلایا، ان کے سامنے کھانا اور پھل وغیرہ رکھے اور ساتھ چھری کانٹے بھی رکھ دیئے تاکہ وہ پھل کاٹ کر کھا سکیں۔ اس دوران میں یوسف علیہ السّلام کو اشارہ کیا کہ وہ مدعو عورتوں کے سامنے سے گزر جائیں۔ جونہی ان عورتوں کی نگاہ یوسف علیہ السّلام کے حسن و جمال پر پڑی تو وہ بے خود ہو گئیں اور انھوں نے چھریوں سے پھل کاٹنے کی بجائے اپنے ہاتھ کاٹ لیے۔ مطلب یہ کہ زلیخا کا مقصد مصر کی عورتوں کی دعوت کرنا نہیں تھا بلکہ انھیں یوسف علیہ السّلام کا حسن و جمال دکھانا تھا تاکہ وہ اُسے ملامت نہ کریں بلکہ معذور سمجھیں۔

حضور علیہ السّلام کے کہنے کا مقصد بھی یہ تھا کہ جس طرح زلیخا نے بظاہر عورتوں کو دعوت دے کر بباطن دوسرا مقصد حاصل کیا۔ اسی طرح تم بھی ظاہر میں تو ابوبکر صدیقؓ کی رقیق القلبی کو امامت کے لیے نامناسب ظاہر کرتی ہو مگر باطن میں تم کوئی دوسرا مقصد حاصل کرنا چاہتی ہو۔ چنانچہ مسلم شریف کی درجہ اوّل کی روایت میں یہ صراحت موجود ہے کہ امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ حضور کی حیاتِ مبارکہ میں اپنے والد حضرت ابوبکرؓ کو مصلّٰی رسُول پر اس لیے کھڑا نہیں کرنا چاہتی تھیں کہ آپ کے وصال کے بعد لوگ حضرت صدّیقؓ کو منحوس سمجھنے لگیں گے کہ یہ آپ کے مصلّٰی پر کھڑے ہُوئے تو آپ کی وفات واقع ہو گئی۔

بہر حال حضور علیہ السّلام نے فرمایا کہ صواحباتِ یوسف والی باتیں چھوڑو، اور تیسری دفعہ حکم دیا کہ بلالؓ کو کہو اذان کہے اور ابوبکرؓ کو کہو کہ نماز پڑھائے۔ چنانچہ حضرت بلالؓ کو کہا گیا اور انھوں نے اذان دی اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو کہا گیا تو انھوں نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری وفات سے پانچ دن قبل شروع ہو گئی تھی۔ آپ جمعرات کے روز بیمار ہوئے اور پیر کے روز چاشت کے وقت آپ کی روح پرواز کر گئی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جمعرات کو عشاء کی نماز سے امامت شروع کی اور پیر کی فجر کی نماز پڑھائی۔ اس طرح انھوں نے آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلّم کی زندگی میں سترہ نمازیں پڑھائیں۔ چنانچہ اس روایت میں جو واقعہ اب تک بیان ہوا ہے یہ فجر کی اُس آخری نماز کا واقعہ نہیں ہے جس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی بلکہ کسی پہلی نماز کے متعلق ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے بار بار فرمایا کہ بلال رضؓ کو کہو کہ اذان کہے اور ابوبکرؓ کو کہو کہ نماز پڑھائے۔ اس موقع سے متعلق مسلم شریف میں مزید تفصیلات بھی مذکور ہیں مثلاً یہ کہ آپ نے حکم دیا کہ ٹب میں پانی مہیّا کرو۔ پانی پیش کیا گیا اور آپ نے غسل فرمایا۔ اس طرح کئی بار ہوا، آپ غسل فرماتے قدرے افاقہ ہوتا اور پھر بیہوشی طاری ہوجاتی۔

نمازیوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری نگاہ

راوی بیان کرتا ہے ثُمَّ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَجَدَ خِفَّۃً اس کے بعد پھر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ہلکا پن محسوس کیا یعنی آپ کو کچھ افاقہ ہُوا تو آپ نے مسجد میں تشریف لے جانا چاہا۔ فَقَالَ اُنْظُرُوْا اِلٰی مَنْ اَتَّکِئُ عَلَیْہِ تو فرمایا کہ کوئی ہے جو مجھے سہارا دے کر مسجد تک لے جائے؟ آپ کی لونڈی بریرہؓ موجود تھی، وہ آئی اور ایک دوسرے شخص[۱] نے آپ کو سہارا دیا۔ یہ شخص حضرت علیؓ، حضرت قثمؓ یا حضرت فضل بن عباسؓ تھے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام دو شخصوں کا سہارا لے کر یعنی اُنکے کندھوں پر ہاتھ مبارک رکھ مسجد کی طرف چلے۔ اُس وقت حضرت ابوبکرؓ آپ ہی کے حکم کے مطابق نماز پڑھا رہے تھے۔ فَلَمَّا رَاٰہُ اَبُوْبَکْرٍ جب حضرت صدیق رضؓ نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو نمازیوں کی طرف آتے ہوئے دیکھا ذَھَبَ یَنْکُصُ تو پیچھے ہٹنے کا ارادہ کیا۔ آپ کو خیال آیا کہ شاید حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام خود نماز پڑھانے کے لیے تشریف لا رہے ہیں مگر نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ان کی طرف اشارہ کر کے حکم دیا اَنْ یَّثْبُتَ مَکَانَہٗ کہ وہ اپنی جگہ پر کھڑے رہیں یعنی نماز پڑھاتے رہیں۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے امامت کا فریضہ جاری رکھا، اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام واپس اپنے حجرے میں تشریف لے آئے۔ حَتّٰی

[۱] عند البعض اس شخص کا نام نوبہ تھا۔ (قیاص)

قَضٰی اَبُوْبَکْرٍ صَلٰوتَہٗ یہاں تک کہ ابوبکرؓ نے نماز مکمل کی۔ یاد رہے کہ یہ فجر بروز پیر کا واقعہ ہے اس کے بعد آپ کی تکلیف میں اضافہ ہوگیا۔ ثُمَّ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قُبِضَ پھر اسی روز چاشت کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس دُنیا سے رخصت ہو گئے۔

وفاتِ رسُول پر صحابہؓ کی پریشانی

اللہ کے نبی کی وفات اہلِ ایمان کے لیے ایک بہت بڑا سانحہ تھا بہت سے صحابہؓ اس جانکاہ خبر پر دم بخود ہوگئے۔ انھیں سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب کیا کریں۔ حضرت عثمانؓ پر ایسی دہشت طاری ہوئی کہ وہ کچھ بول ہی نہ سکے۔ حضرت عمرؓ جیسے جری اور بہادر صحابی نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی وفات کا ہی انکار کر دیا۔ کہنے لگے : وَاللّٰہِ لَا اَسْمَعُ اَحَدًا یَذْکُرُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قُبِضَ اِلَّا ضَرَبْتُہٗ بِسَیْفِیْ ھٰذَا خدا کی قسم اگر کسی نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی وفات کی بات کی تو میں اپنی تلوار سے اس کا سر قلم کر دوں گا۔

راوی بیان کرتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کی یہ پریشانی بلا وجہ نہیں تھی چونکہ عرب لوگ وَکَانَ النَّاسُ اُمِّیِّیْنَ بالعموم اَن پڑھ تھے لَمْ یَکُنْ فِیْھِمْ نَبِیٌّ قَبْلَہٗ اُن میں عرصہ دراز سے کوئی نبی نہیں آیا تھا حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی اولاد میں سے شام و فلسطین میں تو بنی اسرائیل کے ہزاروں نبی آئے مگر عرب کی سرزمین میں حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کے بعد اڑھائی ہزار سال تک کوئی نبی نہیں آیا تھا۔ اُن کی اولاد میں سے اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی کو عرب کی سرزمین میں مبعوث فرمایا۔ چونکہ عربوں کو نبی کی فوتیدگی اور اس کے متعلقات سے بخوبی واقفیت نہیں تھی، لہٰذا حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی وفات پر ان کو بہت سے نئے مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ حضرت عمرؓ کا انکارِ فوتیدگی، حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا کفن دفن، غسل اور جائے دفن ایسے ہی معاملات تھے جن سے عہدہ برا ہونے کے لیے اُن سے آگاہی حاصل ہونا ضروری تھا۔ لہٰذا فَاَمْسَکَ النَّاسُ لوگوں نے حضرت عمرؓ

کے اس اعلان پر خاموشی اختیار کر لی کہ جو شخص حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے متعلق کہے گا کہ آپ فوت ہو گئے ہیں، مَیں اس کا سر قلم کر دوں گا۔

اصحابِ رسول جانتے تھے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ آپ کے قریب ترین ساتھی ہیں لہٰذا پیش آمدہ مسائل کو وہی حل کر سکتے ہیں۔ اتفاق سے جس وقت حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی وفات ہوئی حضرت صدیقؓ اپنے باغات کی دیکھ بھال کے لیے عالیہ (سنح) گئے ہوئے تھے جو مدینہ سے تین چار میل کے فاصلے پر تھا۔ چنانچہ موقع پر موجود صحابہ نے فوری طور پر یہی فیصلہ کیا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو فوراً بلایا جائے تو راوی حضرت سالمؓ کہتے ہیں قَالُوْا یَا سَالِمُ اِنْطَلِقْ اِلٰی صَاحِبِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کہ لوگوں نے مجھ سے کہا کہ اے سالمؓ! صحابیٔ رسول حضرت ابوبکرؓ کے پاس جاؤ فَادْعُہٗ اور آپ کو بلا کر لاؤ تاکہ وہ پیش آمدہ مسائل کو حل کر سکیں۔ سالمؓ کہتے ہیں فَاَتَیْتُ اَبَا بَکْرٍ وَّھُوَ فِی الْمَسْجِدِ کہ مَیں حضرت ابوبکرؓ کے ٹھکانے پر پہنچا، اور اس وقت آپ مسجد میں تھے ظاہر ہے کہ یہ دوپہر سے پہلے کا وقت تھا، اور اُس وقت ابوبکر صدیقؓ عام مسلمانوں کی مسجد میں تو نہیں ہوں گے۔ البتہ یہاں پر مسجد سے مُراد وہ مخصوص جگہ ہو سکتی ہے جہاں پر آپ اپنے گھر میں یا باغ میں نماز پڑھا کرتے تھے ممکن ہے کہ سالمؓ کے پہنچنے پر آپ چاشت کی نماز پڑھ رہے ہوں۔ بہرحال حضرت سالمؓ کہتے ہیں کہ فَاَتَیْتُہٗ اَبْکِیْ دَھِشًا میں روتا ہوا دہشت کی حالت میں حضرت ابوبکرؓ کے پاس پہنچا۔ آپ کو حضور علیہ السّلام کی بیماری اور شدّتِ تکلیف کا علم تو تھا ہی۔ فوراً سمجھ گئے اور جب مجھے اس حالت میں آتے ہوئے دیکھا تو فوراً پوچھا اَقُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کیا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے ہیں؟ سالمؓ کہتے ہیں کہ مَیں نے بتلایا کہ حضرت عمرؓ اس قدر دہشت زدہ ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ جو شخص کہے گا کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام وفات پا گئے ہیں مَیں اس کا سر قلم کر دوں گا۔

حضرت صدّیقؓ کی حق گوئی

یہ خبر پاکر حضرت ابوبکر صدیقؓ فوراً مدینہ آنے کے لیے تیار ہوگئے فَانْطَلَقْتُ مَعَهٗ میں بھی آپ کے ساتھ چل دیا۔ جب حضرت صدیقؓ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے مکان پر پہنچے تو اُس وقت تک بہت سے لوگ وہاں پر جمع ہوچکے تھے۔ آپ کو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام تک پہنچنے میں دقّت محسوس ہوئی تو فرمایا یَآیُّهَا النَّاسُ اَفْرِجُوْالِیْ لوگو! مجھے رستہ دے دو۔ چنانچہ فَاَفْرَجُوْالَهٗ انھوں نے آپ کو راستہ دے دیا۔ حضرت ابوبکرؓ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی چارپائی کے قریب پہنچے حَتّٰی اَکَبَّ عَلَیْهِ اور آپکے جسدِ اطہر پر جھک گئے، وَمَسَّهٗ اور اُسے چھوا۔ پچھلی روایت ؎ میں گزر چکا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے دونوں بازوؤں پر ہاتھ رکھ کر آپ کی پیشانی پر بوسہ دیا اس روایت میں مَسَّهٗ کا لفظ آیا ہے تاہم مراد یہی ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے صحابیِ خاص نے آپ کی پیشانی پر بوسہ دیا اور پھر قرآن پاک کی یہ آیت تلاوت فرمائی اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ۝ (الزمر: ۳۰)
اے پیغمبرؐ! موت آپ پر بھی آنی ہے اور آپ کے ان مخالفین کو بھی موت سے مفر نہیں۔ ان تمام روایات کے پیشِ نظر یہ واضح ہوجاتا ہے کہ صحابہ کرامؓ میں سے کسی کے ہوش و حواس بھی قائم نہیں رہے تھے۔ حضرت عمرؓ جیسے بہادر لوگ بھی مدہوش ہوچکے تھے۔ ان حالات میں صرف حضرت ابوبکرؓ ہی واحد شخص تھے جن کے ہوش وحواس قائم تھے۔ لہٰذا انھوں نے تمام پیش آمدہ مسائل کے حل پیش کیے۔ چنانچہ سب سے پہلے انھوں نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی وفات کی تصدیق کی۔ آپ جانتے تھے کہ فرمانِ خداوندی کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسُول کو اپنے پاس بُلانا ہے اور ہمیں یہ صدمہ برداشت کرنا ہے۔ بہرحال حضرت صدیقؓ سے لوگوں نے پوچھا اَقُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ کیا حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا واقعی انتقال ہوچکا ہے؟ قَالَ نَعَمْ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا کہ ہاں اللہ کے نبی فوت ہوچکے ہیں۔ فَعَلِمُوْا اَنْ قَدْ صَدَقَ تو لوگ سمجھ گئے کہ ابوبکرؓ نے درست

کہا ہے اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اس دُنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔

نمازِ جنازہ اب اگلا مسئلہ یہ تھا کہ کیا نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا جنازہ پڑھا جائے گا اور اگر پڑھا جائے گا تو کس طریقہ سے؟ چنانچہ موت کی تصدیق ہو جانے کے بعد لوگوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے دریافت کیا اَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کیا ہم حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی نمازِ جنازہ بھی پڑھیں گے؟ عام فوت شدگان کی نمازِ جنازہ تو خود نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اپنی حیاتِ مبارکہ میں پڑھاتے رہے اور صحابہ کرامؓ پڑھتے رہے۔ مگر نبی کے جنازے کے متعلق وہ لوگ کچھ نہیں جانتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے پوچھا کہ کیا حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا جنازہ پڑھا جائے گا؟ قَالَ نَعَمْ۔ انھوں نے جواب دیا کہ ہاں پڑھا جائے گا۔ پھر اگلا سوال تھا وَ کَیْفَ نمازِ جنازہ کا طریقہ کیا ہوگا؟ عام مسلمان کی نمازِ جنازہ تو ایک امام کے ساتھ کھلی جگہ میں پڑھا جاتا ہے مگر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا جسدِ اطہر اسی چھوٹے سے حجرہ عائشہؓ میں ہے جہاں پر آپ نے زندگی کے آخری سانس لیے اس چھوٹے سے کمرے میں نمازِ جنازہ کتنے لوگ بیک وقت پڑھ سکیں گے اور ان کی امامت کون کرائے گا؟ حضرت ابوبکرؓ نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی نمازِ جنازہ کا طریقہ یہ بتلایا۔ یَدْخُلُ قَوْمٌ فَیُکَبِّرُوْنَ وَیُصَلُّوْنَ وَیَدْعُوْنَ کچھ لوگ (کم و بیش دس دس کی جماعت میں) اُس کمرے میں داخل ہوں جہاں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا جسم مبارک چارپائی پر رکھا ہے۔ وہ تکبیر کہیں، درود شریف پڑھیں اور دُعا کر کے نکل جائیں۔ پھر دوسری جماعت آئے اور وہ بھی اسی طرح کرے۔

نمازِ جنازہ کا یہ طریقہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے لیے خاص تھا۔ اس کی تفصیلات مستدرک حاکم اور مسند بزار میں موجود ہیں۔ ایک موقع پر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اپنے گھر والوں کو حجرہ عائشہؓ میں اکٹھا کیا تو انھوں نے آپ سے دریافت کیا کہ حضور! موت تو ہر ذی روح کے لیے برحق ہے جب آپ کی ذاتِ مبارکہ پر یہ وقت آجائے تو مَنْ یُّصَلِّیْ عَلَیْكَ تو آپ کا جنازہ کون پڑھے گا؟ آپ نے فرمایا کہ جب تم مجھے

غسل دے کر تین سفید کپڑوں میں کفن پہنا دو تو مجھے چارپائی پر رکھ دینا۔ پھر تم تھوڑی دیر کے لیے کمرے سے باہر نکل جانا۔ سب سے پہلے میرا جنازہ مقرب فرشتے اپنے لاؤلشکر کے ساتھ پڑھیں گے یعنی جبرائیل علیہ السلام، پھر میکائیل، پھر اسرافیل اور پھر ملک الموت اپنی اپنی جماعتوں کے ساتھ نماز جنازہ پڑھیں گے۔ پھر تم گروہ در گروہ کمرے میں داخل ہو کر فَصَلُّوْا عَلَیَّ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا مجھ پر درود و سلام پڑھنا۔

چونکہ حضرت ابوبکرؓ کو یہ حدیث یاد تھی۔ لہٰذا انھوں نے لوگوں کو بتلایا کہ دس دس کے گروہ میں لوگ کمرے میں داخل ہو کر آپ کا جنازہ پڑھیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ صحابہؓ میں سے پہلے مردوں نے دس دس کی تعداد میں اندر داخل ہو کر مذکورہ طریقے سے آپ کا جنازہ پڑھا اور پھر اسی طریقے سے عورتوں نے اور پھر بچوں نے۔

تدفین اور جائے تدفین اب اگلا مرحلہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تدفین کے متعلق تھا لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ سے دریافت کیا۔ اَیُدْفَنُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کیا عام مسلمانوں کی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جسم اطہر کو بھی مٹی میں دفن کیا جائے گا؟ قَالَ نَعَمْ - انھوں نے جواب دیا، ہاں آپ کو بھی سپرد خاک کر دیا جائے گا۔ پھر اگلا سوال تھا قَالُوْا اَیْنَ؟ کہ آپ کو کس مقام میں دفن کیا جائے گا۔ اس سے پہلے صحابہ کرام میں مختلف آراء گشت کر رہی تھیں۔ کوئی کہتا تھا کہ آپ کو آپ کے آبائی وطن مکہ مکرمہ میں دفن کیا جائے۔ کوئی بیت المقدس لے جانے کے حق میں تھا جہاں اکثر انبیاءؑ کی قبور ہیں اور کوئی جنت البقیع میں تدفین کے لیے رائے پیش کر رہا تھا۔ بعض کا خیال تھا کہ انتظار کیا جائے، شاید آپ کو آسمانوں پر اٹھا لیا جائے۔ بہر حال ان حالات میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فیصلہ کن بات کی اور فرمایا فِیْ مَکَانِ الَّذِیْ قَبَضَ اللّٰہُ فِیْہِ رُوْحَہٗ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اسی مقام میں دفن کیا جائے گا جس جگہ پر اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح مبارک قبض کی ہے۔ وجہ یہ ہے فَاِنَّ اللّٰہَ لَمْ یَقْبِضْ رُوْحَہٗ اِلَّا فِیْ مَکَانٍ طَیِّبٍ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک نبی کی روح کو پاک جگہ میں ہی قبض کیا ہے۔ یہ جنت کا خطہ ہے لہٰذا آپ کو اسی حجرۂ عائشہؓ میں آپ کی

چارپائی والی جگہ پر قبر کھود[1] کر دفن کیا جائے گا۔ صحابہؓ حضرت صدیقؓ کے فیصلے سے مطمئن ہو گئے۔ فَعَلِمُوْا اَنَّہٗ قَدْ صَدَقَ انھوں نے اس فیصلے کی تصدیق کر دی دوسری روایات میں مزید تفصیلات موجود ہیں کہ آپ کی چارپائی والی جگہ میں ہی قبر کھودی گئی اور آپ کو دفن کر دیا گیا۔ چنانچہ یہی حجرۂ عائشہؓ قیامت تک کے لیے مرجع خاص و عام بن گیا جہاں ہر آن درود و سلام کے پھول نچھاور کیے جاتے ہیں۔

اس سے پہلے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو آخری غسل دینے کا مسئلہ بھی تھا حضرت ابوبکر صدیقؓ نے صحابہؓ کو حکم دیا ثُمَّ اَمَرَھُمْ اَنْ یُّغَسِّلَہٗ بَنُوْا اَبِیْہِ کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے چچازاد بھائی اور دیگر اعزّہ و اقارب آپ کو غسل دیں۔ چنانچہ حضرت علیؓ اور قثمؓ نے آپ کو غسل دیا۔ حضرت فضل بن عباسؓ ان کے معاون تھے اور اس طرح یہ مسئلہ بھی طے پا گیا۔ (قثمؓ اسامہؓ اور حضورؐ کے آزاد کردہ غلام شقرانؓ نے آپ پر پانی ڈالا)۔

امیر کا انتخاب کفن دفن کے بعد سب سے اہم مسئلہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خلافت و نیابت کا مسئلہ تھا کہ اب امّت کا امیر کون ہو، کیونکہ ملّت اسلامیہ میں اجتماعیت کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے جب تک کسی جماعت کا امیر نہ ہو اجتماعی مسائل مشمول نظم و نسق حل نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ نے تجہیز و تکفین سے پہلے امیر کے انتخاب کو ضروری سمجھا تاکہ کسی بھی معاملہ میں قوم بدنظمی کا شکار نہ ہونے پائے۔ اس کا ایک تلخ تجربہ لوگ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی وفات کے فوراً بعد کر چکے تھے جبکہ ہر شخص بے خود ہو چکا تھا اور کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا، یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی وفات کا ہی انکار کر دیا۔ چنانچہ صحابہؓ نے ضروری سمجھا کہ پہلے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت یعنی امیر کا انتخاب کر لیا جائے تاکہ تمام باقی امور اس کی زیر ہدایت خوش اسلوبی سے انجام دیئے جا سکیں۔

حضرت سالمؓ راوی حدیث بیان کرتے ہیں کہ اس مقصد کے حصول کے لیے

---

[1] ابوطلحہ زید بن سہلؓ نے لحد کھودی۔ (فیاض)

وَاجۡتَمَعَ الۡمُهَاجِرُوۡنَ یَتَشَاوَرُوۡنَ مہاجرین نے جمع ہو کر صلاح مشورہ شروع کر دیا اسی دوران میں انصار صحابہؓ بھی سقیفہ بنی سعد میں جمع ہو کر امیر کے انتخاب پر صلاح مشورہ کر رہے تھے۔ مہاجرین کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے خاندانی قرابت حاصل تھی اور دین کی ابتدائی آب یاری بھی انھی حضرات سے ہوئی تھی اور انھوں نے بڑے بڑے مصائب برداشت کیے حتیٰ کہ انھیں آبائی وطن سے دو دفعہ ہجرت بھی کرنا پڑی۔ ادھر انصار صحابہؓ بھی نہایت ایثار پیشہ لوگ تھے۔ انھوں نے مہاجرین پر اپنی ہر چیز قربان کر دی اور اسلامی فتوحات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ہر گروہ اپنے میں سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جانشینی چاہتا تھا۔ اس مسئلہ پر صحابہؓ کے درمیان کچھ اختلاف بھی ہوا۔ بالآخر حضرت عمرؓ نے تجویز پیش کی فَقَالُوۡا انۡطَلِقۡ بِنَا اِلٰی اِخۡوَانِنَا مِنَ الۡاَنۡصَارِ کہ آؤ ہم اس مسئلہ پر اپنے انصار بھائیوں کے ساتھ بھی بات چیت کر لیں چنانچہ مہاجرین کا ایک وفد انصار مدینہ کے پاس پہنچا اور اس معاملہ میں اُن کے ساتھ گفت و شنید کی۔ دوسری روایات میں وہاں پر ہونے والی بحث و مباحثہ کی بعض تفصیلات بھی موجود ہیں۔

اس حدیث کے مطابق جب امیر کے انتخاب پر بات چلی تو انصاری بھائیوں[1] نے تجویز پیش کی مِنَّا اَمِیۡرٌ وَّمِنۡکُمۡ اَمِیۡرٌ دو امیر مقرر کر لیں ایک انصار میں سے ہو اور دوسرا مہاجرین میں سے ہو۔ حضرت عمرؓ نے ثابت کیا کہ ہمارے نمائندے افضل ترین شخصیت ہیں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نیابت کا حق ادا کر سکتے ہیں انھوں نے دلیل کے طور پر فرمایا مَنۡ لَّہٗ مِثۡلُ ھٰذِہِ الثَّلٰثِ بھائی! ذرا غور تو کرو کہ اس وقت پوری اُمّت میں وہ کونسی شخصیت ہے جس میں یہ تین خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ (۱) ثَانِیَ اثۡنَیۡنِ اِذۡ ھُمَا فِی الۡغَارِ دو میں سے دوسرا جب کہ وہ دونوں غار ثور میں تھے (۲) اِذۡ یَقُوۡلُ لِصَاحِبِہٖ جب اس نے اپنے ساتھی سے کہا (۳) لَا تَحۡزَنۡ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا خوف نہ کھائیں، اللہ تعالےٰ ہمارے ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ توبہ آیت ۔ ۴۰ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

---

[1] حباب بن المنذرؓ نے کہا۔ (فیاض)

کی ہجرت کا واقعہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ جب آپ ہجرت پر روانہ ہوئے تو مکہ سے قریب غار ثور میں آپ نے حضرت ابوبکرؓ کے ہمراہ تین دن قیام کیا۔ پھر جب کفار کی طرف سے تعاقب کا خطرہ کسی حد تک ٹل گیا تو آپ آگے روانہ ہو گئے ظاہر ہے کہ مذکورہ تینوں خصوصیات کے حامل حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی تھے جو قیام غار کے دوران حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واحد ساتھی تھے۔ پھر جب ان پر خوفزدگی کی حالت طاری ہوئی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ خوف نہ کھاؤ، اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے یعنی اس کی مدد ہمارے شامل حال ہے۔ اسلیے کفار ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

جب حضرت عمرؓ نے حضرت صدیقؓ کی فضیلت میں تین باتیں کیں تو انصار بھائی بھی مان گئے کہ ان خوبیوں کے مالک حضرت ابوبکرؓ ہی ہیں لہٰذا امارت کے مستحق بھی وہی ہیں۔

پھر حضرت ابوبکرؓ سے گزارش کی گئی کہ آپ اپنا ہاتھ بیعتِ خلافت کے لیے بڑھائیں ثُمَّ بَسَطَ يَدَهٗ انھوں نے اپنا ہاتھ بڑھایا فَبَايَعَهٗ تو سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ وَبَايَعَهُ النَّاسُ اس کے بعد دوسرے لوگوں نے بھی حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور یہ بیعت حَسَنَةً جَمِيْلَةً تھی۔ یعنی حسین وجمیل تھی مطلب یہ ہے کہ اس بیعت پر کوئی اختلاف رائے پیدا نہ ہوا بلکہ موقع پر موجود سب لوگوں نے خوش دلی کے ساتھ بیعت کر کے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اُمّت کا امیر اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خلیفہ تسلیم کر لیا یہ انتخاب پہلے دن ہی مکمل ہوا اور پھر اگلے تمام مراحل خوش اسلوبی کے ساتھ طے ہوتے چلے گئے۔

درس - ۵۶ حدیث - ۱۳۰

حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الزُّبَيْرِ شَيْخٌ بَاهِلِيٌّ قَدِيْمٌ بَصْرِيٌّ حَدَّثَنَا ثَابِتُ الْبُنَانِيُّ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ لَمَّا وَجَدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ كَرْبِ الْمَوْتِ مَا وَجَدَ فَقَالَتْ فَاطِمَةُ وَاكَرْبَاهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا كَرْبَ عَلٰى اَبِيْكِ بَعْدَ الْيَوْمِ اِنَّهٗ قَدْ حَضَرَ مِنْ اَبِيْكِ مَا لَيْسَ بِتَارِكٍ مِّنْهُ اَحَدًا اَلْوَفَاةُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۔ (ترمذی مع شمائل ص ۱۰۱)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث نصر بن علی نے بیان کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے اسے عبداللہ بن زبیر شیخ باہلی قدیم بصری نے بیان کی وہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے یہ روایت ثابت بنانی نے حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کی۔ وہ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موت کی سختی محسوس کی تو آپ کی لختِ جگر حضرت فاطمہؓ نے کہا، ہائے اباجی کی بے چینی ۔پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، آج کے بعد تیرے باپ پر کوئی بے چینی نہیں ہو گی۔ تحقیق تیرے باپ پر وہ چیز حاضر ہو چکی ہے جو کسی فرد کو نہیں چھوڑنے والی یعنی وفات قیامت کے دن تک "

تشریح | یہ روایت امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے جس میں حضور کی زندگی کے آخری لمحات کا ذکر ہے کہ اس وقت نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو کس قدر بے چینی اور تلخی محسوس ہو رہی تھی۔ اسی مضمون کی حدیث جو کہ امّ المؤمنین

ہی سے مروی ہے۔ اس باب کی حدیث ۳ میں گزر چکی ہے۔ حدیث ۲ بھی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی تلخی اور بے چینی سے متعلق ہے اور حضرت عائشہ رضؓ سے ہی مروی ہے۔ اس حدیث میں بھی حضرت عائشہ رضؓ نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی بے چینی اور سختی کا تذکرہ اس طرح کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کے آخری لمحات میں سخت بے چینی محسوس کی تو حضرت فاطمہ رضؓ نے نہایت دُکھ کا اظہار کرتے ہوئے کہا وَاكَرْبَاهُ ہائے میرے ابّاجی کی بے چینی۔ اس کے جواب میں خود آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ بیٹی! لَا كَرْبَ عَلٰى اَبِيْكِ بَعْدَ الْيَوْمِ آج کے بعد تیرے باپ پر کوئی تکلیف نہیں آئے گی یعنی آج مجھ پر وہ موت وارد ہونے والی ہے جس کے بعد اس دنیا کی زندگی کے تمام اُمورِ طبعیہ مشمولہ تکلیف اور بے چینی ختم ہو جائیں گے موت ایک ایسی چیز ہے جس سے قیامت تک کسی کو مفر نہیں بلکہ یہ وارد ہو کر رہے گی۔ اللہ تعالیٰ کا یہ واضح فرمان اور روزمرّہ کا مشاہدہ ہمارے سامنے ہے۔ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ۔ (آل عمران : ۱۸۵) یعنی ہر جان کو ایک نہ ایک دن موت کا ذائقہ چکھنا ہے اور اللہ کے سوا کوئی بھی ذات اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔

درس ۔ ۵۶ حدیث ۔ ۱۴

حَدَّثَنَا اَبُوا لْخَطَّابِ زِیَادُ بْنُ یَحْیَی الْبَصرِیُّ[1] وَ
نَصرُ بْنُ عَلِیٍّ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ رَبِّہٖ بْنُ بَارِقٍ
الْحَنَفِیُّ قَالَ سَمِعْتُ جَدِّیْ اَبَا اُمِّیْ سِمَاکَ بْنَ
وَلِیدٍ یُحَدِّثُ اَنَّہٗ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ یُحَدِّثُ
اَنَّہٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
یَقُوْلُ مَنْ کَانَ لَہٗ فَرَطَانِ مِنْ اُمَّتِیْ اَدْخَلَہُ اللّٰہُ
تَعَالٰی بِہِمَا الْجَنَّۃَ فَقَالَتْ لَہٗ عَائِشَۃُ فَمَنْ
کَانَ لَہٗ فَرَطٌ مِّنْ اُمَّتِکَ قَالَ وَمَنْ کَانَ لَہٗ فَرَطٌ
یَا مُوَفَّقَۃُ قَالَتْ فَمَنْ لَمْ یَکُنْ لَہٗ فَرَطٌ مِنْ اُمَّتِکَ
قَالَ فَاَنَا فَرَطٌ لِاُمَّتِیْ لَنْ یُّصَابُوْا بِمِثْلِیْ۔

(ترمذی مع شمائل صلاٖ۶۰)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے یہ حدیث ابوالخطاب[1]
زیاد بن یحییٰ بصری اور نصر بن علی نے بیان کی۔ وہ دونوں کہتے
ہیں کہ ہمارے سامنے یہ روایت عبدربہ[2] بن بارق حنفی نے
بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے نانا سماک بن ولید
کو کہتے ہوئے سُنا کہ انھوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو
یہ کہتے ہوئے سُنا۔ انھوں نے کہا میں نے حضرت محمد مصطفیٰ
صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میری امت میں سے
جس شخص کے دو پیش رو ہوں گے (یعنی اس کے دو چھوٹے

---

[1] زیاد بن یحیی البصری النکری نسبۃ لبنی نکر۔ المتوفی ۲۵۴ھ
[2] الکوسج الکوفی اصلہ من الیمامۃ۔ (فیاض)

بچے فوت ہو چکے ہوں گے ، تو اللہ تعالیٰ ان دونوں کی وجہ سے
اُس شخص کو جنت میں داخل کرے گا اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ نے
عرض کیا ، حضور ! آپ کی اُمّت میں سے جس شخص کا ایک ہی
پیش رَو ہوگا (یعنی اس کا ایک بچہ کمسنی میں فوت ہو گیا ہو
اس کا کیا حکم ہے) آپ نے فرمایا ، جس آدمی کا ایک ہی
پیش رَو ہو گا (ایک ہی بچہ کم سنی میں فوت ہُوا) اے وہ
خاتون جس کو اچھی بات کی توفیق نصیب ہوئی ۔ (اُس کے لیے
بھی یہی حکم ہے کہ وہ جنت میں داخل ہوگا) اُمّ المؤمنین نے
پھر دریافت کیا ، حضور ! آپ کی اُمّت میں سے جس شخص کا
کوئی بھی پیش رَو نہ ہو گا (یعنی اُس کا کوئی بچہ بھی کم سنی میں
فوت نہیں ہوا ، اس کے لیے کیا حکم ہے) فرمایا ، مَیں اپنی اُمّت
میں سے ہر اُس شخص کے لیے پیش رَو (سفارش کنندہ)
ہوں گا جنھوں نے میری جدائی کے صدمہ جیسا کوئی بھی صدمہ
دُنیا میں نہیں پایا ۔"

تشریح یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے اپنی اُمّت کے اس شخص کے لیے جنت میں داخلے کی
بشارت سنائی مَنْ كَانَ لَهٗ فَرَطَانِ جس کے لیے دو فرطان ہوں گے ۔
فرط کا لفظی معنیٰ پیش رَو یعنی آگے جانے والا ہوتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ حضور
علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی اُمّت میں سے جس شخص کے دو کم سِن بچے اُس شخص سے پہلے
فوت ہو کر دارالبقا میں پہنچ گئے اَدْخَلَهُ اللّٰهُ بِهِمَا الْجَنَّةَ تو اللہ تعالیٰ
ان دو بچوں کی وجہ سے اس شخص کو جنت کا داخلہ عطا کر دے گا ۔ بشرطیکہ وہ
شخص ایمان دار ہو ، بچوں کی فوتیدگی پر جزع فزع اور بے صبری کا اظہار نہ کیا ہو ، یہ
بچے قیامت والے دن اپنے والدین کی اللہ کے حضور سفارش کریں گے اور اللہ تعالیٰ

ان معصوم بچوں کی سفارش قبول کر کے والدین کو جنت کا داخلہ نصیب فرما دے گا۔
نابالغ بچے اور بچی کے لیے نماز جنازہ کی جو دعا سکھلائی گئی ہے اس میں بھی یہی
الفاظ آتے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ لَنَا سَلَفًا وَّ فَرَطًا وَّ اَجْرًا وَّ ذُخْرًا
وَّاجْعَلْہُ لَنَا شَافِعًا وَّ مُشَفَّعًا ۔ (بخاری ج۱ ص۱۷۸ تعلیقاً عن الحسنؒ
ومصنف عبد الرزاق ج۳ ص۵۲۹ عن الحسنؒ، کبیری ص۵۸۶) اے اللہ! اس
فوت ہونے والے بچے کو ہمارے لیے پیش رَو، باعثِ اجر اور ذخیرۂ آخرت بنا دے
اور اسے ہمارے لیے سفارش کرنے والا بنا اور ایسا سفارش کنندہ بنا جس کی سفارش
قبول کر لی جائے۔

ظاہر ہے کہ بالغ میت کے لیے تو بخشش کی دعائیں مانگی جاتی ہیں مگر نابالغ بچوں کی
نماز جنازہ میں اُن کو اللہ کی بارگاہ میں پیش رو، باعثِ اجر اور والدین کے لیے ذخیرۂ آخرت
بنانے کی دُعا کی جاتی ہے۔

بہر حال حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا کہ جس شخص کے دو بچے کمسنی میں فوت
ہو گئے اللہ تعالیٰ انکی سفارش پر والدین کو جنت میں داخلہ نصیب فرمائے گا۔ راوی بیان
کرتا ہے کہ امّ المؤمنین نے عرض کیا فَمَنْ کَانَ لَہٗ فَرَطٌ جس شخص کا صرف ایک ہی بچہ کم سنی
میں فوت ہوا ہو۔ آپ نے فرمایا کہ اس کے لیے بھی یہی حکم ہے کہ اگر اسکے والدین ایمان دار
ہیں اور اس مصیبت پر صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا ہے تو وہ بھی جنت کے حقدار ہونگے۔ امّ المؤمنین
نے پھر سوال کیا کہ جس کا کوئی بچہ بھی کم سنی میں فوت نہ ہوا ہو؟ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا کہ
مَیں اپنی اُمّت میں سے ایسے اشخاص کا خود پیش رو ہوں گا یعنی اُن کے حق میں جنت
کے داخلے کی سفارش کروں گا جن کو میری جُدائی جیسی دُنیا میں کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔
مطلب یہ ہے کہ جن اہلِ ایمان نے میری وفات پر میری جدائی کو برداشت کر لیا ہے اور دُنیا
میں آنے والی ہر مصیبت خواہ وہ کسی بھی عزیز، دوست یا راہنما کی فوتیدگی کی صورت میں پہنچی
ہو، اس کو میری مفارقت کی تکلیف سے کم تر سمجھا ہے وہ بھی میری سفارش کا مستحق ہوگا۔

(۵۵) بَابُ مَا جَآءَ فِیْ مِیْرَاثِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

ترجمہ: "باب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی میراث کے بیان میں"

یہ باب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی وراثت سے متعلقہ احادیث پر مشتمل ہے اگرچہ اس باب کا آپ کی سیرت کے ساتھ براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے، تاہم سابقہ باب وفات کی طرح یہ باب بھی سیرت کے متعلقات میں سے ضرور ہے چونکہ بعض گمراہ فرقے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی وراثت کے متعلق اختلاف رکھتے ہیں لہٰذا اس حقیقت کو سمجھنا ضروری ہے کہ کیا نبی کی وراثت ہوتی ہے یا نہیں۔ اس باب میں امام ترمذیؒ نے سات احادیث جمع کی ہیں۔

نبی کی وراثت کا مسئلہ

درجہ اوّل کی صحیح روایت میں نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا یہ ارشاد موجود ہے نَحْنُ مَعَاشِرُ الْاَنْبِیَاءِ لَا نُوْرِثُ مَا تَرَکْنَا صَدَقَۃٌ ہم انبیاء کی جماعت کوئی وراثت نہیں چھوڑا کرتے۔ ہم جو کچھ بھی چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے[1]۔ بعض مؤرخین اور سیرت نگاروں نے لَا نَرِثُ وَلَا نُوْرِثُ کے الفاظ بھی نقل کیے ہیں جس کا معنیٰ یہ ہے کہ ہم انبیاء نہ تو غیر نبی کے وارث ہوتے ہیں اور نہ ہی کسی کو وارث بناتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ لَا نَرِثُ کا لفظ صحیح احادیث سے ثابت نہیں ہے۔ اللہ کا نبی خود تو غیر نبی کا وارث ہو سکتا ہے۔ مگر نبی کی وراثت آگے نہیں چلتی۔ اگر باپ غیر نبی ہے اور بیٹا نبی ہے تو بیٹے کو باپ کی وراثت ملے گی، مگر خود نبی کسی کو اپنا وارث نہیں بناتا۔ یہ لفظ شاہ ولی اللہؒ نے بھی قرۃ العینین میں نقل کیا ہے مگر صحیح نہیں بلکہ غلط ملط روایات میں نقل ہو گیا ہے اہل حق کا اسی پر اتفاق ہے کہ نبی کی وراثت آگے نہیں چلتی۔

---

[1] نیز لَا نُوْرَثُ مَا تَرَکْنَا صَدَقَۃٌ۔ (البحر الزخار المعروف مسند بزار ص۵۴ ج۱۷ و موطا امام مالکؒ) مؤطا امام مالکؒ ص۳۳۷ کے حاشیہ میں نَحْنُ مَعَاشِرُ الْاَنْبِیَاءِ کے الفاظ بھی ہیں۔ (فیاض)

اس کے برخلاف شیعہ حضرات کا مسلک یہ ہے کہ نبی کی وراثت آگے اس کی اولاد کو بھی پہنچتی ہے۔ اس دعویٰ کی دلیل کے طور پر وہ قرآن پاک کی بعض آیات بھی پیش کرتے ہیں۔ ان آیات کا مفہوم بھی اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے تاکہ کسی قسم کی غلط فہمی نہ رہے۔ مثلاً يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِيٓ أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ (النساء: ۱۱) اللہ تعالیٰ تمھاری اولاد کے بارے میں تمھیں وصیّت کرتا ہے۔ ایک لڑکے کا (وراثت میں) حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے۔ شیعہ حضرات اس آیتِ کریمہ کو عام معانی میں رکھ کر اس سے نبی کی وراثت کا ثبوت پیش کرتے ہیں جب حضرت فاطمہؓ نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی وفات کے بعد آپ کے خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ سے حضورؐ کی وراثت طلب کی تھی تو روایات میں آتا ہے کہ انھوں نے بھی استدلال کے طور پر اسی آیت کا حوالہ دیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ آیت میں نبی کی ذات داخل نہیں ہے کیونکہ نبی کی وراثت کی وضاحت حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے خود کر دی ہے۔ امّہات المومنینؓ اور عشرہ مبشرہؓ سب جانتے تھے کہ یہ آیت صرف امّت کے بارے میں ہے اور نبی کی ذات اس سے مستثنیٰ ہے۔ اس کی مثال کے طور پر نکاح والی آیت بھی پیش کی جاسکتی ہے۔

فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ ۖ (النساء: ۳)
اپنی پسند کے مطابق دو دو، تین تین، یا چار چار عورتوں سے نکاح کر لو۔ یہ آیت بھی بظاہر عام ہے مگر سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر ۵۰ میں نبی کی ذات کو چار تک عورتوں کے ساتھ نکاح کی قید سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ کے نبی کے نکاح میں بیک وقت نو عورتیں بھی رہی ہیں۔ لہٰذا اس آیت کا اطلاق نبی کی ذات پر کرنا درست نہیں ہے کہ عام امّتیوں کی طرح نبی کی اولاد بھی اس کی وارث ہو سکتی ہے۔

اس سلسلہ میں دوسری آیت حضرت داؤد علیہ السّلام کی وراثت سے متعلق ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُودَ (النمل: ۱۶) اور سلیمان

علیہ السّلام حضرت داؤد علیہ السّلام کے وارث بنے۔ یہ دونوں باپ بیٹا اللہ کے نبی ہیں مگر اس آیت سے باپ کی مالی وراثت مراد لینا درست نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ سلیمان علیہ السّلام حضرت داؤد علیہ السّلام کے انیس بیٹوں میں سے سب سے چھوٹے تھے جن کے حق میں وراثت کی خبر دی گئی ہے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا باقی بڑے اٹھارہ بیٹوں کو محروم کر کے صرف سب سے چھوٹے بیٹے کو ہی وراثت ملنا تھی؟ نیز یہ حقیقت بھی غور طلب ہے کہ داؤد علیہ السّلام کے پاس تو دنیا کا کوئی خاص مال بھی نہیں تھا جس کے وارث آپ کے سب سے چھوٹے بیٹے سلیمان علیہ السّلام بنتے۔ حضرت داؤد علیہ السّلام خلیفۃ اللہ ضرور تھے مگر آپ کی تعریف میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا ارشاد مبارک ہے کہ آپ اللہ کے بڑے ہی نیک بندے تھے جو ہاتھ کی کمائی سے گزراوقات کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ پر لوہے کو نرم کر دیا تھا اور آپ کو زرہ سازی کا فن سکھایا تھا۔ آپ بغیر تپائے لوہے کی کڑیاں بناتے اور پھر انھیں جوڑ کر جنگ میں استعمال ہونیوالی زرہیں بنا کر بیچتے۔ آپ خلیفۃ اللہ ہونے کے باوجود بیت المال سے کچھ نہیں لیتے تھے، لہٰذا آپ کی مالی وراثت کا بہت کم تصوّر ہی کیا جاسکتا ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ آیت میں داؤد علیہ السّلام کی جس وراثت کا تذکرہ ہے اس سے مالی وراثت مراد نہیں بلکہ آپ کی نیابت مراد ہے چنانچہ آپ کے بعد آپ کی نیابت اور خلافت حضرت سلیمان علیہ السّلام کے حصّے میں آئی اور دنیا کی بے مثال حکومت بھی آپ ہی کو ملی۔ غرضیکہ اس آیت سے بھی نبی کی مالی وراثت کی دلیل پکڑنا درست نہیں ہے۔ نبی کی وراثت کے سلسلہ میں حضرت زکریا علیہ السّلام کی دعا کو بھی بطور دلیل پیش کیا جاتا ہے۔ فَهَبْ لِي مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا ۝ يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ (مریم: ٥، ٦) مولا کریم! مجھے ایسا بیٹا عطا فرما جو میرا اور آلِ یعقوب کا وارث بنے۔ زکریا علیہ السّلام کی اپنی اولاد تو کوئی نہیں تھی، میاں بیوی دونوں بڑھاپے کی عمر کو پہنچ چکے تھے اور آپ کے بھائی بندوں اور برادری

میں آپ کو کوئی ایسا شخص نظر نہیں آتا تھا جو آپ کے بعد دین کے کام کو سنبھال سکے اور اسے آگے چلا سکے۔ ان حالات میں زکریا علیہ السّلام نے نہایت عاجزی کے ساتھ بارگاہِ ربّ العزّت میں عرض کیا کہ مولا کریم! مجھے میرے بھائی بندوں سے تو کچھ اُمّید نہیں کیونکہ وہ دین کے کام کو آگے چلانے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے، لہٰذا مجھے ایک ایسا بیٹا عطا کر جو میرا اور آلِ یعقوب کا وارث بنے۔ ظاہر ہے کہ اگر یہاں پر وراثت سے مالی وراثت مراد لی جائے تو پورے خاندانِ یعقوب کا وارث ایک ہی بیٹا تو نہیں ہو سکتا جس کے حصول کے لیے دُعا کی جا رہی ہے خاندانِ یعقوب میں تو ہزاروں لاکھوں افراد ایک دوسرے کے مالی وارث موجود تھے، صرف زکریا علیہ السّلام ہی اولاد سے محروم تھے اور پھر یہ بھی غور طلب بات ہے کہ کیا پورے خاندانِ یعقوب کی وراثت ایک ہی جگہ پر جمع کر کے رکھ دی گئی تھی جو کسی کو تقسیم نہیں ہوئی تھی[1] اور صرف زکریا علیہ السّلام کے بیٹے کو ہی ملنی تھی جس کی پیدائش کے لیے دُعا کی جا رہی تھی حقیقت یہ ہے کہ زکریا علیہ السّلام نے جس وراثت کا ذکر کیا ہے اس سے مالی وراثت مراد نہیں بلکہ ان کی نیابت مراد تھی ——— مطلب یہ تھا کہ دین کا جو کام زکریا علیہ السّلام کر رہے ہیں اس کو سنبھالنے والا فرزند عطا کر جو اس کو آگے چلا سکے۔ الغرض! ان تینوں آیات سے انبیاء کی مالی وراثت مراد لینا درست نہیں ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ نبی کی نیابت اور خلافت تو ہوتی ہے مگر مالی وراثت نہیں ہوتی۔

---

[1] نیز ان دونوں انبیاء کے ادوار میں تقریباً دو ہزار سال کا فاصلہ بھی ہے۔ (فیاض)

باب - ۵۵

درس - ۵۷ حدیث - ۱

حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا اِسْرَائِيلُ عَنْ اَبِي اِسْحٰقَ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ اَخِي جُوَيْرِيَةَ لَهُ صُحْبَةٌ قَالَ مَا تَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا سِلَاحَهُ وَبَغْلَتَهُ وَ اَرْضًا جَعَلَهَا صَدَقَةً۔ (ترمذی مع شمائل ص۶۱)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے یہ حدیث احمد بن منیع نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے حسینؒ بن محمد نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت اسرائیل نے ابی اسحٰق کے حوالے سے بیان کی اور انھوں نے اسے صحابی رسول اور ام المؤمنین جویریہؓ کے بھائی عمرو بن الحارثؓ (المصطلقی) سے نقل کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیچھے کچھ ہتھیار، ایک خچر اور کچھ زرعی زمین کے علاوہ کچھ نہیں چھوڑا تھا جن کو آپ نے صدقہ کر دیا تھا۔"

تشریح حضرت عمرو بن الحارثؓ کی اس روایت کے مطابق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ترکہ میں کچھ ہتھیار تھے جن میں سے ایک زرہ (ذات الفضول) ایک یہودی (ابوالشحم الخزرجی) کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے اسے یہودی سے فک کرایا اور بیت المال میں

---

[۱] البصری المتوفی ۲۴۷ھ ، [۲] جویریہ بنت حارثہ غزوہ مصطلق میں اسیر ہوئیں اور ثابت بن قیسؓ کے حصہ میں آئیں۔ ثابتؓ نے ان کو مکاتبہ کر دیا جس کے بعد حضورؐ نے بدل کتابت ادا کر کے ان کو آزاد کرا دیا اور پھر ان کا نکاح حضورؐ سے ہوا پہلے ان کا نام برہ تھا جو حضورؐ نے تبدیل کر دیا۔ ماہ ربیع الاوّل میں بعمر ۶۵ سال ۵۶ھ میں انھوں نے وفات پائی۔ (فیاضی)

جمع کر لیا۔ آپ کے ترکہ میں دوسری چیز آپ کی سواری کا ایک[1] خچر تھا اور تیسری چیز کچھ زرعی زمین تھی جس کی آمدنی سے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اپنے اخراجات پورے کرتے تھے۔ اس زمین کو آپ نے صدقہ کے طور پر رکھا ہوا تھا اور اس کی آمدنی محتاجوں پر صرف ہوتی تھی۔ تاہم اس روایت میں مذکورہ تینوں چیزیں بھی وراثت کے طور پر تقسیم نہیں ہوسکتی تھیں کیونکہ نبی کا ہر ترکہ صدقہ ہوتا ہے۔ اگلی روایت میں حضرت فاطمہؓ اور حضرت ابوبکرؓ کے درمیان اس مکالمہ کا ذکر ہے جو بنتِ رسُول نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی وراثت سے متعلق کیا تھا۔

---

[1] حضورؐ کے کل چھ خچر تھے جن میں پانچ آپکی زندگی میں فوت ہو گئے تھے۔ یہ خچر دُلدل تھا اور یہ سفید رنگ کا تھا یہ مقوقس نے آپکو ہدیہ دیا تھا یہ حضورؐ کی وفات کے بعد بھی کافی دیر زندہ رہا اور حضرت علیؓ کے پاس تھا، پھر عبداللہ بن جعفرؓ کے پاس تھا حتیٰ کہ بوڑھا ہونے کی وجہ سے اسکے دانت بھی نکل گئے اس کے لیے جَو پیسے جاتے تھے یہ مقام ینبع میں فوت ہوا اور جبل رضوی میں اس کو دفن کیا گیا۔ (فیاض)

باب - ۵۵

حدیث - ۲

درس - ۵۷

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی حَدَّثَنَا اَبُوالْوَلِیْدِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ جَاءَتْ فَاطِمَةُ اِلٰی اَبِیْ بَکْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فَقَالَتْ مَنْ یَّرِثُکَ فَقَالَ اَهْلِیْ وَوَلَدِیْ فَقَالَتْ مَالِیْ لَا اَرِثُ اَبِیْ فَقَالَ اَبُوبَکْرٍ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَا نُوْرَثُ وَلٰکِنِّیْ اَعُوْلُ مَنْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَعُوْلُهٗ وَاُنْفِقُ عَلٰی مَنْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُنْفِقُ عَلَیْهِ -

(ترمذی مع شمائل صلانے)

ترجمہ : امام ترمذیؒ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے سامنے یہ حدیث محمد بن مثنیٰ نے بیان کی - وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے ابو الولید نے بیان کیا - وہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے یہ روایت حماد بن سلمۃ نے محمد بن عمرو کے واسطہ سے بیان کی - انھوں نے یہ روایت ابوسلمۃ سے اور انھوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کی - وہ کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہؓ حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئیں اور ان سے پوچھا کہ آپ کا وارث کون ہوگا ؟ انھوں نے جواب دیا کہ میرے وارث میرے اہل وعیال ہونگے - حضرت فاطمہؓ نے پھر دریافت کیا کہ میں اپنے والد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیوں وارث نہیں بنی ؟ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا کہ اس وجہ سے کہ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو

یہ کہتے ہوئے سُنا تھا کہ ہم کسی کو وارث نہیں بناتے۔ البتہ جن لوگوں کی کفالت حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کیا کرتے تھے، اُن کی کفالت مَیں بھی جاری رکھوں گا۔ اور جن کا خرچہ اللہ کے نبی برداشت کیا کرتے تھے، اُن کا خرچہ مَیں بھی ادا کرتا رہوں گا۔"

تشریح یہ روایت حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے جس میں انھوں نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی وفات کے بعد حضرت فاطمہؓ کا خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس آنے کا ذکر کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ بنتِ رسول حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس آئیں اور سوال کیا، مَنْ یَّرِثُکَ؟ حضرت! جب آپ اس دُنیا سے رخصت ہو جائینگے تو آپ کی جائیداد اور مال و متاع کا وارث کون ہوگا؟ حضرت فاطمہؓ دراصل شرعی مسئلہ دریافت کرکے یہ جاننا چاہتی تھیں کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی وفات کے بعد ان کا وارث کون ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا کہ میرے وارث اَھْلِیْ وَوَلَدِیْ یعنی میرے گھر والے اور میری اولاد ہوگی۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق میت کے وارث اس کے اہل و عیال ہی ہوتے ہیں۔ اگر کسی مرنے والے کے اہل و عیال نہ ہوں تو پھر دوسرے وارث ہوتے ہیں۔ چونکہ حضرت صدیقؓ صاحبِ اہل و عیال تھے، لہٰذا انھوں نے اپنے متعلق کیے گئے سوال کا جواب دے دیا۔ پھر حضرت فاطمہؓ نے دوسرا سوال کیا مَالِیْ لَا اَرِثُ اَبِیْ اگر آپ کی اولاد آپ کی وارث ہو سکتی ہے تو مَیں بھی اللہ کے نبی کی بیٹی ہوں، مَیں ان کی وارث کیوں نہیں بن سکتی؟ اس سوال کے جواب میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی یہ حدیث پیش کی کہ مَیں نے خود اپنے کانوں سے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو یہ کہتے ہوئے سُنا ہے لَا نُوْرَثُ کہ ہم اللہ کے نبی ہونے کی حیثیت سے کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے۔ جیسا کہ میں نے اس باب کے تعارف میں عرض کیا ہے۔ دوسری روایات میں صریحاً آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لَا نُوْرَثُ مَا تَرَکْنَا صَدَقَۃٌ ہم انبیاء کی جماعت کسی کو اپنا مال وارث نہیں بناتے کیونکہ

اللہ کے نبی جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔

بہر حال حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے حضرت فاطمہؓ پر واضح کر دیا کہ دنیاوی مال و متاع کے اعتبار سے نبی کا کوئی وارث نہیں ہوتا خواہ وہ کتنا ہی قریبی کیوں نہ ہو۔ البتہ آپ نے فرمایا وَلٰكِنِّيْ اَعُوْلُ مَنْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوْلُهٗ کہ جن لوگوں کی کفالت حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اپنی حیاتِ مبارکہ میں کیا کرتے تھے، آپ کا نائب ہونے کی حیثیت سے میں بھی ان کی کفالت کرتا رہوں گا۔ وَاُنْفِقُ عَلٰى مَنْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُنْفِقُ عَلَيْهِ اور اُن لوگوں کا خرچہ میں بھی اٹھاتا رہوں گا جن کا خرچہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام دیا کرتے تھے۔ ان میں امّہات المؤمنینؓ اور اہلِ بیتؓ آتے ہیں جن کو خرچہ اللہ کے نبی دیا کرتے تھے مگر آپ کے بعد آپ کی وراثت کا کوئی بھی حق دار نہیں ہے۔

مسند احمد میں بڑی واضح روایت موجود ہے کہ حضرت فاطمہؓ مسئلہ وراثتِ انبیاء سے واقف نہیں تھیں۔ وہ اس خیال میں تھیں کہ جس طرح ایک عام امّتی کی مالی وراثت آگے چلتی ہے اسی طرح نبی کی وراثت بھی اس کے اہل و عیال میں تقسیم ہوتی ہے چنانچہ انھوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی وراثت تقسیم کرنے کا مطالبہ کیا۔ صحیحین کی روایت میں آتا ہے کہ اس مسئلہ میں بحث و تمحیص کے دوران ایک موقع پر حضرت فاطمہؓ ناراض بھی ہو گئیں مگر جب انھیں مسئلہ کا صحیح علم ہو گیا تو انھوں نے خاموشی اختیار کر لی۔ مسند احمد کی روایت میں تو یہ بھی موجود ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت فاطمہؓ کو مذکورہ حدیث سُنا کر کہا کہ اگر میں نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے فرمان کے خلاف کام کیا تو گمراہ ہو جاؤں گا۔ اس پر حضرت فاطمہؓ نے کہا کہ آپ نے جو بات حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے آپ اس کو بہتر جانتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت فاطمہؓ نے زندگی بھر اس مسئلہ میں کوئی بات نہیں کی۔ اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ بنتِ رسول نے اللہ کے رسول کی وراثت کا مطالبہ

لاعلمی کی وجہ سے کیا تھا۔ جب اُنھیں حقیقت کا علم ہو گیا تو پھر خاموشی اختیار کر لی بعض حضرات نبی کی وراثت کے حق میں جتنی روایات بطور دلیل پیش کرتے ہیں، وہ سب اس دور کی ہیں جب تک کہ حضرت فاطمہؓ پر مسئلہ وراثتِ نبی پوری طرح واضح نہیں ہوا تھا حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی وفات کے بعد حضرت فاطمہؓ چھ ماہ تک زندہ رہیں اور پھر اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملیں۔

انبیاء کی عدم وراثت کی وجوہات

محدثین کرام نے انبیاء علیہم السّلام کی وراثت نہ ہونے کی بہت سی وجوہات بیان کی ہیں مثلاً:

(۱) لوگ یہ گمان نہ کرنے لگیں کہ اللہ کے نبی بھی عام دُنیا داروں کی طرح دُنیا کے مال میں رغبت رکھتے اور اسے جمع کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے نبی لَایَدَّخِرُ لِغَدٍ وہ تو اتنے متوکل علی اللہ ہوتے ہیں کہ وہ کسی چیز کو کل (صرف ایک دن) کے لیے ذخیرہ بنا کر نہیں رکھتے حالانکہ وہ ایسا کر سکتے ہیں مگر نہیں کرتے۔ جب مال ہی نہیں ہے تو وراثت کیسے چلے گی۔

(۲) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ ط (الاحزاب: ۶) اللہ کے نبی مومنوں پر اُن کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں، اور پیغمبر کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں ہے کہ پیغمبر کی بیویاں مومنوں کی مائیں وَهُوَ اَبٌ لَّهُمْ اور خود نبی ساری اُمّت کے مومنوں کے بمنزلہ باپ کے ہیں۔ اس لحاظ سے نبی کی وارث صرف اس کی بیٹی ہی نہیں بلکہ ساری اُمّت ہے۔

(۳) حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا ارشاد مبارک ہے اِنَّ الصَّدَقَةَ لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَلَا لِاٰلِ مُحَمَّدٍ اِنَّمَا هِیَ اَوْسَاخُ النَّاسِ صدقہ کا مال محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل کے لیے حلال نہیں ہے کیونکہ یہ لوگوں کی میل کچیل ہوتا ہے[۱]۔ جب دُنیا کا

---

[۱] نیز لا تحل الصدقة لآل محمد انما هی اوساخ الناس۔ مؤطا امام مالک ص۳۵، لان الصدقة لا تحل لآل محمد۔ مسند ابو یعلیٰ الموصلی ص۱۳۱/۱۲۲، ان الصدقة حرام علی محمد وعلی آل محمد، مسند احمد ص۶/۴۔ (فیاض)

مال میل کچیل ٹھہرا تو پھر اللہ کا نبی اسے کیسے جمع کر سکتا ہے ؟ جب مال ہی نہیں ہے تو وراثت کی تقسیم کیسی ؟

(۴) دنیا کا دستور یہ ہے کہ بڑے بڑے بادشاہ اور امراء کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کی آئندہ نسلیں خوشحال زندگی بسر کریں لہٰذا وہ مرنے سے پہلے زیادہ سے زیادہ مال چھوڑنا چاہتے ہیں اور اس مقصد کے لیے زندگی بھر تگ و دو کرتے رہتے ہیں۔ اگر نبی کی وراثت ہوتی تو لوگ یہ گمان کرنے لگتے کہ مال جمع کرنے میں اللہ کے نبی بھی دوسرے لوگوں سے کم رغبت نہیں رکھتے اور یہ کہ نبی کا دعویٰ نبوت محض دُنیا کا مال جمع کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے نبی ہرگز نہیں چاہتے کہ ان کی اولاد غنی ہو، لہٰذا نہ وہ مال جمع کرتے ہیں اور نہ وراثت تقسیم ہونے کی نوبت آتی ہے۔

(۵) اگر نبی کی وراثت بھی اس کی اولاد میں چلنے کا قانون ہوتا، تو ممکن ہے کہ اُس کی اولاد میں سے کوئی بدنصیب فرد محض ترکہ حاصل کرنے کے لیے نبی کو ہلاک کرنے کی کوشش کرتا۔ اس طرح کی کاروائی خود اس شخص کے حق میں مضر ہوتی۔ بایں وجہ بھی نبی کی وراثت نہیں ہے۔

(۶) حقیقت یہ ہے کہ ہر چیز کا مالک تو اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ کا نبی اس کے خلیفہ کی حیثیت سے دنیا کے مال میں اُس کے حکم کے مطابق تصرف کرتا ہے جب حقیقت میں نبی کسی چیز کا مالک ہی نہیں ہوتا تو اس کا ترکہ کیسے تقسیم ہوگا ؟

یاد رہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ نبی شرعاً کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا، بلکہ وہ اپنے زہد و تقویٰ کی بناء پر دنیا کے فانی مال کو اپنا نہیں سمجھتا بلکہ ان اموال کے ایک متولی کی حیثیت سے ان میں تصرف کرتا ہے لہٰذا نبی کی وراثت ہوتی ہی نہیں۔

(۷) تفسیر مظہری والے کہتے ہیں کہ نبی کی طبعی موت تو واقع ہوتی ہے مگر اُنکی روح انقباض کے طریقے پر نکالی جاتی ہے لہٰذا وہ اپنی قبور میں زندہ ہیں اور زندہ

شخصیّت کی نہ تو وراثت تقسیم ہوتی ہے اور نہ ہی ان کی یہ عارضی ملکیت زائل ہوتی ہے۔ اسی لیے نبی کی بیویوں سے نکاح بھی درست نہیں۔ مولنا نانوتویؒ نے بھی اس مشکل مسئلہ پر آبِ حیات نامی کتاب لکھی ہے۔ اس مسئلہ وراثت میں ان تمام وجوہات کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی حَدَّثَنَا يَحْيٰى بْنُ كَثِيْرٍ الْعَنْبَرِيُّ اَبُوْغَسَّانٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ عَنْ اَبِي الْبُخْتَرِيِّ اَنَّ الْعَبَّاسَ وَعَلِيًّا جَاءَا اِلٰى عُمَرَ يَخْتَصِمَانِ يَقُوْلُ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا لِصَاحِبِهٖ اَنْتَ كَذَا اَنْتَ كَذَا فَقَالَ عُمَرُ لِطَلْحَةَ وَالزُّبَيْرِ وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ وَسَعْدٍ نَشَدْتُكُمْ بِاللّٰهِ اَسَمِعْتُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ كُلُّ مَالِ نَبِيٍّ صَدَقَةٌ اِلَّا مَا اَطْعَمَهٗ اِنَّا لَا نُوْرَثُ وَفِي الْحَدِيْثِ قِصَّةٌ۔ (ترمذی مع شمائل صفحہ ۶۰)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے یہ حدیث محمد بن المثنیٰ نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے اسے یحییٰ[1] بن کثیر عنبری ابوغسان نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے یہ روایت شعبہ نے بیان کی انھوں نے اسے عمرو بن مرۃ سے ابوالبختریؒ[2] کے واسطہ سے نقل کیا۔ ابوالبختری کہتے ہیں کہ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ امیرالمؤمنین حضرت عمر بن الخطابؓ (کے دورِ خلافت میں) کے پاس جھگڑتے ہوئے آئے۔ دونوں حضرات ایک دوسرے پر بدنظمی کا اعتراض کر رہے تھے۔ خلیفۂ وقت حضرت عمرؓ نے اکابر صحابہ حضرات طلحہؓ، زبیرؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور سعدؓ کو قسم دلا کر پوچھا کیا تم نے حضور نبی کریم صلی اللہ

---

[1] البصری المتوفی ۲۰۶ھ

[2] نسبۃ الی بختر حسن بن المثنیٰ اسمہ سعید بن عمران۔ (فیاض)

علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے یہ نہیں سُنا کہ نبی کا تمام مال صدقہ
ہوتا ہے سوائے اس مال کے جو اللہ تعالیٰ نے اس نبی کو کھلا
دیا، دوسرے نسخے کے مطابق اس کا معنیٰ یہ بنتا ہے کہ بجز اس
مال کے جو نبی نے اپنے اہل کو کھلا دیا ہم انبیاء کی جماعت کسی
کو اپنا وارث نہیں بناتے۔ اس حدیث میں ایک لمبا قصّہ بھی ہے؟

تشریح ابوالبختری کی اس روایت میں اس تنازعہ کا ذکر ہے جو حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان تھا۔ حضرت عمرؓ نے ان دونوں حضرات کو ان اموال کی تولیت سپرد کی تھی ان دونوں کے مزاج مختلف تھے حضرت علیؓ جلدی معاملات کو تقسیم کرنے کے حق میں تھے اور حضرت عباسؓ اس کو آہستہ آہستہ خرچ کرنے کے حق میں تھے۔ چونکہ تولیت مشترکہ ہونے کی وجہ سے کوئی کام کرنے سے پہلے دونوں متولیان کا متفق ہونا ضروری ہوتا ہے، اس لیے اس جائیداد سے حاصل ہونے والی آمدنی کے اخراجات کے متعلق دونوں حضرات میں اکثر اختلاف رائے رہتا تھا۔ چنانچہ ان دونوں حضرات نے حضرت عمرؓ سے درخواست کی کہ ہماری اس تولیت کو تقسیم کر دیا جائے تاکہ یہ روز روز کا جھگڑا ختم ہو جائے۔ اس موقع پر اکابرین صحابہؓ میں سے حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور حضرت سعدؓ موجود تھے حضرت عمرؓ نے اُن کو قسم دلا کر پوچھا کہ کیا تم نے نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی زبانِ مبارک سے یہ حدیث نہیں سُنی۔ كُلُّ مَالِ نَبِيٍّ صَدَقَةٌ کہ نبی کے ترکہ کا تمام مال صدقہ ہوتا ہے اِلَّا مَا اَطْعَمَهٗ بجز اس کے جو اللہ تعالیٰ نے اس نبی کو کھلا دیا۔ کیا آپ کا یہ ارشاد بھی تمہارے علم میں نہیں ہے اِنَّا لَا نُوْرَثُ ہم انبیاء کا گروہ کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے۔ بلکہ ہمارا ترکہ صدقہ ہوتا ہے۔ دوسری روایت میں آتا ہے قَالُوْا نَعَمْ کہ ان صحابہؓ نے اس حدیث کا اقرار کیا۔

میراث کے اس باب میں امام ترمذیؒ نے اس حدیث کا صرف وہی حصہ نقل کیا جس کا تعلق حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی میراث کے ساتھ تھا اور باقی حدیث

طوالت کے خوف سے چھوڑ دی ہے تاہم اشارہ کر دیا ہے وَ فِی الْحَدِیْثِ قِصَّۃٌ
اس حدیث میں ایک لمبا قصّہ بھی مذکور ہے۔ یہ وہی واقعہ اور اس کی بعض تفصیلات
ہیں جس کی وجہ سے حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان میں زمین اور باغات
کی مشترکہ تولیت ہونے کی وجہ سے اکثر اختلاف رائے رہتا تھا۔ یہ حضرات چاہتے
تھے کہ یہ تولیت ان دونوں میں تقسیم کر دی جائے تاکہ وہ اپنی اپنی تولیت والی جائیداد
کا اپنی صوابدید کے مطابق خود انتظام کر سکیں۔ مگر حضرت عمرؓ نے پہلے تو حضور علیہ الصّلوٰۃ
والسّلام کی عدم وراثت کو ثابت کیا۔ اور پھر تولیت کو تقسیم کرنے سے بھی انکار کر دیا۔
آپ کا نظریہ یہ تھا کہ اگر آج تولیت کو تقسیم کر دیا گیا تو ممکن ہے کل کو تمھاری اولادیں
اس کو وراثت کے طور پر تقسیم کر لیں گی۔ اوقاف کے سلسلہ میں اس قسم کے واقعات
دنیا میں پیش آتے رہتے ہیں۔ الغرض! حضرت عمرؓ نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام
کے ترکہ کی تولیت کی تقسیم کی اجازت بھی نہیں دی۔

اس حدیث میں جھگڑا وراثت کی تقسیم کا نہیں تھا بلکہ تولیت کی تقسیم کا تھا حضرت
عمرؓ نے صاف کہہ دیا کہ اگر تم قریبی رشتہ دار ہونے کی حیثیت سے اس مشترکہ تولیت
کو نبھا سکتے ہو تو ٹھیک ہے ورنہ میں کسی دوسرے شخص کو متولی مقرر کر دیتا ہوں۔
اسی مضمون کی روایت آگے ص۱۷ پر بھی آرہی ہے۔

باب - ۵۵

درس - ۵۷

حدیث - ۴

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى حَدَّثَنَا صَفْوَانُ بْنُ عِيْسٰى عَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَا فَهُوَ صَدَقَةٌ ۔

(ترمذی مع شمائل ص۶۰)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے یہ روایت محمد بن بشار نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے اسے صفوان بن عیسیٰ نے اسامہ بن زید سے جنھوں نے زہری کے واسطہ سے بیان کی۔ انھوں نے یہ روایت عروہ سے اور انھوں نے امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہم (انبیاء کی جماعت) کسی کو وارث نہیں بناتے جو کچھ ہم چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔"

تشریح | اس مضمون کی احادیث پہلے بھی گزر چکی ہیں۔ محدثین نے اپنی تشریحات میں بالکل واضح کر دیا ہے کہ نبی کی وراثت نہیں ہوتی اور نہ ہی اُسے تقسیم کیا جاتا ہے۔ بعض گمراہ فرقوں کا یہ دعویٰ باطل ہے کہ وراثت کا مسئلہ عام ہے حقیقت یہ ہے کہ بعض دیگر امور کی طرح اللہ کے نبی وراثت کے عمومی حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَقْتَسِمُ وَرَثَتِيْ دِيْنَارًا وَّلَا دِرْهَمًا مَا تَرَكْتُ بَعْدَ نَفَقَةِ نِسَائِيْ وَمُؤْنَةِ عَامِلِيْ فَهُوَ صَدَقَةٌ۔ (ترمذی مع شمائل صلا)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے یہ حدیث محمد بن بشار نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے عبدالرحمٰن بن مہدی نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے اسے سفیان نے ابو زناد سے بیان کیا۔ انھوں نے یہ روایت اعرج[1] سے اور انھوں نے صحابی رسول حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کی۔ وہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ میرے ورثاء درہم و دینار تقسیم نہ کریں۔ میرے ترکہ میں سے میری عورتوں اور عامل کا خرچہ نکالنے کے بعد جو کچھ بچے وہ صدقہ ہے۔"

تشریح اس حدیث سے بھی بالکل واضح ہوتا ہے کہ نبی کی وراثت نہیں ہوتی بلکہ آپ کے گھر والوں کے ضروری اخراجات ادا کرنے کے بعد جو باقی بچے وہ صدقہ کا مال تصور ہو گا اور اس کا مصرف وہی ہو گا جو صدقہ کا ہوتا ہے۔ نبی کی وراثت نہ ہونے کی وجوہات حدیث ۲ کی تشریح میں عرض کر دی گئی ہیں۔

---

[1] عبدالرحمٰن بن ھرمز ابوداؤد المدنی مولیٰ ربیعۃ بن الحارث ثقۃ ثبت عالم کان یکتب المصاحف۔ (فیاض)

باب - ۵۵

درس - ۵۷

حدیث - ۶

حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ الْخَلَّالُ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ مَالِكَ بْنَ اَنَسٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ مَّالِكِ بْنِ اَوْسِ بْنِ الْحَدَثَانِ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى عُمَرَ فَدَخَلَ عَلَيْهِ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ وَ طَلْحَةُ وَسَعْدٌ وَجَاءَ عَلِيٌّ وَالْعَبَّاسُ يَخْتَصِمَانِ فَقَالَ لَهُمْ عُمَرُ اَنْشُدُكُمْ بِالَّذِيْ بِاِذْنِهٖ تَقُوْمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ فَقَالُوْا اَللّٰهُمَّ نَعَمْ وَفِي الْحَدِيْثِ قِصَّةٌ طَوِيْلَةٌ۔

(ترمذی مع شمائل صلا)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے یہ حدیث حسین بن علی خلال نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے اسے بشر[1] بن عمر نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ روایت مالک بن انس سے زہری کے واسطہ سے سماعت کی۔ انھوں نے یہ روایت مالک بن اوس سے سنی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں ایک موقع پر امیر المؤمنین حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں اُن کے پاس حاضر ہوا۔ اتفاق سے وہاں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت سعدؓ بھی آ گئے۔ استنے میں حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ آپس میں جھگڑا کرتے ہوئے وہاں پہنچے۔ حضرت عمرؓ نے اُن سے کہا کہ میں تمھیں اُس ذات کی قسم دے کر پوچھتا

---

[1] الحکم الزہری الازدی البصری ثقة ۔ (فیاض)

ہوں جس کے حکم سے آسمان و زمین قائم ہیں، کیا تم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد جانتے ہو کہ آپ نے فرمایا تھا کہ ہم انبیار کی جماعت کسی کو وارث نہیں بناتے۔ ہم جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں، وہ صدقہ ہوتا ہے۔ اُن حضرات نے جواب دیا، ہاں اس حدیث میں ایک لمبا قصہ بھی مذکور ہے۔"

تشریح | یہ مضمون گزشتہ حدیث ۳ میں بھی بیان ہو چکا ہے اور میں نے اس کی تشریح کر دی ہے حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ دونوں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی مقبوضہ زمین اور باغات کے مشترکہ متولّی تھے اور اُن میں اس جائیداد کے انتظام سے متعلق اکثر اختلاف رہتا تھا۔ وہ تولیّت کو بھی آپس میں تقسیم کرنا چاہتے تھے مگر حضرت عمرؓ نے اس کی اجازت نہ دی۔ اس حدیث میں تین صحابہ کا ذکر ہے جن سے امیرالمؤمنین نے قسم دلا کر تصدیق کرائی کہ انبیار کی وراثت نہیں ہوتی۔ البتہ گزشتہ روایت میں ان تین کے علاوہ چوتھے صحابی حضرت زبیرؓ کا نام بھی آیا ہے۔ بہرحال یہ جھگڑا جائیداد کی تولیت سے متعلق تھا، نہ کہ نبی کی وراثت کے متعلق جیسا کہ بعض لوگوں کی غلط فہمی ہے۔ اس روایت اور دوسری روایت سے واضح طور پر ثابت ہے کہ نبی کی وراثت نہیں ہوتی۔

درس ۔ ۵۷　　　　حدیث ۔ ۷

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَاصِمِ بْنِ بَهْدَلَةَ عَنْ زِرِّ بْنِ حُبَيْشٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا تَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِيْنَارًا وَّلَا دِرْهَمًا وَلَا شَاةً وَلَا بَعِيْرًا قَالَ وَاَشُكُّ فِي الْعَبْدِ وَالْاَمَةِ۔

(ترمذی مع شمائل صلالہ)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے یہ حدیث محمد بن بشار نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے اسے عبدالرحمٰن بن مہدی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت سفیان نے عاصم[1] ابن بہدلہ سے زر بن جیش کے واسطہ سے بیان کی اور انھوں نے امّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے نقل کیا وہ کہتی ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیچھے نہ کوئی دینار چھوڑا اور نہ درہم اور نہ کوئی بکری اور نہ اونٹ۔ راوی کہتا ہے کہ مجھے غلام اور لونڈی کے متعلق شک ہے کہ ان کا ذکر ہوا یا نہیں "

تشریح حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی عدم وراثت کے ضمن میں دینار اور درہم کا ذکر تو حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ۵ میں گزر چکا ہے البتہ اس روایت میں بکری اور اونٹ کا ذکر بھی آگیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیچھے کوئی مال و دولت نہیں چھوڑا، لہٰذا آپ کی وراثت آگے چلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس حدیث کے راویوں میں سے کسی کو شک ہے کہ حضور علیہ

---

[1] مولیٰ بنی اسد (فیاض)

الصّلوٰۃ والسّلام نے دینار و درہم، بکری اور اُونٹ کے علاوہ غلام اور لونڈی کا نام بھی لیا تھا یا نہیں - ایک اور روایت میں لَا نُوْرَثُ کے علاوہ اِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ (ترمذی صفحہ ۹۸/۲) کے الفاظ آتے ہیں. یعنی انبیاء کی وراثت دُنیا کے مال و متاع میں نہیں ہوتی، البتہ اللہ کے نبی اپنی اُمّت میں علم کے وارث ضرور بناتے ہیں۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی تعلیمات حاصل کرنے والا، ان پر عمل پیرا ہونے والا اور ان کو آگے پھیلانے والا آدمی اللہ کے نبی کے علم کا وارث ہوتا ہے۔

---

(۵۶) بَابُ مَا جَآءَ فِیْ رُؤْیَةِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی الْمَنَامِ

ترجمہ: "باب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو خواب میں دیکھنے کے بیان میں"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کے متعلقات میں سے یہ دوسرا باب آپ کی خواب میں زیارت سے متعلق ہے امام ترمذیؒ نے اس باب میں سات احادیث نقل کی ہیں جن سے ہمیں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خواب میں زیارت سے متعلق راہنمائی ہوتی ہے یعنی اگر کوئی شخص اللہ کے نبی کو خواب میں دیکھتا ہے تو اس کی حقیقت کیا ہے، اور اہلِ ایمان کو اس ضمن میں کیا عقیدہ رکھنا چاہیے۔

خواب کی حقیقت بعض لوگ خواب کو ایک بے معنی چیز سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انسان کے خواب تو محض اَضْغَاثُ اَحْلَام ہوتے ہیں مطلب یہ کہ خواب تو مختلف قسم کے خیالات اور اوہام کا ایک بے جوڑ سا گٹھا ہوتا ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ مگر یہ نظریہ درست نہیں ہے۔ آسمانی کتب اور انبیاء علیہم السّلام کی تعلیمات میں خواب کو ایک حقیقت کے طور پر متعارف کرایا گیا ہے خود حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام، حضرت ابراہیم علیہ السّلام اور حضرت یوسف علیہ السّلام وغیرہم کے خوابوں کا ذکر قرآنِ پاک میں موجود ہے۔ حدیث کی ہر کتاب میں بھی کِتَابُ الرُّؤْیَا کے نام سے ابواب موجود ہیں جن میں منقولہ احادیث سے خواب کی حقیقت واضح ہوتی ہے۔ خواب کی تاویل کے بارے میں بھی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ارشادات موجود ہیں۔

بعض متکلمین (معتزلہ قسم کے متکلمین مراد ہیں) خصوصاً فلسفی لوگ خواب کو ایک خیالِ باطل سمجھتے ہیں جو کہ علم کے لیے مفید نہیں ہوتا۔ البتہ معتزلہ فرقے کے لوگوں کا نظریہ یہ ہے کہ خواب کے دوران چونکہ انسان کے حواس معطل ہوتے ہیں لہٰذا اس

ہیں علم کے شرائط نہیں پائے جاتے، تو ایسی حالت میں خواب میں کسی چیز کے مشاہدہ کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟ البتہ فلاسفروں کا نظریہ یہ ہے کہ خواب مثالی صورتوں کا انعکاس ہوتا ہے جو انسان کے نفسِ ناطقہ کے آئینہ میں ظاہر ہو کر سوتے میں اس کے مشاہدۃ میں آتا ہے۔

اس کے برخلاف عام اہلِ سنت والجماعت کے نزدیک خواب ایک حقیقت ہے۔ جس طرح بعض باطنی اعتقادات وخیالات اللہ تعالیٰ بیدار انسان کے دل میں پیدا کرتا ہے، اسی طرح یہ باطنی خیالات سونے والے آدمی کے قلب میں بھی اللہ تعالیٰ پیدا فرما دیتا ہے۔ طبرانی شریف کی (بسندٍ صحیح) روایت میں آتا ہے (عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتْؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رُؤْیَا الْمُؤْمِنِ کَلَامٌ یُکَلِّمُ الْعَبْدُ رَبَّہٗ فِی الْمَنَامِ۔ (وایضاً مظہری ۱۳۷/۵) مومن آدمی کا خواب ایک کلام ہوتا ہے جو وہ اپنے پروردگار کے ساتھ خوابیدگی کی حالت میں کرتا ہے۔

خواب کی حقیقت کو مفکرینِ اسلام نے مختلف طریقوں سے سمجھایا ہے۔ امام بیضاویؒ (المتوفی ۶۸۵ھ) کہتے ہیں کہ انسان کی قوتِ متخیلہ (حواسِ باطنہ کی قوت) میں بہت سی صورتیں جمع ہوتی ہیں۔ جب اُن میں سے کوئی صورت انسان کی حسِّ مشترک کی سکرین پر پڑتی ہے تو خوابیدہ آدمی دورانِ خواب ہی اُس کا مشاہدہ کرتا ہے جسے خواب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اگر اس خواب کا تعلق عالمِ ملکوت کے ساتھ ہو تو یہ سچا خواب ہوتا ہے، ورنہ اس کا کچھ اعتبار نہیں ہوتا۔

علمِ حقائق سے بحث کرنے والوں کے نزدیک یہ چار عالم تو بہت مشہور ہیں (۱) مادی جہاں (۲) عالمِ مثال (۳) عالمِ ملکوت (۴) عالمِ جبروت اور پھر سب سے اوپر عالمِ لاہوت جو اللہ وحدہٗ لاشریک کی ذات ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے فلسفہ کے مطابق اس مادی جہاں میں تو بیداری کی حالت میں ہم ہر چیز کو اس کی اصلی شکل وصورت، رنگ ڈھنگ اور مادہ کے ساتھ دیکھتے ہیں اور محسوس کرتے ہیں۔ پھر جب کوئی شخص سو جاتا ہے تو اس کی روح یا نفس کا تعلق مادی جہان (ناسوتی عالم) کی بجائے عالمِ مثال کے ساتھ قائم ہو جاتا

ہے ۔ یہ جہان مادی جہان سے بہت لطیف ہے ۔ یہاں پر ہر مادی چیز کو ہم اس کے رنگ ڈھنگ اور شکل وصورت میں تو دیکھ سکتے ہیں مگر اس کے مادہ کو محسوس نہیں کر سکتے کیونکہ وہ ایک لطیف جہان ہے ۔ اس جہان کی مثال ہم اس دُنیا میں بھی ملاحظہ کرتے رہتے ہیں مثلاً جب کوئی شخص آئینہ میں خود کو یا کسی دوسری چیز کو دیکھتا ہے تو وہ اپنے رنگ ڈھنگ اور شکل وصورت کے اعتبار سے تو بالکل اصلی چیز کے مطابق ہوتی ہے مگر اُس کا قد کاٹھ یا طول عرض اس کے اصل طول وعرض کی مناسبت سے کم وبیش بھی ہوسکتا ہے ۔ موجودہ دَور میں اس کی مثال ٹیلیویژن کی سکرین سے بھی دی جا سکتی ہے ، جہاں ہر چیز ہمیں اصلی شکل وصورت میں تو نظر آتی ہے مگر ہم اُس کے مادہ کو محسوس نہیں کر سکتے ۔ اسی طرح عالمِ مثال جیسے لطیف جہان میں بھی خوابیدہ آدمی ہر مادی یا غیر مادی چیز کو تصویر کی طرح دیکھ سکتا ہے مگر اس کے مادہ کو محسوس نہیں کر سکتا تو شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جب کوئی آدمی سوجاتا ہے تو اس کی روح یا نفس کا تعلق عالمِ مثال کے ساتھ قائم ہو جاتا ہے ۔ اس حالت میں اُس کی قوتِ متخیلہ میں جمع شدہ صورتوں میں کوئی صورت اگر نظر آجائے تو اسے ہم خواب کہتے ہیں ۔ سونے والا آدمی مختلف اشیاء کا مشاہدہ کرتا ہے ، سفر کرتا ہے کبھی تکلیف اُٹھاتا ہے اور کبھی راحت پاتا ہے مگر کسی بھی چیز کے مادہ کو محسوس نہیں کر سکتا کیونکہ اس کا یہ مشاہدہ عالمِ مثال کا مشاہدہ ہوتا ہے جو اس مادی جہان سے بہت لطیف جہان ہے شاہ صاحبؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ عالمِ مثال اس مادی جہان اور عالمِ ملکوت کے درمیان واقع ہے چنانچہ اُوپر سے آنے والے تمام احکام اور اشیاء پہلے عالمِ مثال میں آتی ہیں اور پھر نیچے اس دُنیا میں آتی ہیں ۔ اسی طرح اس جہان کی تمام اشیاء اور احکام پہلے عالمِ مثال میں جاتے ہیں اور پھر اُس سے اوپر عالمِ ملکوت اور دوسرے عوالم میں پہنچتے ہیں ۔

اطباء کہتے ہیں کہ خواب کا تعلق انسان کی جسمانی کیفیات کے ساتھ ہوتا ہے انسان کے جسم میں جس قسم کی خلط غالب ہوتی ہے خواب بھی اُسی کے مطابق نظر آتے ہیں ۔ اگر

کسی شخص کے جسم میں بلغمی مادہ زیادہ ہے تو اسے پانی سے تعلق رکھنے والی اشیاء، دریا، سمندر، نہریں اور کشتیاں وغیرہ خواب میں نظر آئیں گی۔ اگر کسی کے جسم میں صفراوی مادہ کی بہتات ہے تو اسے آگ اور اس کی متعلقات خواب میں دکھائی دیں گی۔ کبھی وہ خود آگ جلا رہا ہوگا، کبھی کسی جلتی ہوئی چیز کو دیکھے گا اور کبھی آگ پر قابو پانے کی کوشش کرتا ہوا نظر آئے گا۔ جس شخص میں خون غالب ہوتا ہے، وہ مستی اور سرور خوابوں میں دیکھے گا۔ اگر کسی آدمی میں خلط سوداء غالب ہے تو اسے خواب میں سیاہ اور ڈراؤنی چیزیں نظر آئیں گی۔ کبھی ہاتھی کے آٹھ آٹھ پاؤں نظر آئیں گے جس کے کھرے گھڑے جتنے خصیے ہوں گے۔ ایسے خواب دیکھنے والے لوگ اکثر نیند کے دوران ہی ڈر کر چیخنے لگتے ہیں۔ غرضیکہ ڈاکٹر اور حکیم خواب کو انسان کی جسمانی کیفیات کے ساتھ منسلک کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خواب کی حقیقت اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔

ان تمام نظریات کو غور سے دیکھا جائے تو انسان اسی نتیجے پر پہنچے گا کہ شاہ ولی اللہؒ کا نظریہ جو کہ اہلِ سنّت کا نظریہ ہے، وہی صحیح ہے اور خواب بھی ایک حقیقت اور ایک عالم ہے جسے عالمِ رؤیا بھی کہتے ہیں۔ عالمِ دنیا اور عالمِ مثال کی طرح یہ بھی ایک عالم ہے جس میں خاص خاص اشیاء خاص مناسبت کے ساتھ نظر آتی ہیں حدیث کے قائم کردہ اصول کے مطابق اہل سنّت خواب کو تین قسموں میں تقسیم کرتے ہیں۔

(۱) نفسانی خواب : ایسے خواب کا انحصار خود انسانی خیالات پر ہوتا ہے جس طرح کہ کسی شخص کے خیالات و نظریات یا جسمانی تقاضے ہوتے ہیں۔ اس کو اسی قسم کے خواب نظر آتے ہیں۔

(۲) شیطانی خواب : بعض اوقات شیطان بھی انسان کے دل و دماغ میں کئی قسم کے توہمات ڈالتا رہتا ہے جو کسی شخص کو خواب میں نظر آتے ہیں۔

(۳) رحمانی خواب : اس قسم کے خواب اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک قسم کا القاء ہوتا ہے یہ خواب ہمیشہ سچے ہوتے ہیں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے کہ رُؤْیَا الْاَنْبِیَاءِ[1]

---

[1] نیز تفسیر مدارک للنسفی ص ۲۵/۴ میں بھی ہے رُؤْیَا الْاَنْبِیَاءِ وَحْیٌ فِی الْیَقْظَۃِ (فیاض)

وَحیٌ۔ (صفوۃ التفاسیر ج۲ ص۳۴) یعنی انبیاء علیہم السّلام کا خواب تو منجانب اللہ وحی کی ایک صورت ہوتی ہے۔ یا شاہ ولی اللہؒ کی حکمت کے مطابق کہ رحمانی خواب میں انسان کا تعلق عالمِ ملکوت کے ساتھ ہوتا ہے اس لیے ایسی حالت میں جو چیزیں خواب میں نظر آتی ہیں وہ واقعۃ الامر میں بھی ہوتی ہیں، ان کی کوئی حقیقت ہوتی ہے اور ایسے خواب سچے ہوتے ہیں۔

خواب کی تعبیر تاہم یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلینی چاہیئے کہ خواب کی حقیقت اور اس کی تعبیر کے درمیان خاص مناسبت ہوتی ہے۔ یہ ایک نہایت ہی باریک چیز ہے جس کو ماہر تعبیر خواب ہی بتا سکتا ہے۔ اسی لیے حضور خاتم النبیّین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے۔ لَا تُحَدِّثْ بِهَا اِلَّا لَبِيْبًا اَوْ حَبِيْبًا (ترمذی مع شمائل ص۳۳۱) یعنی اپنے خواب کا ذکر کسی مخلص دوست یا عقل مند آدمی کے سامنے کرو جو اس کا کوئی اچھا محمل نکال کر بتائیں گے۔ ہر ایرے غیرے کے سامنے خواب کا ذکر تمہیں پریشانی میں مبتلا کرسکتا ہے۔

خواب کا نتیجہ سچّے خواب کا نتیجہ کبھی جلدی ظاہر ہو جاتا ہے اور کبھی دیر سے نکلتا ہے۔ بخاری شریف کی ابتدائی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو پہلے پہل جو خواب آتے تھے وہ سچّے ہوتے تھے اور ان کا نتیجہ صبح کی طرح سامنے آجاتا تھا۔

بعض اوقات خواب کی تعبیر دیر سے نکلتی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السّلام نے بچپن میں خواب دیکھا تھا کہ گیارہ ستارے، سورج اور چاند اس کو سجدہ کر رہے ہیں مگر اس کی تعبیر چالیس سال کے بعد نکلی جب آپ کے گیارہ بھائی اور والدین آپ کو تعظیمی سجدہ کر رہے تھے۔ اسی کے متعلق اس وقت یوسف علیہ السّلام نے کہا تھا یٰاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ز (یوسف: ۱۰۰) ابّاجی! یہ ہے میرے اس خواب کی تعبیر جو میں نے بچپن میں دیکھا تھا اور جس کا ذکر آپ سے کیا تھا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ آپ بمع صحابہؓ بیت اللہ شریف کا طواف کر رہے ہیں آپ نے خیال کیا کہ ہم اسی سال عمرہ کی سعادت حاصل کریں گے۔ آپ چودہ سو صحابہؓ کی جماعت کے ساتھ ہدی کے جانوروں سمیت عمرہ کے لیے چل دیئے مگر مقامِ حدیبیہ سے آگے نہ جا سکے اور کفار کے ساتھ ایک معاہدہ کی رُو سے عمرہ ادا کیے بغیر واپس مدینہ طیبہ آ گئے۔ اس خواب کی تعبیر اگلے سال ظاہر ہوئی جب معاہدہ حدیبیہ کے مطابق آپ نے صحابہؓ سمیت عمرہ ادا کیا۔ بہر حال خواب کی تعبیر میں کبھی اشتباہ بھی ہو جاتا ہے۔ تاہم نبی کا خواب برحق ہوتا ہے جبکہ ایک عام آدمی کو اس کی گارنٹی حاصل نہیں ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السّلام اللہ کے جلیل القدر پیغمبر بلکہ جدّ الانبیاء ہیں انھوں نے خواب دیکھا کہ اپنے اکلوتے بیٹے اسمٰعیل علیہ السّلام کو ذبح کر رہے ہیں۔ انھوں نے اس خواب کو وحی الٰہی جانتے ہوئے بچے کی گردن پر چھری چلا دی مگر اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ بیٹے کی بجائے چھری مینڈھے کی گردن پر چل گئی اور اسمٰعیل علیہ السّلام کو اللہ نے بچا لیا۔ اُدھر اُوپر سے آواز آئی اے ابراہیمؑ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ (الصّافّات : ۱۰۵) آپ نے خواب کو سچّا کر دکھایا۔

خلافِ واقعہ صُورت میں زیارت

میں نے عرض کیا کہ خواب کی تعبیر ایک عام آدمی نہیں کر سکتا بلکہ تعبیر کے ماہر لوگ ہی صحیح تعبیر کر سکتے ہیں۔ مولانا محمد مظہر نانوتویؒ ہمارے اکابرین میں سے مولانا منیر نانوتویؒ کے بڑے بھائی، مفسّرِ قرآن اور بڑے عالم آدمی تھے۔ انھوں نے خواب دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نجیب آباد ریلوے سٹیشن پر ٹرین سے اُترے ہیں۔ آپ کی ہیئت یہ ہے کہ کوٹ پتلون میں ملبوس ہیں۔ سر پر ہیٹ ہے اور بالکل کلین شیو ہیں۔ مولانا یہ دیکھ کر سخت پریشان ہو گئے۔ اُس زمانے میں مولانا عبد الرب دہلویؒ ماہر تعبیر کے طور پر معروف تھے آپ فوراً اُن کے پاس پہنچے اور اپنا خواب بیان کیا۔ مولانا عبد الربؒ نے فرمایا کہ آپ پریشان نہ ہوں۔ اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ ابھی انگریز دیر تک برصغیر پر مسلّط رہے گا۔ چنانچہ

ایسا ہی ہوا۔ اس واقعہ کے تقریباً نوّے سال بعد برصغیر آزاد ہوا اور انگریزوں سے نجات حاصل ہوئی۔
اسی قسم کے خواب بعض دوسرے لوگوں کو بھی نظر آتے رہتے ہیں۔ بعض لوگوں کو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام خواب میں اچھی شکل وصورت میں نظر آتے ہیں اور بعض لوگوں کو ناشائستہ قسم کی شکل بھی نظر آتی ہے جو اُن کے لیے پریشانی کا باعث بنتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی ذات تو مقدّس ومطہر ہے۔ آپ کو غیر مناسب شکل وصورت میں دیکھنا دو وُجوہ سے ہوسکتا ہے۔ ایسے خواب کا مقصد بعض اوقات خواب دیکھنے والے کو تنبیہہ کرنا ہوتا ہے یا اُس کے ذاتی حالات ٹھیک نہیں ہوتے اور خواب دیکھنے والے میں نقص ہوتا ہے۔

خواب کے ذریعے بشارت

بعض اوقات یہ خواب انسان کے لیے بشارت بن جاتے ہیں ہمارے ساتھ پٹیالہ کے ایک صاحب پڑھتے تھے انکی پیدائش ایک سکھ گھرانے میں ہُوئی۔ بڑے ہوئے تو ڈاکو بن گئے۔ ان کو خواب میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی زیارت نصیب ہُوئی تو کایا پلٹ گئی اور اسلام قبول کرلیا۔

آج سے تقریباً پچاس سال قبل ایک مصری نومسلم ہر سال برصغیر میں آیا کرتا تھا، اور کسی عربی مترجم کے ساتھ کلکتہ سے پشاور تک دینِ اسلام کی تبلیغ کیا کرتا تھا اس کا اپنا بیان تھا کہ وہ مصر میں ایک عیسائی مبلغ کی حیثیت سے عیسائیت کی تبلیغ کرنے پر مامور تھا جس کے لیے اسے بڑی بھاری تنخواہ کے علاوہ دیگر سہولتیں بھی حاصل تھیں۔ ایک موقع پر اُسے خواب میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی زیارت نصیب ہُوئی اور اُس نے دیکھا کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی روشنی تمام روشنیوں پر غالب آگئی ہے۔ کہا کرتے تھے کہ اُس وقت اللہ نے میرا سینہ اسلام کے لیے کھول دیا، اسلام قبول کرلیا اور پھر نہایت جوش وجذبہ کے ساتھ اسلام کی تبلیغ شروع کردی۔ بہرحال یہ سچّا خواب ہی اُن کے لیے ہدایت کا باعث بن گیا۔

اسی طرح پاکستان کے مشہور ومعروف پروفیسر غازی احمد (سابق کرشن لال) کٹّر ہندو خاندان میں پیدا ہوئے۔ خواب میں نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی زیارت نصیب

ہوئی تو اُنکی ہدایت کا ذریعہ بن گئی۔ اس راہ میں انھوں نے والدین اور ہندو مت والوں کی طرف سے بڑی اذیتیں اُٹھائیں مگر اُن کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی انھوں نے اپنی درد بھری داستانِ قبولِ اسلام اپنی کتاب مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَی النُّوْرِ میں تحریر کی ہے جو کہ نہایت ہی معلومات افزا اور عبرت انگیز کتاب ہے۔

درس - ۵۸ حدیث - ۱

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ اَبِي اِسْحٰقَ عَنْ اَبِي الْاَحْوَصِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ رَاٰنِي فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَاٰنِي فَاِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَمَثَّلُ بِي ۔

(ترمذی مع شمائل ص۶۰۱)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے یہ حدیث محمد بن بشار نے بیان کی وہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے اسے عبدالرحمٰن بن مہدی نے روایت کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت سفیان نے ابی اسحٰق کے حوالے سے بیان کی۔ انھوں نے ابو الاحوص کے واسطہ سے نقل کی اور انھوں نے یہ حدیث صحابی رسول حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا کیونکہ شیطان میری شکل وصورت میں متمثل نہیں ہو سکتا۔"

تشریح اس باب کی پہلی حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ قول نقل کیا ہے کہ شیطان ہر شخص کی صورت میں لوگوں کو دھوکا دے سکتا ہے مگر اس کو میری شکل وصورت میں ظاہر ہونے پر قدرت نہیں ہے لہٰذا اگر کسی شخص کو خواب میں میری صورت نظر آئے تو اس کو یقین ہونا چاہیئے کہ اُسے میری ہی زیارت نصیب ہوئی ہے اگرچہ خواب دیکھنے والے کو میرا وہ حلیہ نظر نہ آئے جو میرا حقیقی حلیہ ہے بلکہ اگر ایسا حلیہ بھی دیکھے جو میری شان کے لائق نہ

ہو تو بھی اُسے جان لینا چاہیئے کہ اُس نے خواب میں مجھے ہی دیکھا ہے، کیونکہ شیطان میری شکل وصورت میں ظاہر نہیں ہو سکتا۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام کو خواب میں آپ کی شان کے خلاف نامناسب شکل وصورت میں یا تو بعض تاریخی حالات کی طرف اشارہ ہوتا ہے یا پھر خود خواب دیکھنے والے آدمی میں کوئی نقص ہوتا ہے جو کہ اصلاح طلب ہوتا ہے، لہٰذا اس کو اپنے حالات میں غور وفکر کر کے اپنی اصلاح کر لینی چاہیئے۔

ایک اشکال اس موقع پر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ خواب میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی زیارت کا دعویٰ ہر نیک و بد بلکہ فاسد العقیدہ لوگ بھی کرتے ہیں جن میں مشرک، بدعتی اور رافضی بھی شامل ہیں۔ اُن کا یہ دعویٰ بھی ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ان کے ساتھ بڑی شفقت ومحبت کا اظہار کیا ہے اور انعام واکرام سے نوازا ہے۔ یہ چیز بلاشبہ قابلِ اعتراض اور بعید از فہم معلوم ہوتی ہے۔ اس کے جواب میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے فرزند ارجمند، والد کے جانشین، عالم، فاضل، محدّث اور بہت سی کتابوں کے مصنّف، اردو زبان میں اوّلین مترجم قرآن شاہ رفیع الدینؒ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت چار قسم سے ہو سکتی ہے۔[1]

(۱) رؤیتِ الٰہی: اس سے ایسی زیارت مراد ہے جو کسی شخص کو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی بعینہٖ اصلی شکل وصورت میں ہوئی ہو، خواہ وہ حلیہ مبارکہ آپ کی عمر شریف کے کسی حصّہ کے ساتھ مطابقت رکھتا ہو۔ ایسی زیارت بالکل سچّی، صحیح اور خدائی رؤیت ہوتی ہے۔

(۲) رؤیتِ مَلَکی: اس قسم کی رؤیت حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی ذاتِ مبارکہ کی شباہت نہیں ہوتی بلکہ یہ آپ کے نسب مبارک، آپ کے دین یا آپ کی سنّت اور آپ کی تعلقات کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ یہ زیارت بھی برحق ہے

---

[1] جوابات سوالات اثنا عشر مجموعہ رسائل حصّہ اوّل ص۱۳ (فیاض)

کبھی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کسی دوسرے شخص کی شکل میں نظر آتے ہیں، اور دل گواہی دیتا ہے کہ یہ آپ ہی کی ذاتِ مبارکہ ہے۔ اس قسم کے سارے خواب رؤیت ملکی کی تعریف میں آتے ہیں۔

(۳) رؤیت نفسانی: اس قسم کی خواب میں انسان کو اُس کے اپنے خیالات اور اعتقادات ہی متشکل ہو کر نظر آتے ہیں۔ فاسد العقیدہ لوگ مشرک، بدعتی، رافضی وغیرہ جس زیارت کا دعویٰ کرتے ہیں، وہ اُنکے اپنے ہی اعتقاداتِ فاسدہ کا پرتو ہوتا ہے۔

(۴) رؤیت شیطانی: اس قسم کی رؤیت ممکن نہیں کہ شیطان آپ کی شکل وصورت میں متمثل ہو کر کسی کو خواب میں نظر آئے۔ اس حدیث میں اس بات کی نفی کی گئی ہے۔

ان چار اقسام کی رؤیت کو پیشِ نظر رکھیں گے تو پھر سارے اشکال دور ہو جائیں گے اور آپ جان لیں گے کہ فاسد العقیدہ لوگوں کی زیارت رؤیت نفسانی میں داخل ہے جس میں اُن کا اپنا فاسد عقیدہ متشکل ہو کر سامنے آجاتا ہے اور ایسے لوگ خوش ہو جاتے مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا۔ البتہ اہل حق کو رؤیت الٰہی یا رؤیت ملکی کا شرف حاصل ہوتا ہے۔ جبکہ چوتھی قسم رؤیتِ شیطانی کی نفی کی گئی ہے اور یہ ممکن ہی نہیں ہے۔

باب - ۵۶

شمائل ترمذی

حدیث - ۲

درس - ۵۸

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ اَبِیْ حُصَیْنٍ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ رَاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَاٰنِیْ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ لَا یَتَصَوَّرُ اَوْ قَالَ لَا یَتَشَبَّهُ بِیْ۔ (ترمذی مع شمائل صـ۶۰۲)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے یہ روایت محمد بن بشار اور محمد بن مثنیٰ نے بیان کی۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے اسے محمد بن جعفر نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے اسے شعبہ نے ابوحصین[1] کے حوالہ سے اور اُنھوں نے ابوصالح کے واسطہ سے بیان کیا۔ انھوں نے یہ روایت حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کی۔ وہ کہتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے خواب میں مجھے دیکھا اس نے بلاشبہ مجھے ہی دیکھا کیونکہ شیطان میری شکل میں متشکل نہیں ہو سکتا۔ (راوی کو شک ہے کہ آپ نے یتصور کہا یا یتشبہ کا لفظ استعمال کیا۔)

تشریح بہرحال معنیٰ واحد ہے کہ شیطان حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی صورت نہیں بنا سکتا۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی زیارت گزشتہ حدیث کی تشریح میں بیان کردہ پہلی تین اقسام میں سے کسی قسم سے ہو سکتی ہے جبکہ چوتھی قسم رؤیتِ شیطانی ممکن نہیں ہے۔

---

[1] احمد بن عبد اللہ بن یونس التیمی الکوفی (فیاض)

درس - ۵۸　　　　حدیث - ۳

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا خَلَفُ بْنُ خَلِيفَةَ عَنْ أَبِي مَالِكٍ الْأَشْجَعِيِّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ رَآنِي فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِي قَالَ أَبُو عِيسَى وَأَبُو مَالِكٍ هٰذَا هُوَ سَعْدُ بْنُ طَارِقِ بْنِ أَشْيَمَ وَطَارِقُ بْنُ أَشْيَمَ هُوَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ رَوٰى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَادِيثَ - وَسَمِعْتُ عَلِيَّ بْنَ حُجْرٍ يَقُولُ قَالَ خَلَفُ بْنُ خَلِيفَةَ رَأَيْتُ عَمْرَو بْنَ حُرَيْثٍ صَاحِبَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا غُلَامٌ صَغِيرٌ - (ترمذی مع شمائل ص۲۰)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے یہ حدیث قتیبہ نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے اسے خلف[1] بن خلیفہ نے ابو مالک اشجعی کے حوالہ سے بیان کیا۔ انھوں نے یہ روایت اپنے باپ سے نقل کی۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے حقیقتاً مجھے ہی دیکھا۔

امام ترمذیؒ وضاحت کرتے ہیں کہ اس حدیث کے راوی ابو مالک اشجعی سے مُراد سعد بن طارق بن اشیم ہیں جو کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے صحابہ میں سے ہیں۔ انھوں نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے کئی احادیث روایت کی ہیں۔

---

[1] ابن صاعد الاشجعی المتوفی سنہ ۱۸۱ھ - (فیاض)

(امام ترمذیؒ یہ بھی واضح کرتے ہیں) کہ مَیں نے علی بن حجر کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ خلف بن خلیفہ کہتے ہیں کہ مَیں نے صحابی رسول عمرو بن حریثؓ کو دیکھا ہے جب کہ مَیں ابھی چھوٹا بچہ تھا۔"

تشریح اس حدیث کا مضمون بھی پہلی دو احادیث کے مطابق ہی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا اُس نے مجھے ہی دیکھا کیونکہ شیطان میری شکل وصورت میں متشکل نہیں ہوسکتا۔ اس حدیث کی سند میں امام ترمذیؒ نے عمرو بن حریثؓ کی صحابیت اور خلف بن خلیفہ کی تابعیت کا ثبوت پیش کیا ہے۔

درس - ۵۸　　　　حدیث - ۴

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ هُوَابْنُ سَعِيْدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ اَنَّهُ سَمِعَ اَبَا هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ رَاٰنِيْ فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَاٰنِيْ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَمَثَّلُنِيْ قَالَ اَبِيْ فَحَدَّثْتُ بِهِ ابْنَ عَبَّاسٍ فَقُلْتُ قَدْ رَاَيْتُهُ فَذَكَرْتُ الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ فَقُلْتُ شَبَّهْتُهُ بِهِ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اِنَّهُ كَانَ يُشْبِهُهُ ۔　　　　(ترمذی مع شمائل ص۶۰۲)

ترجمہ: " امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے یہ حدیث قتیبہ بن سعید نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے اسے عبدالواحد[1] بن زیاد نے عاصم[2] بن کلیب کے واسطہ سے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ میرے سامنے میرے باپ نے بیان کیا کہ انھوں نے حضرت ابوہریرہؓ کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے خواب میں مجھے دیکھا اس نے گویا مجھے ہی دیکھا کیونکہ شیطان میرا شبیہ اختیار نہیں کرسکتا۔ کلیب کہتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کا تذکرہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے کیا کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خواب میں دیکھا ہے۔ پھر میں نے حضرت حسن بن علیؓ کا ذکر کیا کہ میں نے اللہ کے نبی کو اُن کی شکل وصورت کے مشابہ پایا ہے تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے تصدیق کی

---

[1] العبدی، المتوفی ۱۷۶ھ، [2] ابن شہاب الجرمی الکوفی المتوفی ۱۳۷ھ۔

کہ حضرت حسنؓ واقعی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے مشابہ تھے"۔

تشریح یہ حدیث بھی اس باب کی سابقہ روایات کی ہم معنی ہے اس میں صرف اس قدر اضافہ ہے کہ اس حدیث کے راوی کلیب کہتے ہیں کہ میں نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی تو انھیں حضرت حسنؓ کے مشابہ پایا۔ پھر جب میں نے اس خواب کا تذکرہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے سامنے کیا اور حضرت حسنؓ کی حضور کے ساتھ مشابہت کا ذکر کیا تو انھوں نے بھی تصدیق کی کہ واقعی حضرت حسنؓ نواسۂ رسول اپنے نانا کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے دونوں نواسوں حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کی شکل وصورت حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے ملنے کی تصدیق بعض دوسری روایات سے بھی ملتی ہے۔ بلکہ مشابہت کی یہاں تک بھی تصدیق ہوتی ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے جسم کے اوپر والے حصّے کو حضرت حسنؓ اور نیچے والے حصّے کو حضرت حسینؓ کے ساتھ مشابہت تھی۔ مطلب یہ ہے کہ حضرت ابنِ عباسؓ نے خواب میں دیکھے جانے والی صورت کی تصدیق کی کہ واقعی آپ کا حلیہ مبارکہ ایسا ہی تھا جیسا کہ خواب میں دیکھا گیا۔

باب - ۵۶

درس - ۵۹

حدیث - ۵

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ عَدِیٍّ وَ مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَا حَدَّثَنَا عَوْفُ بْنُ اَبِیْ جَمِیْلَةَ عَنْ یَزِیْدِ الْفَارِسِیِّ وَکَانَ یَکْتُبُ الْمَصَاحِفَ قَالَ رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی الْمَنَامِ زَمَنَ ابْنِ عَبَّاسٍ فَقُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ اِنِّیْ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی النَّوْمِ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقُوْلُ اِنَّ الشَّیْطَانَ لَا یَسْتَطِیْعُ اَنْ یَّتَشَبَّهَ بِیْ فَمَنْ رَاٰنِیْ فِی النَّوْمِ فَقَدْ رَاٰنِیْ هَلْ تَسْتَطِیْعُ اَنْ تَنْعَتَ هٰذَا الرَّجُلَ الَّذِیْ رَاَیْتَهٗ فِی النَّوْمِ قَالَ نَعَمْ اَنْعَتُ لَكَ رَجُلًا بَیْنَ الرَّجُلَیْنِ جِسْمُهٗ وَلَحْمُهٗ اَسْمَرُ اِلَی الْبَیَاضِ اَکْحَلُ الْعَیْنَیْنِ حَسَنُ الضِّحْكِ جَمِیْلُ دَوَائِرِ الْوَجْهِ قَدْ مَلَاَتْ لِحْیَتُهٗ مَا بَیْنَ هٰذِهٖ اِلٰی هٰذِهٖ قَدْ مَلَاَتْ نَحْرَهٗ قَالَ عَوْفٌ وَلَا اَدْرِیْ مَا کَانَ مَعَ هٰذَا النَّعْتِ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَوْ رَاَیْتَهٗ فِی الْیَقْظَةِ مَا اسْتَطَعْتَ اَنْ تَنْعَتَهٗ فَوْقَ هٰذَا۔

قَالَ اَبُوْ عِیْسٰی وَیَزِیْدُ الْفَارِسِیُّ هُوَ یَزِیْدُ بْنُ هُرْمُزَ وَهُوَ اَقْدَمُ مِنْ یَزِیْدَ الرَّقَاشِیِّ وَرَوٰی یَزِیْدُ الْفَارِسِیُّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَحَادِیْثَ وَیَزِیْدُ الرَّقَاشِیُّ لَمْ یُدْرِكِ ابْنَ عَبَّاسٍ وَهُوَ یَزِیْدُ

بْنُ اَبَانَ الرَّقَاشِیُّ وَھُوَ یَرْوِیْ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ وَیَزِیْدُ الْفَارِسِیُّ وَیَزِیْدُ الرُّقَاشِیُّ کِلَاھُمَا مِنْ اَھْلِ الْبَصْرَۃِ وَعَوْفُ بْنُ اَبِیْ جَمِیْلَۃَ ھُوَعَوْفُ الْاَعْرَابِیُّ حَدَّثَنَا اَبُوْدَاوٗدَ سُلَیْمَانُ بْنُ سَلْمٍ الْبَلْخِیُّ حَدَّثَنَا النَّضْرُ بْنُ شُمَیْلٍ قَالَ قَالَ عَوْفُ الْاَعْرَابِیُّ اَنَا اَکْبَرُ مِنْ قَتَادَۃَ۔ (ترمذی مع شمائل ص۶۰۲)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے یہ حدیث محمد بن بشارؒ نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے اسے ابن[1] ابی عدی اور محمد بن جعفر نے بیان کیا۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے یہ روایت عوف[2] بن ابی جمیلہ نے یزید[3] فارسی کے حوالہ سے بیان کی اور یزید فارسی کلام اللہ لکھا کرتے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے زمانے میں خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، اور میں نے عبداللہ بن عباسؓ سے ذکر کیا کہ میں نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام کی خواب میں زیارت کی ہے۔ تو ابن عباسؓ نے کہا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ شیطان اس بات کی طاقت نہیں رکھتا کہ وہ میری مشابہت اختیار کرسکے۔ لہٰذا جس شخص نے خواب میں میری زیارت کی اس نے بلاشبہ میری ہی زیارت کی۔ پھر حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے یزید فارسی سے کہا کہ جس شخصیت کو تم نے خواب میں دیکھا ہے اس کے کچھ اوصاف بیان کرسکتے ہو؟ انھوں نے جواب دیا، ہاں بیان کرسکتا ہوں، میں نے

---

[1] محمد بن ابراھیم بن ابی عدی، [2] الاعرابی العبدی البصری ثقۃ ثبت رمی بالقدر و بالتشیع المتوفی ۱۴۷ھ [3] ابن ھرمز المدنی اللیثی۔ (فیاض)

جس شخصیّت کی زیارت کی ہے وہ جسم اور قامت کے لحاظ سے دو آدمیوں کے درمیان ہیں۔ آپ کا رنگ مبارک سفیدی کی طرف مائل تھا۔ آپ کی آنکھیں سرگیں تھیں۔ آپ کی مسکراہٹ نہایت اچھی تھی۔ چہرے کے دائرے بہت حسین تھے۔ داڑھی مبارک گنجان تھی اور یہاں سے یہاں تک سینہ مبارک بھرا ہوا تھا۔ اس حدیث کے ایک راوی عوف کہتے ہیں کہ مجھے یاد نہیں رہا کہ میرے اُستاد یزید نے مزید کونسی صفات بیان کیں تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کہا کہ اگر تم حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو خواب کی بجائے بیداری میں بھی دیکھتے تو اس سے زیادہ حلیہ مبارک بیان نہ کر سکتے۔

اس روایت کو بیان کرنے کے بعد امام ترمذیؒ نے اس کے بعض راویوں کی شناخت بھی کرائی ہے۔ کہتے ہیں کہ اس حدیث کا راوی یزید فارسی یزید بن ہرمز ہے جو یزید رقاشی سے عمر میں بڑا ہے۔ یزید فارسی نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے کئی احادیث نقل کی ہیں۔ مگر یزید رقاشی نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا زمانہ نہیں پایا۔ البتہ یزید بن ابان رقاشی نے حضرت انس بن مالکؓ سے روایات نقل کی ہیں۔ یزید فارسی اور یزید رقاشی دونوں اہلِ بصرۃ میں سے تھے۔

اس حدیث کے ایک اور راوی عوف بن ابی جمیلۃ عوف اعرابی کے نام سے معروف تھے۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے ابوداؤد سلیمان بن سلم بلخی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس نضر بن شمیل نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ عوف اعرابی نے کہا کہ میں عمر میں قتادہ سے بڑا ہوں۔"

تشریح اس حدیث کے ایک راوی عوف بن ابی جمیلۃ ہیں جو درجہ دوئم کے راویوں میں شمار ہوتے ہیں۔ یہ حسن اور ابن سیرینؒ کے شاگردوں میں سے ہیں۔ یہ صاحب یزید فارسی سے روایت کرتے ہیں کَانَ یَکْتُبُ الْمَصَاحِفَ جن کا پیشہ قرآنِ پاک کی کتابت تھا۔ یہ کہتے ہیں کہ مَیں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی فِیْ زَمَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے زمانے میں۔ مطلب یہ ہے کہ خلفائے راشدینؓ کا زمانہ گزر چکا تھا۔ اس زمانے میں انھیں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی زیارت ہوئی جس کا ذکر انھوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے سامنے کیا جو اُس وقت تک عینِ حیات تھے، خود امام ترمذیؒ نے روایت کے آخر میں وضاحت کردی ہے کہ یزید فارسی اور یزید رقاشی دونوں تابعین میں سے ہیں۔ یزید فارسی نے حضرت ابنِ عباسؓ کا زمانہ پایا اور انکے سامنے اپنے خواب کا ذکر کیا بلکہ یزید رقاشی عُمر میں یزید فارسی سے بڑے تھے انھوں نے حضرت ابنِ عباسؓ کا زمانہ نہیں پایا بلکہ بعد میں آئے۔ البتہ ان دونوں کا مسکن بصرۃ تھا۔ یزید فارسی کی روایات حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہیں جبکہ یزید رقاشی حضرت انس بن مالکؓ سے روایات نقل کرتے ہیں۔

یزید فارسی نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے سامنے خواب میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی زیارت کا ذکر کیا تو انھوں نے پوچھا کہ تم نے خواب میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا حلیہ مبارک کیسا مشاہدہ کیا؟ اس پر یزید فارسی نے جو مختصر طور پر حلیہ مبارک بیان فرمایا وہ یوں ہے: رَجُلًا بَیْنَ الرَّجُلَیْنِ یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک اور قدوقامت درمیانہ تھا آپ نہ تو طویل القامت تھے اور نہ ہی کوتاہ قامت بلکہ آپ کا قد مبارک درمیانہ مگر کسی قدر طوالت کی طرف مائل تھا۔ پھر راوی نے رنگ مبارک کے متعلق بتلایا کہ اَسْمَرَ اِلَی الْبَیَاضِ یعنی نہ تو آپ کا رنگ گہرا گندمی تھا اور نہ ہی زیادہ سفید، بلکہ آپ کا رنگ مبارک گندم گوں مگر قدرے سفیدی کی طرف مائل تھا۔ آپ اَکْحَلَ الْعَیْنَیْنِ تھے یعنی آپ کی

آنکھیں سُرمگین تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ نے آنکھوں میں سرمہ لگا رکھا ہے آپ سرمہ بھی استعمال کرتے تھے مگر قدرتی طور پر بھی آپ کی آنکھیں ایسی تھیں جیسے کسی نے سُرمہ لگا رکھا ہو۔ حَسَنَ الضِّحْكِ آپ خوش مسکراہٹ تھے یعنی اعضائے مسکراہٹ دانت اور لب مبارک وغیرہ نہایت خوب صورت تھے جَمِيْلُ دَوَائِرِ الْوَجْهِ چہرے کے خدوخال نہایت خوب صورت تھے۔ قَدْ مَلَأَتْ لِحْيَتُهُ آپکی داڑھی مبارک خوب گھنی تھی جس نے سینے تک کے کچھ حصے کو گھیر رکھا تھا حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا یہ حلیہ مبارک سن کر حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے تصدیق کی کہ واقعی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم انہی صفاتِ کاملہ کے حامل تھے اور ساتھ یزید فارسی سے کہا، یہ حلیہ تو تم نے خواب میں دیکھ کر بیان کیا ہے لَوْ رَأَيْتَهُ فِي الْيَقْظَةِ اگر تم حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو بیداری میں بھی دیکھتے تو اس سے زیادہ بیان نہ کر سکتے۔ مطلب یہ کہ آپ کا حلیہ مبارک بالکل ایسا ہی تھا۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اَبِی الزِّنَادِ حَدَّثَنَا یَعْقُوْبُ بْنُ اِبْرَاهِیْمَ بْنِ سَعْدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ اَخِی ابْنِ شِهَابِ الزُّهْرِیِّ عَنْ عَمِّهٖ قَالَ قَالَ اَبُوْسَلَمَةَ قَالَ اَبُوْقَتَادَةَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ رَاٰنِیْ یَعْنِیْ فِی النَّوْمِ فَقَدْ رَاَی الْحَقَّ۔ (ترمذی مع شمائل ص۶۰۲)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے یہ حدیث عبد اللہ ابن ابی زناد نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے اسے یعقوب بن ابراہیم بن سعد نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے یہ روایت ابن[1] اخی ابن شہاب زہری نے اپنے چچا (ابن شہاب الزہری) کے واسطہ سے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ابوسلمہ نے یوں کہا، اور ابوسلمہ کہتے ہیں کہ ابوقتادہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے مجھے نیند کی حالت (خواب) میں دیکھا تو اس نے واقعۃ الامر کو دیکھا۔"

تشریح | مطلب یہ ہے کہ خواب کے دوران اگر کسی شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کو دیکھا تو اسے یقین کر لینا چاہیئے کہ اس نے آپ ہی کی ذات کی زیارت کی۔ گزشتہ روایات میں گزر چکا ہے کہ شیطان دیگر ہر شخص کی شکل وصورت میں متمثل ہو سکتا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ قدرت نہیں دی کہ وہ نبی آخر الزّمان کی شکل وصورت کے مشابہ بن کر کسی اہلِ ایمان کو دھوکا دے سکے الغرضیکہ جب خواب دیکھنے والے کے دل میں یہ بات آجائے کہ وہ حضور علیہ الصّلوٰة

---

[1] محمد بن عبداللہ (فیاض)

والسّلام کی زیارت سے مشرف ہو رہا ہے تو پھر اُسے یقین ہو جانا چاہیئے کہ یہ آپ ہی کی ذات ہے خواہ دورانِ خواب دیکھی جانے والی شکل وصورت حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی حقیقی شکل وصورت کے ساتھ مناسبت نہ رکھتی ہو۔ غیر مناسب حلیہ میں دیکھنے کی توجیہات مَیں نے گزشتہ احادیث کی تشریح میں بیان کر دی ہیں۔

ملا علی قاریؒ نے جمع الوسائل صـ۲۳۳/ج۲ میں ایک حیرت انگیز بات بیان کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی وفات کے بعد کسی موقع پر کسی امّ المؤمنینؓ کے گھر گئے۔ امّ المؤمنینؓ کے پاس حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے استعمال میں آنے والا ایک آئینہ تھا جو انھوں نے تبرک کے طور پر رکھ لیا تھا امّ المؤمنینؓ نے حضرت ابنِ عباسؓ کو وہ شیشہ دکھایا۔ جب انھوں نے اس آئینہ میں دیکھا تو ابن عباسؓ کو اپنی شکل کی بجائے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی شکل نظر آئی۔ سبحان اللہ! یہ نبیؐ کا معجزہ یا ابنِ عباسؓ کی کرامت ہی ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم۔

درس - ۵۹　　　　حدیث - ۷

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَخْبَرَنَا مُعَلَّى بْنُ اَسَدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ الْمُخْتَارِ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ رَاٰنِىْ فِى الْمَنَامِ فَقَدْ رَاٰنِىْ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَخَيَّلُ بِىْ قَالَ وَرُءْيَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِّنْ سِتَّةٍ وَّ اَرْبَعِيْنَ جُزْءًا مِّنَ النُّبُوَّةِ۔ (ترمذی مع شمائل ص۶۰۲)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے یہ حدیث عبداللہ بن عبدالرحمن نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی معلّیٰ[1] بن اسد نے، وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت عبدالعزیزؒ[2] بن مختار نے بیان کی۔ انھوں نے یہ روایت ثابت سے حضرت انس بن مالکؓ کے حوالہ سے بیان کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے مجھے خواب میں دیکھا اُس نے بلاشبہ میری ہی زیارت کی۔ کیونکہ شیطان میری شکل وصورت میں ظاہر نہیں ہوسکتا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ایک مؤمن کا خواب نبوّت کے چھیالیس[۴۶] اجزاء میں سے ایک جزو ہوتا ہے۔"

تشریح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت سے متعلق شمائل ترمذی کے آخری باب کی یہ آخری روایت ہے جس میں حضرت انسؓ نے وہی حقیقت بیان کی ہے جو انھوں نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی زبانِ مبارک سے سُنی کہ جس شخص نے خواب میں حضور نبی کریم رؤف الرحیم کی زیارت کی اس نے حقیقت میں آپ ہی کی زیارت کی کیونکہ شیطان کو یہ قدرت نہیں کہ

---

[1] ابوالھیثم العمی البصری المتوفی ۲۱۸ھ [2] البصری الدباغ۔ (فیاض)

وہ آپ کی شکل میں متمثل یا متشکل ہو کر کسی مؤمن آدمی کو دھوکہ دے سکے۔

اس روایت میں گزشتہ روایات کے مقابلہ میں ایک زائد بات یہ بھی ہے کہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا رُءْیَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِّنْ سِتَّةٍ وَّ اَرْبَعِیْنَ جُزْءًا مِّنَ النُّبُوَّۃِ یعنی ایک مؤمن آدمی کا خواب نبوّت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزو ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نیک اور صالح آدمی کا خواب سچّا ہوتا ہے جس کو نبوت کے ۴۶ اجزاء میں سے ایک جزو کے ساتھ نسبت کی گئی ہے بعض محدثین اس بات کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ نبوت کے چھیالیس اچھّے خصائل میں سے خواب بھی ایک اچھی خصلت ہے۔ اس سے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی نبوّت سے قبل[1] کے چھ ماہ بھی مراد ہو سکتے ہیں جن میں آپ کو سچّے خواب نظر آتے تھے۔ واللہ اعلم۔

---

[1] نبوت کا زمانہ ۲۳ سال ہے جس کی ۴۶ ششماہیاں ہوتی ہیں پہلے چھ ماہ رؤیا صادقہ ہیں۔ (فیاض)

باب - ۵۶
حدیث - ۸

شمائل ترمذی
درس - ۵۹

دو بیش قیمت نصیحتیں

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی سیرت طیبہ اور اس سے متعلقات کے اسباق ختم ہوئے۔ آخر میں امام ترمذیؒ نے دو روایات نقل کی ہیں جو درحقیقت امت مسلمہ کے افراد کے لیے دو بیش قیمت نصیحتیں ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ امام ترمذیؒ کو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی امّت کے ساتھ کس طرح ہمدردی تھی۔ آپ نے یہ آخری دو روایات کتاب کے آخر میں جمع کر کے حقِ خیر خواہی ادا کر دیا ہے۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ قَالَ سَمِعْتُ اَبِیْ يَقُوْلُ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَكِ[1] اِذَا ابْتُلِيْتَ بِالْقَضَاءِ فَعَلَيْكَ بِالْاَثَرِ۔ (ترمذی مع شمائل ص۶۰۲)

ترجمہ: امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت محمد بن علی نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ عبداللہؒ بن مبارک نے کہا کہ اگر تمھیں قاضی بنا دیا جائے تو اثر کو لازم پکڑنا۔"

تشریح امام ترمذیؒ نے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا قول نقل کیا ہے۔ یہ بزرگ ائمہ حدیث میں سے ہیں۔ ان کا شمار فقہاء اور صوفیاء میں بھی ہوتا ہے بڑے عابد اور زاہد آدمی تھے۔ آپ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد اور امام بخاریؒ کے اساتذہ میں سے ہیں۔ تاریخ کی کتابوں میں آپ کے بڑے فضائل آئے ہیں۔ اُنھوں نے

---

[1] ابن واضح الحنظلی التمیمی ابوہ ترکی مولی تاجر وامہ خوارزمیۃ المتولد ۱۱۸ھ والمتوفی ۱۸۱ھ (فیاض)

اُمّتِ مسلمہ کے لوگوں کو ایک نصیحت کی ہے اِذَا ابْتُلِیْتَ بِالْقَضَآءِ فَعَلَیْکَ بِالْاَثَرِ کہ اگر تمھیں کسی وقت عہدۂ قضا پر فائز کر دیا جائے تو اپنے اوپر اثر کو لازم کر لینا۔ اثر کا اطلاق حدیث پر بھی ہوتا ہے اور صحابہؓ اور تابعینؒ کے اقوال و افعال پر بھی۔ تو عبداللہ بن مبارکؒ کہتے ہیں کہ اگر تمھیں قاضی یا جج بننے کا موقع ملے تو پھر ہر فیصلہ اپنے اجتہاد کے مطابق نہ کرنا بلکہ سب سے پہلے قرآن و سنّت کی نص کے مطابق فیصلہ کرنا۔ اور اگر وہاں سے راہنمائی حاصل نہ کر سکو تو پھر آثار صحابہؓ اور تابعینؒ میں غور کر لینا کہ انھوں نے اس قسم کے معاملات میں کونسا حل اختیار کیا ہے اور پھر انہی آثار کو مدّنظر رکھ کر مقدمہ کا فیصلہ کرنا ورنہ گمراہی کا خطرہ ہے۔ اگر آثار کو لازم پکڑو گے تو بہت سی مشکلات آسان ہو جائیں گی، لہٰذا اثر (خاص طور پر حدیث) کو نظر انداز نہ کرنا۔ مطلب یہ ہے کہ کسی غیر معقول بات کا سہارا نہ لینا بلکہ حدیث، آثارِ صحابہؓ، تابعینؒ اور دیگر سلف کے آثار سے راہنمائی حاصل کر کے فیصلہ کرنا۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا النَّضْرُ اَخْبَرَنَا ابْنُ عَوْفٍ عَنِ ابْنِ سِيْرِيْنَ قَالَ هٰذَا الْحَدِيْثُ دِيْنٌ فَانْظُرُوْا عَمَّنْ تَاْخُذُوْنَ دِيْنَكُمْ (ترمذی مع شمائل ص۶۰۲)

ترجمہ: "امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے یہ روایت محمد بن علی نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اسے نضر نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی خبر ابنِ عوف نے دی۔ انھوں نے اسے ابنِ سیرین سے نقل کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ حدیث کا یہ علم دین ہے۔ لہٰذا یہ علم حاصل کرنے سے پہلے دیکھ لو کہ تم یہ علم کس شخص سے حاصل کر رہے ہو۔"

تشریح: یہ دوسری نصیحت امام ابنِ سیرینؒ کا قول ہے جو امام حسن بصریؒ کی طرح سیّد التابعین ہیں آپ بہت بڑے محدث، فقیہہ مجتہد ہوئے ہیں۔ آپ نے حضور علیہ السّلام کے صحابہؓ سے تربیت حاصل کی۔ وہ نصیحت کرتے ہیں، هٰذَا الْحَدِيْثُ دِيْنٌ علمِ حدیث دراصل دین کا ایک اہم جزو ہے۔ دین کا مدار بہت حد تک حدیث پر ہے۔ لہٰذا اس کے حصول میں بھی بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ اگر دین کا علم یعنی قرآن و حدیث اور دیگر علومِ دینیہ کسی اچھّے اور دین دار عالم سے حاصل کیے جائیں گے تو یہ علم مفید ہوگا اور دنیا و آخرت میں کامیابی کا ذریعہ بنے گا اور اگر یہی علم کسی دُنیا دار، لالچی اور کم فہم شخصیّت سے حاصل کیا جائے گا تو یہ مفید ہونے کی بجائے مضر بھی ثابت ہو سکتا ہے جس سے دُنیا اور آخرت دونوں جہاں خراب ہو سکتے ہیں۔ اسی لیے امام ابنِ سیرینؒ نے نصیحت فرمائی ہے کہ جب دین کا علم حاصل کرنا چاہو فَانْظُرُوْا عَمَّنْ تَاْخُذُوْنَ دِيْنَكُمْ تو اچھی طرح دیکھ بھال کر لو کہ تم یہ علم کس شخص سے حاصل کر رہے ہو مطلب یہ ہے کہ دین کا علم ہمیشہ ثقہ لوگوں

سے حاصل کرنا چاہیئے جن کا عقیدہ، عمل اور فکر صحیح ہو۔ اگر یہ قیمتی چیز بدعقیدہ اور بدعمل لوگوں کے ذریعے حاصل کروگے تو تمہارے ذہن میں اس کے غلط نقوش ہی ثبت ہوں گے جو تمہاری ہلاکت کا باعث بن سکتے ہیں۔

یہ دراصل ایک مرفوع حدیث ہے جس کا مکمل متن محدثین نے اس طرح نقل کیا ہے۔ اِنَّ هٰذَا الْحَدِيْثَ دِيْنٌ وَالصَّلٰوةُ دِيْنٌ فَانْظُرُوْا عَمَّنْ تَاْخُذُوْنَ هٰذَا الْعِلْمَ وَكَيْفَ تُصَلُّوْنَ هٰذَا الصَّلٰوةَ فَاِنَّكُمْ تُسْئَلُوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (جمع الوسائل ص۲۴/۲) علم حدیث بھی دین ہے اور نماز بھی دین ہے لہٰذا اچھی طرح دیکھ لو کہ یہ علم تم کن لوگوں سے حاصل کر رہے ہو اور نماز کس طریقے سے ادا کر رہے ہو، کیونکہ ان کے متعلق قیامت والے دن تم سے پوچھا جائے گا۔ لہٰذا علم دین ثقہ لوگوں سے حاصل کرو اور نماز نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی سُنّت کے مطابق ادا کرو۔

اختتامی کلمات

کتاب شمائلِ ترمذی کے اسباق کی تدریس مکمل ہوئی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ آپ لوگوں نے مجھ گنہگار سے یہ کتاب پڑھی ہے۔ میری تو حیثیت ہی کچھ نہیں، خدا جانتا ہے کہ مَیں تو اجہل اور بے عمل ہوں بلکہ کوتاہیوں کا مجموعہ ہوں۔ تاہم خدا تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میرے سلسلے کے سارے بزرگ ثقہ تھے جن سے ہم نے یہ دین حاصل کیا خاص طور پر شمائل ترمذی کے ہمارے شیخ، شیخ الفقہ والادب حضرت مولٰنا اعزاز علیؒ ہیں جو اپنے دَور کے نہایت ہی متدین عالم، فقیہہ، محدّث اور امانتدار شخصیّت تھے۔ اُن کے استاذ حضرت مولٰنا شیخ الہند محمود الحسنؒ دیوبندی تھے جنکی ثقاہت و دین داری قابلِ رشک ہے۔ میرے سوائے ہمارے سلسلہ کے اب تک کے تمام شیوخ ثقہ تھے۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کے درجات بلند فرمائے اور مجھ جیسے گنہگار کی کوتاہیوں سے درگزر فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دینِ

حق کی سمجھ عطا فرمائے۔ اس پر چلنے کی توفیق بخشے اور ہم سب کا خاتمہ ایمان پر فرمائے۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ اَفْضَلِ الْاَنْبِیَآءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی جَمِیْعِ اَصْحَابِہٖ وَاَزْوَاجِہٖ اُمَّھَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ وَاَتْبَاعِہٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔

مولانا حاجی محمد فیاض خان سواتی کی تصانیف

(۱) احکام حج مع زیارات مکہ مکرمہ ومدینہ منورہ	قیمت ۱۸ روپے
(۲) احکام عمرہ مع زیارات مکہ مکرمہ ومدینہ منورہ	قیمت ۱۵ روپے
(۳) احکام رمضان	قیمت ۸ روپے
(۴) احکام قربانی	قیمت ۵ روپے
(۵) حی علی الفلاح (نماز مسنون پر غیر مقلدین کے اعتراضات کے جوابات)	قیمت ۱۴ روپے
(۶) تحریک جامع مسجد نور (مدرسہ نصرۃ العلوم)	قیمت ۳۰ روپے
(۷) اصطلاحات تیسیر المنطق	قیمت ۶ روپے
(۸) نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کا ثبوت	قیمت ۵ روپے
(۹) نام نہاد اہلحدیث کی گالیوں کے جواب میں	قیمت ۳ روپے
(۱۰) امام اعظم ابوحنیفہؒ ' عزم واستقلال ' تابعیت ' صحابہ کرامؓ سے روایات	قیمت ۵ روپے
(۱۱) امام محمدؒ اور ان کی کتب کا اجمالی تعارف	قیمت ۴ روپے
(۱۲) بیس تراویح	قیمت ۵ روپے
(۱۳) الامام الزھری (اولین مدونین حدیث میں سے بلند پایہ امام)	قیمت ۷ روپے
(۱۴) اسلام میں خواتین کا مقام تعلیم و تبلیغ	قیمت ۵ روپے
(۱۵) مقالات سواتی حصہ اول	قیمت ۹۰ روپے
(۱۶) نور وبشر	قیمت ۲۱ روپے
(۱۷) ترمذی شریف مع اردو ترجمہ وشرح ابواب البیوع	قیمت ۱۳۰روپے